۷۸۶
۹۲-۱۱۰
یا صاحب الزماں ادرکنی

Knowledge for All
SABIL-E-SAKINA

DVD Version

لبیک یا حُسینؑ

خصوصی تعاون: نذر عباس
رضوان رضوی

اسلامی کُتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری۔

SABEEL-E-SAKINA
Unit#8,
Latifabad Hyderabad
Sindh, Pakistan.
www.sabeelesakina.co.cc
sabeelesakina@gmail.com

www.ziaraat.com

NOT FOR COMMERCIAL USE

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ھیں

مو منین بھی اس سے استفادہ حاصل کر سکتے ھیں.

منجانب.

سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان

شیعیت کی جیت

زُبدةُ العلماء فخرالمحققین، رئیس
المناظرین حضرتِ علامہ آقائی سید علی حیدر نقوی طاب ثراہ

ناشر
نظامی پریس بکڈپو، وکٹوریہ سٹریٹ لکھنؤ

جملہ حقوق محفوظ ہیں

کتاب ——— شیعیت کی جیت

مؤلف ——— علامہ آقائی سید علی حید رنقوی

ایڈیشن ——— 2008ء

ہدیہ ——— =/275روپے

ملنے کا پتہ

عباس بک ایجنسی لکھنؤ (انڈیا)

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست

پہلا باب — 31
حضرت امام حسینؑ کے نام کے ساتھ علیہ السلام کہنا

دوسرا باب — 49
حضرت امام حسینؑ اور دوسرے آل محمدؑ کے نام پر صلوٰت اللہ علیہ کہنا

تیسرا باب — 63
مصیبت میں حضرت محمدؐ اور آپ کی آل پاکؑ سے توسل کا اثر

چوتھا باب — 68
اہلِ بیتؑ سے کون لوگ مراد ہیں؟

پانچواں باب — 93
آل محمدؑ پر درود بھیج کر دعا کرنے کا نتیجہ

چھٹا باب — 98
حضرت اہل بیتؑ کا ہر گناہ سے معصوم ہونا

ساتواں باب — 110
جوانانِ اہل بہشت کے سردار کون؟

آٹھواں باب — 114
حضرت امام حسینؑ اور حضرت امام حسنؑ کا فرزندانِ رسولؐ ہونا

نواں باب — 132
حضرت علیؑ کل انبیاء ومرسلین سے افضل ہیں

دسواں باب — 137
مجلس کے فضائل

مصنف تحفہ شاہ عبدالعزیز صاحب کا ایک گراں قدر مکتوب — 145
عزاداری ومجالس کے متعلق

ترجمہ کا ثبوت	148
گیارھواں باب	152
دریا آباد کی مجلس شب ۱۵ ماہِ صیام	
بارھواں باب	156
آریوں سے لکھنوی مولانا صاحب کا مناظرہ	
تیرھواں باب	160
حدیث حسین منی وانا من الحسینؑ کا مطلب	
چودھواں باب	170
حدیث انا من الحسینؑ کا دوسرا مطلب	
پندرھواں باب	181
امام حسینؑ کی شہادت کی پیش گوئیاں	
سولھواں باب	197
کیا امام حسینؑ یقیناً شہید ہوئے	
سترھواں باب	220
زیارت امام حسینؑ کا اثر' اسکے مستحب ہونے کی بحث' زمین کربلا کی فضیلت	
اٹھارھواں باب	261
امام بارگاہ بنوانے کی ضرورت	
انیسواں باب	273
واقعہ شہادت کربلا کا متواتر ہونا	
بیسواں باب	280
کتب حدیث میں تذکرہ کربلا اور خواب کی عظمت	
اکیسواں باب	289
قرآن مجید میں شہادت حسینؑ کا اشارہ ذبح عظیم کی تحقیق	
بائیسواں باب	312
واقعہ کربلا اور محققین یورپ	

345 تیئسواں باب
قاتلانِ حسینؓ کون؟

368 چوبیسواں باب
کیا قاتلانِ امام حسینؓ شیعہ تھے؟

387 پچیسواں باب
کیا امام حسینؓ نے یزید سے بغاوت کی؟

398 چھبیسواں باب
یزید کے فضائل کی بحث' یزید کی نبوت

412 ستائیسواں باب
یزید کے کفر اور خلافت کی بحث

429 اٹھائیسواں باب
قاتلانِ حسینؓ کا عذاب

434 انتیسواں باب
وہ قدرتی آثار جو واقعہ کربلا کے بعد ظاہر ہوئے

437 تیسواں باب
کیا امام حسینؓ نے معاویہ کی بیعت کی تھی؟

448 اکتیسواں باب
امام حسینؓ کی شجاعت

454 بتیسواں باب
یزیدی لشکر کی تعداد اور لشکر حسینؓ کی شجاعت

457 تینتسواں باب
سید الشہداء کون؟

462 چونتیسواں باب
کیا شہادت حسینؓ پر رونا منع یا مکروہ ہے؟

479 پینتسواں باب
کیا میت پر نوحہ و ماتم کرنا ممنوع اور حرام ہیں؟

چھتیسواں باب — 484
کیا شہادت امام حسینؓ پر گریہ و بکا اور نوحہ و ماتم کے عوض
فخر و مباہات اور خوشی کرنی چاہیے؟

سینتسواں باب — 501
غم حسینؓ میں رونے کا ثواب

اڑتیسواں باب — 505
کیا امام حسینؓ پر تباکی کرنا چاہیے؟

انتالیسواں باب — 508
کیا کتب شیعہ میں امام حسینؓ پر نوحہ و ماتم کرنے کو منع کیا گیا ہے؟

چالیسواں باب — 513
کیا بازاروں میں نوحہ و مرثیہ پڑھنا اور ماتم کرنا مناسب ہے؟

اکتالیسواں باب — 519
تعزیہ بنانا جائز ہے یا نہیں من قبر او مثل مثاہ کا مطلب

بیالیسواں باب — 524
تاریخ تعزیہ ...... اور اس کے اغراض و مقاصد

تینتالیسواں باب — 527
قرآن مجید سے تعزیہ کا ثبوت

چوالیسواں باب — 530
کیا تعزیہ کی تعظیم کرنی چاہیے ..... کیا تعزیہ شعائر اللہ میں داخل ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا و

مولانا ابی القاسم محمد و آلہ الطاہرین

احقر علی حیدر عفی عنہ ابن حضرت حجۃ الاسلام والمسلمین ظہیر الایمان والمومنین فخر المحققین وصدر المتکلمین مولانا السید علی اظہر صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ عرض کرتا ہے کہ حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کے (۱) فضائل و مناقب (۲) آپ کے فرزند رسول خدا ہونے (۳) آپ کے بیعت یزید سے انکار کرنے (۴) حضرت علیہ السلام کے قتل کے لئے یزید کے حکم دینے (۵) حضرت امام حسین علیہ السلام نے تقیہ کر کے بیعت یزید نہ کرنے (۶) اسلام کی حفاظت کے لئے حضرت علیہ السلام کا مکہ معظمہ سے کوفہ روانہ ہونے (۷) کربلائے معلیٰ میں کمال صبر و استقلال و پابندی حق و جوہر شجاعت دکھانے کے بعد حضرتؑ کے شہید ہونے (۸) شہادت سے حضرتؑ کے اغراض و مقاصد (۹) حضرتؑ کے سید الشہداء ہونے (۱۰) اہلبیت طاہرین علیہم السلام کی اسیری و بے پردگی (۱۱) ابن سعد، ابن زیاد اور یزید کے مظالم (۱۲) شہداء کربلا کے درجات (۱۳) حضرتؑ کے قاتلوں کے مذہب کی تحقیق کہ وہ شیعہ تھے یا سنی (۱۴) ان سزاؤں کے بیان جو حضرتؑ کے قاتلوں کو دنیا میں بھی ملیں (۱۵) ان حضرات پر گریہ و بکا کرنے (۱۶) یکم محرم سے 20 صفر تک سال نو کی خوشی کرنے کے عوض ایام غم منانے (۱۷) ماہ محرم کی حرمت (۱۸) مجالس امام حسین علیہ السلام و ذکر شہداء کربلا (۱۹) تعزیہ بنانے، رکھنے، اور اس کا احترام کرنے (۲۰) نوحہ و ماتم کرنے، سر پر خاک اُڑانے' دلدل' تابوت' علم' سپر اور دوسری شبیہیں نکالنے (۲۱) عاشوراء کو روزہ نہ رکھنے بلکہ اس کے عوض فاقہ کرنے (۲۲) واقعات کربلاء و کوفہ و شام کے ذکر کرنے اور سننے سے انسانی اخلاق میں ترقی ہونے (۲۳) معجزات و کرامات تعزیہ و عزاداری وغیرہ (۲۴) عزاداری سے دین اسلام کے محفوظ رہنے بلکہ زندہ ہونے (۲۵) امام بارگاہوں اور

کربلاؤں کی تعظیم کرنے (۲۶) روز عاشوراء بعض تسبیحوں کے سرخ ہو جانے (۲۷) یزید پر لعنت اور قاتلانِ شہداء کربلاء پر تبراء کرنے (۲۸) قومی ترقی کے لئے کل مسلمانوں کے مل کر عزاداری میں ترقی دینے (۲۹) واقعہ کربلاء اور رسوم عزاداری پر محققین یورپ کے خیالات (۳۰) عزاداری میں غیر مسلم قوموں کی شرکت وغیرہ امور کے متعلق بعض متعصب (اہلحدیث' ناصبی اور خارجی) جماعتیں برابر متعدد اعتراضات کرتی اور مختلف کتابیں' رسالے' اشتہارات اور اخباروں میں مضامین شائع کر کے مخالفت کرتی رہتی ہیں۔ وہ اسلام کی اس روح افزا عبادت کے روکنے میں کسی کوشش سے باز نہیں رہتیں بلکہ ان جماعتوں کے وہ حضرات بھی جو یورپ اور ہندوستان میں اعلیٰ درجہ کی مغربی تعلیم حاصل کر کے بی۔اے' ایم۔اے نیز ڈاکٹری' بیرسٹری کی سندیں پاکر بظاہر مذہبی پابندیوں سے دور سمجھے جاتے ہیں، عزاداری کی مخالفت اور بنی امیہ کی حمایت میں ویسے ہی مستعد ہو جاتے ہیں، جیسے جاہل طبقہ یا متعصب علماء سے ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔اگرچہ حق پسند علماء اسلام برابر ہر قسم کے شکوک وشبہات کی تحقیق اور جملہ اعتراضات کے جواب میں چھوٹی کتابیں' متفرق رسالے اور اخباروں میں مفصل اور تشفی بخش مضامین شائع کرتے رہتے ہیں۔مثلاً رسالہ اصلاح کھجواہی میں دوسو سے زیادہ مضامین ان امور کے متعلق لکھے گئے۔

جن کے حسب ذیل مضامین بہت تحقیق و جامعیت سے مرتب ہوئے اور اس مسئلہ کے متعلق بہترین معلومات کا نہایت قیمتی ذخیرہ ہیں۔

۱۳۱۶ ہجری میں (محرم الحرام) ۱۳۱۷ ہجری میں ۲ تاریخ عطش بنی ہاشم۔

۱۳۱۹ ہجری میں مرزا حیرت دہلوی ایڈیٹر کرزن گزٹ دہلی نے یہ جدید تجویز پیش کی کہ ہر محرم میں مسلمانوں کو عید نوروز کرنی چاہیے (۳) اس کا مفصل جواب۔

۱۳۲۰، ۲۱، ۲۳ ہجری میں مضامین (۴) ''واقعاتِ کربلا کا اثر اخلاق پر'' لکھ کر دکھایا گیا کہ ان واقعات کے بیان کرنے اور سننے سے انسان کے اخلاق میں اعلیٰ درجہ کی ترقی ہوتی ہے (۵) مضمون ''تقسیم عاشوراء'' لکھ کر دکھایا گیا کہ مسلمانوں سے کون لوگ اور کیوں اس روز غم

کرتے اور کون جماعتیں کس وجہ سے اس عبادت سے علیحدہ رہتی ہیں (۶) حقیقت تبرا ۱۳۲۲ء ہجری میں (۷) فضائل ماتم وعزاداری (۸) شہادت امام حسین علیہ السلام کی نسبت ایک سچی رائے اور اس کی غلطی (۹) اصلاح عزاء (۱۰) اعزاداری سے فقہ جعفریہ کی حیرت انگیز ترقی جو ایک فرانسیسی مورخ ڈاکٹر جوزف کی تحقیق کا ترجمہ ہے (۱۱) مضمون اصلاحِ عزاء پر ریمارک۔

۱۳۲۳ ہجری میں (۱۲) مضمون فرقہ شیعہ کی حیرت انگیز ترقی اور اس کی شرح (۱۳) محرم الحرام اور رسوم (۱۴) مرزا حیرت نے امام حسین علیہ السلام کی شہادت سے انکار کیا تو اس کے جواب میں کئی مضامین (۱۵) محرم کا ماتم (۱۶) صحابہ اور اہلسنت کا امام برحق یزید (۱۷) فرقہ شیعہ کی حیرت انگیز ترقی یا تنزلی۔

۱۳۲۴ ہجری میں (۱۸) مضمون ''اہلسنت بھی سب تبرائی ہیں'' (۱۹) ماتم کرنا (۲۰) مرثیہ خوانی (۲۱) واقعہ کربلا (۲۲) فرقہ شیعہ کی حیرت انگیز ترقی یا تنزلی (۲۳) مرزا حیرت کے جواب میں بہت سے مضامین (۲۴) انسائیکلوپیڈیا سے جناب امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کے حالات (۲۵) یزیدیوں کا حشر (۲۶) شہادت امام حسین علیہ السلام از اخبار اہلحدیث امرتسر۔

۱۳۲۵ھ میں مضمون (۲۷) یزید بن معاویہ کی نبوت (۲۸) بڑے عالم اہلسنت جناب مولوی شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواردی کے صاحبزادے جناب مولوی حسن میاں صاحب کا ''رسالہ گریہ و بکار'' مشکل کشا (۲۹) تسبیح کا یومِ عاشورا سرخ ہو جانا قرآن سے مستنبط ہے (۳۰) ابواسحاق سبیعی وشمر ذی الجوشن کے حالات (۳۱) نبوہ یزید بن معاویہ (۳۲) واقعاتِ کربلا کی ابتدائی تاریخ (۳۳) ثبوت تعزیہ داری بجواب اشتہاری (۳۴) ٹھیکہ داران یزید (۳۵) فرقہ یزیدیہ۔

۱۳۲۶ ہجری (۳۶) عزاداری کے متعلق مہادیو جی اور رانی پاربتی کا مکالمہ۔

۱۳۲۷ ہجری میں (۳۷) نبوہ یزید دوبارہ (۳۸) فرزندِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُمتِ یزید (۳۹) بقیہ نبوہ یزید دوبارہ (۴۰) شیعہ سنی ہندو کی تعزیہ داری (۴۱) حضرت یزید علیہ ما یستحقہ (۴۲) مسئلہ شہادہ پر مرزا حیرت سے مباحثہ (۴۳) حسن العلام (۴۴) مضمون عاشوراء۔

۱۳۲۸ ہجری میں (۴۵) مضمون عاشوراء (۲) (۴۶) شہید کربلا (۴۷) اخبار امرتسر نے

''بدعات محرم'' ایک بڑا مضمون لکھا تھا۔ اس کا مفصل جواب کئی نمبروں میں (۴۸) روزنامہ پیسہ اخبار لاہور کا مضمون سانحہ کربلا (۴۹) مضمون عاشورا پر ایڈیٹر اہل فقہ کا خط اور اس کا جواب (۵۰) القول الجمیل فی رد بدعات الوکیل (۵۱) حسین علیہ السلام اب بھی بیکس ہے (۵۲) غم حسین علیہ السلام کی نسبت ایڈیٹر وکیل امرتسر کا منشاء (۵۳) کیا حسین علیہ السلام اب بھی بے کس ہے؟ (۵۴) غم حسین علیہ السلام کی نسبت ایڈیٹر وکیل کا منشاء (۲) (۵۵) کیا حسین بن علیؑ بے کس ہیں؟

۱۳۳۹ ہجری میں (۵۶) جرمنی ڈاکٹر کا مضمون فلسفہ شہادت اور اس کی شرح (۵۷) شہادت امام حسین علیہ السلام (۵۸) شہادت امام حسین علیہ السلام پر مرزا حیرت کی قرآنی شہادت (۵۹) علَم کا اثر آگ پر (۶۰) تحقیق صوم عاشورا (۶۱) آگ پر ماتم (۶۲) مجلس عزاء بخانہ جناب شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی۔

۱۳۴۰ ہجری میں (۶۳) عزاداری مظلوم کربلا (۶۴) تبدیل سال (۶۵) مسافر اور مسلمان اور شہادت کربلا (۶۶) اسحاق کی بیٹی ارنیب (۶۷) نجاۃ الدارین بعزاء الحسین علیہ السلام (۶۸) تعزیہ داری کے متعلق علمائے مکہ معظمہ کے فتاوی (۶۹) قصبہ کچھوچھہ میں ایک معجزہ (۷۰) قتلۃ الحسین علیہ السلام یعنی امام حسین علیہ السلام کے قاتلوں کے مذہب کی تحقیق کہ سب سنی تھے (۷۱) حیاۃ الشہداء۔

۱۳۴۱ ہجری میں (۷۲) عزاداری (۷۳) ذکر سید الشہداء از کتاب وسیلۃ النجاۃ (۷۴) کرامت تعزیہ (۷۵) مدح وذم اہل کوفہ۔

۱۳۴۲ ہجری میں (۷۶) آداب مجلس عزاء (۷۷) مخالفت مخالفین عزاداری (۷۸) حضرت امام حسین علیہ السلام (۷۹) ۱۲۶ داری ملک سیام (۸۰) شہداء کربلا اور اخبار مسافر (۸۱) معراج الشہادت (۸۲) قتلۃ الحسین علیہ السلام۔

۱۳۴۳ ہجری میں (۸۳) شہادت امام حسین علیہ السلام اور غضب خدا (۸۴) شہداء زندہ ہیں (۸۵) مفارقات عثمانیہ وحسینیہ (یعنی خلیفہ ثالث حضرت عثمان اور سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کی شہادت میں کن کن باتوں کا فرق ہے۔ اُن سب کی محققانہ تفصیل (۸۶) شہادت امام حسین علیہ السلام

اور ایک عالم جرمنی کی رائے (۸۷) خون مظلوم کب تک چھپے گا (۸۸) غم محرم۔

۱۳۳۴ ہجری میں (۸۹) جناب امام حسین علیہ السلام (۹۰) یزیدیوں کا جوش (۹۱) کرامات عزاء، (۹۲) ذبح عظیم (۹۳) صحابہ رسول خدا اور اصحاب امام حسین علیہ السلام میں فرق (۹۴) عفیف بن عبد اللہ ازدی (۹۵) افضلیت اصحاب امام حسین علیہ السلام۔

۱۳۳۵ ہجری میں (۹۶) استقبال محرم (۹۷) شہادت امامین (۹۸) شہادت کا دوسرا سبق (۹۹) کرامات تعزیہ (۱۰۰) افضلیت اصحاب امام (۱۰۱) کرامات محرم (۱۰۲) مسجد اور بازاری عورتیں۔

۱۳۳۶ ہجری میں (۱۰۳) شہادت امام حسین علیہ السلام اور صواعق محرقہ۔

۱۳۳۷ ہجری میں (۱۰۴) عزاداری کی مخالفت اور اُس کا جواب (۱۰۵) لعنت کی ضرورت۔

۱۳۳۸ ہجری میں (۱۰۶) اخبار الحدیث امرتسر کا مضمون ''شہادت امامین توحید کی شہادت ہے اور اس پر نوٹ (۱۰۷) حضرت اسماعیلؑ ذبیح اللہ (۱۰۸) تعزیہ اور محراب مسجد (۱۰۹) ممانعت شرکت مجالس عزاء (۱۱۰) شہادت امامین اور اہلحدیث کا معیار توحید (۱۱۱) تعزیہ داری اور سنیوں کی مزاحمت۔

۱۳۴۰ ہجری میں (۱۱۲) عزاداری حسین علیہ السلام باعثِ رضا خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

۱۳۴۱ ہجری میں (۱۱۳) برکات المجالس (۱۱۴) حضرت امام حسین علیہ السلام نے تقیہ کیوں نہ کیا (۱۱۵) عشرہ کابل (۱۱۶) غم امام حسین علیہ السلام (۱۱۷) عزاداری پر مسئلے اور ان میں ترقی (۱۱۸) کل مینڈک ہنوز سنی ہیں یا بعض شیعہ ہو گئے۔

۱۳۴۲ ہجری میں (۱۱۹) برکاتِ مجالس (۱۲۰) کربلاء کا واقعہ ذبح عظیم (۱۲۱) اجازت گریہ و بکا (۱۲۲) محرم الحرام۔

۱۳۴۳ ہجری میں (۱۲۳) خصائص حسینی علیہ السلام (۱۲۴) اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد (۱۲۵) شہید کربلا (۱۲۶) محرم کی آمد (۱۲۷) صوم عاشوراء (۱۲۸) وہ ہندو قوم جو شہیدانِ کربلا کی فدائی تھی (۱۲۹) تعزیہ داری منجانب عزادارانِ امام حسین علیہ السلام۔

۱۳۴۴ ہجری میں (۱۳۰) لکھنؤ میں یادگار شہداء منانے کی کوشش (۱۳۱) علماء اہل سنت کا فیصلہ حرمت تعزیہ داری کے بارے میں (۱۳۲) علماء فرنگی محل لکھنؤ اور تعزیہ (۱۳۳) اہل بیت طاہرین

کا دوبارہ کربلا میں آنا (۱۳۴) عزاداری امام حسین علیہ السلام حضرت رسول خدا ﷺ کی سنت ہے (۱۳۵)
افغانستان کی مجلس اورعزاداری (۱۳۶) احکام قرآنی وتعزیہ داری۔

۱۳۴۵ ہجری میں (۱۳۷) شجاعت حضرت مسلم بن عقیلؑ (۱۳۸) میجر پرائس کی کتاب سے
واقعاتِ کربلا کا تذکرہ (۱۳۹) تعزمن تشاء و تذل من تشاء (۱۴۰) اخبار اسٹیٹمین کلکتہ کا مضمون
ہندو اور محرم (۱۴۱) حضرت سیدالشہداءؑ کی اخلاقی تعلیم (۱۴۲) غمناک واقعہ کربلا۔

۱۳۴۶ ہجری میں (۱۴۳) یزیدی ایجنٹ (۱۴۴) غمناک واقعہ کربلا (۱۴۵) غم حسین علیہ السلام (۱۴۶)
عزاداری (۱۴۷) ریب بنود ور کرامات حسین علیہ السلام (۱۴۸) فلسفہ شہادت (۱۴۹) تعزیہ داری۔

۱۳۴۷ ہجری میں (۱۵۰) مجلس عبادت ہے (۱۵۱) حضرت سیدالشہداء کی اخلاقی تعلیم (۱۵۲) ٹھیکید
ارانِ یزید (۱۵۳) امام حسین علیہ السلام اور عقل وانصاف کی تجویز (۱۵۴) تاریخِ علَم (۱۵۵) شہادتِ عظمیٰ۔

۱۳۴۸ ہجری میں (۱۵۶) ٹھیکیداران یزید (۱۵۷) قرآن مجید سے تعزیہ کا ثبوت (۱۵۸) واقعہ
شہادت پر رونا یا خوش ہونا (۱۵۹) اخبار رینہ بجور کا مضمون شہادتِ کبریٰ اور اس کا جواب (۱۶۰)
روز عاشوراء کی خیرات (۱۶۱) اخبار اتحاد بمبئی اور مسئلہ عزاداری (۱۶۲) مخالفتِ عزاداری میں اخبار
اتحاد بمبئی کا درسِ قرآن اور اس کا مفصل جواب

۱۳۴۹ ہجری میں (۱۶۳) رونے اور ہنسنے کی حقیقت (۱۶۴) حضرت امام حسین علیہ السلام (۱۶۵)
سالِ نو کی خوشی یا غم (۱۶۶) مسٹر تلک اور شہیدانِ اسلام (۱۶۷) اہلحدیث اور عزاداری (۱۶۸) فرقہ
یزیدیہ اور اُس کا طغیان۔

۱۳۵۰ ہجری میں (۱۶۹) قاتلانِ حضرت امام حسین علیہ السلام شیعہ تھے یا سنی (۱۷۰) آسمان و
زمین کا امام حسین علیہ السلام پر رونا (۱۷۱) یزید نے امام حسین علیہ السلام کو قتل کرایا یا نہیں۔ (۱۷۲) شہادت
امام حسین علیہ السلام اور تقیۂ بیعت یزید نہ کرنا (۱۷۳) عتباتِ عالیات کے معجزات (۱۷۴) مسٹر صلاح
الدین خدا بخش کی حمایتِ یزید (۱۷۵) معرکہ کربلا (۱۷۶) عید عاشوراء اور مدینہ کا شوریٰ (۱۷۷)
چودھویں صدی کے یزید (۱۷۸) دمشق (شام) میں اربعینِ حضرت سیدالشہداء (۱۷۹) مسٹر صلاح
الدین خدا بخش کی یزید نوازی (۱۸۰) مسٹر صلاح الدین خدا بخش کی تاریخ دانی متعلق عزاداری

(۱۹۱) روحانی شہادت (۱۹۲) خدائی فیصلہ اور یزید پلید وغیرہ بکثرت مضامین۔ مگر غالباً اُردو زبان میں کوئی ایسی بڑی کتاب اب تک نہیں شائع ہوئی جس میں شہادت امام حسین علیہ السلام اور حضرتؑ کی عزاداری کے متعلق مخالفین کے اکثر اعتراضات اور حمایت یزید کے ادلہ کے مفصل جوابات درج کیے گئے ہوں۔ اس وجہ سے ایک مدت دراز سے اس کی شدید ضرورت محسوس ہوتی تھی کہ اس موضوع پر ایک تحقیقی اور جامع کتاب لکھی جائے جو اِن کُل اعتراضات و شکوک اور ان کے مفصل نیز تشفی بخش جوابات کا ذخیرہ ہو۔ الحمدللہ کہ اُسی کی توفیق سے اس غرض کے لیے کہ جس قدر اعتراضات ان حضرات کی طرف سے ہوتے ہیں اُن سب کو ایک جگہ جمع کرنے اور سب کے جوابوں کو درج کرنے کا انتظام کیا جائے۔ یہ کتاب ''شیعیت کی جیت'' لکھی جاتی ہے۔ ان شاء اللہ اس میں پوری کوشش کی جائے گی کہ ۱۳۱۵ ہجری سے ۱۳۵۱ ہجری تک عزاداری کے متعلق جس قدر اعتراضات سننے یا دیکھنے میں آئے اور جن کا ذکر رسالہ اصلاح میں بروقت کر دیا گیا تھا اُن سب کا ذکر کیا جائے اور سب کا جواب تفصیل سے دیا جائے۔ اس طرح ان شاء اللہ یہ کتاب اُن کل مضامین وتحقیقات علمیہ و دینیہ کا جوہر بھی ہو جائے گی جو عزاداری اور حضرت سید الشہداء علیہ السلام کی حمایت میں رسالہ اصلاح کی گزشتہ زندگی میں شائع ہوتے رہے اور جن کی مختصر فہرست اوپر لکھی جا چکی ہے۔ خدا کرے اس خدمت کے انجام دینے میں یہ کتاب کامیاب ہو سکے۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

۲۲ ربیع الاوّل ۱۳۵۱ ہجری

تمہید

شہر الہ آباد میں ایک معزز عالم اور حاذق طبیب جناب حکیم عبدالوہاب صاحب رہتے تھے جن کا اسلامی فرقوں میں جماعت اہلحدیث سے تعلق تھا۔ آپ جس طرح فن طب میں بڑا کمال رکھتے اپنے مذہبی علوم میں بھی سردار سمجھے جاتے تھے۔ حضرات اہلحدیث کو حنفی جماعت سے اکثر مناظرہ کی نوبت آتی اور جناب حکیم صاحب ہی مرد میدان میں بنائے جاتے مگر چونکہ طبابت میں آپ بہت مشہور ہو گئے تھے اور دور دور کے مریض آپ سے علاج کرانے آتے۔ آپ کو مذہبی خدمات کا وقت بہت کم ملتا تھا۔ باوجودیکہ دنیا کی ریاست اور مال و متاع کی زینت آپ کو بہت کچھ حاصل ہو گئی تھی لیکن دولت اولاد سے بہت کم حصہ ملا کیونکہ خدا نے صرف ایک لڑکا دیا تھا کہ وہی گھر بھر کا چراغ سمجھا جاتا۔ دوسری ولادت ہوئی ہی نہیں۔ اس صاحبزادے کا نام عبدالغفار تھا۔ حکیم صاحب نے اس کی تربیت پر پوری توجہ کی اور ایک بڑے جید عالم کو اس کی تعلیم کے لئے مقرر کیا۔

حکیم صاحب کے محلّہ میں ایک اور معزز عالم جناب مولوی عبدالحمید صاحب بھی تھے جو بڑے مذہبی پیشوا سمجھے جاتے تھے اور حنفی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے اور چونکہ سرکاری عربی امتحانات کے سند یافتہ بھی تھے۔ گورنمنٹ سکول میں آپ کو ہیڈ مولوی کی جگہ مل گئی تھی۔ اسی سے آپ کی بسر اوقات ہوتی۔ مگر آپ نعمت اولاد سے محروم تھے۔

ان مولوی صاحب اور مذکورہ بالا حکیم صاحب میں اچھی ملاقات تھی، بلکہ ایک طرح کی دوستی ہو گئی تھی۔ مولوی صاحب جب اسکول سے فارغ ہو کر مکان پہنچتے تو اپنی ضروریات انجام دے کر حکیم صاحب کے ہاں پہنچ جاتے۔ اگر حکیم صاحب موجود رہتے تو اُن سے باتوں

میں دل بہلاتے۔ اور اگر وہ کسی مریض کے ہاں گئے ہوتے تو ان کی کتابوں کے مطالعہ میں وقت صرف کرتے۔ حکیم صاحب بھی مولوی صاحب کے ہاں اسی بے تکلفی سے آتے جاتے کہ جب کسی وقت مریضوں کی خدمت سے فرصت رہتی اور مولوی صاحب کے اسکول کا وقت نہ ہوتا آپ ان کے ہاں پہنچ جاتے اور گھنٹوں بیٹھے اِدھر اُدھر کی باتیں کیا کرتے۔ اکثر مذہبی گفتگو بھی ہوتی اور تقلید کے صحیح اور باطل ہونے پر مہذب اور دوستانہ مباحثہ ہوتا رہتا، اور باوجودیکہ دوسرے حنفی اور غیر مقلد حضرات میں عموماً شدید اختلاف بلکہ عناد ہوتا ہے مگر یہ دونوں بزرگ ایسے بلند خیال، روشن ضمیر اور صلح پسند تھے کہ کبھی کسی کے دل میں کوئی کدورت نہیں ہوئی، بلکہ لطف یہ ہے کہ بڑے مجمع میں عام مذہبی مناظرہ ہوتا تو غیر مقلد حضرات کی طرف سے حکیم صاحب اور حنفی جماعت کی طرف سے کبھی مولوی صاحب ہی مناظر قرار پاتے، اور خوب زور شور کا مقابلہ ہوتا کہ ہر صاحب دوسرے کے مقابلہ میں بادل کی طرح گرجتے تھے۔ مگر جلسہ سے باہر آنے کے بعد پھر ایسے شیر وشکر ہو جاتے کہ معلوم ہی نہیں ہوتا تھا ان میں کسی قسم کا اختلاف بھی ہے۔ البتہ ایک بات کا اثر مولوی صاحب کے دل پر ایسا ہوتا کہ اس کی کیفیت چھپنے نہیں پاتی۔ مولوی صاحب جب حکیم صاحب کے ہاں آتے تو اکثر ان کا لڑکا عبدالغفار وہاں کھیلتا رہتا۔ جس سے حکیم صاحب کا دل تو باغ باغ ہوتا مگر مولوی صاحب اپنی حالت پر حسرت سے ٹھنڈی سانس لیتے اور اپنی تقدیر پر دل ہی دل میں افسوس کرتے کہ دولتِ اولاد سے بالکل محروم ہیں۔

آپ نے پہلے اپنی بیوی کے بہت کچھ علاج کیے۔ مشہور اور نامی حکیموں، ویدوں اور ڈاکٹروں کے پاس پہنچ کر اس مصیبت کو رفع کرنا چاہا مگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ پھر فقیروں کی تلاش کی اور جب دو ایک روز کی تعطیل بھی اسکول میں ہو جاتی تو آپ کسی خدارسیدہ فقیر کے ہاں روانہ ہو جاتے لیکن اس سے بھی دُرِ مقصود ہاتھ نہیں آیا۔ اس کے بعد آپ ردولی شریف گئے وہاں منت مانی مگر بے کار۔ پھر کچھوچھہ شریف گئے اور بہت سی نذریں کیں لیکن سب بے سود۔ اس کے بعد اجمیر شریف پہنچے۔ وہاں بہت دنوں تک رہ کر برابر دعا اور عمل

کرتے رہے۔ ان سب کا کوئی نفع نہیں ہوا، اور کسی طرح آپ کی مراد پوری نہیں ہوئی۔ ان سب کوششوں کے بعد آپ مایوس ہو کر بیٹھ رہے۔ چونکہ آپ صاحب علم وفضل تھے یہ خیال کر کے کہ خدا کی مشیت مجھے اولاد دینے کی نہیں ہے لہٰذا صبر کر لیا۔

جب اس مایوسی اور ناامیدی میں بھی کئی سال گزر گئے تو ایک دفعہ محرم کے مہینہ میں عاشوراء کے روز آپ گھر سے نکلے۔ اتفاقاً دیکھا کہ ایک بوڑھی ہندو عورت جو اپنی وضع سے بہت خوش حال اور معزز خاندان کی معلوم ہوتی ہے دوسرے تعزیہ داروں کے ساتھ ماتم کرتی "حسینؑ حسینؑ" کہتی اور پھوٹ پھوٹ کر روتی ہوئی چلی جاتی ہے۔ اُس کے ساتھ ایک لڑکا بھی ہے جو سر پر تعزیہ رکھے اور بائیں ہاتھ سے اُس تعزیہ کو پکڑے ہوئے اور داہنے ہاتھ سے ماتم کرتا اور منہ سے "حسینؑ حسینؑ" کہتا چلا جاتا ہے۔ مولوی صاحب نے اُس عورت کو اس طرح تڑپ کر روتے اور آنسوؤں سے منہ دھوتے دیکھ کر بہت تعجب کیا اور وہاں کسی سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ لڑکا جو اس کے ساتھ ہے اُس عورت کا بیٹا ہے اور اس کی اولاد میں صرف وہی ہے۔ دوسرا لڑکا یا لڑکی کوئی بھی نہیں ہے۔ یہ سن کر مولوی صاحب کو اس سے دلچسپی ہوئی اور چند قدم کا فاصلہ چھوڑ کر اُس کے ساتھ ساتھ آپ بھی ہو لیے۔ جب دوسرے تعزیہ داروں کے ساتھ وہ عورت بھی اپنے اس لڑکے کا تعزیہ دفن کر کے پلٹی تو مولوی صاحب بھی اس کے مکان پر پہنچے اور جب وہ اپنے گھر میں داخل ہونے لگی تو آپ اس کی دیوار کے پاس کھڑے ہو گئے۔ وہ عورت ایک اجنبی مگر مہذب بزرگ کو اپنے مکان پر کھڑا دیکھ کر گھبرائی اور پوچھا:

عورت: آپ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں؟

مولوی صاحب: گھبراؤ نہیں۔ میں اسی شہر کا رہنے والا ہوں اور تم سے ایک بات دریافت کرنے آیا ہوں اگر اجازت دو تو پوچھوں؟

عورت نے اس کا کچھ جواب نہیں دیا اور اندر چلی گئی۔ تھوڑی دیر میں اس مکان سے ایک بوڑھا ہندو شخص باہر نکلا اور مولوی صاحب سے پوچھا: کون صاحب ہیں اور یہاں کیا کام ہے؟

مولوی صاحب: کیا آپ ہی اس گھر کے مالک ہیں؟
بوڑھا ہندو: جی ہاں! میرا ہی یہ غریب خانہ ہیں۔ارشاد فرمائیں کیا حکم ہے۔
مولوی صاحب: کیا میں دریافت کر سکتا ہوں کہ آپ کا اسم گرامی کیا ہے؟
بوڑھا ہندو: مجھے پنڈت رادھا کشن کہتے ہیں اور آپ کا نام نامی؟
مولوی صاحب: حقیر کا نام مولوی عبدالحمید ہے۔
پنڈت جی: میں آپ کی عزت افزائی سے نہایت شکر گزار ہوا۔آپ نے کیوں زحمت فرمائی۔آیئے تشریف رکھیے۔

پنڈت جی نے باہر کا کمرہ کھول دیا۔مولوی صاحب تشریف لے گئے۔ایک کرسی پر وہ اور دوسری پر پنڈت جی بیٹھے۔پنڈت جی نے پان اور سگرٹ منگوایا اور مولوی صاحب کی خدمت میں پیش کر کے پوچھا۔

پنڈت جی: ہاں جناب! اب ارشاد فرمائیں۔
مولوی صاحب: آپ تردد نہ فرمائیں۔کوئی ایسی بات نہیں ہے۔اچھا ہوا کہ آپ سے ملاقات ہوگئی۔آپ کی باتوں سے مجھے بڑی خوشی ہوئی۔
پنڈت جی: یہ آپ کی مہربانی ہے مگر جب تک آپ اس غرض کو ظاہر نہ فرمائیں گے مجھے تو اطمینان نہیں ہوگا۔
مولوی صاحب: میں آنے کو تو آ گیا مگر معلوم ہوا کہ آپ کوئی بڑے معزز اور شریف وتعلیم یافتہ بزرگ ہیں۔اب جس غرض سے میں حاضر ہوا ہوں اس کو ظاہر کرتے ہوئی تامل ہوتا ہے کہ شاید آپ کو ناگوار گذرے؟
پنڈت جی: نہیں آپ ایسے عالم کی بات تو نامناسب نہیں ہوگی۔پھر مجھے ناگوار کیوں ہونے لگی۔
مولوی صاحب: میں اس غرض سے حاضر ہوا کہ ابھی جو بوڑھی عورت اس مکان میں گئی ہے اُس کو میں نے سڑکوں پر دیکھا کہ ماتم کرتی اور بے چین ہو کر روتی جاتی تھی اور اس کے ساتھ ایک لڑکا بھی سر پر تعزیہ رکھے ماتم کرتا جاتا تھا۔میں صرف یہ دریافت کرتا ہوں کہ یہ عورت کب

سے تعزیہ رکھتی ہے اور کس خاص وجہ سے ایسا کرتی ہے کیونکہ یہ کام تو مسلمانوں کا ہے۔

پنڈت: نہ کہئے کہ یہ کام مسلمانوں کا ہے۔ اس کو تو مسلمان اور ہندو سب ہی کرتے ہیں۔ لاکھوں ہندو ہندوستان بھر میں تعزیہ رکھتے اور ماتم کرتے ہیں۔

مولوی صاحب: یہ سچ ہے مگر اس طرح بے چین ہو کر رونے اور ماتم کرنے کی غالباً کوئی خاص وجہ ہو گی۔

پنڈت جی: ہاں اس کی ایک بڑی وجہ ہے۔ یہ عورت میری بیوی ہے ہم دونوں کی شادی تو بچپن میں ہوئی مگر جوان ہونے پر بھی مدت دراز تک اولاد نہیں ہوئی تو ہم لوگوں کو تردد ہوا۔ حکیم، ڈاکٹر، وید سب کے علاج کیے اور ہزاروں روپیہ خرچ کیا مگر سب بیکار۔ پھر پنڈتوں جوتشیوں سادھوؤں کی خوش آمدیں کیں۔ مندروں میں منت مانی ہر طرح کا پوجا پاٹ کیا۔ کاشی جی، متھرا جی، ہردوار جی جا کر دعائیں کیں اور کہاں کہاں کی خاک چھانی مگر کسی طرح میری بیوی کی گود آباد نہیں ہوئی۔ اس طرح جب میری عمر پینتیس سال اور میری بیوی کی عمر تینتیس سال کی ہو گئی تو ہم لوگ مایوس ہو کر اور ہر کوشش سے تھک کر بیٹھ رہے۔

مولوی صاحب: معاف کیجیے گا میں قطع کلام کرتا ہوں آپ کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اُردو فارسی آپ پوری پڑھے ہوئے ہیں اور اس میں بہت صاف تقریر کرتے ہیں۔

پنڈت جی: جی ہاں مجھے بچپن میں اُردو فارسی ہی پڑھایا گیا۔ گلستان، بوستان، انشاء مادھورام، دفتر ابوالفضل، رقعات عالمگیری، دیوان حافظ، شاہنامہ فردوسی وغیرہ سب پڑھ چکا ہوں۔

مولوی صاحب: واہ، واہ تب تو آپ بڑے قابلِ قدر بزرگ ہیں۔ مجھے آپ سے مل کر نہایت مسرت ہوئی۔

پنڈت جی: آپ یہ سن کر اور زیادہ خوش ہوں گے کہ میری بیوی بھی جن کو آپ نے ماتم کرتے ہوئے دیکھا تھا اُردو مڈل پاس ہیں اور اُردو کی کتابیں بہت کثرت سے دیکھتی رہتی ہیں۔ مسلمانوں کی مذہبی چیزیں دیکھنے کا بھی ان کو شوق ہے۔ میر انیس صاحب اور مرزا دبیر صاحب کے مرثیوں سے تو ان کو عشق ہے۔

مولوی صاحب: سبحان اللہ! تب تو آپ بڑے خوش قسمت ہیں۔
پنڈت جی: یہ آپ کی عزت افزائی ہے۔ ہاں تو وہ بات رہ گئی جب ہم لوگ مایوس ہو کر بیٹھ رہے۔ اس کے دو سال کے بعد محرم کا چاند دکھائی دیا تو پڑوس میں جو خاں صاحب رہتے ہیں ان کی بیوی نے میری بیوی سے کہا کہ بہن تم اولاد ملنے کے لیے ہر طرح کی کوشش کر چکیں۔ منتیں مان چکیں۔ پوجا پاٹ کر چکیں۔ اگر مانو تو میں بھی ایک بات کہوں۔ شاید خدا تم پر رحم کرے۔ تمہاری گود آباد اور تمہارے اندھیرے گھر میں اُجالا ہو جائے۔
میری بیوی: بولیں کہ بہن اس سے بڑا احسان مجھ پر کیا ہوگا۔ اگر ایسا ہو جائے تو میں تمہاری لونڈی بن جاؤں اور زندگی بھر تمہاری خدمت کروں۔
خان صاحب کی بیوی: نے کہا اے لو! تم بھی تو قیامت کی باتیں کرنے لگیں یہ احسان کیوں ہونے لگا اور تم میری لونڈی کیوں بنوگی۔ یہ تو میرا ہی کام ہے اور تمہاری آرزو خود میرے دل کی تمنا ہے۔ اللہ کرے تم جلد چاند سا بیٹا کھلاؤ۔ اس کا بیاہ کرو۔ اس کی بہو لاؤ۔
میری بیوی: بہن ایسا دن کہاں آئے گا۔ میری تقدیر میں یہ نعمت ہوتی تو اب تک ترستی رہتی۔ ان باتوں سے کیوں میرا دل دُکھاتی ہو۔ اب تو یہی کہنا پڑتا ہے کہ بھلا پتھر پر دوب جم سکتی ہے؟
خان صاحب کی بیوی: انھیں ایسا نہ کہو۔ خدا میں ہر طرح کی قدرت ہے۔ ابھی تو تمہارا زیادہ وقت نہیں گذرا۔ خدا تو چالیس برس سے زیادہ عمر والی عورتوں کو بھی اولاد دیتا ہے۔ اس کی رحمت سے بندوں کو نا امید نہیں ہونا چاہیے۔ میرے مذہب میں تو خدا کی رحمت سے مایوس ہونے کو بڑا گناہ لکھا ہے۔
میری بیوی: ہاں! اس سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔ اُس کو سب باتوں کا اختیار ہے۔ وہ چاہے تو کیا کچھ نہیں کر سکتا۔
خان صاحب کی بیوی: اچھا تو زبان ہارو کہ جو بات میں کہوں گی اُس کو مانو گی اور ابھی کسی سے نہیں کہوگی۔
میری بیوی: جس کی کہو میں قسم کھاتی ہوں کہ تم جو کہوگی وہی میں کروں گی اور کسی سے بھی

کہوں گی نہیں۔

خان صاحب کی بیوی: میری رائے یہ ہے کہ میرے یہاں امام بارگاہ میں مجلس عزاء ہوتی ہے۔مجلس ختم ہونے کے بعد تعزیہ کے پاس کھڑی ہو کر (تعزیہ سے نہیں بلکہ خدا سے) تم منت مانو کہ اگر خدا تم کو بیٹا دے تو تم بھی امام حسین علیہ السلام کا تعزیہ ہر سال رکھا کرو گی اور عاشوراء کے دن اس کے سر پر تعزیہ دفن کرنے کو کربلا بھیجا کرو گی۔

میری بیوی: بہن میں تو منت مان لوں گی کہ اگر خدا مجھے بیٹی بھی دے گا تو میں امام صاحب کا تعزیہ ضرور رکھوں گی۔ہائے اللہ کسی طرح میرے دل کی یہ آگ تو بجھے۔

مولوی صاحب! آپ یقین کریں کہ میرے گھر بھر اور میرے سسرال کے بھی سب لوگوں کو یقین ہو گیا تھا کہ اب میرے کسی طرح اولاد نہیں ہو سکتی اور میں اور میری بیوی دنیا سے لاولد ہی جائیں گے۔مگر خدا کی قدرت کو نہ کوئی سمجھ سکا ہے اور نہ سمجھ سکتا ہے۔میری بیوی نے خان صاحب کے امام باڑے میں جا کر تعزیہ کے سامنے کھڑی ہو کر خدا کی درگاہ میں ہاتھ اُٹھا دیئے اور رو رو کر دعا کی کہ اے صاحب! اگر آپ مجھ پر بھی رحم کریں اور مجھ دکھیاری کو ایک ہی اولاد دے دیں تو میں نذر کرتی ہوں کہ آپ کے پیارے حضرت امام حسینؑ کا تعزیہ میں بھی رکھا کروں گی۔اور اُس تعزیہ کو ہر سال اُسی اولاد کے سر پر رکھ کر کربلا لے جایا کروں گی۔اے خدا! دُہائی ہے ابھی اس غریب پر ترس کھایئے اور کسی طرح میری یہ حسرت پوری کر دیجیے۔

مولوی صاحب! میری بیوی نے دعا کرنے کو تو کر لی اور اُس وقت سچے دل ہی سے خوب رو رو کر اور اچھی طرح گڑگڑا کر منت مانی مگر دل پہلے ہی مردہ ہو چکا تھا۔کوئی اُمید باقی نہیں رہی تھی۔دس بارہ دنوں کے بعد نہ اس منت کا خیال رہا۔نہ دعا یاد رہی سمجھی کہ تقدیر کا لکھا مٹ نہیں سکتا۔اور قسمت کی بات بدل نہیں سکتی ہے۔اگر خدا کو دینا ہوتا تو اس سے پہلے کہاں کہاں کے تیرتھ (اعمال) کر چکی ہوں کس کس دیوتا کی پوجا پاٹ کر چکی ہوں۔کس کس ندی کا اشنان کر چکی ہوں۔پرمیشور اُسی وقت مجھ پر ترس نہ کھائے خدا اور پرمیشور جی تو ایک ہی ہیں۔مسلمان اُس نام سے پکارتے ہیں اور ہم لوگ اس نام سے یاد کرتے ہیں۔مگر دو نام

ہونے سے کیا ہوتا ہے۔ مالک تو وہی ہے اُس کو دینا ہوتا تو اب تک کیوں تڑپاتا۔ میری تقدیر کو نہ امام صاحب بدل سکتے ہیں نہ میرے لکھے کو تعزیہ مٹا سکتا ہے۔ مگر آپ یقین کریں کہ تین مہینہ گزرنے کے بعد اس بیچاری کو کچھ شبہ ہوا۔ تو حکیم عبدالوہاب صاحب کو میں نے بلایا۔ نبض اور قارورہ دکھایا۔ آپ کو سن کر کس قدر تعجب ہوگا کہ انھوں نے کہا کہ ''مجھے حمل کا شبہ ہوتا ہے'' اس خوش خبری کا سننا تھا کہ میری بیوی فوراً دوڑی ہوئی خاں صاحب کے امام باڑے میں گئیں اور تعزیہ کے سامنے زمین پر گر کر لوٹنے لگیں اور خوشی کا رونا اس قدر روئیں کہ وہاں کی زمین بھیگ گئی۔ حکیم صاحب قوت کا نسخہ لکھ گئے تھے۔ میں نے فوراً وہ معجون بنوائی اور گھر میں استعمال کرانے لگا۔ اس کے بعد کیا پوچھنا ہے جس قدر دن گزرتے گئے حمل کا یقین بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ دل کی بات کیوں نہ کہہ دوں کہ حضرت امام صاحب کے تعزیہ کے سامنے دعا مانگنے کی برکت یا تعزیہ رکھنے کی نذر کرنے سے خدا کو ہم بے بسوں پر رحم آ گیا اور جس بات کو ہم لوگ ناممکن سمجھنے لگے تھے وہ ممکن ہوگئی ابھی دوسرا محرم نہیں آنے پایا تھا کہ ہمارے گھر میں سورج اُتر آیا۔ ہمارا اندھیرا گھر روشنی سے جگمگانے لگا۔ ہم لوگوں کا مردہ دل زندہ ہوگیا اور وہی چاند سا بیٹا جس کو آج آپ نے میری بیوی کے ساتھ سر پر تعزیہ رکھے جاتے دیکھا ہے پیدا ہوا۔ اس نعمت کی جو خوشی ہم لوگوں کو ہوئی اُس کا اندازہ آپ اچھی طرح کر سکتے ہیں۔ اس آخری جملہ نے مولوی صاحب کے دل پر نشتر کا کام کیا مگر ضبط سے کام لیا۔ کیونکہ پنڈت جی تو جانتے نہیں تھے کہ یہ بیچارے لاولد ہیں۔ مولوی صاحب نے اُن سے فرمایا۔

مولوی صاحب: واقعاً خدا نے آپ لوگوں پر بڑا رحم کیا اُس کا جتنا بھی شکریہ ادا کیا جائے کم ہے۔

پنڈت جی: جی ہاں! کون شخص اِس کا شکریہ ادا کر سکتا ہے۔ اُسی سال سے میں اور میری بیوی تعزیہ رکھنے لگیں اور اس لڑکے کے سر پر رکھ کر عاشورا کو جہاں آپ لوگ تعزیے لے جاتے ہیں میری بیوی بھی جاتی ہیں۔ آپ ہی انصاف سے فرمائیں کہ اس قدر دوا علاج، تعویذ گنڈے، پوجا پاٹ دعا عمل کرنے کے بعد بھی جس کو اولاد نہ ہوا اور صرف تعزیہ رکھنے کی منت ماننے سے خدا اس کو اتنی بڑی دولت دے دے تو وہ کیوں نہ یقین کرے کہ یہ اسی تعزیہ کا

احسان ہے کہ خدا اس طرح مہربان ہو گیا اور تعزیہ رکھنے سے خدا اس درجہ خوش ہوتا ہے کہ اس کے مقابلہ میں وہ کسی کام کو کوئی چیز نہیں سمجھتا۔ ورنہ دوسری سب دعائیں اور عبادتیں بے اثر ثابت ہوئیں اور تعزیہ رکھنے کی نیت کرتے ہی ہم لوگوں کے دل کا چراغ روشن ہو گیا۔ اس کی کوئی وجہ بھی ہو سکتی ہے۔

مولوی صاحب: واقعاً اس جگہ انسانی عقل حیران ہے کہ یہ کیا کرشمہ ہے۔

پنڈت جی: یہ کرشمہ تنہا میرے ہی ساتھ تو ہے نہیں لاکھوں ہندو جو تعزیہ رکھتے ہیں سب کے ساتھ ایسے ہی عجیب وغریب واقعات ہوئے جن سے مجبور ہو کر ان لوگوں کو امام صاحب کا کلمہ پڑھنا پڑا۔

مولوی صاحب: نہیں یہ کیوں ضروری ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اور ہندو بھائیوں نے ہم مسلمانوں کی دیکھا دیکھی تعزیہ رکھنا شروع کیا ہو اور بعد کو ان کی اولاد نے اس کو بزرگوں کی یادگار سمجھ کر باقی رکھا ہو۔

پنڈت جی: بہت اچھا۔ پھر یہ فرمائیے کہ ان بزرگوں نے مسلمانوں کی دیکھا دیکھی تعزیہ رکھنا کیوں شروع کیا؟

مولوی صاحب: ایک جگہ رہنے سہنے۔ آپس میں مل جل کر بسر کرنے اور ایک دوسرے کی تقریبوں میں شریک ہونے کی وجہ سے۔

پنڈت جی: جناب مولانا! آپ تو منقول ومعقول سب علوم کے جامع ہیں تاریخ اور منطق سے بھی اچھی طرح واقف ہیں۔ وعظ اور مناظرہ کے سلسلہ میں مختلف شہروں میں دورہ بھی کرتے رہتے ہیں۔ ان وجہوں سے جوبات آپ کی زباں سے نکلے گی وزن دار ہی ہوگی۔ ذرہ یہ تو ارشاد فرمائیں کہ ''ایک جگہ رہنے سہنے۔ آپس میں مل جل کر بسر کرنے اور ایک دوسرے کی تقریبوں میں شریک ہونے کی وجہ سے'' ہندوؤں نے مسلمانوں کی صرف عبادت تعزیہ داری کیوں اختیار کی؟ دوسری عبادتیں، دوسری رسمیں کیوں چھوڑ دیں؟

مولوی صاحب: آپ مسلمانوں کی اور عبادتوں اور مذہبی رسموں کا نام لیں تو میں بتاؤں

کہ ہندوؤں نے کیوں اُن میں شرکت نہیں کی۔

پنڈت جی: یہ تو کوئی بتانے کی بات نہیں ہے۔اچھا فرمایئے نماز میں ہندوؤں نے کیوں شرکت نہیں کی۔روزہ کیوں نہیں رکھتے۔عید بقرعید،شب برأت میں یوں آپ کا ساتھ نہیں دیتے۔

مولوی صاحب: واہ آپ تو ہندو ہیں۔ پھر نماز کیوں پڑھتے۔روزہ کیونکر رکھتے۔عید بقر عید اور شب برأت کیونکر کرتے۔

پنڈت جی: جی۔یہی تو میں بھی کہتا ہوں کہ چونکہ ہم لوگ ہندو ہیں اس وجہ سے آپ کی کسی اور عبادت میں شریک نہیں ہوتے۔کسی مذہبی تقریب میں ساتھ نہیں دیتے۔مگر محرم کی عبادتوں میں کروڑوں ہندو مل جاتے ہیں۔مجلسوں میں کثرت سے پڑھے لکھے ہندو شریک ہوتے ہیں بلکہ خود بھی کرتے ہیں۔تعزیہ کس کثرت سے ہندوؤں کے ہاں رکھے جاتے ہیں۔ امام باڑے اور کربلائیں کس کثرت سے ہندو راجاؤں نے بنوائی ہیں اور اُن کے سالانہ خرچ کے لیے جائیدادیں نکال دی ہیں۔نوحہ و ماتم میں کتنے ہندو آپ کے ساتھ رہتے ہیں۔غرض آپ کی کسی عبادت۔کسی تقریب اور کسی مذہبی رسم کو ہندوؤں نے اختیار نہیں کیا سوائے تعزیہ داری کے جو ایک دو نہیں بلکہ لاکھوں بلکہ کروڑوں ہندوؤں کے ہاں زور شور اور بڑے اہتمام سے ہوتی ہے۔تو صرف عزاداری میں شریک ہونے اور باقی کل عبادتوں، تقریبوں اور رسموں سے الگ رہنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟

مولوی صاحب: بنانے کے لیے تو بہت سی وجہیں بنالی جاسکتی ہیں مگر انصاف کی بات یہ ہے کہ اس کا اصلی سبب سمجھ میں نہیں آتا۔

پنڈت جی: یہ بھی آپ مانیں گے کہ انسان کی فطرت خوشی اور آرام پسند ہے جس کام سے اس کو خوشی ہوگی اس کو پہلے کرنا چاہے گا اور جس میں نہ خوشی ہوگی اور نہ رنج اس کو دوسرے نمبر پر کرے گا اور جس سے رنج ہوگا اس کو کرنا ہی نہیں چاہے گا اور مجبوراً کرے گا بھی تو سب کے آخر میں۔

مولوی صاحب: ہاں! بالکل صحیح ہے۔

پنڈت جی: اب دیکھیے کہ آپ کے ہاں کتنے کام خوشی کے ہیں۔ کتنے ایسے ہیں جن میں نہ

خوشی ہوتی ہے نہ رنج۔ کتنے صرف رنج کے ہیں۔

مولوی صاحب: آپ تو ہمارے کل مذہبی امور سے واقف معلوم ہوتے ہیں۔ آپ ہی بیان فرمائیں۔

پنڈت جی: میرے خیال میں عید، بقرعید، شب برأت، میلاد شریف وغیرہ تو خوشی کے کام ہیں۔ نماز نہ خوشی کی عبادت ہے نہ رنج کی۔ اور عزاداری مسلّم رنج و غم ہی کا کام ہے۔

مولوی صاحب: ہے تو ایسا ہی۔ آپ نے اچھی تقسیم کی ہے۔

پنڈت جی: تو ہندوؤں کو چاہیے تھا کہ پہلے اور سب سے زیادہ آپ کے اُن کاموں میں شریک ہوتے جو خوشی کے ہیں کہ عید کرتے۔ بکروں کی قربانی کر کے بقرعید مناتے۔ شبِ برأت میں شریک ہوتے۔ اُس کے بعد نماز پڑھتے اور تعزیہ داری سے بالکل الگ رہتے کیونکہ یہ تو رنج ہی رنج کا کام ہے۔ کوئی اُن کو مجبور تو کرتا نہیں۔ لہٰذا چاہیے تھا کہ اس کے قریب بھی نہ آتے۔

مولوی صاحب: (ہنس کر) واقعاً آپ تو بالکل عقل کی تقریر کر رہے ہیں۔

پنڈت جی: پھر واقعہ کیا ہے۔ آپ کسی ہندو کو دیکھتے ہیں کہ وہ عید کرتا ہے؟ کوئی ہندو عید کے روز نہاتا، دھوتا، خط بنواتا، کپڑے بدلتا، عطر لگاتا، دوستوں سے ملتا، عمدہ کھانے پکواتا، اعزہ و اقربا کی دعوت کرتا۔ غرض کسی طرح کی خوشی کرتا ہے؟

مولوی صاحب: نہیں مجھے تو نہیں معلوم۔ بلکہ جہاں تک جانتا ہوں یہ ہے کہ آپ لوگ ایسا نہیں کرتے۔

پنڈت جی: اچھا بقرعید کیوں نہیں کی جاتی۔ آپ جانتے ہیں کہ کتنے ہندو بکرا بکری کا گوشت کھاتے ہیں۔ اگر آپ کی دیکھا دیکھی ہندو بھی بقرعید کے روز بکرا ذبح کر کے گوشت کھاتے۔ کباب بنواتے اور لذیذ غذائیں پکوا کر خود کھاتے دوست احباب کو کھلاتے تو کسی طرح ان کے مذہب کے خلاف ہوتا؟ پھر کوئی ہندو ایسا کرتا ہے؟

مولوی صاحب: ہاں! بقرعید بھی آپ کے ہاں نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کی وجہ سے تو اکثر ہندو

مسلمانوں میں جھگڑا ہی ہوتا رہتا ہے۔

پنڈت جی: اچھا شب برأت کو لیجیے۔ اس میں حلوا روٹی کھانے کا موقع ملتا ہے۔ اسی میں ہندو شریک ہوتے آپ جانتے ہیں کہ یہ لوگ پوری حلوا، مٹھائی کثرت سے کھاتے ہیں۔ اگر آپ لوگوں کی دیکھا دیکھی یہ بھی اُس روز خاص اہتمام سے نذر نیاز کے لیے روٹی پکواتے اور خود کھاتے دوستوں کو کھلاتے تو اُن کا کچھ بگڑتا نہیں۔ بلکہ اُنھیں کو لذت ملتی۔ مگر کیا ہندو یہ کرتے ہیں؟

مولوی صاحب: نہیں! یہ تقریب بھی آپ کے ہاں نہیں ہوتی ہے۔

پنڈت جی: باقی رہا میلاد شریف۔ اس میں بھی خوشی کی جاتی ہے۔ شیرینی تقسیم ہوتی ہے تو اس کو بھی کوئی ہندو کرتا ہے؟

مولوی صاحب: نہیں اس سے بھی آپ لوگ بالکل الگ ہیں۔

پنڈت جی: اب دوسرے نمبر کے کام کو لیجیے جس میں نہ خوشی ہوتی ہے نہ رنج۔ جیسے نماز کیا کوئی ہندو نماز پڑھتا ہے۔ آج تک کسی ہندو کو یہ کام کرتے دیکھا گیا ہے؟

مولوی صاحب: نہیں! یہ تو محال ہے۔ کوئی کہے بھی کہ ہندو نماز پڑھتے ہیں تو جھوٹا سمجھا جائے گا۔

پنڈت جی: پھر انصاف سے فرمائیں کہ تعزیہ رکھنا، تعزیہ اُٹھانا، مجلس کرنی، نوحہ و ماتم کرنا، امام باڑہ، کربلا بنوانا جو سب مال خرچ ہونے اور رونے دھونے رنج و غم کرنے کے کام ہیں ان کو ہندو کثرت سے کرتے ہیں۔

مولوی صاحب: ان کا تو شمار بھی نہیں ہوسکتا۔ لاکھوں ہی ہوں گے۔

پنڈت جی: نہیں جناب! اگر کوئی باقاعدہ انتظام حساب کرنے کا ہوتا تو معلوم ہوتا کہ کروڑوں ہندو اس عبادت یا تقریب یا رسم کو انجام دیتے ہیں۔ میرا ذاتی خیال تو ایسا ہی ہے۔

مولوی صاحب: ہوسکتا ہے کوئی وجہ نہیں ہے کہ میں آپ کی تخمین کو غلط بتاؤں۔

پنڈت جی: نہیں میں فرض کر لیتا ہوں کہ لاکھوں ہندو ہی اس کو کرتے ہیں۔ جب بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی خوشی کے کل کاموں اور بے خوشی اور بے رنج کے کل کاموں کو

چھوڑ کر صرف اس کام کو کیوں کرتے ہیں جو سراسر رنج وغم ہی کا ہے؟

مولوی صاحب: اگر آپ مجھ سے دریافت کرتے ہیں تو میں اس کی کوئی وجہ نہیں بتا سکتا۔

پنڈت جی: تو آپ یقین کریں کہ یہ صرف تعزیہ داری کے معجزوں کی وجہ سے ہے کتنے لوگوں کو اس کی نذر کرنے سے اولادیں مل گئیں۔ کتنے لوگوں کی مشکلات اس کی منت ماننے سے دور ہوگئیں۔ کتنے لوگوں کی اس کام کے شروع کرنے کے بعد حیرت خیز ترقی ہوگئی۔ اس کی وجہ سے کس قدر لوگ سخت سے سخت مصیبتوں سے نکل گئے اور کتنے لوگوں کی مختلف مرادیں پوری ہوئیں اور برابر ہی پوری ہوتی رہتی ہیں جس شخص کو شک ہو وہ آزما کر دیکھ لے۔

مولوی صاحب: خیر میں آپ کی اس زحمت کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اور اب اجازت چاہتا ہوں۔

پنڈت جی: آپ نے بڑا کرم فرمایا۔ آپ کی ملاقات سے مجھے جو خوشی ہوئی وہ بیان نہیں ہوسکتی۔

مولوی صاحب: یہ آپ کی ذرہ نوازی ہے۔ آداب عرض ہے۔

پنڈت جی: آداب عرض ہے۔

مولوی صاحب وہاں سے چلے تو خیال کیا کہ پرسوں ۱۲ محرم کو محلّہ رانی منڈی میں تیجے (سوئم) کی مجلس ہوتی ہے کسی میں شریک ہوں اور نذر کروں کہ اگر خدا مجھے اولاد دے گا تو میں بھی تعزیہ رکھوں گا۔ یہ سوچتے ہوئے مولوی صاحب اپنے مکان پر پہنچے۔ بیوی سے پورا قصہ بیان کیا۔ اُنہوںؑ نے بھی نذر کرنے کا وعدہ کیا۔ ۱۲ محرم کو دونوں میاں بیوی نے نذر کی اور پھر روزانہ نماز کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام کا واسطہ دے کر خدا سے اولاد کی دعا کرنے لگے۔ خدا کے بھید وہی جانتا ہے دوسرے کو کیونکر علم ہوسکتا ہے۔ اس کے تیسرے ہی مہینہ مولوی صاحب کی بیوی حاملہ ہوگئیں چوتھے مہینہ تو حکیموں نے یقین دلا دیا۔ پھر تو ان دونوں کی خوشی کا کیا پوچھنا ہے۔ گویا دنیا بھر کی بادشاہت مل گئی۔ اور دونوں مردے سے زندہ ہوگئے۔ اسی وقت مولوی صاحب اور اُن کی بیوی نے ایک تعزیہ بنوا کر رکھا۔ اور محرم آنے سے پہلے ہی خدا نے مولوی صاحب کو بھی چاند جیسا بیٹا دیا جس پر ان دونوں نے خدا کا شکریہ ادا کیا اور پنڈت جی کی ایک ایک بات کا یقین کرلیا۔ پھر دوسرے سال ایک بیٹی بھی مل گئی۔ اس طرح دونوں

میاں بیوی کو اپنی نذر کا پھل مل گیا۔ مولوی صاحب نے بیٹے کا نام فضل حسین اور بیٹی کا حسینی بیگم رکھا اور اپنے گھر کو پھلا پھولا دیکھ کر عیش و راحت سے بسر کرنے لگے۔

جب لڑکا پانچ سال کا ہوا تو مولوی صاحب نے اس کو اسکول میں داخل کر دیا۔ لڑکی اگر چہ ابھی چار ہی سال کی تھی مگر خدا نے اُس کو بے مثل ذہن و حافظہ دیا تھا۔ اس نے بھی باپ سے پڑھنے کا شوق ظاہر کیا۔ مولوی صاحب نے خاص محبت سے پڑھانا شروع کیا۔ اس نے اس بلا کی طبعیت پائی تھی کہ ابھی پوری چھ برس کی بھی نہیں ہونے پائی تھی کہ قرآن مجید اور اُردو کی دوسری تیسری کتابیں ختم کر ڈالیں۔ پھر فارسی کا شوق کیا دو برس میں اس کی بھی اچھی قابلیت پیدا ہو گئی۔

اس کے بعد عربی پڑھنے کی خواہش کی۔ باپ نے بہت سمجھایا کہ اس کی تم کو ضرورت نہیں۔ اور یہ علم مشکل بھی ہے مگر وہ مانی نہیں۔ تب مولوی صاحب بھی مستعد ہو گئے اور حسینی بیگم نے عربی پڑھنی شروع کر دی۔ کتاب الصرف، کتاب النحو۔ عربی بول چال حصہ اوّل و دوم پڑھ کر سلم الادب پڑھنے لگی۔ اس کے بعد علم الصیغہ، کافیہ اور نفتحۃ الیمن کا درس لینے لگی۔ غرض چودہ سال ختم کرنے سے پہلے ہی وہ اچھی خاصی معلّمہ ہو گئی۔ اب مولوی صاحب نے اسے پڑھانا چھوڑ دیا۔ مگر وہ کتاب کا کیڑا تھی۔ گھر کے ضروری کام کے بعد کتاب لے کر بیٹھ جاتی۔ بیکار تو وہ کبھی رہتی ہی نہیں۔ فرصت کے وقت بس کتاب ہوتی اور وہ۔ بلکہ رات کو بھی بارہ بارہ بجے تک کتاب دیکھتی رہ جاتی۔ مولوی صاحب کے پاس جو سینکڑوں کتابیں تھیں اُن سب کو دیکھنے کے علاوہ سینکڑوں روپیہ کی عربی فارسی کتابیں اس نے باپ سے فرمائش کر کے خریدیں اور سب کو دیکھ ڈالا۔ اس طرح سولہ برس کے سن میں حسینی بیگم بہت بڑی عالم ہو گئی اور مولوی صاحب سے گھنٹوں علمی مسئلوں میں مہذب بحث کیا کرتی۔ اس کے علم و فضل کا شہر بھر میں ڈنکا بج رہا تھا۔

مولوی صاحب کے دوست حکیم عبدالوہاب صاحب کے صاحبزادے مولوی عبدالغفار صاحب بھی مدرسہ الہ آباد، مدرسہ کانپور، مدرسہ رام پور مدرسہ دیو بند میں اپنی قابلیت اور

فضیلت کا سکہ بٹھا چکے تھے۔ ہر امتحان میں اوّل اور ہر درجہ میں سب سے ممتاز۔ غرض بڑے بڑے مدرسوں میں اُن کے علمی استعداد کی دھوم ہوگئی تھی۔ جب مدرسہ دیو بند سے بھی اُن کی دستار بندی ہوچکی اور اب کوئی درجہ باقی نہیں رہا تو باپ کے پاس الہ آباد میں آ کر عربی کتابوں کا ترجمہ کر کے اور اس کو چھپوا کر تجارت کا کام شروع کر دیا جس سے سینکڑوں، روپیہ ماہوار کی آمدنی ہونے لگی۔ اب حکیم صاحب کو اُن کی شادی کی فکر ہوئی، اونچی اونچی جگہوں سے نسبت آنے لگی۔ ادھر مولوی عبدالحمید صاحب بیٹی حسینی بیگم کے لیے بھی بڑے بڑے گھروں سے خواستگاری کے پیغام آنے لگے مگر حکیم صاحب اور مولوی صاحب کی دوستی کا اثر یوں ظاہر ہوا کہ مولوی عبدالغفار کی شادی حسینی بیگم کے ساتھ کر دی گئی۔ جس میں شہر کے کل اہل علم جمع ہوئے اور سب نے مولوی عبدالغفار کی خوش قسمتی پر رشک کیا کہ حسینی بیگم ایسی فرشتہ خصال اور حور صفت بیوی اُن کو ملی جس کی عقل وفہم اور علم وفضل کا دور دور شہرہ ہوگیا ہے۔ مولوی عبدالغفار اور حسینی بیگم کو بھی بہت خوشی تھی اور ایک نے دوسرے کو اپنے لیے نہایت درجہ پسند کیا بلکہ طرفین سے ہر شخص اپنے کو دوسرے سے زیادہ خوش قسمت سمجھتا تھا۔ غرض دونوں میاں بیوی نہایت لطف ومسرت کی زندگی بسر کرنے لگے اور ہر شخص دوسرے پر فریفتہ تھا۔

✿✿✿✿✿

پہلا باب

حضرت امام حسین علیہ السلام کے نام کے ساتھ ''علیہ السلام'' کہنا

ایک روز مولوی عبدالغفار صاحب مکان میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ اُن کی بیوی نہایت زرق برق کپڑے پہنے اور عطر میں بسی ہوئی بیٹھی ہیں اور باورچی خانہ میں بھی عمدہ کھانوں کا سامان ہے جس کی خوشبو سے دماغ معطر ہو گیا۔ تھوڑی دیر میں دسترخوان چنا گیا تو واقعاً نہایت لذیذ غذائیں ملیں۔ مولوی صاحب گھبرائے کہ یہ قصہ کیا ہے۔ آج اس گھر میں عید کا سامان کیوں کیا گیا۔ جب کھانے سے فارغ ہو کر کمرے میں آرام کرنے گئے اور تھوڑی دیر میں حسینی بیگم بھی وہاں پہنچیں تو اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

مولوی عبدالغفار صاحب: یہ آج کیا ہے کہ تم نے اس قدر زینت کی ہے اچھے اچھے کپڑے پہنے ہیں۔ لذیذ غذائیں پکوائی ہیں اور خوشی کا اس قدر سامان کیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے آج عید ہے۔

حسینی بیگم: واقعاً آج عید ہے۔ آپ کو خبر نہیں کہ آج تین شعبان ہے۔ آج حضرت محمد ﷺ کے گھر عید ہی تھی۔ کیونکہ آپ کے چھوٹے نواسے حضرت حسین علیہ السلام آج ہی پیدا ہوئے تھے۔

مولوی صاحب: ہاں سچ ہے۔ مگر تم حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ''علیہ السلام'' کیوں کہتی ہو۔ یہ تو خاص پیغمبروں کے لیے بولا جاتا ہے۔ سوائے انبیاء و مرسلین کے اور کسی کے نام کے ساتھ علیہ السلام نہیں کہنا چاہیے۔ ان حضرت کو رضی اللہ عنہ بولنا چاہیے۔ جس طرح صحابہ کو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اُسی طرح اُن لوگوں کو بھی کہا کرو۔

حسینی بیگم: اگر آپ شوہر کی حیثیت سے حکم دیتے ہیں تو یہ بات علیحدہ ہے۔ لیکن اگر قاعدہ سے پوچھتے ہو تو میں نے صحیح کہا ہے۔ حضرت امام حسین کو علیہ السلام بھی کہہ سکتے ہیں اور بڑے

بڑے علماء لکھتے رہے ہیں۔

مولوی صاحب: قاعدہ تو بعد میں بتانا کیونکہ تم بڑی منطقی ہو۔ ہر بات میں کوئی نہ کوئی نکتہ نکال لیتی ہو اور کسی نہ کسی دلیل سے اپنا دعویٰ سچ ہی کر دکھاتی ہو مگر یہ بتاؤ کہ وہ بڑے بڑے علماء کون ہیں جنہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بھی علیہ السلام کہا یا لکھا ہو۔ ہرگز کسی عالم نے یہ بدعت نہیں کی ہوگی۔

حسینی بیگم: یوں میں نہیں بتانے لگی۔ کچھ انعام کا وعدہ کرو تو میں ابھی بتاتی ہوں اور تمہاری ساری مولویت کو شرما دیتی ہوں۔

مولوی صاحب: اللہ اکبر اتنے بڑے دعوے۔ اچھا میں تم کو سو روپیہ کے نئے زیور بنوا دوں گا۔ معاذ اللہ ایسی بدعت کوئی مسلمان عالم کر سکتا ہے؟

حسینی بیگم: نہیں! زیور لے کر کیا کروں گی۔ زیور میں زیادہ روپیہ لگانا پاگلوں کا کام ہے۔ جس کی قیمت دس سال کے بعد بیس فیصد ہی تو ضرور ہی کم ہو جاتی ہے اور جس کی حفاظت میں انسان کو کس قدر زحمت ہوتی ہے کیونکہ ہر وقت چوری کا خطرہ لگا رہتا ہے۔ میں زیور سے باز آئی۔ مجھے آپ سو روپیہ کی کئی کتابیں لا کر دینے کا وعدہ کریں تو میں بتاؤں کہ یہ بدعت ہے یا سنت!

مولوی صاحب: ہاں! میں ضرور لا کر دوں گا۔ تم بتاؤ۔

حسینی بیگم: میں کیا بتاؤں سینکڑوں کتابوں میں ہے۔ چند کتابوں کا نام لیتی ہوں بلکہ اُن کی عبارتیں بھی سنا دیتی ہوں۔ شمس العلماء جناب مولوی شبلی نعمانی صاحب کو تو آپ اچھی طرح جانتے ہیں وہ قسطنطنیہ میں محرم کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''یہاں کا محرم بھی ایک قابل ذکر چیز ہے...... محرم کے زمانہ میں دھوم دھام کی مجلسیں اور نوحہ و بکا کا ہنگامہ زیادہ تر یہیں ہوتا ہے مجلسوں میں یہاں سوز اور تحت لفظ کا دستور نہیں۔ صرف حدیث خوانی ہوتی ہے اور درحقیقت مجلس عزاء کا مقصود بھی یہی ہے۔ عام طریقہ یہاں کا یہ ہے کہ اوّل منبر کے قریب ایک شخص کھڑے ہو کر جناب امیر علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے فضائل و مناقب کے اشعار پڑھتا ہے'' (سفرنامہ روم و مصر شام ص ۱۰۳) مصر کے متعلق لکھتے ہیں:

''مزارات اور مشاہد بھی کثرت سے ہیں اور ان کے مصارف کے لیے بہت سے اوقاف ہیں۔ حضرت زینب علیہا السلام (امام حسین علیہ السلام کی بہن) حضرت ام کلثوم علیہا السلام، امام شافعیؒ، امام لیثؒ کے تبصرے بڑی شان و شوکت کے ہیں۔'' (سفر نامہ مذکور ص ۲۰۷)

موصوف دوسری کتاب میں لکھتے ہیں:

''حضرت علیؑ کے عہد میں امیر معاویہؓ نے ہمسری کا دعویٰ کیا...... امام حسنؑ نے گو مصلحتاً خلافت سے ہاتھ اُٹھا لیا...... حضرت حسینؑ کے جانکاہ واقعہ کو ہم دہرانا نہیں چاہتے'' (المامون ص ۱۳) اور بڑے جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن عباس کے بارے میں لکھتے ہیں: ''عبداللہ بن عباس نے حسینؑ کی رکاب تھامی تھی۔'' (المامون ص ۲۰۸)

یہی مولوی صاحب ایک اور کتاب میں لکھتے ہیں: ''اسی سال (۴ ہجری) شعبان میں امام حسینؑ کی ولادت ہوئی۔'' (سیرۃ النبی جلد اوّل ص ۲۸۷)

اور ۹ ہجری کے واقعات میں لکھتے ہیں: ''جب آنحضرتؐ حضرت فاطمہ زہراؑ اور امام حسن و حسین علیہما السلام کو لے کر مباہلہ کے لیے نکلے۔'' (سیرۃ النبی جلد ۲ ص ۳۹)

ایک اور جگہ لکھتا ہے: ''حضرت زینبؑ امام حسنؑ امام حسینؑ اور ام کلثومؑ اہم واقعات کے لحاظ سے تاریخِ اسلام میں مشہور ہیں۔'' (سیرۃ النبی جلد ۲ ص ۳۴۲)

اور کچھ زمانہ قبل ایک مشہور عالم جناب مولوی احتشام الدین صاحب مراد آبادی گزرے ہیں جنہوں نے شیعوں کی مخالفت میں ایک بڑی کتاب لکھی تھی۔ وہ لکھتے ہیں:

''جناب امام حسین علیہ السلام کی ذات مبارک میں۔'' (نصیحۃ الشیعہ جلد ۱، ص ۴۴)

''آخر کو حسین علیہ السلام امت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ سے قتل ہوں گے۔'' (ص ۴۸)

''شہادت حسین علیہ السلام کے واقعات میں سب سے پہلا امر جو باسباب ظاہر باعث اس حادثہ کا ہوا یہ تھا کہ جناب امام علیہ السلام نے بیعت یزید کی گوارا نہ کی۔'' (ص ۱۴۹)

اسی طرح سینکڑوں جگہ اس کتاب میں بھی حضرت کو علیہ السلام لکھا ہے۔ جناب مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری بھی اپنے اخبار اہلحدیث امرتسر میں برابر امام حسین علیہ السلام لکھتے ہیں۔ اور حضرات اہلحدیث کے پیشوائے اعظم جناب مولوی وحید الزماں خاں صاحب حیدرآبادی لکھتے ہیں: ''امام حسن اور امام حسین علیہما السلام بھی وہیں تھے (انوار اللغتہ پارہ ۶ ص ۷۶)

''وہ شخص ملعون ہے ملعون ہے جو کسی گھاٹ کا پانی روکے۔ یعنی جہاں لوگ پانی پیتے ہوں ان کو نہ پینے دے۔ ایسی حالت میں جن لوگوں نے امام حسینؑ اور آپؑ کے ساتھ اور عیال و اعفال خورد سال کو فرات کے پانی سے روکا ان کے معلون ہونے میں بموجب نص حدیث کیا شک رہی؟'' (انوار اللغتہ پارہ ۱۳ ص ۳۶)

''برخلاف معاویہ کے وہ تو مرتے دم تک اہلبیت علیہم السلام کے دشمن اور مخالف رہے اور حضرت علی علیہ السلام کو گالیاں دینے کے لیے تمام خطیبوں کو حکم دیا اور اپنی آخری عمر میں مکر و فریب اور پولیٹیکل چالوں سے یزید کے سے نالائق فرزند کو خلیفہ بنایا حالانکہ امام حسین علیہ السلام کے موجود ہوتے ہوئے یزید ان کے پاخانہ کا لوٹا اُٹھانے کے بھی لائق نہ تھا۔'' (انوار اللغتہ پارہ ۱۴ ص ۱۰)

اور جناب جامع معقول و منقول ابوالاحسان مولوی عبدالحق صاحب سہارنپوری نے لکھا ہے: ''سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام'' (تصدیق شہادت مطبوعہ میرٹھ ۱۳۲۲ ہجری ص ۳)

''امام حسین علیہ السلام'' (تصدیق شہادت ص ۶، ۱۲، ۱۳، ۲۶، ۳۶، ۵۴، ۶۳، ۷۱)

اور جناب شیخ المشائخ تاج العلماء مولوی شاہ محمد سلیمان صاحب ساکن پھلواری ضلع پٹنہ جو زمانہ حال کے بہت بڑے امام اہل سنت ہیں تحریر فرماتے ہیں: سید الشہداء جناب امام حسین علیہ السلام۔'' (رسالہ غم حسین مطبوعہ لکھنؤ ص ۳، ۴، ۱۳، ۱۵، ۲۱، ۴۵، ۵۲، ۵۵، ۵۷، ۶۳، ۷۱، ۷۲، ۷۶ تا آخر کتاب)

مولانا ممدوح اپنی دوسری کتاب میں لکھتے ہیں۔'' حضرت سید الشہداء امام ہمام جناب سیدنا و مولانا امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام۔'' (رسالہ شہادت حسین ٹیٹل، ص ۱، ۳ تا آخر کتاب)

کہو! میں یونہی بکتی چلی جاؤں اور آپ چپ چاپ سنتے جاؤ گے یا کچھ منہ سے بولو گے بھی؟

مولوی صاحب: میں تمہاری وسعت نظر پر حیران ہو رہا ہوں کہ مولوی صاحب تو میں کہا جاؤں۔ مدرسوں کی خاک میں چھانوں، مذہبی علوم حاصل کرنے کی محنت میں کروں۔ مگر معلومات تم کو اس قدر ہوں کہ دریا معلوم ہوتی ہو۔ مگر ایک بات کہوں۔ یہ سب تو اُردو کتابوں کا استعمال ہے۔ فارسی اور عربی کتابوں میں تم حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ''علیہ السلام'' کا استعمال نہیں دکھا سکتی ہو۔

حسینی بیگم: بہت اچھا سنئے۔ جناب شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کو تو خوب جانتے ہو جو دہلی کے بہت بڑے عالم اور پیشوائے اہل سنت تھے اور جنہوں نے شیعوں کے خلاف مشہور کتاب تحفہ اثنا عشری لکھی تھی ان مولوی صاحب کے شاگرد رشید جناب مولوی شاہ سلامت اللہ صاحب لکھتے ہیں: ''حضرت امام حسن و امام حسین علیہما السلام۔'' (تحریر الشہادتین، ص۱۶، ۲۹ حسین علیہما السلام، ص۲۱، ۲۵، ۲۶) جناب امام حسین علیہ السلام (ص۳۴، ۴۱، ۴۵، ۴۶، ۴۸)۔

غرض پوری کتاب میں سینکڑوں جگہ پر ہے اور جناب علامہ شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں: ''در موضع قبور امام حسن و زین العابدین و محمد باقر و جعفر صادق سلام اللہ علیہم اجمعین سنگے یافتند بروے نوشتہ ہذا قبر فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ سیدۃ نساء العالمین و قبر الحسن بن علی بن الحسین بن علی و جعفر بن محمد علیہم التحیہ والسلام یعنی امام حسن و زین العابدین و محمد باقر و جعفر صادق علیہم السلام کی قبروں کی جگہ ایک پتھر پایا گیا جس پر لکھا تھا کہ یہ قبر ہے جناب فاطمہ دختر رسول اللہ ﷺ و سیدہ نساء العالمین کی اور قبر ہے حضرت حسن بن علی و علی بن حسین و جعفر بن محمد علیھم التحیۃ والسلام کی۔'' (مدرج النبوۃ جلد۲ ص۵۴۵) اور جناب مولوی صدر الدین صاحب بوہاری نے بھی لکھا ہے حسین بن علی علیہما السلام شنید یعنی حضرت حسین بن علی علیہما السلام نے سنا۔ (روائح المصطفیٰ ص۵۹)

اور جناب مولوی محمد مبین صاحب فرنگی محل نے بھی اپنی کتابوں میں ہزاروں جگہ حضرت کو علیہ السلام لکھا ہے (کتاب وسیلۃ النجاۃ مطبوعہ لکھنؤ اور جناب شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی نے بھی اپنی کتابوں میں کئی جگہ لکھا ہے جیسے ''حضرت امام حسین علیہ السلام بنا بر دعوئ خلافت

راشدہ۔'' (فتاویٰ عزیزی، جلد ا ص ۲۱)

مکتوب درحال ہمراہیان حضرت امام حسین علیہ السلام یعنی حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھیوں کے حالات میں یہ تحریر ہے۔ (فتاویٰ عزیزی جلد ا ص ۸۴)۔

بیان جواز علیہ السلام گفتن بہ علی مرتضیٰ وسیدۃ النساء وحسنین رضی اللہ عنہم۔ یعنی اس بات کے بیان میں کہ جناب علی مرتضیٰ وسیدۃ النساء وامام حسن وامام حسین رضی اللہ عنہم کو ''علیہ السلام'' کہنا جائز ہے۔ (فتاویٰ عزیزی، جلد ا ص ۲۳۴)

جناب شاہ صاحب موصوف نے اپنی مشہور کتاب تحفہ اثناعشریہ میں بھی ان حضرات کو بہت سی جگہوں میں علیہ السلام اور علیہم السلام لکھا ہے۔ کہو اب بھی آپ مانے یا میں اور ثبوت پیش کروں۔

مولوی صاحب: واقعاً بڑی حیرت کی بات ہے۔ کیسے اتنے بڑے علماء محدثین نے ان لوگوں کے ساتھ ''علیہ السلام'' لکھ دیا جو پیغمبروں کے سواء کسی کے لیے بولنا ہی نہیں چاہیے۔

حسینی بیگم: کہو تو میں ایک اور بات ایسی کہوں کہ آپ اپنا سر پکڑ کر رونے لگیں۔

مولوی صاحب: میرا دشمن روئیں۔ میں کیوں رونے لگا

حسینی بیگم: ہاں ہاں میں بھی یہی کہتی ہوں کہ خدا نہ کرے آپ روئیں بلکہ آپ کے دشمن ہی روئے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ وہ بات بتاؤں جس سے وہ لوگ روئیں اور اپنا منہ آپ نوچیں جو حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ ''علیہ السلام'' کہنا پسند نہیں کرتے یعنی غیر مقلد حضرات اہل حدیث حضرات جن سے ہونے کا آپ کو بڑا دعویٰ ہے۔

مولوی صاحب: بیشک میں غیر مقلد ہوں۔ میں اہلحدیث ہوں۔ مگر تم کون سی بات بتاؤ گی جس سے ہم لوگ روئیں گے؟

حسینی بیگم: آپ جناب نواب مولوی صدیق حسین خان صاحب بھوپالی کو تو جانتے ہوں گے۔

مولوی صاحب: ہاں۔ ہاں کیوں نہیں۔ وہ ہماری جماعت اہل حدیث کے بہت بڑے عالم اور نہایت زبردست پیشوا تھے۔ ان کے برابر تو اس زمانہ میں کوئی عالم ہوا ہی نہیں۔ اس کثرت سے کتابیں انہوں نے لکھیں کہ ہندوستان کا کیا ذکر ہے۔ عرب، شام، مصر تمام پھیل

گئیں۔کون اہلحدیث عالم یا طالب علم ہے جو ان کو نہیں جانتا ان کے احسانوں سے دنیا کے اہل حدیث اپنا سر اُٹھا سکتے۔اُنہوں نے مذہب اہل حدیث کو بہت پھیلایا۔خوب مضبوط کیا بلکہ اس مذہب میں جان ڈال دی۔

حسینی بیگم: اگر ان مولوی صاحب نے بھی حضرت امام حسین علیہ السلام کو ''علیہ السلام'' لکھا ہو تب آپ کیا کہیں گے۔

یہ سننا تھا کہ مولوی صاحب بڑے غصہ میں اپنے پلنگ سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور خوب زوروں میں اِدھر سے اُدھر ٹہلنے لگے اور منہ سے کہنے لگے کہ ''ہرگز نہیں۔کبھی نہیں۔یہ ممکن ہی نہیں ہے۔قرآن مجید کی قسم انہوں نے کبھی نہیں لکھا ہے۔خدا کی قسم یہ غلط ہے۔ان کی بہت سی کتابیں میں دیکھ چکا ہوں۔ایک میں بھی اُنہوں نے نہیں لکھا۔تم محض جھوٹ کہتی ہو۔سراسر اتہام اور بہتان ہے۔وہ بہت بڑے درجہ کے محدث بلکہ امام تھے۔ان کو تم نے سمجھا کیا ہے۔وہ کیا ایسے ویسے تھے؟ مولوی صاحب کہتے جاتے اور غصہ میں اچھلتے جاتے تھے اور ہاتھ پھینک پھینک کر کہتے جاتے ہرگز نہیں۔

حسینی بیگم: افسوس! آپ اتنے بدحواس کیوں ہوئے جاتے ہیں۔کیا آپ کو کسی نے چونٹی کاٹ دی ہے یا پلنگ پر کانٹے چبھنے لگے؟ ابھی تو مزے سے باتیں کرتے تھے دفعتہً نصیب دشمنان یہ آپ کو ہو کیا گیا۔ذرا اپنے ہوش کی خبر لو۔مزاج درست کرو۔آدمی بنو نہیں لکھا ہے تو نہ سہی۔

مولوی صاحب: نہیں میں کبھی نہ مانوں گا۔تم نے اتنی بڑی بات کہہ دی مجھ سے کیسے برداشت ہو۔معاذ اللہ نواب مولانا صدیق حسن خان صاحب ایسی بدعت کر سکتے ہیں؟ ان کا کوئی ادنیٰ شاگرد تو ایسی غلطی کر نہیں سکتا۔پھر وہ کیسے لکھ دیں گے؟ ناممکن! ناممکن!! محال!!! محال!!! میں کسی طرح نہیں مان سکتا۔اتنے بڑے پیشوا یہ غلطی کر ہی نہیں سکتے۔

حسینی بیگم: اچھا اب بیٹھو بھی یا ناچتے ہی رہو گے۔لو آج مجھے معلوم ہوا کہ تم کو ناچنا بھی خوب آتا ہے۔صدقے گئی۔ذرہ بتاؤ تو یہ کہاں سے سیکھا ہے؟

مولوی صاحب اس جملہ سے شرما گئے۔دیکھا تو واقعاً ان کی حالت ناچنے کی سی ہوگئی

تھی ۔ نرم ہو کر پلنگ پر بیٹھ گئے ۔ حسینی بیگم اُٹھیں اور پان کی خوب عمدہ ایک گلوری بنا کر ان کو کھلائی ۔ جب ان کا غصہ مٹا تو آہستہ سے اُٹھیں الماری سے ایک کتاب نکال کر لائیں اور مولوی صاحب کو دے کر کہا:

حسینی بیگم: ذرہ دیکھو تو یہ کون سی کتاب ہے ۔

مولوی صاحب: یہ تو صاف لکھا ہے ۔ ''حجج الکرامہ فی آثار الکرامہ'' میں ۔

حسینی بیگم: ہاں اور یہ کس کی تصنیف سے ہے؟

مولوی صاحب: یہ بھی صاف لکھا ہوا ہے از تالیف سید سند، محدث مستند، مفسر معتمد، ناشر آثار محمدیہ، ناصر اخبار احمدیہ عالی خطاب، عالی القاب نواب والا جاہ امیر الملک سید محمد صدیق حسن خاں صاحب بہادر ۔

حسینی بیگم: اور یہ کہاں چھپی ہے ۔

مولوی صاحب: یہ بھی بالکل واضح ہے ۔ در مطبع شاہجہانی واقع بلدہ بھوپال ۔

حسینی بیگم: اب مہربانی کر کے ذرا اس کے صفحہ ۱۷۹ سطر ۸ سے پڑھ کر مجھے سناؤ تو ۔

مولوی صاحب نے کتاب کھولی اور اس سطر پر نظر پڑتے ہی معلوم ہوا کہ کسی پہاڑ کے نیچے دب گئے ۔ سب جوش اور غصہ ختم ہو گیا ۔ اس کے عوض بدن سے پسینہ نکلنے لگا ۔ اور زبان تو ایسی بند ہوئی کہ بالکل چپ ہو گئے ۔ کچھ دیر تک حسینی بیگم خاموش رہیں ۔ پھر بولیں ۔

حسینی بیگم: پڑھو کیا لکھا ہے ۔

مولوی صاحب: اب بھی چپ رہے ۔ کسی طرح بولا ، ہی نہیں جاتا ۔

حسینی بیگم: اے ہے کیا ہوا ۔ پڑھتے کیوں نہیں ۔ کچھ تو بولو ۔ کچھ تو سر سے کھیلو ۔

مولوی صاحب: (ہنس کر) کیا پڑھوں ۔ مجھ سے تو پڑھا نہیں جاتا ہے ۔

حسینی بیگم: ایں ۔ اتنے بڑے بڑے مدرسوں کو چاٹ کر بیٹھے ہو اور دن رات کتابیں دیکھتے اور رسالے لکھتے رہتے ہو اور ایک فارسی کی کتاب آپ سے نہیں پڑھی جاتی ۔ اچھا (قہقہہ لگا کر) میں ایک ترکیب بتاؤں ہجے کرو تو آ جائے گا ۔

مولوی صاحب: (شرما کر) دیکھو تم مجھے بہت ستانے لگیں۔

حسینی بیگم: (ہاتھ جوڑ کر) خدا نہ کرے کہ میں آپ کو ستاؤں۔ یہ آپ نے کیا کہا۔ میں نے ستایا کس طرح۔

مولوی صاحب: نہیں نہیں۔ یہ میرا مطلب نہیں ہے۔ بلکہ یہ کہ تم ایسی چٹکیاں لے رہی ہو جس سے میں گڑا جاتا ہوں۔ ہائی اللہ میں نے کتنی جھوٹی قسمیں کھائیں کہ مولانا صدیق حسن خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو "علیہ السلام" کبھی نہیں لکھا ہوگا مگر تم نے تو ان کی کتاب ہی دکھا دی اس میں تو تمام لکھا ہے حسین علیہ السلام برادر دے (سطر ۸) حسین علیہ السلام از عائشہ پرسید (سطر ۱۷) حسین علیہ السلام باہمراہیان خود سلاح پوشیدہ (سطر ۱۹) ابو ہریرہ بحسین علیہ السلام گفت (سطر ۲۰) حسین علیہ السلام تشنید (ص ۱۸۰، سطر ۲۲) اسی طرح سینکڑوں جگہ یہی لکھا ہے۔ مگر ابھی ایک آڑ میرے لیے باقی ہے۔

حسینی بیگم: وہ کیا؟

مولوی صاحب: یہ کہ تم نے جو کتابیں دکھائیں وہ اُردو فارسی کی ہیں۔ اصلی اور سند تو عربی کتابیں ہیں۔ ان میں تو یہ نہیں دیکھا سکتیں اور یہ بھی تم خوب جانتی ہو کہ میں اُردو فارسی کی کتابیں بہت کم دیکھتا ہوں۔ عربی کتابوں ہی سے کہاں فرصت ملتی ہے۔ اور میں دعوے سے کہتا ہوں کہ ہمارے علماء کی عربی کتابوں میں کوئی شخص یہ بات نہیں دکھا سکتا۔

حسینی بیگم: ہاں ہاں آپ کی معلومات اور خاص کر عربی کتابوں کی اطلاع پر کون شخص شبہ کر سکتا ہے۔ یہی تو مجھے فخر ہے کہ خدا نے مجھے اتنے بڑے عالم بلکہ علامہ دہر کی بیوی بنایا۔ آج آپ کے علم و فضل کی دور دور تک دھوم ہے۔ آپ کے وعظ میں جو لوگ شریک ہوتے ہیں وہ سب کہتے ہیں کہ آپ بہت بڑی قابلیت اور خداداد علم و فضل کے مالک ہیں۔ اور اہل حدیث جماعت میں آپ کے برابر عالم متبحر شاید ہی چار پانچ صاحب نکل سکیں۔ مگر میرا خیال ہے کہ عربی کتابوں کے بارے میں بھی آپ کا دعویٰ صحیح نہیں۔

مولوی صاحب: تو کیا کسی عربی کتاب میں بھی حضرت حسین کو d لکھا ہے؟

حسینی بیگم: ایک دو کتابوں میں؟

مولوی صاحب: رہنے دو۔ تم ایک میں بھی نہیں دکھا سکتیں۔

حسینی بیگم: گئیں اور الماری سے دس بارہ کتابیں نکال لائیں۔ جو سب بڑے بڑے علماء اہل سنت ہی کی تھیں۔ پھر کہا:

مولوی صاحب: دیکھو (۱) جناب علامہ محمد بن عقیل نے اپنی کتاب میں کئی جگہ حضرت کو علیہ السلام لکھا ہے: مثلاً

هذا انص كتاب الحسين بن على عليهما السلام

''یعنی حضرت امام حسینؑ کے خط کی یہ نقل ہے۔'' (نصائح کافیہ مطبوعہ بمبئی ص ۴۲)

فكان اول من لقيه الحسين بن على عليهما السلام

''یعنی سب سے پہلے اُس سے امام حسین علیہ السلام ملے۔'' (نصائح ص ۴۶)

بن زياد كتب الى عمرو بن سعيد بن العاص وهو وال على المدينة الشريفة يبشره تقبل الخسين عليه السلام

''یعنی ابن زیاد نے مدینہ کے حاکم عمرو بن سعید بن العاص کو امام حسین علیہ السلام کے قتل کی خوشخبری لکھ بھیجی۔'' (نصائح ۵۰)

اسی طرح تمام کتب میں ہے۔ علامہ سبط ابن جوزی نے بھی سینکڑوں جگہ حسین علیہ السلام لکھا ہے' مثلاً

الباب التاسع فى ذكر الحسين عليه السلام

''یعنی نواں باب امام حسین علیہ السلام کے بیان میں۔'' (تذکرہ خواص الامہ مطبوعہ ایران ۱۳۳)

ذكر وصول الحسين عليه السلام الى العراق

''یعنی امام حسین علیہ السلام کے عراق پہنچنے کے بیان میں۔'' (تذکرہ ص ۱۴)

اسی طرح بہت ہے (۳) بہت بڑے پیشوا جناب شیخ عبدالحق صاحب نے جو محدث

دہلوی مشہور ہیں لکھا ہے:

ذکر مقتل سیدنا الامام الشهید السعید سبط رسول الله الامام ابی عبدالله الحسین سلام الله علیه وعلیٰ آبائه الکرام

''یعنی ہمارے سردار، امام شہید، سعید، رسول خداؐ کے نواسے۔ امام ابوعبداللہ حسین علیہ السلام کی شہادت کا بیان۔'' (کتاب ما ثبت بالسنہ ص۱۰)(۴)

جناب شاہ عبدالعزیز صاحب نے بھی اپنی عربی کتاب میں کئی جگہ لکھا ہے۔ مثلاً ایک جگہ ہے:

فاستنابت الحسنین علیهم السلام مناب جدهما

''یعنی خدا نے حضرت امام حسن و حسین علیہما السلام کو حضرت رسول خداؐ کا قائم مقام بنا دیا۔'' (سر الشہادتین در تحریر الشہادتین ص ۱۶)

وکتبوا الی الحسین علیه السلام

''یعنی کوفہ والوں نے امام حسین علیہ السلام کو لکھا۔'' (ص ۳۸)

ثم وجه ذریة الحسین ورأسه مع علی ابن الحسین علیهما السلام الی المدینة

''یعنی یزید نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے سر اور آپ کے اہل بیت کو امام زین العابدین علیہ السلام کے ساتھ مدینہ روانہ کر دیا۔'' (ص ۷۱)

یہ کتاب سر الشہادتین ایسی عظیم الشان ہے کہ آپ کے امام اور علامہ جناب مولانا نواب صدیق حسن خان صاحب بھوپالی نے اس کے بارے میں لکھا ہے گویم اصح توالیف دریں باب رسالہ سر الشہادتین تالیف شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی است یعنی شہادت امام حسین علیہ السلام کے بیان میں سب سے زیادہ صحیح کتاب سر الشہادتین ہے جو جناب شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کی تصنیف سے ہے (حجج الکرامہ ص ۱۷۹)(۵)

علامہ ابن الطقطقی نے بھی اپنی کتاب میں برابر حسین علیہ السلام لکھا ہے: مثلاً

نبدأ القتل الحسين عليه السلام

''یعنی اب ہم شہادت امام حسین علیہ السلام کا بیان شروع کرتے ہیں۔'' (٦) (تاریخ فخری ص۸۴ وغیرہ)(٦)

بڑے مشہور مؤرخ علامہ مقریزی لکھتے ہیں:

بالنياحة والبكاء على الحسين عليه السلام

''یعنی امام حسین علیہ السلام پر نوحہ و بکا کرتے ہوئے۔'' (کتاب الخطط مطبوعہ مصر جلد۲ص ۲۸۹)

سکینہ بنت الحسین بن علی بن ابی طالب علیہم السلام یعنی سکینہ جو دختر تھیں امام حسین بن علی بن ابی طالب علیہم السلام کی (الخطط جلد۳، ص۲۳۳) (۷) سب سے زیادہ حیرت خیز بات یہ ہے کہ خاص دمشق ملک شام کے علماء بھی جو خلفائے بنی امیہ کا پائے تخت تھا۔ حضرت امام حسین کو ''علیہ السلام'' لکھتے ہیں۔ چنانچہ علامہ جمال الدین القاسمی الادمشقی جنہوں نے مسجدوں کی بدعتوں کو مٹانے کے لیے ایک کتاب لکھی ہے۔ لکھتے ہیں:

نعى الامام الشهيد الحسين عليه السلام على المنبر فى جمعة عاشوراء

''یعنی جمعہ عاشوراء میں منبروں پر حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا بیان کرنا۔'' (کتاب اصلاح المساجد من البدع والعوائد مطبوعہ مصر ۱۸۳)

مولوی صاحب: واقعاً بڑی حیرت کی بات ہے۔ تم نے تو میری آنکھیں کھول دیں مگر یہ علماء شروع زمانہ اسلام کے نہیں ہیں۔ اُس زمانہ میں جو کتابیں لکھی گئیں اُن میں یہ استعمال نہیں مل سکتا ہے۔

حسینی بیگم: افسوس یہ کہ میں لکھنؤ، رام پور، حیدر آباد نہیں گئی کہ وہاں کے کتب خانوں کی

پرانی اور قدیم کتابیں دیکھتی اور آپ کو پتا بتاتی۔ مگر خیر جو معلوم ہے اُسے دکھائے دیتی ہوں
(۸) علامہ ابوالفرج جو خاص بنی امیہ کے خاندان سے تھے انہوں نے بھی اپنی کتاب میں
سینکڑوں جگہ امام حسین علیہ السلام لکھا ہے جیسے بعد قتل الحسین علیہ السلام یعنی
امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد زوجھا الحسین علیہ السلام ۔یعنی ان کے
شوہر امام حسین علیہ السلام تھے ۔بنت الحسین علیہ السلام یعنی امام حسینؑ کی بیٹی
(دیکھو کتاب الاغانی، مطبوعہ مصر، جلد ۱۴، ص ۱۶۳ تا آخر)

یہ علامہ ۲۸۴ ہجری میں پیدا ہوئے، اور ۳۵۶ ہجری میں بغداد میں مرے (کتاب
مراۃ الجنان مطبوعہ حیدر آباد جلد ۲ ص ۳۵۹) کہو اس مورخ جلیل آپ قدیم زمانہ کا مانیں
گے یا نہیں؟ اور سنو (۹) علامہ مسعودی کو تو جانتے ہو جن کے بارے میں جناب شمس العلماء
علامہ شبلی نعمانی صاحب نے لکھا ہے ''ابوالحسین علی بن حسین مسعودی التوفی ۳۸۶ ہجری فن
تاریخ کا امام ہے۔ اسلام میں آج تک اس کے برابر کوئی وسیع النظر مورخ پیدا نہیں ہوا۔ وہ
دنیا کی اور قوموں کی تواریخ کا بھی بہت بڑا ماہر تھا۔ اس کی تمام تاریخی کتابیں ملتیں تو کسی اور
تصنیف کی حاجت نہ ہوتی۔ لیکن افسوس ہے کہ قوم کی بد مذاقی سے اس کی اکثر تصنیفات ناپید
ہوگئیں۔ یورپ نے بڑی تلاش سے دو کتابیں مہیا کیں۔ ایک مروج الذہب اور دوسری
کتاب الاشراف والتنبیہ ۔مروج الذہب مصر میں چھپ گئی ہے۔ (الفاروق ص ۸)

یہ علامہ بھی لکھتے ہیں: ذکر مقتل الحسین بن علی بن ابی طالب علیہ
السلام۔ 'یعنی حضرت حسین علیہ السلام کی شہادت کا بیان۔' (مروج الذہب برحاشیہ تاریخ
کامل مطبوعہ مصر جلد ۶ ص ۱۳۹)

مولوی صاحب: دیکھو اس عبارت کو تم پیش نہیں کرسکتیں۔ ہوسکتا ہے کہ علامہ مسعودی نے
حضرت علی کو علیہ السلام لکھا ہو۔ نہ حضرت حسین علیہ السلام کو۔

حسینی بیگم: افسوس تم لوگ کیسی ناانصافی کی باتیں کرتے ہو۔ اچھا یہی علامہ یہ بھی لکھتے ہیں:
فی حرب الحسین علیہ السلام یعنی امام حسین علیہ السلام کی لڑائی میں (مروج

الذہب جلد ۶ ص ۱۴۲)۔ بتاؤ یہاں کیا بات بنا سکتے ہو۔

مولوی صاحب: نہیں تم ہی ٹھیک کہتی ہو۔ بیشک علامہ مسعودی نے بھی حضرت کو علیہ السلام لکھا ہے۔ اور میں مانتا ہوں کہ علامہ ابوالفرج اور علامہ مسعودی دونوں بہت قدیم زمانہ اسلام کے علامہ اور مؤرخ تھے۔

حسینی بیگم: اُن سے بھی پہلے کے علامہ کی کتاب دیکھو تاریخ طبری کو تو جانتے ہو۔ جو اسلامی تاریخ میں سب سے زیادہ معتبر اور مشہور ہے۔ علامہ شبلی صاحب لکھتے ہیں: ''تاریخ کبیر ابوجعفر طبری۔ یہ نہایت مستند اور ضخیم کتاب ہے۔ ابن اثیر و ابن خلدون و ابوالفدا کا اصلی ماخذ یہی کتاب ہے۔ ۱۷ جلدوں میں بمقام ہالینڈ نہایت اہتمام سے چھاپی گئی ہے (المامون ص ۷) ''ابوجعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی سنہ ۳۱۰ ہجری یہ حدیث و فقہ میں بھی امام مانے جاتے ہیں۔ چنانچہ ائمہ اربعہ کے ساتھ لوگوں نے ان کو مجتہدین کے زمرے میں شمار کیا ہے۔ تاریخ میں انہوں نے ایک نہایت مفصل اور بسیط کتاب لکھی جو ۱۳ ضخیم جلدوں میں ہے اور یورپ میں بمقام لیڈن نہایت صحت اور اہتمام کے ساتھ چھپی ہے۔ (الفاروق، جلد ۱، ص ۸) اس تاریخ طبری میں سینکڑوں جگہ حسین علیہ السلام لکھا ہے۔ مثلاً

وجہ اھل الکوفۃ الرسل الی الحسین علیہ السلام

یعنی کوفہ والوں نے بکثرت قاصدوں کو امام حسین علیہ السلام کے پاس بھیجا۔'' (تاریخ طبری مطبوعہ مصر جلد ۶، ص ۱۹۴)

فی ھذہ السنۃ کان خروج الحسین علیہ السلام ومن مکۃ

''یعنی اسی سال میں امام حسین علیہ السلام مکہ سے نکلے۔'' (جلد ۶ ص ۲۱۵)

فبعث عمر بن سعد الی الحسین علیہ السلام

''یعنی عمر بن سعد نے امام حسینؑ کے پاس پیغام بھیجا۔'' (جلد ۶، ص ۲۳۲)

اسماء من قتل من بنی ھاشم مع الحسین علیہ السلام

''یعنی بنی ھاشم سے جولوگ امام حسین علیہ السلام کے ساتھ شہید ہوئے اُن کی فہرست۔'' (جلد۶ص۲۶۹)

اسی طرح سینکڑوں مرتبہ لکھا ہے۔ میں کہاں تک پڑھتی چلی جاؤں۔ اب ان سے بھی مقدوم مورخ کا بیان سنو جونہایت عظیم الشان مصنف گزرے ہیں۔ یعنی علامہ ابوحنیفہ دینوری جن کا انتقال ۲۸۱ ہجری میں ہوا اور جن کے بارے میں علامہ شبلی صاحب نے لکھا ہے: ''احمد بن داؤد ابوحنیفہ دینوری المتوفی ۲۸۱ ہجری یہ بھی مشہور مصنف ہے۔ تاریخ میں اس کی کتاب کا نام الاخبار الطوال ہے۔ اس میں خلیفہ معتصم باللہ تک کے حالات ہیں۔ خلفائے راشدین کی فتوحات میں سے عجم کی فتح کو تفصیل سے لکھا ہے۔ یہ کتاب یورپ میں بمقام لیڈن ۱۸۸۸ء میں چھپی ہے۔ (الفاروق ص ۷)

اپنی اسی کتاب میں کئی جگہ حضرت کو حسین علیہ السلام لکھا ہے: مثلاً

خرج الحسین بن علی علیہ السلام من مکة فی ذلك الیوم

''یعنی امام حسین علیہ السلام اسی روز مکہ سے روانہ ہوئے۔''

(اخبار الطوال، مطبوعہ مصر ص۲۴۳)

مولوی صاحب: اس میں بھی ہوسکتا ہے کہ مصنف نے حضرت علی کو علیہ السلام لکھا ہو۔

حسینی بیگم: بہت اچھا اسی صفحہ میں یہ بھی ہے لما ورد کتاب مسلم بن عقیل علی الحسین علیہ السلام یعنی جب مسلم بن عقیل کا خط امام حسین علیہ السلام کو ملا (ص۲۴۳)

پھر ہے: قال الحسین علیہ السلام

''یعنی امام حسین علیہ السلام نے کہا۔'' (ص۲۴۴)

اسی طرح بہت سی جگہوں میں ہے۔ کہو اب بھی کچھ تاویل کرو گے؟

مولوی صاحب: نہیں یہ سب ٹھیک ہے۔

حسینی بیگم: اس سے معلوم ہوا کہ حضرت امام حسین کو ''علیہ السلام'' بولنے اور لکھنے کا دستور

شروع ہی سے اسلام میں جاری ہے۔

مولوی صاحب: بے شک یہی بات ظاہر ہوتی ہے۔

حسینی بیگم: اور خدا نے بھی قرآن مجید میں ان حضرات پر سلام کیا ہے اگرچہ نام نہیں لیا ہے۔

مولوی صاحب: وہ کہاں ہے؟ بے شک سب سے زیادہ تعجب خیز ہے۔

حسینی بیگم: یہ بتاؤ کہ قرآن مجید میں خدا نے یٰسین کس کو کہا ہے۔

مولوی صاحب: حضرت رسول خداﷺ کو۔

حسینی بیگم: تو پارہ ۲۳ سورہ والصافات رکوع ۴ میں خدا نے فرمایا ہے: سلام علی آل یاسین یعنی آل یاسین پر سلام ہو۔

مولوی صاحب: واہ وہ تو سلام علی آل یاسین ہے سب قرآنوں میں یوں ہی موجود ہے یعنی الیاس پر سلام ہو۔ دیکھو شمس العلماء مولوی حافظ ڈپٹی نذیر احمد صاحب دہلوی کا ترجمہ کیا ہوا قرآن مجید اُس کے پارہ ۲۳ رکوع ۴ میں صاف لکھا ہے سلام علی ال یاسین اور اس کا ترجمہ یوں کیا ہے ال یاسین (یعنی الیاس) پر سلام۔ اور اس ترجمہ پر یہ فائدہ بھی لکھا ہے: ''الیاس اور ال یاسین دونوں نام تھے۔ یہاں رعایت سجع کے لحاظ سے اِل یاسین فرمایا۔'' (حمائل مترجم ڈپٹی نذیر احمد صاحب مطبوعہ لکھنؤ ۱۲۷)

اسی طرح اور کل قرآنوں میں بھی اِل یاسین ہی لکھا ہے۔ تم نے آل یاسین خوب کہی۔

حسینی بیگم: آپ ان لوگوں کی بات مانیں گے یا علامہ جلال الدین سیوطی و علامہ فخر الدین رازی ایسے حضرات کی۔

مولوی صاحب: اُن لوگوں کا کیا کہنا۔ وہی تو مذہب اسلام کے ارکان اور علم وفضل کے آسمان ہیں۔

حسینی بیگم: اب دیکھو کہ وہ کیا لکھتے ہیں:

سلام علی آل یاسین (تفسیر درمنشور مطبوعہ مصر جلد ۵ ص ۲۸۵) سلام علی آل یاسین (تفسیر کبیر جلد ۷ ص ۱۶۱)

اورنواب مولانا صدیق حسین خان صاحب نے بھی سلام علی آل یاسین ہی لکھا ہے۔ (تفسیر فتح البیان مطبوعہ مصر، جلد ۸، ص ۷۷) اور بھی بے حساب تفسیروں میں آل یاسین ہے۔ان سب کا مطلب بھی آل محمد ﷺ لکھا ہے۔

جیسے علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

قرأ آخرون سلام علی آل یاسین وھی قراء ة ابن مسعود رضی اللہ عنہ وقال آخرون سلام علی آل یاسین

''یعنی آل محمدؐ یعنی دوسرے لوگوں نے سلام علی آل یاسین پڑھا ہے اور یہی قرأت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بھی ہے۔اور دوسرے لوگوں نے کہا ہے کہ سلام علی آل یاسین ہے۔یعنی آل محمدؐ پر خدا کا سلام ہو۔'' (تفسیر ابن کثیر مطبوعہ مصر جلد ۸ص ۲۷۳)

اور علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آل یاسین سے مراد آل محمد ﷺ ہیں ۔(تفسیر در منشور، جلد ۵ص ۲۸۶)

اور علامہ فخر الدین رازی نے لکھا ہے آل یاسین آل محمد ﷺ یعنی آل یاسین حضرت محمد ﷺ کی آل ہیں (تفسیر کبیر ،جلد ۷ص ۱۶۳)

اور جناب مولانا صدیق حسن خان صاحب نے لکھا ہے: المرد بآل یاسین آل محمد یعنی آل یاسین سے مراد آل محمد ﷺ ہیں ۔(تفسیر فتح البیان ،جلد ۸ص ۷۷)

اور حدیث کی بہت سی کتابوں میں بھی یہی مضمون ہے۔دیکھو علامہ ابوبکر کی کتاب شفتہ الصاوی مطبوعہ مصر، ص ۲۴ علامہ ابن حجر کی صواعق محرقہ مطبوعہ مصر ص ۸۸ وغیرہ جو سینکڑوں ہیں۔کہاں تک سنو گے۔

مولوی صاحب: واقعاً تم نے اچھی طرح ثابت کر دیا کہ حضرت حسین کو علیہ السلام کہنا خدا اور رسول ﷺ کا فعل ہے۔اور ہمارے مذہب کے بڑے بڑے علماء نے برابر اس طرح لکھا

ہے۔اور میرے ہر شبہ کا تم نے اطمینان بخش جواب دے دیا۔ میں بہت بڑی غلطی میں پڑا تھا جس سے تم نے نکال دیا۔ میں تم کو آج ہی یا (اگر ڈاک خانہ نہ بند ہو گیا ہو گا تو) کل سو روپیہ سیونگ بنک سے نکلوا کر دے دوں گا تم جو کتابیں چاہیں منگوالو۔

حسینی بیگم: نہیں میں فہرست لکھ دیتی ہوں۔ بمبئی فرمائش بھیج دو۔ جب وہاں سے پارسل کی رسید آ جائے گی تو روپیہ برابر کر کے چھوڑ الینا۔ اس کے بعد دونوں سو گئے۔

❁❁❁❁❁

دوسرا باب

حضرت امام حسین علیہ السلام اور دوسرے آلِ محمدؐ کے نام پر صلوات اللہ علیہ کہنا

پھر اس قسم کی مذہبی باتیں کئی روز تک مولوی صاحب اور حسینی بیگم میں نہیں ہوئیں۔ کیونکہ کوئی موقع نہیں پیدا ہوا۔ ایک روز دن بھر مولوی صاحب اپنے کاموں میں لگے رہ گئے اور دوپہر کو حویلی میں آنے کا موقع نہیں ملا۔ شب کو نماز عشاء جلدی پڑھ کر آئے اور کھانا کھا کر دونوں میاں بیوی سو گئے۔ دسمبر کا مہینہ تھا۔ سردی شدید پڑتی تھی۔ دو بجے شب کو مولوی صاحب کی آنکھ کھل گئی۔ کچھ دیر تو لحاف میں پڑے ہوئے کوشش کرتے رہے کہ پھر نیند آ جائے۔ مگر پانچ چھ گھنٹہ سو چکے تھے۔ نیند نہ آنی تھی نہ آئی۔ حسینی بیگم کو جگایا۔

حسینی بیگم: (گھبرا کر) کیوں خیریت تو ہے۔ کیا بات ہوئی؟

مولوی صاحب: الحمدللہ خیریت ہی ہے۔ کوئی تردد نہیں۔ دن بھر تم سے باتیں نہیں کیں۔ اس وقت بھی تھکا ہوا تھا۔ لیٹتے ہی سو گیا۔ تھوڑی دیر ہوئی جاگ گیا۔ جب سے بہت کوشش کی کہ پھر نیند آ جائے مگر نہیں آئی۔ دل گھبراتا تھا تو تمہیں جگا دیا۔ معاف کرنا۔

حسینی بیگم: مگر اتنی دیر کیوں کی۔ جب اُٹھے تھے اُسی وقت مجھے بھی کیوں نہیں جگا دیا۔

مولوی صاحب: تمہارے آرام میں خلل پڑتا جو کسی طرح مناسب نہیں ہے۔

حسینی بیگم: واہ یہ خوب کہی۔ میرے ایسے آرام میں آگ لگے جس سے آپ کی خدمت نہ کر سکوں۔

مولوی صاحب: خدا نہ کرے۔ یہ کیا بکنے لگیں۔ تمہارے آرام سے تو میری زندگی ہے۔ تم کو تکلیف ہو گی تو میں جیتا بھی رہوں گا؟

حسینی بیگم: تو اس میں تکلیف کیا تھی اور میں آپ کے ایک آرام پر ہزار آرام نثار کر دوں۔
مولوی صاحب: آج سردی بہت ہے رحیمن کو اُٹھاؤ۔
حسینی بیگم: کیوں اُس سے کیا کام ہے۔
مولوی صاحب: ذرہ چائے بناتی۔
حسینی بیگم: واہ کیا انصاف ہے۔ اپنے مزے کے لیے اس بوڑھی کو اس سردی میں اُٹھانا اسے ستانا بلکہ ہلاک کرنا ہے۔ دیکھو چائے ابھی بن جاتی ہے۔
مولوی صاحب: مگر تم اس سردی میں پانی نہ چھونا۔ وہ تو برف ہو رہا ہوگا اور رحیمن تو نوکر ہی ہے اُس کا کام ہی یہ ہے۔ اُس کو کہاں تک بچاؤ گی۔
حسینی بیگم: ارے کیا کہتے ہو۔ خدا سے ڈرو۔ اُس نے جس طرح مجھ کو اور تم کو پیدا کیا ہے اُسی طرح اس بیچاری کو بھی۔ پھر وہ کیسی بوڑھی اور کمزور ہے۔ بیچاری دن بھر اور رات کے دس بجے تک ایسی سردی میں ہلکان ہوتی رہتی ہے۔ اب کیا رات کو بھی آرام نہ کرے؟ حضرت رسول خدا ﷺ کی صاحبزادی جناب سیدہ علیہا السلام تو ایک روز اپنی خادمہ سے کام لیتی تھیں اور ایک روز خود کرتی تھیں۔ اچھا میں ابھی آئی۔

یہ کہہ کر حسینی بیگم اُٹھیں، باورچی خانہ میں جا کر سماور کو اچھی طرح دھویا۔ اس میں پانی بھرا اور کوئلے ڈال کر اُس میں آگ لگا دی۔ پھر چائے دان۔ پیالی تشتری سب کو خوب دھو کر صاف کیا اور کشتی میں کل سامان درست کر کے اور ہاتھ میں لے کر اپنے کمرے میں چلی آئیں۔ پھر سماور اُٹھا لائیں اور پاس رکھ لیا۔ اس کی گرمی سے میاں بیوی کی سردی بھی کم ہو گئی۔ چائے بھی بننے لگی اور اطمینان سے باتیں بھی ہونے لگیں۔

مولوی صاحب: یہ کس کتاب سے تم نے بیان کیا کہ حضرت فاطمہ علیہا السلام ایک روز خود کام کرتیں اور ایک روز ان کی خادمہ کرتی۔
حسینی بیگم: بہت سی کتابوں میں ہے۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ آپ ہر بات پر مجھ سے پوچھتے ہیں کہ کس کتاب میں ہے۔ معلوم ہوتا ہے آپ صرف اُن کتابوں کو دیکھتے ہیں جن

میں حضرت رسول خدا ﷺ کے اہل بیت کے فضائل نہیں لکھے ہیں۔ اس وقت میں صرف سب سے بڑے محدث علامہ ابن حجر عسقلانی کی عبارت کا خلاصہ بیان کرتی ہوں وہ لکھتے ہیں کہ:

ان رسول اللہ اخدم فاطمۃ ابنتہ جاریۃ اسمھافضۃ النوبیۃ وکانت شاطرۃ الخدمۃ

''یعنی حضرت رسول خداؐ نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہؑ کو ایک لونڈی جن کا نام فضہ نوبیہ تھا۔ وہ ایک روز کام کرتیں ایک روز آرام کرتیں۔'' (اصابہ مطبوعہ، مصر، جلد ۸، ص ۱۶۷)

مولوی صاحب: اس وقت تمہاری زبان سے بار بار حضرت رسول خدا ﷺ کے ساتھ ''وآلہ'' بھی نکلا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم حضرتؐ کی آل پر بھی درود بھیجتی ہو۔ خیر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام کے ساتھ علیہ السلام کہنا تو تم نے ثابت کر دیا۔ مگر درود میں آنحضرت صلعم کے ساتھ آل کو بھی شامل کرنا تم ثابت نہیں کر سکتیں۔ میرے خیال میں تو یہ بدعت، بلکہ کفر ہے۔

حسینی بیگم: منہ سے تو غلط اور صحیح بات نکلتی رہتی ہے مگر اس وقت بھی آپ کا اعتراض صحیح نہیں ہے۔

مولوی صاحب: نہیں یہ تو خاص حضرت رسول خدا صلعم کے نام کی عزت ہے اور کسی کو حاصل نہیں ہے۔

حسینی بیگم: حضرت ﷺ کی بہت سی عزتوں میں خدا نے حضرتؐ کی آل پاک کو بھی جن کو کبھی آل محمدؐ اور کبھی آل محمد ﷺ بولا جاتا ہے شریک کیا ہے۔

مولوی صاحب: اس کی کیا دلیل ہے۔

حسینی بیگم: سینکڑوں کتابوں میں ہے کہ خدا نے حضرتؐ کے اہل بیتؑ کو کئی باتوں میں حضرتؐ کا شریک کیا ہے۔ جیسے علامہ ابن حجر مکی وغیرہ نے لکھا ہے:

ذکر الفخر الرازی ان اھل بیتہ یساوونہ فی خمسۃ اشیاء فی

السلام قال السلام عليك ايها النبیؐ۔ وقال سلام علی آل یاسین وفی الصلوۃ علیه وعلیهم فی التشهد فی الطهارۃ قال تعالی طه ای یا طاہر و قال ویطهر کم تطهیرا وفی تحریم الصدقه وفی المحبة قال تعالی فاتبعونی یحببکم الله وقال قل لا اسئلك علیه اجرا الا المودۃ فی القربی۔

''یعنی امام فخرالدین رازی نے بیان کیا ہے کہ حضرت رسول خداﷺ کے اہل بیت پانچ باتوں میں حضرتؐ کے برابر ہیں (۱) سلام میں کہ جس طرح خدا نے آنحضرتؐ پرسلام کیا اور کہا السلام علیك ایها النبی اسی طرح حضرتؐ کے اہل بیتؑ پر بھی سلام کیا اور فرمایا آل یاسین پر سلام ہو (۲) تشہد پڑھتے وقت درود پڑھنے میں کہ حکم دیا رسولؐ کے ساتھ ان کے اہل بیتؑ پر بھی درود پڑھا کرو۔ (۳) پاکیزگی میں کہ رسولؐ سے خدا نے فرمایا اے طه یعنی طاہر اور اہل بیت سے فرمایا تم کو خدا پورا پاک و پاکیزہ رکھے گا (۴) صدقہ کے حرام ہونے میں کہ جس طرح رسولؐ پر حرام کیا آپ کے اہل بیتؑ پر بھی حرام ہے (۵) محبت واجب ہونے میں کہ خدا نے جس طرح مسلمانوں کو حکم دیا کہ رسولؐ کو دوست رکھیں۔ اسی طرح فرمایا کہ اے رسولؐ مسلمانوں سے کہہ دو کہ میرے قرابت مند یعنی اہل بیتؑ کو دوست رکھو۔''

(صواعق محرقہ ۸۹، درشفتہ الصادی، ص۳۴۔ واسعاف الراغبین، مطبوعہ مصر، ص ۱۱۷ وغیرہ)

اور برابر انصاف پسند علمائے اسلام درود میں حضرتؐ کے ساتھ آپ کی آل کو بھی ذکر کرتے ہیں۔ جیسے جناب مولانا شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواروی۔ (دیکھو رسالہ غم حسین علیہ السلام، ص۸۳)

دوسری کتاب میں ممدوح نے لکھا ہے: ''جناب سیدنا و مولانا امام حسین علیٰ جدہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام (رسالہ شہادت حسین علیہ السلام، ص ۱) ایک جگہ لکھا ہے کہ ''اہل بیت اطہار کی اہانت و بے حرمتی اُن کو ستانا اور سید شباب اہل الجنہ لخت دل مصطفیٰ ﷺ، جگر گوشہ مرتضیٰ، راحت جان زہرا علیہا السلام۔ محبوب خالق ارض وسما، شاہ کونین، سیدنا و مولانا حضرت امام ہمام جناب امام حسین صلوات الله وسلام علی جده و ابیه واخیه و علی محبیا اومتبعیه اجمعین الی یوم الدین [1] کو اس جفا اور اس بے حرمتی سے قتل کرنا خود کفر ہے۔'' (رسالہ شہادت حسین علیہ السلام، ص ۵۵)

پھر لکھا ہے ''حضرت امام ہمام جناب امام حسین علی جده وعلیه الصلوة والسلام نے بھی ہرگز بغاوت نہیں کی۔'' (شہادت حسین علیہ السلام، ص ۶۹)

اور جناب مولانا محمد مبین صاحب علامہ فرنگی محل لکھنؤ بھی جانتے ہو کہ کتنے بڑے عالم اور پیشوا تھے۔ انہوں نے بھی سینکڑوں جگہ لکھا ہے جیسے حضرت امام حسین شہید کربلا علی نبینا وعلیه الصلوة والسلام (وسیلۃ النجاۃ، ص ۲۵۹)

اور جناب شیخ الاسلام مولانا الشیخ سلیمان القندوزی البلخی کو بھی جانتے ہو جو قسطنطنیہ کے جلیل القدر علامہ و امام اہل سنت تھے۔ انہوں نے بھی اپنی کتاب میں سینکڑوں جگہ لکھا ہے، جیسے:

الباب الستون فی الاحادیث الورادة فی شهادة الحسین صلوات الله ورحمة وبرکاته وسلامه علیه

''یعنی ساٹھواں باب اُن حدیثوں کے بیان میں جو امام حسینؑ اللہ کا درود اور رحمت اور برکتیں اور سلام اُن پر نازل ہوتا رہے۔ کی شہادت کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔'' (ینابیع المودة، ص ۲۶۴)

---

[1] ان جملوں کا ترجمہ یہ ہے جوانان اہل بہشت کے سردار۔ حضرت رسول خداؐ کے دل کے ٹکڑے۔ حضرت علی مرتضیٰ کے جگر گوشہ۔ حضرت زہراؑ کی راحت جان۔ آسمان و زمین پیدا کرنے والے خدا کے پیارے۔ جن وانس کے بادشاہ۔ یعنی ہمارے سردار اور آقا حضرت امام ہمام جناب امام حسینؑ (اللہ کا درود و سلام آپ پر اور آپ کے نانا، بابا، ماں، بھائی، دوستوں، پیروؤں سب پر قیامت تک نازل ہوتا رہے)

اور جناب علامہ آلوسی بغدادی کو بھی جانتے ہو۔ وہ بھی برابر اسی طرح لکھتے ہیں، جیسے:

ورضاه بقتل الحسين على جده وعليه الصلوة والسلام

''یعنی امام حسینؑ آپ پر اور آپ کے نانا پر درود وسلام ہو، کے قتل پر یزید کا راضی ہونا۔'' (تفسیر روح المعانی، جلد ۸، ص ۱۲۵)۔

اور علامہ ابن حجر عسقلانی کے بارے میں تمام علمائے اسلام کا اتفاق ہے کہ ان کے برابر ان کے بعد کوئی محدث نہیں ہوا۔ انہوں نے صحیح بخاری شریف کی کتنی بڑی شرح فتح الباری لکھی۔ انہوں نے صحابہ کے حالات میں جو سب سے بڑی کتاب اصابہ لکھی ہے اور جو مصر میں چھپ گئی ہے۔ اس میں جہاں جہاں رسول خدا ﷺ کا نام لکھا وہاں ﷺ لکھا ہے۔ ایک جگہ بھی بغیر آل کے تنہا حضرت پر درود نہیں بھیجا ہے۔ اگر چہ ہزاروں علماء ایسا کرتے ہیں مگر خاص ان کا نام میں نے اس درجہ سے لیا کہ حضرات اہل حدیث کے بہت بڑے پیشوا تھے اور علوم دینیہ میں ان کی عظمت وجلالت ایسی تھی جو بہت کم لوگوں کو حاصل ہوئی اور تنہا ان کا لکھ دینا بھی ہزاروں علماء کے لکھنے کے برابر سمجھا جاتا ہے۔

مولوی صاحب: ہاں مجھے بھی خیال آیا کہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے اصابہ میں تمام جگہ ﷺ ہی لکھا ہے۔ اور واقعاً ان کا اکیلا کسی بات کو لکھ دینا ہزاروں بڑے بڑے علماء سے بہتر اور زیادہ صحیح وقابل اعتبار ولائق عمل ہے۔

حسینی بیگم: جناب نواب مولانا صدیق حسن خان صاحب مرحوم بھی جن کے ایسا ہندوستان کے علمائے اہل حدیث میں کوئی مصنف نہیں گزرا۔ برابر ﷺ ہی لکھتے ہیں۔ (دیکھو ان کی کتاب تفسیر فتح البیان، مطبوعہ مصر)۔ اور میں تو کہتی ہوں کہ کل علمائے اسلام ایسا کرتے اور کوئی اس کو ترک نہیں کرتا مگر خلفائے بنی امیہ و بنی عباس کے ڈر سے لوگوں نے چھوڑ دیا تھا۔

مولوی صاحب: یہ تو رافضیوں کی سی بات تم نے کہی۔ کیا ہمارے علمائے کرام بھی رافضیوں کی طرح تقیہ کرتے تھے۔

حسینی بیگم: دیکھو میں حق اور انصاف کے خلاف کوئی بات نہیں مان سکتی۔ ہم لوگ رافضیوں کو

الزام دیتے ہیں۔مگر کوئی شخص تقیہ سے بچا نہیں ہے، اور علمائے کرام تو برابر تقیہ کرتے رہتے ہیں۔زبان سے اعتراض کرتے ہیں۔مگر جب اپنے اوپر پڑتی ہے تو وہی کرتے ہیں۔

مولوی صاحب: یہ تم کیا بہکی بہکی باتیں کرتی ہو۔

حسینی بیگم اٹھ کر گئیں اور ایک کتاب نکال لائیں۔

حسینی بیگم: یہ دیکھو ہندوستان کے بہت بڑے مورخ اسلام علامہ شبلی صاحب نے لکھا ہے کہ مامون کو اس پر بھی تسلی نہیں ہوئی اور سات بڑے بڑے عالموں کو جو مذہبا بہت بڑا اقتدار رکھتے تھے اپنے پاس طلب کیا اور رو در رو گفتگو کی یہ سب لوگ اس مسئلہ (خلق قرآن) میں مامون کے خلاف تھے مگر تلوار کے ڈر سے وہ کہہ آئے جوان کا دل نہیں کہتا تھا...... اسحاق نے یہ فرمان مجمع عام میں پڑھ کر سنایا جس کی ہیبت نے بڑے بڑے ثابت قدموں کے عزم کو متزلزل کر دیا۔اور سب کے سب سچائی اور آزادی کو خیر باد کہہ کر مامون کے ہمزبان ہو گئے۔ علامہ قواریری وسجادہ البتہ کسی قدر مستقل رہے مگر جب پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی گئیں اور ایک رات اسی سختی میں گزری تو ثابت ہو گیا کہ ان لوگوں کو اپنے عزم واستقلال کی نسبت جو حسن ظن تھا وہ صحیح نہ تھا...... مامون کو پھر معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے اس مسئلہ کو تسلیم کر لیا تھا تقیہ کیا تھا۔وہ نہایت برافروختہ ہوا۔(المامون ص۲۳۳،۲۳۴)

مولوی صاحب: واقعاً جان کا مسئلہ بہت سخت ہے۔

حسینی بیگم: پھر شیعہ بھی تو یہی کہتے ہیں کہ جب جان کا خطرہ ہو تب تقیہ کرنا چاہیے۔

مولوی صاحب: خیر، مگر وہ بات تو رہ گئی کہ خلفائے بنی اُمیہ و بنی عباس کے ڈر سے لوگوں نے آل کو درود میں لکھنا چھوڑ دیا۔

حسینی بیگم: ہاں! یہ مضمون بھی میں اس وقت صرف دو کتابوں سے پیش کرتی ہوں۔ایک بہت بڑے حنفی عالم کی ہے اور دوسری بہت بڑے اہل حدیث عالم بلکہ امام کی۔حنفی عالم تو جناب مولانا صدرالدین احمد صاحب لوہاری ہیں جو تحریر فرماتے ہیں: ''باید دانست کہ چوں بحکم پیغمبر تمسک باہل بیت نمودن واجب است چرا مقتدایان اہل سنت در فقہ وعلوم دینی

ازایشاں کم تمسک نمودہ اندوحال آنکہ ایشاں اعلم الناس بودند۔ جواب آنست کہ بہ سبب تسلط بنی اُمیہ و بنی العباس ازایشاں کما ینبغی تمسک نمودن نتوانستند چنانچہ حضرت حسن بصری را پرسیدند کہ در حدیث ایں قدر ارسال چرا می کنی و نام راوی را چرا نمی بری گفت ایں تحسینت کہ ہیچ کس تا ایں زماں ازمن نہ پرسید بدانکہ احادیثے کہ ارسال می کنم آں ہمہ از حضرت مرتضیٰ علیہ السلام روایت دارم جملہ مراسیل من مرویات اوست مگر از خوفِ بنی امیہ اظہار آں کردن نمی توانم کذا فی الخلاصہ وامام مالک در زبان بنی امیہ از امام جعفر صادق علیہ السلام روایت نمی نمود تا آں کہ زمانہ بنی العباس رسید درآں وقت از روئے روایت کرد مگر دیگرے را ہم باضم می نمود۔ کذافی میزان الذہبی، داوزاعی و زہری فقط یک یک حدیث در مناقب اہل بیت روایت نمودہ اند چرا کہ از بنی امیہ ترسیدند کذافی اسد الغابہ..... گویا علماء از جانب سلطنت صراحتاً یا شدیا کنایۃً از ملاقات وآمد وشد نزد ائمہ اہل بیت ممنوع بودند۔'' یعنی جاننا چاہیے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق حضرات اہل بیت علیہ السلام سے تمسک کرنا واجب ہے۔ پھر علمائے و پیشوایان اہل سنت نے ان حضرات سے کیوں اس قدر کم تمسک کیا۔ حالانکہ یہی حضرات سب سے زیادہ عالم تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خلفاء بنی امیہ و بنی عباس کے تسلط سے علماء ایسا نہیں کر سکتے تھے۔ حسن بصری کثرت سے حدیثیں حضرت علی علیہ السلام سے روایت کرتے مگر نام نہیں لیتے تھے جب اس کی وجہ پوچھی گئی تو کہا کہ بنی امیہ کے خوف سے میں نام نہیں ظاہر کر سکتا ہوں اور بنی امیہ کے زمانہ میں امام مالک بھی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت نہیں کرتے تھے۔ جب بنی عباس کا زمانہ آیا تب حضرت کا نام لینے لگے اور زہری واوزاعی نے صرف ایک ایک حدیث اہل بیت علیہ السلام کے فضائل میں روایت کی ہے کیونکہ بنی اُمیہ سے ڈرتے تھے۔ گویا علمائے اہل سنت کو صریح یا کنایہ کے طور پر سلطنت کی طرف سے حکم تھا کہ ائمہ اہل بیت علیہ السلام سے ملاقات نہ کریں اور نہ اُن کے پاس آئیں جائیں۔ (روائح المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، مطبوعہ کانپور، ص ۹) دوسرے اہل حدیث عالم کی جس کے ماننے میں آپ کو عذر نہ ہوگا۔ جناب نواب مولانا صدیق حسن خان صاحب مرحوم جو کتنے بڑے

عالم محدث اور پیشوا تھے اور آپ بھی ان کو مانتے ہیں وہ تحریر فرماتے ہیں: در کتب سنت مطہرہ اکثر اہل حدیث صیغہ صلوۃ ہمراہ نام نامی واسم سامی ختمی پناہ ﷺ بدوں ذکر آل نگاشتہ اند۔ اگر چہ دریں قدر نوشتن وترک ذکر لفظ آل کردن خاطی اند زیرا کہ آنحضرت صلعم در حدیث تعلیم در بیان کیفیتہ صلوۃ بذکر آل پرداختہ پس انتثال دراتیان بصلوۃ معلّمہ نبوی جز بذکر آل ناتمام باشد وظاہرست کہ باتفاق ائمہ حدیث درودے کہ درآں ذکر آل مدہ منسوخ نیست معہذا ترک آں درکتابت راساً از زمان اول تا این زمان آخر شاید بخوف دولت امویہ عباسیہ بودہ ست کہ بنابر عداوت اہل بیت مردم را درمخافۃ عظیم وتشریدی داشتند۔ یعنی اہل سنت کی کتابوں میں اکثر اہل حدیث نے حضرت رسول خدا ﷺ کے نام کے ساتھ درود اس طرح لکھا ہے جس میں آل کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اگر چہ صرف اس طرح (صلی اللہ علیہ وسلم) لکھنے اور لفظ آل کو ترک کر دینے میں وہ لوگ غلطی کرتے ہیں اس لیے کہ جس حدیث میں آنحضرت صلعم نے درود بھیجنے کا طریقہ بتایا ہے۔ اس میں آل کو بھی شامل رکھا ہے۔ لہٰذا حضرت صلعم نے جس طرح درود بھیجنے کا قاعدہ بتایا اور حکم دیا اس کی تعمیل بغیر اس کے پوری نہیں ہو سکتی کہ آل کو بھی برابر حضرت کے ساتھ ذکر کیا جائے۔ اور ظاہر ہے کہ تمام علمائے اہل حدیث کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ درود جس میں آنحضرت صلعم نے آل کو بھی ساتھ ساتھ رکھنے کا حکم دیا ہے منسوخ نہیں ہوا۔ باوجود آنحضرت صلعم کے اس قدر اہتمام کرنے کے شروع سے اب تک علماء نے جو اس کو ترک کر دیا (یعنی درود میں آنحضرت صلعم کے ساتھ آل کو ذکر نہیں کرتے ہیں) تو شاید خلیفہ بنی اُمیہ اور بنی عباس کے خوف سے ایسا کیا کیونکہ دونوں حکومتوں کے خلفاء نے اہل بیتؑ کی عداوت سے لوگوں کو بڑے خوف میں رکھا اور شدید پریشانی میں مبتلا کیے رہے۔ (دلیل الطالب، مطبوعہ بھوپال، ص۶۶۰)

مولوی صاحب: مولانا صدیق حسن خان صاحب نے سچ لکھا ہے کہ خلفاء بنی اُمیہ و بنی عباس نے حضرات اہل بیتؑ پر بڑے بڑے ظلم کیے اور ان کی عداوت سے لوگوں کو بہت ستایا۔ ہو سکتا ہے کہ اسی وجہ سے لوگوں نے درود سے آل کو ترک کر دیا ہو۔

حسینی بیگم: حالانکہ یہی حضرات اس کو بھی لکھتے ہیں کہ حضرات اہل بیتؑ پر درود بھیجنا اتنا ضروری ہے کہ بغیر اس کے حضرت رسول خداﷺ نے اپنے اوپر درود بھیجنے کو بھی منع کیا ہے۔

مولوی صاحب: اس سے تمہارا کیا مطلب ہے؟

حسینی بیگم: یہ کہ اگر آنحضرتؐ پر درود بھیجا جائے تو آپؐ کے ساتھ آپؐ کے اہل بیتؑ پر بھی بھیجا جائے۔ اور اگر آپ کے اہل بیت پر درود نہ بھیجا جائے تو آنحضرتﷺ پر بھی نہ بھیجا جائے۔

مولوی صاحب: کیوں؟

حسینی بیگم: اس لیے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے:

لا تصلوا علی الصلوة البتراء فقالوا وما الصلوة البتراء۔ قال تقولون اللھم صلی علی محمد وتمسکون بل قونوا الھم اللھم صل علی محمدؐ و علیٰ آل محمد

''حضرت نے فرمایا تم لوگ مجھ پر تبراء (ناقص، دم کٹا) درود نہ بھیجا کرو۔ صحابہ نے دریافت کیا کہ یا حضرت صلوٰۃ تبراء کیا ہے؟ تو فرمایا یہی کہ اللھم صل علی محمد کہہ کر چپ نہ ہو جاؤ بلکہ یوں کہا کرو کہ اللھم صلی علی محمدؐ وعلی آل محمدؐ۔'' (کتاب رشفۃ الصادی، مطبوعہ مصر، ص ۲۹ صواعق محرقہ مطبوعہ، مصر ص ۸۷)

بلکہ بعض حدیثوں میں ہے کہ جو شخص حضرت رسول خداﷺ پر درود بھیجے اور اُن حضرات پر نہ بھیجے تو خدا اس کے درود کو قبول ہی نہیں کرے گا۔

قال رسول اللہؐ من صلی علی صلاۃ لم یصل فیھا علی اھل بیتی لم تقبل منہ اخرجہ الدارقطنی والبیھقی۔

''یعنی حضرت رسول خداؐ نے فرمایا کہ جو مجھ پر ایسا درود بھیجے جس میں میرے اہل بیتؑ کو شامل نہ کرے اُس کا درود قبول ہی نہیں کیا جائے گا۔ اس کو امام دارقطنی وامام بیہقی نے بیان فرمایا ہے۔ (در شفۃ الصمادی، مطبوعہ مصر، ص ۳۰)

اور علامہ ابن حجر مکی وغیرہ علماء نے یہ حدیث بھی لکھی ہے:

انہ قال الدعاء محجوب حتی یصلی علی محمدؐ و اھل بیتہ
اللھم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

''یعنی خدا سے جو دعا کی جاتی ہے وہ درجہ اجابت پر پہنچنے سے رُکی رہتی ہے۔ جب تک کہ حضرت رسول خداؐ اور آپ کے اہل بیتؑ پر درود اس طرح نہ پڑھا جائے۔اللھم صل علی محمدؐ وآلہ۔ (صواعق محرقہ،ص۸۸)

اسی وجہ سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمایا کہ جو شخص نماز میں حضرات اہل بیتؑ پر درود نہ بھیجے اس کی نماز ہی نہیں ہوتی ہے یعنی وہ کافر ہے۔ کیونکہ جو بے نمازی قرار پایا وہ آنحضرت صلعم کی حدیث کے مطابق تارک الصلوٰۃ ہوکر کافر ہوگیا۔

مولوی صاحب: ہاں امام شافعی صاحب نے ایک رباعی کہی ہے۔ مجھے اس وقت یاد نہیں ہے۔تمہارے خیال میں ہوتو پڑھو۔

حسینی بیگم: وہ تو بہت مشہور رباعی ہے ؎

یا اھل بیت رسول اللہ حبکم
فرض من اللہ فی القرآن انزلہ
کفاکم من عظیم القدر انکم
من لم یصل علیکم صلوۃ لہ

''یعنی اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیتؑ آپ کی محبت تو ایسی واجب اور ضروری ہے کہ خدا نے اس کا حکم قرآن مجید میں نازل کیا ہے آپ لوگوں کی عظیم قدر کے لیے بس یہی کافی ہے کہ جو شخص آپ لوگوں پر درود نہ بھیجے اس کی نماز ہی نہیں ہوتی۔'' [1]

---

[1] رشفۃ الصادی،ص۳۱، والاتحاف بحب الاشراف، مطبوعہ مصر،ص۲۹ وینابیع المودۃ،ص، وصواعق محرقہ، ص۸۸ واسعاف الراغبین،ص۱۱۹ونورالابصار،ص۱۱۵وغیرہ۔

مولوی صاحب: مگر امام شافعی صاحب نے مبالغہ کیا ہے اور اہل بیتؑ کی زیادہ محبت کی وجہ سے یہ رباعی کہی ہے۔

حسینی بیگم: اُن کے زمانہ میں بھی لوگوں نے یہی کہا تھا بلکہ اُس وقت تو آپ پر رافضی ہونے کا اتہام لگا دیا گیا تھا اسی وجہ سے انہوں نے یہ شعر کہا جس کو برابر پڑھا کرتے تھے۔

ان کـــــان رفــــضـــــاحـــــب آل مـــــحـــــمـــــد

فـــــليشهـــــد الثـــــقـــــلان انـــــي رافـــــضـــــي

یعنی اگر آل محمد ﷺ کی دوستی سے آدمی رافضی ہو جاتا ہے تو جن و انس سب گواہ رہیں کہ میں بھی رافضی ہوں۔'' (1) اور امام شافعی علیہ الرحمہ نے یہ اشعار بھی کہے تھے۔

اذا فـي مـجـلـس تـذكـر عـلـيـا وسبطيـه وفـاطمة الزكيـه

يـــــقـــــال تـــــجـــــاوز و ايـــــا قـــــوم هـــــذا

فهـذا مـن حـديـث الـرافضيه برئت الى المهيمن من اناس

يـــــرون الـــــرفـــــض حـــــب الـــــفـــــاطـــــمـــــه

یعنی جب کسی مجلس میں ہم لوگ حضرت علیؑ اور حضرت رسول خدا ﷺ کے دونوں نواسوں حسن علیہ السلام وحسین علیہ السلام اور آپ کی صاحبزادی فاطمہؑ زکیہ کا ذکر کرتے ہیں تو لوگ کہتے ہیں۔ اے بھائیو! اس بات کو چھوڑو۔ کیونکہ یہ رافضیوں کی باتیں ہیں۔ میں خدا کی پناہ چاہتا ہوں اُن لوگوں سے جو محبت فاطمیہ علیہا السلام کو رفض سمجھتے ہیں۔ امام ممدوح نے یہ اشعار بھی کہے ہیں۔

قـــالـــوا تـــرفـــضـــت قـــلـــت كـــلا

مـــا الـــرافـــض ديـــنـــي ولا اعـــتـــقـــادي

---

(1) در شفۃ الصادی، ص ۹۷، وینابیع المودت، ص ۱۹۴ وصواعق محرقہ، ص ۹۷۔ واسعاف الراغبین، ص ۱۱۸۔ ونور الابصار، ص ۱۱۵۔ وطبقات شافعیہ مطبوعہ، مصر وتفسیر کبیر جلد ۷، ص ۴۰۶ ودلیل الطالب نواب صدیق حسن خان صاحب، ص ۹ وغیرہ

لـــكـــن تـــولـيـــت غيـــر شكٍّ

خيـــر امـــام وخيـــر هـــادی

ان كـــان حـــب الـــولـــی رفـضـــا

فـــانـــنـــی ارفـــض الـــعـــبـــاد

یعنی لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ تم تو رافضی ہو گئے ہو۔ میں کہتا ہوں کہ ہرگز نہیں۔ رافضی ہونا نہ میرا دین ہے نہ اعتقاد ہے مگر اس میں شک نہیں کہ میں سب سے بہتر امام اور سب سے بہتر ہادی (حضرت علی علیہ السلام) کو مولا سمجھتا ہوں۔ پس اگر حضرت علی علیہ السلام سے دل کی محبت ہی رفض ہے۔ تو میں بے شک سب سے بڑا رافضی ہوں۔ [1]

مولوی صاحب: ہاں یہ تو واقعاً زیادتی ہے کہ اہل بیت علیہ السلام کی محبت کی وجہ سے کسی کو رافضی کہہ دیا جو شخص اہل بیت علیہم السلام پر درود نہیں بھیجے اُس کی نماز ہی نہیں ہوتی۔

حسینی بیگم: نہیں وہ تو حد سے نہیں گزرے۔ اس بات کی تو حدیث موجود ہے۔

مولوی صاحب: وہ کون سی اور کس کتاب میں ہے۔

حسینی بیگم: بہت سی حدیثیں بہت سی کتابوں میں ہیں۔ میں صرف ایک حدیث ایک ایسی کتاب سے پیش کرتی ہوں جس کے ماننے میں آپ کوئی عذر کر ہی نہیں سکتے۔ سنو جناب مولانا صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی تحریر فرماتے ہیں:

من صلی صلوة لم یصل فیها علی وعلی اهل بیتی لم تقبل منه

"یعنی آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جو شخص ایسی نماز پڑھے جس میں مجھ پر اور میرے اہل بیتؑ پر درود نہیں بھیجے اس کی نماز ہی قبول نہیں کی جائے گی۔" (دلیل الطالب، ص ۳۰۰)

مولوی صاحب: واقعاً یہ لاجواب دلیل ہے جس میں کوئی عذر نہیں ہو سکتا۔ اچھا اب سردی معلوم ہوتی ہے اور ابھی رات باقی ہے۔ لہٰذا اب کچھ دیر کے لیے سو جائیں۔

---

[1] ارشفۃ الصادی، ص ۹۷، ۹۸۔ وصواعق محرقہ، ص ۹۷۔ وینابیع المودۃ، ص ۲۹۷۔ ووسیلۃ النجات، ص ۸۔ ونور الابصار، ص ۱۱۵ وغیرہ

حسینی بیگم: نہیں اب کیا سوؤں گی، صبح ہو رہی ہے۔ خدا کی عبادت کرنی چاہیے۔

مولوی صاحب: تم تو ہر چیز میں مجھ سے افضلیت ہی حاصل کرتی ہو۔

حسینی بیگم: نہیں اس میں افضلیت کیا ہے۔

مولوی صاحب: واہ یہ کم ہے کہ میں نے سونے کا نام لیا اور آپ نے عبادت کا۔

حسینی بیگم: اس سے کیا ہوتا ہے۔

✿✿✿✿✿

مصیبت میں حضرت رسولؐ خدا
اور
آپؐ کی آل پاکؑ سے توسل کا اثر

جنوری کے شروع میں الٰہ آباد کی آب و ہوا خراب ہوگئی۔ شہر میں طاعون پھیل گیا۔ سینکڑوں آدمی مر گئے۔ آئندہ کیا ہوگا کسی کو خبر نہیں۔ مولوی عبدالغفار صاحب اور حسینی بیگم بڑے لطف کی زندگی بسر کرتے تھے اور دونوں کی خوشی دیکھ کر ان کے والدین پھولے نہیں سماتے تھے مگر اس طاعون میں مولوی عبدالغفار صاحب بھی مبتلا ہو گئے۔ اور ایسے شدید علیل ہوئے کہ بچنے کی امید جاتی رہی۔ دونوں گھروں میں انتہائی کا درجہ کا تلاطم تھا۔ حکیموں ڈاکٹروں سب کا علاج کیا گیا مگر طبیعت کسی طرح روبہ اصلاح نہیں ہوتی تھی۔ حسینی بیگم کی آنکھوں میں تو دنیا سیاہ ہو رہی تھی اور چونکہ ابھی شادی کو تھوڑے ہی دن ہوئے تھے اس وجہ سے بے تکلفی سے اپنے جذبات کو ظاہر بھی نہیں کر سکتی تھی۔ حکیم عبدالوہاب صاحب اور مولوی عبدالحمید صاحب کی پریشانی کا بھی کیا کہنا ہے۔ جب ہر قسم کے علاج سے تھک گئے تو مولوی عبدالحمید صاحب نے گنڈے، عمل، دعا کی بہت سی تدبیریں کیں مگر وہ بے اثر رہیں اور مولوی عبدالغفار صاحب ایک دو روز کے مہمان معلوم ہونے لگے۔ تب تو مولوی عبدالحمید صاحب نے بیٹی کو الگ بلا کر گلے سے لگایا اور دونوں باپ بیٹی خوب دل کھول کر روئے۔ ادھر حکیم عبدالوہاب صاحب اور ان کی بیوی بھی ماہی بے آب کی طرح روتی اور تڑپتی تھیں۔ غرض اس خوش اور آباد گھر کی ایسی حالت ہو رہی تھی کہ خدا کسی دشمن کو بھی نہ دکھائے۔ جب اچھی

طرح آنکھوں سے آنسو بہ گئے تو مولوی عبدالحمید صاحب نے حسینی بیگم سے کہا۔

مولوی عبدالحمید صاحب: بیٹی! کیا کہوں تیرا کیا سامان نظر آ رہا ہے۔ میں نے بہت سی دعائیں پڑھیں۔ فلاں فلاں پیر صاحبان کے روضوں پر جا کر الحاح و زاری بھی کی۔ تعویذ وغیرہ بھی باندھے مگر سب بیکار رہا۔ تم نے بھی دعا وغیرہ میں کمی نہ کی ہوگی۔ لیکن کسی اور معتبر کتاب وغیرہ میں کوئی مجرب طریقہ نظر سے گزرا ہو تو خیال کر کے اس کو بھی کر دیکھو۔ مصیبت میں انسان کو چاہیے کہ اپنے حواس کو قبضہ میں رکھے۔ اور تدبیر اور پھر خدا سے دعا کیے جائے۔

حسینی بیگم کی آنکھوں سے مسلسل آنسو جاری تھے وہ ایک لفظ بھی نہ بولی۔ جمعرات کا دن تھا۔ شام ہوتے ہوتے مولوی عبدالغفار صاحب کا بخار اور تیز ہو گیا۔ گلٹیوں میں درد بڑھ گیا اور بہکی بہکی باتیں بھی کرنے لگے۔ قرینہ سے معلوم ہوتا تھا کہ اب سرسام ہو رہا ہے۔ اُس وقت کی حالت کیا بیان کی جائے۔ گھر میں کہرام بپا تھا۔ حسینی بیگم سے وہ حالت دیکھی نہیں جاتی تھی۔ دوسرے کمرے میں جا کر ایک تخت پر گر پڑی اور روتے روتے جان کھوتی تھی۔ جب تھک گئی اور آنسو بھی کم ہوئے تو مردہ حال پڑی تھی کہ اُس کے خیال میں ایک بات آئی جس سے کچھ جان آ گئی وہ فوراً اُٹھ بیٹھی اور اپنے کو سنبھال کر اس کمرے میں آئی جہاں مولوی عبدالغفار صاحب پڑے تھے اور دونوں کے اعزہ ان کو گھیرے بیٹھے تھے۔ یہ کسی سے کچھ نہ بولی اور ایک الماری سے کوئی کتاب نکال کر پھر اُسی کمرے میں چلی گئی جس میں پڑی تھی اور وضوء کر کے دو رکعت نماز پڑھی اُس کے بعد کسی عمل کو کرنے لگی۔ اُس کی ساس کئی مرتبہ آ کر دیکھ گئیں کہ حسینی بیگم کیا کرتی ہیں اور سب کو نہایت درجہ تعجب ہو رہا تھا کہ حسینی بیگم جو بے جان ہو رہی تھی اُس وقت کس عمل کو کر رہی ہے۔ اس کے تیور سے معلوم ہوتا تھا کہ اس عمل سے اس کو یقین ہے کہ مردہ بھی زندہ ہو جائے گا۔ بہت دیر تک وہ اس عمل کو کرتی رہی مولوی عبدالغفار کی رشتہ دار جو کہ مولوی صاحب کو ایک رات کا مہمان سمجھ کر بار بار آتیں اور اس کو اس اطمینان سے تسبیح پڑھتے دیکھ کر نہایت حیران ہوتی تھیں۔ سب سکتے میں تھے کہ شوہر دم توڑ رہا ہے اور بیوی اس اطمینان سے عبادت کر رہی ہے۔ نہ معلوم حسینی بیگم کے اس عمل میں کیا اثر

تھا کہ جمعہ کی صبح ہوتے ہی مولوی عبدالغفار صاحب کا بخار کم ہونے لگا سر کا درد بھی کم ہو گیا اور انہوں نے آنکھیں بھی کھولیں۔ پھر کیا تھا گھر میں عید تھی اور سب کی زبان سے بیساختہ نکل جاتا تھا کہ ''یہ حسینی بیگم کے عمل کا نتیجہ ہے۔'' چند دنوں کے بعد وہ بالکل اچھے ہو گئے اور اس کے ساتھ ہی محلّہ بھر میں دھوم ہوگئی کہ حسینی بیگم نے اپنے عمل سے اپنے شوہر کو قبر سے نکال لیا۔''
جب مولوی صاحب نے غسل صحت کیا تو رشتہ کی سب عورتیں جمع تھیں بالکل شادی کا گھر معلوم ہوتا تھا حسینی بیگم کو اس طرح آراستہ کیا کہ دلہن بن گئی اور سب کی زبان پر تھا کہ ''بیوی مبارک ہو۔تم نے اپنے ہی عمل سے اپنا سہاگ قائم رکھا۔خوب پھولو پھلو۔'' بہت سے فقراء یتیموں ربیواؤں کو حسینی بیگم نے کپڑے تقسیم کیے۔رشتہ داروں کے ہاں بھی کھانے بھیجے گئے۔غرض ں قدر خوشی ہوسکی کی گئی۔شام ہوتے ہوتے جب سب مہمان رخصت ہو گئے اور دونوں میاں بیوی سونے کے لیے پلنگ پر پہنچے تو اس طرح باتیں کرنے لگیں۔

مولوی صاحب: تم کو مبارک ہو۔

حسینی بیگم: خدا کا لاکھ شکر ہے کہ اُس نے آپ کو اور اُس کے ساتھ مجھ کو بھی زندہ کر دیا۔

مولوی صاحب: مگر تم نے کون سا عمل کیا تھا۔حسینی بیگم نے کل واقعات بیان کئے اور کہا جب ہر طرح مایوسی ہوگئی اور تمہاری آخری حالت معلوم ہونے لگی تو میرے دل میں آیا کہ حضرت رسولؐ خدا اور آپ کی آلؑ پاک سے توسل کرنا چاہیے۔

مولوی صاحب: پھر کیا کیا؟

حسینی بیگم: میں نے دو رکعت نماز پڑھ کر ہزار مرتبہ حضرتؐ پر اور حضرتؐ کی آل پاک پر درود پڑھا اور تمہاری صحت کی دعا پڑھی۔

مولوی صاحب: یہ اپنے دل سے کیا یا کسی کتاب میں دیکھا تھا؟

حسینی بیگم: اپنے دل سے کیا کرتی۔البتہ کتابوں میں نظر سے گزرا تھا اُس وقت بے بسی میں یاد آ گیا۔

مولوی صاحب: ذرہ کسی کتاب کی عبارت مجھے سناؤ۔

ہوتو یوں دعا کرو۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَآلِہٖ اَنْ تَکْفِیَنِیْ مَا اَخَافُ وَاَحْذَرُ فَاِنَّکَ تَکْفِیْ ذٰلِکَ الْاَمْرَ۔

''اے اللہ! تو حضرت محمدؐ اور آل محمدؐ پر درود بھیج ۔ اے اللہ میں تجھ سے حضرت محمدؐ اور ان کی آل کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ جس بات سے ڈرتا ہوں اور بچنا چاہتا ہوں اُس سے تو میری حفاظت کر کیونکہ تو یقیناً اس مشکل کے لیے کافی ہے۔''

مولوی صاحب: اور تم نے کس طریقہ پر عمل کیا تھا۔

حسینی بیگم: میں تو لُٹتی تھی اس وجہ سے وہی ہزار دفعہ درود والا عمل کیا اور ایک اوسط درجہ کا عمل بھی اس کتاب کے ص ۳۲ میں لکھا ہے۔

مولوی صاحب: وہ کیا؟

حسینی بیگم: لکھا ہے کہ حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا:

مَنْ صَلّٰی عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اَھْلِبَیْتِہٖ مِأتِہَ مَرَّۃً قَضَی اللّٰہُ لَہٗ مِائَۃَ حَاجَۃً

''یعنی جو شخص محمدؐ اور ان کے اہل بیتؑ پر سو مرتبہ درود پڑھے گا خدا اس کی سو حاجتیں پوری کرے گا۔''

مولوی صاحب: تم کو بہت سے عمل بھی معلوم ہیں۔

حسینی بیگم: معلوم کیا ہیں ایسے ہزاروں واقعات ہوتے رہتے ہیں اس وجہ سے علماء نے سب کو لکھ دیا۔

مولوی صاحب: میں ان باتوں کا قائل نہیں تھا مگر تم نے تو میری زبان بند کر دی۔

حسینی بیگم: نہیں اگر کتابوں میں نہ ہوتا تو میں بھی عمل نہیں کرتی۔

مولوی صاحب: ہاں خدا جس کو قبول کرے۔

حسینی بیگم: ہاں مگر یہ بھی تو دیکھو کہ وہ کس کے ذریعہ سے قبول کرتا ہے۔

اہل بیتؑ سے کون لوگ مراد ہیں؟

مولوی صاحب: مگر اہل بیت سے تم کن لوگوں کو سمجھتی ہو۔
حسینی بیگم: جناب سیدہؑ، جناب امیرؑ، امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو۔
مولوی صاحب: یہ تو زبردستی ہے۔ اہل بیت سے مراد تو حضرت رسولؐ خدا کی بیویاں ہیں۔
حسینی بیگم: کس دلیل سے۔
مولوی صاحب: قرآن مجید سے بڑھ کر کیا دلیل ہو سکتی ہے۔
حسینی بیگم: بے شک قرآن کے مقابلہ میں کوئی دلیل نہیں ہو سکتی۔
مولوی صاحب: تو میں اسی سے ثابت کر دوں گا کہ اہل بیت سے مراد آنحضرتؐ کی ازواج ہیں۔
حسینی بیگم: ہاں آپ تو عالم ہیں۔ میں جاہل ہوں اور پھر ٹھہری عورت۔ آپ ثابت ضرور کر دیں گے۔ مگر ایسا ثبوت دو کہ میری تشفی ہو جائے۔
مولوی صاحب: ہاں ہاں میں تمہارا اطمینان ہی کروں گا۔ مناظرہ نہیں چاہتا۔ دیکھو خدا نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا۔

”یعنی اے اہلِ بیتؑ خدا یہ چاہتا ہے کہ تم سے رجس کو دور کر دے اور پاک و پاکیزہ کر دے۔ بہت زیادہ پاکیزہ کرنا“ (پارہ ۲۲۔ سورہ احزاب)

اور اس آیت کے پہلے بھی خدا نے ازواج کا ذکر کیا ہے اور اس کے بعد بھی تو معلوم ہوا کہ اہل بیت سے ازواج رسول ہی مراد ہیں۔

حسینی بیگم: آپ جانتے ہیں کہ حجاج خلفائے بنی امیہ کا کیسا زبردست اور ظالم گورنر تھا۔ جس نے ۷۲ ہجری سے ۹۵ ہجری تک دنیائے اسلام میں ظلم اور خون ریزی کا طوفان قائم کر رکھا تھا اس کا واقعہ علامہ فخرالدین رازی لکھتے ہیں:

عن الشعبی کنت عند الحجاج فاتی بیحیی بن یعمر فقیه خراسان من بلخ مکبلا با بالحدید فقال له الحجاج انت زعمت ان الحسنؑ والحسینؑ من ذریة رسول الله صلی الله علیه وسلم۔ فقال بلیٰ فقال الحجاج لتاتینی بها و فتحبینه من کتاب الله اولا قطعنك عضواً عضواً فقال آیتك بها و فتحبینه من کتاب الله یا حجاج قال فتعجبت من جوائتا بقوله یا حجاج فقال لمولا تاتنی بهذه الآیة ندع ابناء وابناء کم فقال آیتك بها واضحة من کتاب الله وهو قوله و نوحا هدینا من قبل و من ذریته دائود و سلیمان الی قوله و ذکریا یحیٰی وعیسیٰ فمن کان ابن عیسیٰ و قد الحق بذریة نوح قال فاطرق ملیاثم رفع رأسه فقال کانی لم اقر هذه الآیة من کتاب الله خلوا وثاقه واعطوه من المال کذا۔

"یعنی شعبی کا بیان ہے کہ میں ایک دفعہ حجاج کے دربار میں موجود تھا تو میرے سامنے ہی لوگ خراسان کے مشہور فقیہہ یحییٰ بن یعمر کو بلخ سے بیڑیاں پہنائے ہوئے لائے تو اس سے اور یحییٰ سے اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

حجاج: کیوں یحییٰ تمہارا دعوی یہ ہے کہ حسنؑ اور حسینؑ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد سے ہیں؟

یحییٰ بن یعمر: ہاں میرا یہ دعویٰ ہے۔

حجاج: اچھا تم اپنے اس دعویٰ کی واضح دلیل قرآنِ مجید سے پیش کرو ورنہ میں ابھی تمہاری

بوٹی بوٹی کاٹ ڈالتا ہوں۔

یحییٰ: اے حجاج! میں ابھی تمھارے سامنے ہی قرآنِ مجید ہی سے اس دعویٰ کو واضح دلیل پیش کرتا ہوں۔ (شعبی کا بیان ہے کہ میں نے جو یحییٰ کو اس طرح یا حجاج (اے حجاج) کہتے ہوئے سنا (کہ حضور کہا، نہ سرکار نہ، اے امیر نہ، اے مالک، بلکہ صرف نام لے کر خطاب کیا) تو مجھے ان کی اس دلیری سے بڑا تعجب ہوا۔

حجاج: ہاں ہاں! جلد وہ آیت پڑھو ذرہ میں بھی تو سنوں، مگر خبردار آیہ مباہلہ ندع ابناء نا وابناء کم کو نہ پڑھنا۔

یحییٰ: نہیں نہیں! میں اس آیت کو نہیں پڑھوں گا، بلکہ اس کے علاوہ دوسری صاف اور بالکل بے جھول آیت پڑھتا ہوں۔ سنو خدا ارشاد فرماتا ہے:

نوحا هدينا من قبل و من ذريته دائود و سليمان و ايوب و يوسف وموسىٰ و هارون و كذالك نجزى المحسنين و زكريا و يحيىٰ و عيسىٰ

یعنی ان سے پہلے نوح کو بھی ہم نے راہ راست دکھائی اور ان ہی کی نسل میں سے داؤدؑ اور سلیمانؑ اور ایوبؑ اور یوسفؑ اور موسیٰؑ اور ہارونؑ سب کو ہم نے راہ راست دکھائی اور خلوص دل سے نیک کام کرنے والوں کو ہم ایسے ہی صلے عطا فرمایا کرتے ہیں اور علی ہذا القیاس زکریاؑ اور یحییٰؑ اور عیسیٰؑ کو۔" (پ ۷، سورہ انعام رکوع ۱/۱۶)

اے حجاج! ذرہ بتاؤ تو کہ حضرت عیسیٰؑ کے باپ کہاں تھے جس وجہ سے خدا نے حضرت عیسیٰؑ کو بھی حضرت نوحؑ کی اولاد میں داخل کیا (یعنی اگر نواسا اپنے نانا کی اولاد نہیں کہا جا سکتا تو حضرت عیسیٰؑ کو خدا نے حضرت نوحؑ کی اولاد میں کیسے کہہ دیا۔ اگر کہو کہ حضرت عیسیٰؑ کے دادا کا سلسلہ حضرت نوحؑ تک پہنچتا ہے تو حضرت عیسیٰؑ کے باپ کہاں تھے جن کے والد حضرت کے دادا کہے جاتے؟ وہ تو خدا کے کلمہ سے پیدا ہوئے۔ غرض ان کا جو رشتہ تھا وہ صرف آپ کی ماں حضرت مریمؑ کا ننہالی اور اسی ننہالی رشتہ سے حضرت نوحؑ، حضرت عیسیٰؑ

کے نانا ہوئے۔ جن کی اولاد میں آپ کو بھی خدا نے اسی طرح ذکر کیا جس طرح حضرت نوح ؑ کے پوتوں کو ذکر کیا ہے شعبی نے بیان کیا کہ یحییٰ کے اس استدلال کو سن کر حجاج نے سر جھکا لیا اور دیر تک سوچتا رہا پھر اپنا سر اٹھا کر کہا ''معلوم ہوتا ہے میں نے اس آیت کو آج تک پڑھا ہی نہیں تھا''۔ (پھر اپنے درباریوں سے خطاب کر کے کہا) ''اب یحییٰ کی بیڑیاں اُتار دو اور ان کو اس قدر مال دے دو''۔ (تفسیر کبیر جلد ا، ص ۴۰۹)

تفسیر درمنشور میں بھی روایت اس طرح موجود ہے کہ حجاج نے کہا ''میں نے قرآنِ مجید کو شروع سے آخر تک پڑھ لیا مگر کہیں مجھے یہ مضمون نہیں ملا، جس سے معلوم ہوتا کہ امام حسینؑ حضرت رسول خداؐ کی اولاد میں ہو سکتے ہیں''۔ تب یحییٰ نے پوچھا: ''کیا تم نے سورہ انعام میں یہ آیت نہیں پڑھی ہے؟''

حجاج نے کہا: ہاں پڑھی تو ہے''۔

یحییٰ نے کہا: ''کیا اس میں حضرت عیسیٰؑ کو خدا نے حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں نہیں ذکر کیا ہے؟ حالانکہ حضرت عیسیٰؑ کے باپ نہیں تھے۔ صرف ماں ہی تھیں۔ انھیں کے رشتہ سے وہ اپنے نانا م حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں داخل ہوئے''۔

حجاج نے کہا: ''ہاں تم نے سچ کہا اور دوسری روایت میں ہے کہ جب یحییٰ نے حضرت امام حسینؑ کا ذکر کیا تو حجاج نے کہا ''نہیں وہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد نہیں ہو سکتے''۔ اس پر یحییٰ نے حجاج سے کہا تم جھوٹ کہتے ہو''۔

حجاج نے کہا: ''اچھا تو تم دلیل پیش کرو''۔ اس پر انھوں نے وہی آیت پڑھی اور کہا: ''اے حجاج! دیکھ کہ خدا اس میں حضرت عیسیٰؑ کو حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں ذکر کرتا ہے تو حضرت ابراہیمؑ حضرت عیسیٰؑ کے نانا ہی تو تھے''۔ حجاج کو ماننا پڑا کہ ''ہاں تم سچ کہتے ہو''۔

(درمنشور جلد ۳، ص ۲۸)

اس روایت کو تمھارے مولانا نواب صدیق حسن خان صاحب نے لکھا ہے جس کے بعد تحریر فرمایا ہے:

وقد رويت هذه القضية بالفاظ وطرق وفيه دليل على ان النسب يثبت من قبل الاما م ايضالانه جعل من ذرية نوح وهولا يتصل به الابالام

''یعنی حجاج اور یحییٰ بن یعمر کا یہ واقعہ مختلف عبارتوں اور بہت سے طریقوں سے بیان کیا گیا ہے اور اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ نسب ماں کی طرف سے بھی ثابت ہوتا ہے، اس لیے کہ خدا نے حضرت عیسیٰؑ کو حضرت نوحؑ کی ذریت میں ذکر کیا ہے اور ان کا کوئی باپ تھا ہی نہیں، پھر ان کی ماں ہی کی وجہ سے تو خدا نے ان کو حضرت نوح کی ذریت میں ذکر کیا۔ (تفسیر فتح البیان مطبوعہ مصر جلد ۳، ص ۱۸۷)

علامہ ابنِ کثیر دمشقی لکھتے ہیں:

وفي ذكر عيسىٰ في ذرية ابراهيم و نوح على القول الآخر دلالة على دخول ولد البنات في ذرية الرجل لان عيسىٰ انما ينسب الى ابراهيم لامه مريم عليهما السلام فانه لاب له

''یعنی خدا نے حضرت ابراہیمؑ یا حضرت نوحؑ کی اولاد میں حضرت عیسیٰؑ کو ذکر کیا ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ بیٹی کی اولاد نواسے نواسیاں بھی انسان (نانا) کی اولاد میں داخل ہیں۔ اس لیے کہ حضرت عیسیٰؑ کو حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں ان کی ماں جناب مریمؑ کی وجہ سے تو بیان کیا ہے، کیونکہ حضرت عیسیٰؑ کے باپ تو تھے ہی نہیں''۔

پھر چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں:

ويدخل بنوالبنات فيهم لمّا ثبت في صحيح البخاري أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال للحسن بن علي ان ابني هذا سيد

''یعنی نواسے بھی اپنے نانا کی اولاد میں اس دلیل سے داخل ہیں کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نواسے امام حسنؑ کے بارے میں فرمایا تھا: یہ میرا بیٹا سردار ہے۔ (تفسیر ابنِ کثیر مطبوعہ مصر ۹۳)

مورخ جلیل علامہ ابنِ خلکان نے اس واقعہ کو زیادہ تفصیل سے لکھا ہے کہ یحییٰ بن یعمر خراسان میں رہتے تھے اور وہاں لوگوں سے بیان کیا کرتے کہ امام حسنؑ اور امام حسینؑ حضرت رسولِ خدا کی اولاد ہیں۔ اس واقعہ کی اتنی شہرت ہوئی کہ عراق میں حجاج کو معلوم ہوا تو اس نے خراسان کے گورنر قتیبہ بن مسلم کو لکھا کہ میرے پاس یحییٰ بن یعمر کو گرفتار کرکے بھیج دو۔ جب وہ آئے تو حجاج نے ان سے کہا: ''اگر تم اپنے دعویٰ کی مضبوط دلیل نہیں دو گے تو میں تمھارا سر اُڑا دوں گا''۔ اس پر یحییٰ نے وہی آیت پڑھی۔ پھر کہا ''اے حجاج! دیکھو حضرت عیسیٰؑ حضرت ابراہیمؑ کی کتنی پشتوں کے بعد پیدا ہوئے۔ ان کو تو خدا ان کی اولاد کہتا ہے پھر امام حسنؑ اور امام حسینؑ تو حضرت رسولِ خداؐ کے سامنے پیدا ہوئے (اور حضرت کی گود میں پلے) وہ کیوں نہ حضرت کی اولاد ہوں گے؟'' اس پر حجاج نے کہا: ''بے شک تم نے ایسی دلیل پیش کی جس سے تمھاری جان بخش دی گئی۔ خدا کی قسم میں نے اس آیت کو پڑھا مگر کبھی اس کا یہ مطلب نہیں سمجھا''۔ اس کے بعد علامہ ابنِ خلکان اپنا قول لکھتے ہیں:

هذا من الاستنباطات البديعة الغريبة العجيبة فلله دره ما احسن ما استخرج وادق ما استنبط

''یعنی یحییٰ کا یہ استدلال عجیب وغریب اور نہایت خوبصورت اور قابلِ قدر استدلال پھڑکا دینے والا احتجاج ہے۔ اللہ ان کو جزائے خیر دے۔ کیسی اچھی بات پیدا کی اور کیسا دقیق نکتہ نکالا ہے۔ (تاریخ ابن خلکان مطبوعہ مصر جلد۲، ص ۲۲۷ و امرأۃ الجنان جلد۱، ص ۱۷۲ مطبوعہ حیدرآباد)

مولوی صاحب: البتہ یحییٰ اور حجاج کا یہ مناظرہ بڑا ہی زبردست اور نہایت دلچسپ ہے۔

حسینی بیگم: حجاج کا مناظرہ ہی کیا ہوا اس کے ہاتھ میں تو تلوار تھی۔ اس سے اس نے مناظرہ کیا کہ کہا اگر دلیل نہیں لاؤ گے تو سر اُڑا دوں گا۔ البتہ یحییٰ کے دماغ کی تعریف بے ساختہ زبان سے نکل جاتی ہے کہ کس بلا کا ذہن پایا تھا اور خدا نے حاضر جوابی کا مادہ کس قدر پیدا کر دیا تھا اور لطف یہ کہ تلوار سامنے رکھی ہوئی تھی۔ ایسی حالت میں موٹی اور واضح بات بھی

انسان بھول جاتا ہے اور سامنے کی چیزیں بھی اس کو نظر نہیں آتی ہیں چہ جائیکہ ایسا دقیق نکتہ پیدا کرنا۔ یقیناً خدا کی خاص تائید ان کے ساتھ تھی۔ اس واقعہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حجاج کو حضرات اہلبیتؑ سے کیسی سخت عداوت تھی کہ یحییٰ کا صرف یہ جرم سن کر کہ وہ امام حسنؑ اور حسینؑ کو فرزندانِ رسول کہتے ہیں اس نے اس قدر اہتمام کیا کہ خراسان کے گورنر کو لکھا اور وہیں یحییٰ کو گرفتار کرایا۔ ان کے پاؤں میں بیڑیاں ڈلوائیں اور کئی آدمیوں کی حراست میں ان کو خراسان سے کوفہ تک نہ معلوم کس قدر مال خرچ کر کے صرف اس غرض سے بلایا کہ ان کو قتل کر دے، مگر انھوں نے ایسی دلیل پیش کر دی کہ حجاج کا وہ سب اہتمام غائب ہو گیا اور مجبوراً ان کو رہا کر دینا پڑا۔

مولوی صاحب: کیا خوب وہ یحییٰ بن یعمر کا نکتہ تھا یہ تمھارا نکتہ ہوا۔ واقعاً اس بات سے حجاج نے اپنے تعصب اور عداوت کو حد سے زیادہ مشہور کر دیا۔

حسینی بیگم: بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ خود شعبی سے بھی حجاج نے اس مضمون پر ایک دفعہ مناظرہ کیا تھا۔ چنانچہ علامہ کمال الدین محمد بن طلحہ شافعی لکھتے ہیں جس کا صرف ترجمہ بیان کرتی ہوں کہ شعبی (جو ایک بڑے عالم اور مذہبی پیشوا تھے) دل سے حضرات اہلِ بیتؑ کی طرف مائل تھے اور جب ان کا ذکر کرتے تو کہتے کہ اولادِ رسولؐ ہیں۔ اس بات کی خبر لوگوں نے حجاج تک پہنچا دی تو وہ نہایت غضبناک ہوا اور ایک روز ان کو دربار میں بلا بھیجا۔ جس وقت شعبی دربار میں پہنچے کوفہ اور بصرہ کے علماء، حافظانِ قرآن اور اعیانِ سلطنت بھرے ہوئے تھے۔ شعبی نے حاضر ہو کر حجاج کو سلام کیا مگر حجاج اس درجہ ان کے خلاف ہو رہا تھا کہ نہ ان کی طرف توجہ کی نہ باقاعدہ سلام کا جواب دیا۔ جب بھی بیٹھ چکے تو حجاج نے اس طرح کلام کیا۔

حجاج: شعبی! یہ کیسی خبریں مجھ تک پہنچتی رہتی ہیں کہ تم جہالت کی باتیں کیا کرتے ہو۔

شعبی: اے امیر! آپ کس بات کو فرماتے ہیں؟ میں نے کون سا امر جہالت کیا؟

حجاج: کیا تم کو معلوم نہیں ہے کہ آدمی کی اولاد صرف وہ لوگ ہوتے ہیں جو اس کے نسب میں داخل ہوں اور نسب صرف باپ سے قائم ہوتا ہے پھر تم کو کیا ہو گیا ہے کہ علیؑ کے لڑکوں (حسن

اور حسینؑ) کو رسولِ خداؐ کے فرزند اور حضرتؐ کی اولاد کہتے ہو۔ کیا تم کو خبر نہیں کہ ان لوگوں کا رشتہ حضرت رسول خداؐ کے ساتھ صرف ان کی ماں فاطمہؑ کے ذریعے ہے اور معلوم ہے کہ نسب کا تعلق بیٹیوں سے نہیں، بلکہ صرف بیٹوں سے ہوتا ہے۔ حجاج اسی طرح غصہ میں خوب چیخ چیخ کر بولتا چلا جاتا تھا اور شعبی سر جھکائے خاموش تھے۔ جب وہ اچھی طرح اپنا غیظ و غضب ظاہر کر چکا اور جو کچھ دل میں آیا بولتا رہا۔ مگر شعبی نے کچھ جواب نہیں دیا تو ان کے سکوت سے اس نے اور نفع اٹھایا اور اب بیچارے کو ڈانٹنا جھڑکنا شروع کیا۔ تب شعبی بولے:

شعبی: اے امیر! میں دیکھتا ہوں کہ آپ اس شخص کی طرح گفتگو کر رہے ہیں جو قرآن مجید اور احادیث حضرت رسالتمآب سے بالکل جاہل ہو اور ان دونوں کو پس پشت ڈال کر باتیں کرے۔ یہ سننا تھا کہ حجاج غصہ سے سرخ ہو گیا اور آگ بگولہ ہو کر بولا۔

حجاج: ارے کمبخت! کیا میرے ایسے حاکم سے تو اس طرح باتیں کرتا ہے؟

شعبی: ہاں یہ کوفہ اور بصرہ کے حافظانِ قرآن اور مفسرین و علماء یہاں خود موجود ہیں اور سب جانتے ہیں کہ میں جو کہتا ہوں یہی حق اور صحیح ہے۔ آپ ہی بتایے کہ خدا نے جب دنیا بھر کے آدمیوں سے کوئی بات قرآن مجید میں کہی تو کیا ان سب کو بنی آدم (اے آدم کی اولاد) نہیں کہا ہے؟ اسی طرح اسرائیل و ابراہیم کی اولاد کو یا بنی اسرائیل (اے اسرائیل کی اولاد) یا ذریت ابراہیم نہیں کہا ہے جن میں حضرت عیسیٰؑ بھی تھے۔ غرض جب خدا نے بنی آدم، بنی اسرائیل، ذریت ابراہیم ذکر کر کے ان میں حضرت عیسیٰؑ کو بھی کہا تو ثابت ہوا کہ کسی شخص کی بیٹی کی اولاد بھی اس کی اولاد ہوتی ہے اس لیے کہ حضرت عیسیٰؑ کے تو کوئی باپ تھا ہی نہیں صرف وہ اپنی ماں حضرت مریمؑ کی وجہ سے اولادِ آدمؑ، اولادِ اسرائیل اور ذریتِ حضرت ابراہیم میں داخل ہوئے۔ رہی حدیث تو یہ روایت صحیح طریقوں سے ثابت ہے کہ حضرت رسول خداؐ بار بار حضرت امام حسنؑ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے:

ان ابنی ھذا سید۔

یعنی ''میرا یہ بیٹا سردار ہے۔''

جب حجاج نے شعبی کی تقریر سنی تو شرمندہ ہو کر دیر تک سر جھکائے رہا۔ (پھر اپنی غلطی مان کر) شعبی کے ساتھ مہربانی کی باتیں کرنے لگا اور حاضرین سے اس کو سخت شرمندگی ہوئی۔ (مطالب السؤل ص ۱۳)

مولوی صاحب: حجاج کی پیش بندی بھی خوب تھی کہ خراسان سے یحییٰ بن یعمر کو بلایا تو شروع ہی میں ان سے یہ بھی کہہ دیا کہ دیکھو حسنؑ و حسینؑ کے فرزندان رسولؐ ہونے پر آیہ مباہلہ سے دلیل نہ لانا۔

حسینی بیگم: یہ بھی اس نے انتہا درجہ کی چالاکی اس لیے کی کہ وہ جانتا تھا کہ اس آیت سے یقیناً امام حسنؑ و حسینؑ فرزندانِ رسولؐ ہیں۔ اگر یحییٰ اس سے استدلال کریں گے تو میں شرمندہ ہو جاؤں گا۔

مولوی صاحب: نہیں اس کو اس قدر ڈرنا نہیں تھا، کیونکہ وہ کہہ سکتا تھا کہ اس آیت میں صرف ابناء نا وابناء کم ہے جس سے حسنؑ و حسینؑ کا مقصود ہونا ضروری نہیں ہے۔

حسینی بیگم: پھر تفسیروں کو کیا کرتا۔ کیا ان سے اس کی جہالت عام طور پر نہیں واضح ہو جاتی۔

مولوی صاحب: ان سے انکار کر دینا آسان تھا۔

حسینی بیگم: سبحان اللہ انکار کو آسان کہہ دینا تمھارا ہی کام ہے۔ حجاج تو ان تفسیری روایتوں کو ایسے پہاڑ جانتا تھا کہ یحییٰ سے گفتگو کرنے سے پہلے ان سے کہہ دیا کہ اس آیت کا ذکر نہ کرنا اور تم انکار کو آسان بتاتے ہو۔ اگر ان روایتوں سے انکار کر دیا جائے تو اسلام کی ہر بات سے انکار کر دینا آسان ہو جائے گا، کیونکہ جن کتابوں میں اسلام کی اور ضروری باتیں لکھی ہیں انھیں میں اس آیت کی تفسیر بھی موجود ہے پھر جب ان تفسیری روایتوں سے انکار آسان ہو جائے گا تو دوسری روایتیں کیوں کر بچ جائیں گی۔

مولوی صاحب: تم بہت مبالغہ کرتی ہو یہ مناسب نہیں۔

حسینی بیگم: مگر میرا تو خیال ہے کہ امر حق میں مبالغہ ہی بہتر ہے۔ خدا کی توحید، رسولِ خداؐ کی رسالت، نماز و روزہ کے وجوب میں مبالغہ کرنا بہتر ہے یا نہیں؟

مولوی صاحب: تو کیا وہ تفسیری روایتیں بھی اس کثرت سے ہیں جس کا انکار مشکل ہے؟
حسینی بیگم: بیشک ایک دو کتابوں میں ہو تو خیر۔ یہ روایتیں تو ہزاروں کتب تفسیر و حدیث و تاریخ میں بھری ہوئی ہیں۔ چند حوالے ذکر کرتی ہوں۔ علامہ جلال الدین اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

خرج و معه الحسن والحسين و فاطمه و علي و قال لهم اذا دعوت فامنوا

یعنی ''حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مباہلہ کو گئے تو اپنے ساتھ حسنؑ و حسینؑ و فاطمہؑ و علیؑ کو بھی لے لیا تھا اور ان سے فرمایا کہ جب میں دعا کروں تو تم لوگ آمین کہنا۔ (تفسیر جلالین مطبوعہ مصر، ص ۳۴)

اور علامہ بیضاوی لکھتے ہیں:

فاتوا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وقد غدا محتضنا الحسين اخذا بيدالحسن ؑ اخذ بيد الحسن ؑ و فاطمة تمشى خلفه وعلي رضى الله عنه خلفها وهو يقول اذا انا دعوت فامنوا

یعنی ''نصاریٰ حضرت رسولِ خداؐ کے پاس آئے تو حضرت صبح کو مباہلہ کے لیے اس شان سے نکلے کہ حسینؑ کو گود میں لیے تھے۔ حسنؑ کا ہاتھ پکڑے تھے۔ فاطمہؑ حضرت کے پیچھے اور حضرت علیؑ سب کے بعد تھے اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں سے فرما رہے جب میں دعا کروں تو تم لوگ آمین کہتے جانا۔'' (تفسیر بیضاوی جلد ا، ص ۱۱۸)

علامہ علی بن احمد نے بھی اس روایت کو لکھا ہے۔ (تفسیر تبصیر الرحمان مطبوعہ مصر جلد ا، ص ۱۱۴)

علامہ زمخشری نے بھی اس کو لکھا ہے۔ (تفسیر کشاف جلد ا، ص ۳۰۷)

اور علامہ خازن نے ابھی اس کو لکھا ہے ساتھ ہی یہ بھی تحریر کیا ہے:

اراد بالابناء الحسن والحسين وبالنساء فاطمة وبالنفس نفسه وعليا

یعنی '' خدا کا مقصود آنحضرت کے ابناء سے حسنؑ وحسینؑ اور نساء سے فاطمہؑ اور نفس سے خود آنحضرتؐ اور علیؑ ہیں۔ (تفسیر خازن جلد۱،ص۲۴۲)

یہی روایت علامہ نسفی نے بھی لکھی ہے۔ (تفسیر مدارک برحاشیہ تفسیر خازن جلد۱،ص۲۴۲)

اور جناب نواب مولانا صدیق حسن خان صاحب بھوپالی نے تحریر فرمایا ہے:

قال جابر انفسنا وانفسکم رسول الله و علیؑ و ابنائنا الحسنؑ والحسینؑ و نساء فاطمة ؑ

یعنی '' جابر سے روایت ہے کہ اس آیت میں انفسنا سے مراد حضرت رسولِ خداؐ اور حضرت علیؑ ہیں اور ابناء نا سے مراد حسنؑ وحسینؑ ہیں اور نساء نا سے مراد حضرت فاطمہؑ ہیں۔''

پھر لکھتے ہیں:

لما نزلت هذه الآیة فقل تعالوا دعا رسول الله علیا و فاطمة و حسنا وحسینا فقال اللهم هؤلاء اهلی

یعنی '' جب یہ آیت قل تعالوا نازل ہوئی تو حضرت رسولِ خداؐ نے حضرت علیؑ و فاطمہؑ وحسنؑ وحسینؑ کو پاس بلا کر خدا سے کہا کہ اے اللہ! میرے اہل بس یہی ہیں''۔ (تفسیر فتح البیان جلد۲،ص۵۵)

علامہ ابن کثیر دمشقی نے بھی یہی لکھا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد۲،ص۲۳۶)۔

علامہ سیوطی نے بھی ان روایتوں کو تفصیل سے لکھا ہے۔ (درمنثور جلد۲،ص۳۷)

اور علامہ فخر الدین رازی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

و کان رسول الله خرج و علیه مرط من شعر اسود و کان قد احتضن الحسین و اخذ بید الحسنؑ و فاطمةؑ تمشی خلفه و علی رضی الله عنه خلفها و یقول اذا دعوت فامنوا فقال اسقف نجران یا معشر النصاری انی لاری وجوها لوسالوا الله ان یزید

جبلا من مكانه لا زاله بها فلا بتاهلوا فتهلكوا ولا يبقى على وجه الارض نصراني الى يوم القيمه

''یعنی حضرت رسولِ خداؐ اس شان سے میدانِ مباہلہ میں تشریف لائے کہ آپ ایک کالا کمل اوڑھے حسینؑ کو گود میں لیے، حسنؑ کا ہاتھ پکڑے تھے۔ حضرتؐ کے پیچھے فاطمہؑ اور ان کے بعد حضرت علیؑ تھے اور حضرت ان لوگوں سے فرما رہے تھے کہ جب میں دعا کروں تو تم لوگ آمین کہنا۔ ان لوگوں کو دیکھ کر نصاریٰ نجران کے سردار نے کہا کہ اے عیسائیو! یقیناً میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں جو اگر خدا سے دعا کریں کہ وہ پہاڑ کو زمین سے ہٹا دے تو خدا ضرور اس کو ہٹا دے گا۔ لہٰذا تم ان حضرات سے ہرگز مباہلہ نہ کرو، ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور پھر قیامت تک روئے زمین پر کوئی عیسائی نہیں بچے گا''۔

پھر لکھتے ہیں:

انه عليه السلام لما خرج فی الموطالاسود فجاء الحسن فادخله ثم جاء الحسين فادخله ثم فاطمة ثم علی قال انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت ويطهركم تطهيرا واعلم ان هذه الرواية كالمتفق على صحتها بين اهل التفسير والحديث

''یعنی حضرت رسولِ خداؐ جب کالا کمل اوڑھے نکلے تو حسنؑ حضرت نے ان کو کمل میں لے لیا۔ پھر حسینؑ آئے ان کو بھی لے لیا۔ پھر فاطمہ پھر علیؑ ان کو بھی لے لیا، اس کے بعد آیۂ تطہیر کی تلاوت فرمائی کہ اے اہلِ بیت! خدا تم لوگوں سے ہر برائی کو دور رکھنا اور تم کو پاکیزہ قرار دیئے رہنا چاہتا ہے۔ مسلمانوں کو جاننا چاہیے کہ علمائے تفسیر وحدیث کا گویا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ روایت صحیح ہے۔''

اس کے بعد لکھا ہے:

هذه الآية دالة على ان الحسنؑ والحسين عليهما السلام كانا

ابنی رسول اللہؐ وعدان یدعو ابنائه فدعا الحسنؑ والحسینؑ فوجب ان یکونا ابنیه ومائیوکد هذا قوله تعالیٰ فی سوق الانعام ومن ذریته داود و سلیمان الی قوله و ذکریا و یحییٰ و عیسیٰ و معلوم ان عیسیٰ انما انتسب الی ابراهیم بالام لا بالاب فثبت ان ابن البنت قدیسمی ابنا والله اعلم

''یعنی یہ آیت اس بات کا یقینی ثبوت ہے کہ حضرت حسن وحسین علیہما السلام حضرت رسول خداؐ کے فرزند تھے۔ حضرت نے وعدہ کیا تھا کہ اپنے بیٹوں کومباہلہ کے لیے لائیں گے۔ جس کے بعد انھیں حسنؑ وحسینؑ کو بلایا تو واجب ہوا کہ یہ دونوں حضرات آنحضرتؐ کے فرزند ہوں۔ اس بات کی تاکید اس سے بھی ہوتی ہے کہ سورہ انعام میں خدا نے فرمایا ہے کہ حضرت نوح کی نسل میں سے حضرت داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون سب کو ہم نے راہ راست دکھائی اور خلوص دل سے نیک کام کرنے والوں کو ہم ایسے ہی صلے عطا فرمایا کرتے ہیں اور ذکریا ویحییٰ وعیسیٰ کو (پ ۷، ع ۱۶) اور معلوم ہے کہ حضرت عیسیٰ صرف اپنی ماں کی وجہ سے حضرت ابراہیم کی نسل میں ہیں نہ باپ کی وجہ سے تو ثابت ہوا کہ نواسے کو بھی بیٹا کہتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر کبیر جلد ۲، ص ۷۰)

مولوی صاحب: اس آیت کا تو اوپر بھی ذکر ہو چکا ہے۔

حسینی بیگم: ہاں اس تفسیر کی پوری عبارت پڑھنی تھی۔ اس وجہ سے میں نے دہرا کر اس کو بھی پڑھ دیا۔ اس کے بعد ایک اور دلچسپ واقعہ انھیں علامہ فخر الدین رازی نے لکھا ہے۔

مولوی صاحب: وہ کیا؟

حسینی بیگم: لکھتے ہیں کہ ملک رے میں ایک شخص محمود بن حسن حمصی رہتا تھا جو اثنا عشری فرقہ کا معلم تھا اور یہ کہتا تھا کہ حضرت علی علیہ السلام حضرت رسول ﷺ کے سوا باقی کل پیغمبروں سے افضل ہیں۔ وہ اپنے اس دعویٰ کی دلیل یہ بیان کرتا تھا کہ خدا نے آیت مباہلہ میں انفسنا

وانفسکم کہا ہے تو انفسنا سے حضرت رسول خدا کا نفس مراد ہو ہی نہیں سکتا اس لیے کہ خدا نے حضرت کے ذریعہ سے فرمایا کہ آپ اپنے نفس کو بلاؤ ہم اپنے نفس کو بلائیں تو کوئی شخص اپنے نفس کو نہیں بلا سکتا۔ لہٰذا یقیناً کوئی دوسرا شخص مراد ہوگا اور مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ وہ دوسرا شخص جو حضرت رسول خدا ﷺ کا نفس تھا حضرت علیؑ ہی تھے۔ لہٰذا اس آیت نے اس بات کو ثابت کر دیا کہ حضرت علیؑ کا نفس ہی حضرت رسول خدا کا نفس تھا اور یہ ممکن نہیں کہ خدا کی مراد اس آیت سے یہ ہو کہ واقعاً حضرت علی کا نفس بعینہ حضرت رسول ﷺ کا نفس ہے تو اب خدا کی مراد یہی ہو سکتی ہے کہ حضرت علیؑ کا نفس بالکل حضرت رسول خدا ﷺ کے نفس ایسا ہے یعنی خدا نے حضرت علیؑ کو حضرت رسول خدا ﷺ کا نفس کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علیؑ کا نفس حضرت رسول خداؐ کے نفس کے مثل ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت علیؑ کا نفس نبوت اور فضیلت کے سوا ہر بات میں حضرت رسول خداؐ کے نفس کے برابر ہو، کیونکہ اس بات کی دلیلیں موجود ہیں کہ حضرت رسول خداؐ، حضرت علیؑ سے افضل تھے تو ان دونوں باتوں (نبی اور سب سے افضل ہونے) کو چھوڑ کر باقی کل باتوں میں حضرت علیؑ کا نفس حضرت رسول خداؐ کے نفس کے برابر ہوا۔ پھر مسلمانوں کے اجماع سے یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت رسول خداؐ کل انبیاء و مرسلین سے افضل تھے تو ضروری ہے کہ حضرت علیؑ بھی باقی کل انبیاء و مرسلین سے افضل ہوں۔ یہ تو آیۂ مباہلہ سے حضرت علیؑ کی افضلیت باقی کل انبیاء و مرسلین پر ثابت ہوئی اور اس آیہ اور دعویٰ کی تائید حضرت رسول خداؐ کی اس حدیث پر بھی ہوتی ہے جو موافق اور مخالف سب کے مشہور اور مقبول ہے کہ حضرت ﷺ نے فرمایا:

من اراد ان یری ادم فی علمہ و نوحا فی طاعتہ و ابراھیم فی خلتہ و موسیٰ فی ھیبتہ و عیسیٰ فی صفوتہ فلینظر الی علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

''جو شخص چاہے کہ حضرت آدمؑ کو ان کے علم میں، حضرت نوحؑ کو ان کی اطاعت میں، حضرت ابراہیمؑ کو ان کی خلتہ میں حضرت موسیٰؑ کو ان ہیبت میں

اور حضرت عیسیٰ ؑ کو ان کی صفوۃ میں دیکھے اس کو چاہیے کہ حضرت علی بن ابی طالب کی طرف نظر کرلے''۔

یہ حدیث اس بات کو بتاتی ہے کہ جو فضیلتیں دوسرے پیغمبروں میں الگ الگ تھیں وہ سب حضرت علیؑ میں جمع ہوگئی ہیں۔ بس یہی اس بات کی واضح دلیل اور کافی ثبوت ہے کہ حضرت علیؑ سوا حضرت رسول خداؐ کے کل انبیاء ومرسلین سے افضل ہیں۔ یہ تو خاص ان عالم محمود بن حسن حمصی کا دعویٰ تھا۔ رہے باقی شیعہ وہ تو شروع سے اس وقت تک اس آیت سے اس بات کو ثابت کرتے آئے ہیں کہ حضرت علیؑ کل صحابہ سے افضل تھے۔ اس لیے کہ یہ آیت ثابت کرتی ہے کہ حضرت علیؑ کا نفس حضرت رسول خداؐ کے نفس ایسا ہے اور معلوم ہے کہ حضرت رسول خداؐ کا نفس کل صحابہ سے افضل تھا تو ضروری ہے کہ حضرت علیؑ کا نفس بھی تمام صحابہ سے افضل ہو۔ (تفسیر کبیر جلد۲، ص۷۰۱)

مولوی صاحب: کیا علامہ رازی نے صرف شیعوں کی اس دلیل کو ذکر کیا اور اس کا کچھ جواب نہیں دیا؟

حسینی بیگم: جواب دیا ہے مگر ایسا جس کو ایک بچہ بھی غلط کردے گا اور امام رازی صاحب کے بارے میں تو علماء میں مشہور ہے کہ ان کا اعتراض نقد ہوتا ہے اور جواب ادھار۔

مولوی صاحب: خیر۔ مگر رافضیوں کے اس استدلال کا کیا جواب دیا ہے؟

حسینی بیگم: لکھا ہے کہ اس تقریر کا جواب یہ ہے کہ جس طرح مسلمانوں کا اجماع اس بات پر ہے کہ حضرت محمد ﷺ حضرت علیؑ سے افضل ہیں۔ اسی طرح ان کا اجماع اس بات پر ہے کہ نبی افضل ہوتا ہے غیر نبی سے اور اس پر بھی لوگوں کا اجماع ہے کہ حضرت علیؑ نبی نہیں تھے تو لازم آیا کہ حضرت علیؑ دوسرے انبیاء سے افضل نہیں تھے۔ (تفسیر کبیر جلد۲، ص۷۶)

مولوی صاحب: بس کیا اسی قدر جواب دیا ہے؟

حسینی بیگم: کتاب موجود ہے دیکھ لو کہ اس سے زیادہ بھی کچھ ہے۔

مولوی صاحب: مگر اس جواب کو تم غلط کیوں کہتی ہو؟

حسینی بیگم: یہ بتاؤ کہ تمھارا مذہب اہلحدیث اور میرا مذہب حنفی ہے۔ کوئی مذہبی مسئلہ اور تمھارے مقابلہ میں اس کی دلیل میں یہ پیش کروں کہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا ہے تو آپ اس جواب کو صحیح مانیں گے؟

مولوی صاحب: نہیں میں تو غیر مقلد ہوں۔ امام ابوحنیفہ صاحب کی بات کیوں مانوں گا؟

حسینی بیگم: اسی طرح شیعوں کے مقابلہ میں سنیوں کی دلیل (کہ اس بات پر اجماع ہے کہ نبی افضل ہوتا ہے غیر نبی سے) کیونکر صحیح ہوسکتی ہے۔ یہ تو سنیوں کا اجماع ہوا کہ ہر نبی ہر غیر نبی سے افضل ہوتا ہے مگر شیعہ تو اس کو نہیں مانتے بلکہ کہتے ہیں کہ ان کے بارہ امام حضرت رسول خداؐ کے سوا دنیا بھر کے لوگوں سے افضل ہیں۔ پھر ان کے اعتراض کا جواب کیا ہوا اور وہ اس جواب کو کیوں مانیں گے؟ اگر آپ ان سے کہیں کہ حضرت ابوبکر خلیفہ رسولؐ تھے اس لیے کہ سنیوں کا اس پر اجماع ہو گیا تو وہ مان لیں گے؟

مولوی صاحب: نہیں یہی تو سنیوں اور شیعوں میں اختلاف ہے۔

حسینی بیگم: بس اسی طرح اس مسئلہ میں بھی سنیوں کے اجماع سے شیعوں کا جواب کیا ہوسکتا ہے۔ اس کے علاوہ اجماع سے تو وہاں کوئی بات ثابت کی جاتی ہے جہاں قرآن وحدیث اس کے خلاف کوئی بات نہ ثابت ہو۔ خاص کر اہلحدیث جماعت تو قرآن وحدیث کے مقابلہ میں اجماع کو کوئی چیز ہی نہیں جانتی ہے۔ ان کا مشہور اصول ہے۔

اصل دیں آمد کلام اللہ معظم داشتن
پس حدیث مصطفیٰ بر جاں مسلم داشتن

یعنی دین کی اصل یہ ہے کہ قرآن مجید کو معظم جانیں اس کے بعد حضرت رسول خداﷺ کی حدیث کو جان پر مسلم رکھیں (اخبار اہلحدیث امرتسر وغیرہ) تمھارے مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری لکھتے ہیں:

''اہلحدیث تو بموجب اصول مسلمہ حدیث کو دوئم درجہ قرآن سے سمجھ کر قرآن شریف کے تلاش مسائل کے وقت پہلی نظر حدیث پر ڈالتے ہیں۔ پس اگر باقاعدہ

حدیث سے وہ مسئلہ مل گیا تو پھر انھیں اس بات کی پرواہ نہیں رہتی کہ اس مسئلہ میں کسی کا کیا مذہب ہے اور کسی کا خیال؟ زید کیا کہتا ہے اور بکر کیا فرماتا ہے بلکہ وہ بے کھٹکا اس پر عمل کر لیتے ہیں''۔ (اہلحدیث کا مذہب، ص ۸۶)

پھر لکھتے ہیں:

''اہلحدیث کے مذہب کا خلاصہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے یعنی جو تعلیم سید الانبیاء حضرت محمد مصطفٰی احمد مجتبیٰ نے بذریعہ قرآن شریف اور احادیث صحیحہ کے مخلوق کو فرمائی ہے اس کا اتباع کرنا ہمارا مذہب ہے اور بس۔ ''کسی کا ہور ہے کوئی نبی کے ہو رہے ہیں ہم۔'' (اہلحدیث کا مذہب، ص ۷۹)

اور ممدوح اجماع کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

اس امت میں مجتہدین کا ایک زمانہ میں کسی امر شرعی پر اتفاق کرنا اجماع ہے۔ یہ تو ہے تعریف اجماع کی۔ اس تعریف سے اجماع کی مشکلات محسوس ہو رہی ہیں کہ امت محمدیہ کے ایک زمانہ کے تمام مجتہدین ایک وقت میں کسی شرعی امر پر اتفاق کریں۔ یہ امر کیسا؟ ایک امر فرضی اور ذہنی ہے۔ تمام مجتہدین کا علم کس کو؟ پھر وہ ایک جگہ بیٹھ کر ایک کی بات دوسرے سے سن کر اتفاق کیسے کریں؟ امام احمد رضی اللہ عنہ نے انہی مشکلات پر نظر کر کے کہا کہ:

من ادعی الاجماع فھو کاذب (مسلم الثبوت اعلام الموقعین)

جو شخص اجماع کا مدعی ہو وہ جھوٹا ہے...... انھیں مشکلات کی وجہ سے

بعض النظامیہ والشیعہ انہ محال ولو سلم فالعلم بہ محال ولو سلم فنقلہ الینا محال

یعنی بعض نظامی اور شیعہ کہتے ہیں کہ اجماع کا تحقق محال ہے اور اگر ہو بھی تو ہم کو اس کا علم حاصل ہونا محال ہے اور اگر علم محال نہ ہو تو ہم تک اس کا نقل ہونا تو ضروری ہی محال ہے۔ ہمارے نزدیک بلکہ کل اہل علم کے نزدیک کسی قول کے صحیح ہونے کی دلیل یہ نہیں کہ وہ اجماع یا جمہور کے موافق ہو اور غلط ہونے کی وجہ یہ

نہیں کہ اجماع یا جمہور کے مخالف ہو''۔ (اتباع سلف، ص ۶۴)

اب تو غالبًا آپ مان لیں کہ امام فخر رازی صاحب کے جواب کی دھجیاں ایک بچہ بھی اڑا سکتا ہے۔

مولوی صاحب: ہاں مگر جب ان کا جواب قرآن وحدیث کے خلاف ہو۔

حسینی بیگم: قرآن وحدیث کے خلاف ہونے میں کیا شبہ رہا۔ قرآن سے تو اس طرح کہ اس میں کسی نبی کو حضرت رسول خدا ؐ کا نفس نہیں کہا گیا بلکہ صرف حضرت علیؑ کو آنحضرت ؐ کا نفس فرمایا ہے تو خدا نے جس بزرگ کو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نفس ہونے کا فخر عطا فرمایا وہ کیا ان لوگوں سے افضل نہیں ہوگا جو اس شرف سے محروم ہے۔

✿✿✿✿✿

حضرت علیؑ کُل انبیاء ومرسلین سے افضل ہیں

وہ احادیث جن سے حضرت علیؑ کا باقی کل انبیاء ومرسلین سے افضل ہونا ثابت ہوسکتا ہے۔مثلاً ارشادنبوی ہے:

انت منی وانا منك

''اے علیؑ تم مجھ سے ہواور میں تم سے ہوں''۔(کنز العمال جلد ۶،ص ۱۵۲)

بتاؤ کسی نبی کو یہ درجہ ملا ہے کہ آنحضرتؐ نے ان کے بارے میں فرمایا ہو کہ میں فلاں نبی سے ہوں۔

فرمایا''ذکر علیؑ عبادت،علی کا ذکر عبادت ہے''۔بتاؤ کسی اور کو یہ عزت ملی کہ اس کا ذکر بھی خدا کی عبادت ہو جائے؟

فرمایا:

النظر الی وجه علی عبادة

''علیؑ کی صورت دیکھ لینا بھی عبادت ہے''۔

یہ شرف بھی کسی نبی کو ملا تھا؟

علی منی بمنزلة رأسی من بدنی

''علی کو مجھ سے وہ نسبت ہے جو میرے سر کو میرے بدن سے ہے''۔

کسی پیغمبر کو بھی یہ فضیلت ملی کہ حضرت رسول خداﷺ کے بدن مبارک کا سر قرار دے دیئے گئے ہوں؟

اس حدیث کو دیکھو جس سے یقین ہو جائے گا کہ دنیا بھر کے لوگوں میں حضرت رسول خداؐ کے بعد حضرت علیؑ ہی کا درجہ ہے نہ کسی نبی کا نہ کسی رسول

کا، جناب سیدہ حضرت فاطمہ زہراء علیھا السلام سے ارشاد ہوتا ہے:

اما ترضین انی زوجتك اول المسلمین اسلاما واعلمہم علما۔
فانك سیّدۃ نساء امتی کما سادت مریم قومہا اما ترضین یا
فاطمۃ ؑ ان اللہ اطلع علی اھل الارض فاختار منہم رجلین
فجعل احدھما ایاك والاخر لعلك

''یعنی اے فاطمہ ؑ! کیا تم اس سے خوش نہیں ہوتی کہ میں نے تمھاری شادی اس بزرگ سے کی جو مسلمانوں میں سب سے پہلے اسلام لایا اور ان سب سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ اے فاطمہ ؑ! کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہوتی کہ خدا کل زمین والوں کی طرف سے متوجہ ہوا تو ان میں سے دو شخصوں کو چن لیا ایک کو (یعنی مجھے) تمھارا باپ بنایا اور دوسرے (علی) کو تمھارا شوہر بنایا''۔ (کنز العمال جلد ۶، ص ۱۵۳)

دیکھو اس سے صاف معلوم ہوا کہ خدا نے دنیا بھر کے لوگوں میں دو شخصوں کو سب سے افضل سمجھ کر چن لیا۔ ایک حضرت رسول خدا ؐ اور حضرتؐ کے بعد حضرت علی ؑ۔ ایک بیوی سے حضرت نے فرمایا:

ام سلمی ان علیا لحمہ من لحمی و دمہ من دمی۔

یعنی ''اے ام سلمی! علی ؑ کا گوشت میرے گوشت سے اور ان کا خون میرے خون سے ہے''۔ (درمنثور، ص ۱۵۴)

کہو کسی نبی کو یہ خصوصیت حاصل ہوئی ہے؟ اس حدیث کو بھی دیکھو:

انا وعلی من شجرۃ واحدۃ والناس من اشجار شتی

یعنی ''میں اور علی ؑ ایک درخت سے ہیں باقی سب لوگ دوسرے درخت سے ہیں''۔

بتاؤ جب حضرت رسول خدا ؐ اور حضرت علی ؑ ایک درخت سے اور باقی سب لوگ دوسرے درختوں سے ہیں تو ان باقی لوگوں میں انبیاء و مرسلین بھی ہیں یا نہیں؟

مولوی صاحب: ہاں اس حدیث سے تو یہی ماننا پڑتا ہے۔

حسینی بیگم: پھر جس درخت سے رسول خداؐ ہوں وہ افضل ہوگا یا وہ درخت جس سے دوسرے انبیاء ہوں گے؟

مولوی صاحب: نہیں، وہی درخت افضل ہوگا جس سے رسول خداؐ ہوں گے۔

حسینی بیگم: اور اس درخت سے حضرت علیؑ بھی تھے تو پھر حضرت علیؑ باقی کل انبیاء ومرسلین سے افضل ہوئے کہ نہ ہوئے؟

مولوی صاحب: ہاں اب تو ماننا پڑے گا۔

حسینی بیگم: اس حدیث کو بھی دیکھو:

ان الملائکة صلت علی وعلی علی سبع سنین قبل ان یسلم بشر

یعنی ''کسی شخص کے مسلمان ہونے سے سات برس پہلے سے ملائکہ مجھ پر اور علیؑ پر درود بھیجتے رہے۔ (ص ۱۵٦)

بتاؤ یہ عزت کسی اور نبی کو ملی ہے؟ یہ بھی دیکھو:

مکتوب فی باب الجنة قبل ان یخلق السموات والارض بالفی سنة لا اله الا الله محمد رسول اللّٰہ ایدته بعلی

یعنی ''اللہ نے جب آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اس سے دو ہزار برس پہلے بہشت کے دروازے پر لکھ دیا تھا کہ لا اله الا الله محمد رسول الله ایدته بعلی ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں محمدؐ اس کے پیغمبر ہیں اور میں نے ان کی مدد علی سے کی ہے''۔

رأیت لیلة اسری بی مثبتا علی ساق العرش ان الله لا اله غیری خلقت جنة عدن بیدی محمد صفوتی من خلقی ایدته بعلی نصرته بعلی

یعنی ''حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس رات کو مجھے معراج ہوئی عرش کے طاق پر لکھا دیکھا کہ میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ میں نے عدن کی بہشت کو پیدا کیا۔ میرے خلق میں محمد مصطفیؐ برگزیدہ ہیں ان کی حمایت میں علیؑ سے کروں گا''۔ (ص ۱۵۸)

اور سنو:

علی خیر البشر فمن ابی فقد کفر

''حضرت علی سب آدمیوں سے افضل ہیں جو انکار کرے وہ کافر ہے''۔

من لم یقل علی خیر البشر فقد کفر

''جو علیؑ کے سب آدمیوں سے افضل ہونے کا اعتقاد نہ رکھے وہ کافر ہے''

(ص ۱۵۹)

ذرہ اس حدیث کو بھی دیکھو:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یقول علی منی بمنزلتی من ربی

یعنی ''علیؑ کو مجھ سے وہ درجہ ہے جو مجھے خدا سے ملا ہے''۔ (ریاض نضرۃ جلد ۲، ص ۱۱۳)

بتاؤ کسی پیغمبر کو یہ عزت ملی ہے؟

قال رسول اللہؐ ما من نبی الاولہ نظیر فی امتہ وعلی نظیری

یعنی ''حضرت رسول خداؐ نے فرمایا کہ ہر امت میں اس کے نبیؐ کی کوئی نظیر ضرور ہوئی ہے اور میری نظیر علیؑ ہیں''۔ (ریاض نضرۃ جلد ۲، ص ۱۶۴)

بتاؤ جو بزرگ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نظیر ہوں وہ سب انبیاء و مرسلین سے افضل ہوں گے یا نہیں؟

رسول اللہؐ یقول کنت انا وعلی نورا بین یدی اللہ تعالیٰ قبل ان یخلق ادم باربعۃ عشر الف عام

یعنی ''حضرت رسول خداؐ فرماتے تھے کہ حضرت آدمؑ کے پیدا ہونے سے چودہ ہزار برس پہلے میں اور علیؑ ایک نور خدا کے سامنے تھے''۔ (ریاض نضرۃ جلد ۲، ص ۱۶۴)

بتاؤ جس بزرگ کا نور حضرت آدم کی خلقت سے چودہ ہزار برس پہلے حضرت رسول خدا کے ساتھ ساتھ تھا۔ اس کے تمام لوگوں سے افضل ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے؟ ان کل حدیثوں کو دیکھنے کے بعد تم ہی انصاف سے بتاؤ کہ حضرت علیؑ کو باقی کل انبیاء و مرسلین سے

افضل ماننا پڑے گا یا نہیں؟

مولوی صاحب: کیا کہوں کچھ عقل کام نہیں کرتی ہے۔

حسینی بیگم: ہاں میں بھی ان حدیثوں کو دیکھ کر بہت حیران و پریشان ہو جاتی ہوں۔ ان حدیثوں سے زیادہ تو یہ حدیث ہے:

عن ابن عباس قال رسول الله لو ان الاشجار اقلام والبحر مداد والجن حساب والانس کتاب ما احصوا فضائل علی بن ابی طالب

''یعنی سب درختوں کے قلم اور سمندر کی روشنائی اور کل جنات حساب کرنے والے اور کل انسان لکھنے والے بنا دیئے جائیں جب بھی یہ لوگ حضرت علیؑ کے فضائل کو شمار نہیں کر سکتے۔ (ینابیع المودۃ، ص۹۹)

اس سے بڑھی ہوئی حدیث یہ ہے:

لو لا أن تقول فیك طوائف من امتی ما قالت النصاری فی عیسی بن مریم لقلت فیك مقالا لا قرعلی ملاء من المسلمین الا اخذ و امن تراب و جلیك و فضل طھورك یستشفون به۔

''یعنی اے علیؑ اگر یہ ڈر نہ ہوتا کہ میری امت کے لوگ تمھارے بارے میں وہی اعتقاد کر لیں گے جو نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ کے بارے میں کیا تو میں تمھارے متعلق وہ باتیں کر دیتا جس کے بعد جہاں سے تم گزرتے مسلمان تمھارے دونوں پاؤں کے نیچے کی خاک اور تمھاری طہارت کا پانی اپنے مریضوں کے علاج کے لیے لے جاتے۔ (مسند احمد بن حنبل جلد ۱، ینابیع المودۃ، ص۱۰۷)

❁❁❁❁❁

حسینی بیگم: یہ بتاؤ کہ اس سورہ میں خدا نے اس آیت سے پہلے کتنی دفعہ ازواج کا ذکر کیا ہے اور اس کے بعد کتنی مرتبہ۔

مولوی صاحب: یہ تو قرآن مجید کھول کر گنا جائے تو معلوم ہو۔

حسینی بیگم: مجھ سے سنو۔ اس سے اوپر خدا نے چھ مرتبہ اور اس کے بعد ایک مرتبہ ذکر کیا ہے۔ پہلے تو یہ کہا: یا ایھا النّبی قل لازواجك دوسرے ان کنتن تردن اللہ الایۃ تیسرے یا نساء النبی من یات الایہ چوتھے ومن یقنت پانچویں یانساء النبی لستن چھٹے وقرن اور یہ آیہ تطہیر کے بعد صرف یہ واذکرن ما یتلی الایہ ۔اب دیکھو کہ آیہ تطہیر سے پہلے جو چھ مرتبہ خدا نے ازواج رسول کا ذکر کیا اُن میں ''ازواج'' اور ''نساء'' کا لفظ لایا اور ضمیریں بھی سب مونث ہی کی لایا (۱) کُنتُنَّ (۲) تُرِدنَ (۳) تَعالَینِ (۴) اُمتّعکُنَّ (۵) اُسَرِحلُنَّ (۶) کُنتُنَّ (۶) تُرِدنَ (۸) مُحسِنٰت (۹) مِنکُنَّ (۱۰) مِنکُنَّ (۱۱) لِھَا (۱۲) مِنکُنَّ (۱۳) تعمَل (۱۴) نُؤتِھا (۱۵) اَجرَھا (۱۶) لَھا (۱۷) لَستُنَّ (۱۸) اِتَّقَیتُنَّ (۱۹) تَخضَعنَ (۲۰) قُلنَ (۲۱) قَرنَ (۲۲) بُیُوتِکُنَّ (۲۳) تَبَرَّجنَ (۲۴) اَقِمنَ (۲۵) آتَینَ (۲۶) اَطِعنَ ۔اور آیہ تطہیر کے بعد ضمیر مونث ہی کی لایا (۲۷) اُذکُرنَ (۲۸) بُیُوتِکُنَّ۔ کہو یہ میں نے صحیح حساب بتایا یا غلط۔

مولوی صاحب: مگر یہ تم صیغے کیا بیٹھی گردانے لگیں۔

حسینی بیگم: یہ بتاؤ کہ اتنی دفعہ میں خدا نے کسی جگہ بھی مذکر کی ضمیر استعمال کی؟

مولوی صاحب: نہیں۔

حسینی بیگم: اب آیہ تطہیر کو دیکھو کہ کل آیت میں مذکر ہی کی ضمیر ہے (۱) عنکم یطھر کم۔ بتایئے آپ حکم خدا کو صحیح سمجھتے ہیں یا غلط؟

مولوی صاحب: معاذ اللہ یہ کیا کفر کی باتیں کرنے لگیں۔ خدا کا حکم ہمیشہ صحیح ہی رہتا ہے۔

حسینی بیگم: اپنی بولی میں کہتی ہوں کہ اس کی کوئی بات مہمل، بے قاعدہ اور غلط تو نہیں ہو سکتی؟

مولوی صاحب: بے شک نہیں ہو سکتی؟

حسینی بیگم: تو خدا نے جہاں جہاں ازواج بنی یا نساء بنی کہا وہاں مونث کی ضمیر کیوں لایا اور خاص آیہ تطہیر میں مذکر کی ضمیر کیوں کر دی؟

مولوی صاحب: چونکہ اہلبیتؑ میں حضرت رسولؐ کی آل جناب علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کو بھی رکھنا تھا۔ اس وجہ سے تغلیباً ضمیر مذکر کی لایا۔

حسینی بیگم: تغلیباً کیا؟

مولوی صاحب: یعنی مردوں کا غلبہ ظاہر کرنے کو۔

حسینی بیگم: بس اب فیصلہ آسان ہے مردوں کا غلبہ کیونکر ظاہر ہوتا ہے۔

مولوی صاحب: اس لیے کہ تین مرد ہیں۔ حضرت علیؑ۔ حسنؑ۔ حسینؑ۔

حسینی بیگم: اور عورتیں کتنی ہیں؟ اب تو مولوی صاحب چپ ہو گئے۔

حسینی بیگم: بولو خاموش کیوں ہو گئے۔ اگر عورتوں سے زیادہ مردوں کی تعداد ہو تب مردوں کے لیے ضمیر مذکر لانا تغلیبا کہا جائے گا یا کم ہونے کی صورت میں۔

مولوی صاحب: ہاں جب زیادہ ہو تب صحیح ہو گا۔

حسینی بیگم: اور آپ کہتے ہیں کہ آیہ تطہیر ازواج کے لیے آئی تو ازواج کتنی تھیں؟

مولوی صاحب: آٹھ یا نو۔

حسینی بیگم: اور جناب سیدہؑ بیٹی کو بھی شریک کرلو تو اس طرح نو یا دس بیویاں اور ایک بیٹی ہو گئیں ان کے مقابلے میں صرف تین مرد ہوتے ہیں بلکہ تین مرد بھی نہیں ایک مرد اور دو بچے کیونکہ امام حسنؑ اور امام حسینؑ تو آٹھ برس کے بھی نہیں تھے۔ بتاؤ جس کام میں خدا دس عورتوں کے ساتھ صرف ایک مرد اور دو بچوں کو شریک کرے اس کے لیے مونث کی ضمیر لانا مناسب ہے یا مذکر کی؟

مولوی صاحب: ہاں یہ اعتراض تو بہت زبردست ہے۔

حسینی بیگم: اچھا اس کو بتاؤ کہ ایک گھر میں کسی شخص کی بہت سی عورتیں ہوں اور تین چار لڑکے بھی ہوں اور وہ شخص ان لوگوں سے اس طرح کہے کہ بی بیو! دیکھو تم صبح کو اٹھتی ہو تو نماز کے

بعد قرآن پڑھا کرو اور کھانا کھا کر ہاتھ دھوتی ہو تو پانی صحن میں گرایا کرو اور رات کو سوتی ہو تو دروازے بند کر دیا کرو اور گھر والو دیکھو اگر تم مل کر رہو گے تو مضبوط سمجھے جاؤ گے اور ایمانداری سے بسر کرو گے تو عزت پاؤ گے اور بی بیو جو خرچ کرتی ہو اس میں فضول خرچی نہ کیا کرو''۔ تو یہ کلام پورا صرف بی بیوں سے سمجھا جائے گا؟

مولوی صاحب: نہیں اس میں تو صاف ہے کہ ''اٹھتی ہو''، ''دھوتی ہو''، ''سوتی ہو''، ''خرچ کرتی ہو''۔ بی بیوں سے خطاب ہے اور ''رہو گے''، ''جاؤ گے''، ''کرو گے''، ''پاؤ گے'' لڑکوں سے خطاب ہے۔

حسینی بیگم: بس اسی طرح اس آیت میں بھی پھر لیذھب عنکم اور یطہرکم میں جو مذکر کی ضمیریں ہیں ان سے ازواج رسولؐ کیوں سمجھتے ہو؟

مولوی صاحب: تم نے تو ایسی مثال دی کہ زبان ہی بند کر دی۔

حسینی بیگم: ایسی ہی ایک اور آیۃ پارہ ۱۲ سورہ ہود رکوع ۷ میں ہے کہ فرشتوں نے حضرت ابراہیم کے گھر داخل ہو کر کہا:

اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ

''یعنی اے حضرت ابراہیم کی بیوی! (سارہ) تم کو خدا کی قدرت سے یہ امر کچھ عجیب معلوم ہوتا ہے؟ اور اے ابراہیمؑ کے اہلبیت! تم پر خدا کی رحمت اور اس کی برکتیں نازل ہوں۔''

اس کے پہلے خاص حضرت ابراہیمؑ کی بیوی سے خطاب کیا کہ تم کو خدا کی قدرت سے بھی تعجب ہوتا ہے۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم کے اہلبیت سے خطاب کر کے رحمت اور برکتوں کی خوشخبری دی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلا لفظ تعجبین صیغہ واحد مونث کا ہے جو بیوی کے لیے ہے اور علیکم اہل البیت میں کم ضمیر جمع مذکر کی ہے جو اس سے علیحدہ ہے۔ دیکھو آپ ہی نے پہلے قرآن شریف سے بحث کا مسئلہ چھیڑا ہے تو ابھی حدیث سے نہ میں بحث کرتی ہوں نہ آپ نام لو۔ پہلے قرآن شریف سے فیصلہ کر لو۔ اس کے بعد حدیث سے بھی بحث کر لی جائے گی۔

مولوی صاحب: واقعاً قرآن پاک سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ تـعـجبیـن کا خطاب دوسرے سے ہے اور علیکم اہل البیت دوسرے لوگ تھے۔

حسینی بیگم: قرآن شریف میں ایک اور جگہ اہل البیت آیا ہے اس کو بھی دیکھو جب حضرت موسیٰ کو فرعون کی عورت نے دریا سے نکلوایا تو خدا نے سب ماؤں کا دودھ آپ پر حرام کر دیا۔ اس وقت حضرت موسیٰ کی بہن نے فرعون کے لوگوں سے کہا: هَـلْ اَدُلُّـكُـمْ عَـلٰـى اَهْلِ بَيْتٍ يَكْفُلُوْ نَدْرُلَكُمْ یعنی'' کہو تو میں تم کو ایک خاندان کا پتا بتاؤں کہ وہ تمھارے لیے اس بچہ کی پرورش کریں گے''۔ (پارہ ۲۰ سورہ قصص رکوع ۱/۴) کہو یہاں بھی اہل بیت کا معنی بیویاں کہو گے؟ یہاں بھی اہل بیت کے لیے جو فعل یکفلون لایا ہے وہ صیغہ جمع مذکر کا ہے۔

مولوی صاحب: ہاں یہاں تو اہل بیت کا معنی بیویاں ہو ہی نہیں سکتا۔ مگر عربی زبان میں اہل کا معنی تو زوجہ ہی ہے۔

حسینی بیگم: تو اہلِ بیت کا معنی ہوا گھر کی زوجہ؟

مولوی صاحب: ہاں۔

حسینی بیگم: (ہنس کر) خوب۔ زوجہ آدمی کی ہوتی ہے یا گھر کی زوجہ؟ کوٹھی کی زوجہ؟ محل کی زوجہ؟ بنگلہ کی زوجہ؟ کسی نے بھی یہ سنا ہے۔ اگر خدا نے اہل بیت سے ازواج کو مراد لیا ہوتا تو جس طرح یـا نسـاء النبی یا ازواجك کہا تھا اسی طرح کہتا انمـا یرید الله لیذهب عنکم الرجس اهل النبی یطهرکم تطهیرا تو کیا خدا نے اسی طرح فرمایا ہے؟

مولوی صاحب: نہیں یہ تو نہیں ہے۔

حسینی بیگم: پھر خدا کو کیا ہو گیا تھا کہ ازواجك اور نسـاء النبی کہتے کہتے اہل البیت کہہ دیا (حالانکہ تمھارے قول کے مطابق) اہل النبی کہنا چاہیے تھا۔

مولوی صاحب: تو کیا بیوی کو اہل نہیں کہتے؟

حسینی بیگم: ابھی آپ نے خود اس بحث کو قرآن شریف ہی تک محدود رکھا ہے۔ اس وجہ سے میں صرف اسی سے بحث کرتی ہوں۔

مولوی صاحب: ہاں ہاں میں صرف قرآن پاک ہی سے اس کا فیصلہ چاہتا ہوں۔
حسینی بیگم: تو قرآن شریف کی ان آیات کی کیا ترجمہ کرو گے۔

قلنا احمل فیہا من کل زوجین اثنین واھلك (پارہ۱۲سورہ ہودرکوع۴)

مولوی صاحب: اس کا ترجمہ تو سب قرآنوں میں یہ ہے کہ خدا نے حضرت نوحؑ سے فرمایا کہ اپنی کشتی میں ہر قسم کے جانوروں سے دو دو جوڑے رکھ لو۔ اور اپنے گھر والوں کو رکھ لو۔
حسینی بیگم: تو کیا یہاں اہلك سے مراد حضرت نوحؑ کی بیوی ہیں؟
مولوی صاحب: نہیں وہ تو نہیں ہیں۔
حسینی بیگم: اچھا اس آیت کا ترجمہ کرو:

وَنَادٰی نُوۡحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابۡنِیۡ مِنۡ اَهۡلِیۡ (پارہ۱۲۔رکوع۴)

مولوی صاحب: حضرت نوحؑ نے اپنے پروردگار سے پکار کر کہا کہ میرا بیٹا میرے اہل سے ہے۔
حسینی بیگم: یعنی وہ حضرت نوحؑ کی بیوی تھے؟
مولوی صاحب: لاحول ولاقوۃ کیا مہمل بولنے لگی ہو۔ بیٹا کیسے بیوی ہو جائے گا؟
حسینی بیگم: آپ ہی نے دعویٰ کیا ہے کہ اہل بیوی کو کہتے ہیں تو یہاں اہل ہی ہے اس کا معنی بیوی کیوں نہیں کہتے۔ اچھا اس کا ترجمہ کرو۔ قَالَ یَا نُوۡحُ اِنَّهٗ لَیۡسَ مِنۡ اَهۡلِكَ
مولوی صاحب: خدا نے کہا اے نوح یہ تمھارا بیٹا تمھارے اہل سے نہیں ہے۔
حسینی بیگم: یعنی تمھاری بیوی نہیں ہے؟
مولوی صاحب: نہیں یہاں بھی اہل کا معنی بیوی نہیں ہوسکتا ہے۔
حسینی بیگم: اچھا اس کا ترجمہ کرو:

رَبَّنَا اَخۡرِجۡنَا مِنۡ هٰذِهِ الۡقَرۡیَةِ الظَّالِمِ اَهۡلُهٗ (پ۵رکوع۷)

مولوی صاحب: ''اللہ مجھے اس گاؤں سے نکال جس کے لوگ ظالم ہیں''۔
حسینی بیگم: واہ لوگ کیوں ترجمہ کرتے ہو؟ بیویاں کیوں نہیں کہتے؟ کیا اس گاؤں کی بھی شادی

عورتوں سے ہوئی تھی جس سے خدا اس گاؤں کی ازواج کے بارے میں کہتا ہے کہ ظالم ہیں؟

مولوی صاحب: نہیں گاؤں کی شادی کیسے ہوگی اور گاؤں کی ازواج کیسے ہوسکتی ہے؟

حسینی بیگم: اچھا اس کا مطلب بتاؤ:

اِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِنْ اَهْلِهَا۔

(پارہ ۵ رکوع ۳، سورۃ النساء رکوع ۶)

مولوی صاحب: ''اور اگر تم کو میاں بیوی میں اختلاف کا ڈر ہو تو مرد کے کنبے سے ایک ثالث اور عورت کے کنبے سے ایک ثالث مقرر کرو''۔

حسینی بیگم: اب یہاں کنبہ کیوں ترجمہ کرتے ہو؟ لفظ تو اہل ہے اس کا ترجمہ کرو بیوی یعنی عورت کی بھی کوئی بیوی ہو۔ عورت کی بھی کسی لڑکی سے شادی ہوتی ہے جس سے وہ لڑکی اس عورت کی اہل یعنی بیوی ہو جائے؟ کیا آج تک آپ نے سنا ہے۔

مولوی صاحب: نہیں یہاں بھی اہل کا معنی خاندان اور کنبہ ہے۔ عورت کی بیوی کیسے ہوگی۔ کیا کسی عورت کی شادی کسی لڑکی سے ہوتی ہے۔

حسینی بیگم: اچھا اس کا ترجمہ کرو۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا۔ (پ۵ رکوع ۵۷)

مولوی صاحب: اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت والوں کو لوٹا دو۔

حسینی بیگم: یہاں بھی کہہ دو کہ امانتوں کی شادی عورتوں سے ہوئی ہے۔ انھیں بیویوں کو خدا کہتا ہے۔ اچھا اس کا کیا مطلب ہے:

اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَا۔ (پارہ ۱۱، سورہ یونس، آیت ۲۴)

مولوی صاحب: ''جب زمین نے اپنا سنگھار کر لیا اور خوشنما ہوئی اور کھیت والوں نے سمجھا کہ اب وہ اس پر قابو پا گئے''۔

حسینی بیگم: یہاں بھی کھیت والے کیوں ترجمہ کرتے ہو؟ کہہ دو کہ کھیت کی بھی شادی ہوتی

ہے یعنی کھیت کی بیویوں نے سمجھا۔ اچھا اس کا ترجمہ بتاؤ:

وَ قَالَ هِيَ رَوَادَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا (سورہ یوسف، آیت:۲۵)

مولوی صاحب: ''حضرت یوسفؑ نے کہا کہ زلیخا نے مجھے بہکانا چاہا اور زلیخا کے کنبے والوں سے ایک گواہ نے گواہی دی''۔

حسینی بیگم: یہاں بھی تو اہلہا ہے تو کہہ دو زلیخا کی بھی کوئی زوجہ تھی۔ انھوں نے گواہی دی۔ اچھا اس کا ترجمہ کرو:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا (پ۱۶۔رکوع ۵)

مولوی صاحب: ''اور قرآن میں مریم کا ذکر بھی سناؤ جب وہ اپنے گھر والوں سے الگ ہوئیں''۔

حسینی بیگم: یہاں بھی زوجہ ترجمہ کیوں نہیں کرتے کہ حضرت مریم اپنی زوجوں سے الگ ہوئیں۔ اچھا اس کا مطلب بتاؤ:

فَاَنْجَيْنَاهُ وَاَهْلَهٗ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۔ (پ۱۸۔رکوع ۱۷، ۲۔رکوع ۱۹)

مولوی صاحب: ''ہم نے لوط اور ان کے گھر والوں کو بچایا مگر ان کی بیوی کو نہیں بچایا''۔

حسینی بیگم: اب تو آپ کو معلوم ہوا کہ اہل کا معنی بیوی ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ خدا نے اہل کو الگ کہا اور امراۃ کو الگ۔ اہل معنی گھر والے۔ امراۃ معنی بیوی۔

مولوی صاحب: واقعاً یہ آیت تم نے ایسی پیش کی کہ میری عقل جاتی رہی یہاں تو کوئی تاویل ہو ہی نہیں سکتی کہ خدا نے زوجہ کو الگ کرنے کے لیے امراۃ کہا اور گھر والوں کو اس سے الگ بتانے کو اہل کہا۔

حسینی بیگم: اچھا اس کا ترجمہ بتاؤ:

وَلَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ اِلَّا امْرَاَتَهٗ (پ۲، ع۶)

مولوی صاحب: ''ہم ان کو اور ان کے گھر والوں کو بچالیں گے مگر ان کی بیوی کو نہیں

بچائیں گے''۔

حسینی بیگم: دیکھا یہاں بھی خدا نے اہل کو الگ کہا اور بیوی کو الگ۔ اسی طرح قرآن میں بہت سی جگہ اہل کا لفظ ذکر کیا ہے اور اس سے کسی طرح بیوی مراد نہیں ہے بلکہ خدا نے جہاں جہاں بیوی کا ذکر کیا ہے وہاں امراۃ۔ ازواج۔ نساء سے یاد کیا ہے۔ تمام قرآن شریف میں دیکھ لو اور دوسرے گھر والوں کو اہل کہا۔

مولوی صاحب: میرے پاس تمھاری ان دلیلوں کا کوئی جواب نہیں ہے۔

حسینی بیگم: یہ تو لفظ سے بحث تھی۔ اب معنی سے بھی دیکھو تو اہل بیت سے ازواج نبی کسی طرح مراد نہیں ہوسکتیں۔

مولوی صاحب: وہ کس طرح

حسینی بیگم: اس لیے کہ خدا نے اہل بیت کے بارے میں فرمایا کہ میں تم کو ہر برائی سے دور رکھوں گا اور تم کو پاک و پاکیزہ بنائے رہوں گا مگر حضرت رسولؐ خدا کی بیویوں کو برائی سے نہیں بچایا۔ اگر خدا نے بیویوں کو پاک رکھنے کا ارادہ کیا ہوتا تو کبھی ان کو بدنام ہونے نہیں دیتا نہ وہ بدنام ہوتیں۔ دنیا بھر مل جاتی جب بھی کوئی بیوی بدنام نہیں ہوسکتی تھی۔ کیونکہ اس سے خدا عاجز ثابت ہوتا ہے کہ اس نے تو ان کو ہر برائی سے بچانا چاہا مگر نہ بچا سکا۔ بدنامی بھی تو ایک برائی ہے۔ بتاؤ مجھے اگر کوئی کہہ دے کہ فلاں مرد سے ناجائز تعلق ہے تو میری بدنامی نہیں ہوگی۔

مولوی صاحب: خدا نہ کرے پھر تو میں زندہ گڑ جاؤں گا کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہ جاؤں گا مگر تم کیا کہنا چاہتی ہو؟

حسینی بیگم: یہ کہ اگر ازواج کو خدا نے پاک کیا ہوتا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایسی بدنام نہ ہوتیں کہ دوسرے مرد سے متہم ہوئیں اور تمام شہر مدینہ میں غل ہوگیا اور حضرت رسول خداؐ نے بہت دنوں تک ان کو چھوڑ دیا جو سب قرآن مجید میں موجود ہے۔ (پ ۱۸۔ سورہ نور۔ رکوع ۸)

مولوی صاحب: ہاں حضرت عائشہ بدنام تو ضرور ہوئیں اور حضرت رسول خدا صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم نے ان کو چھوڑ بھی دیا تھا۔

حسینی بیگم: اب انصاف سے بتاؤ جس کو خدا پاک رکھنا چاہے اس کی شان یہ ہوسکتی ہے؟ میں ابھی تاریخ اور حدیث سے بحث نہیں کرتی ورنہ بتاتی کہ جنگ جمل میں بھی جا کر حضرت عائشہ نے کیا کیا اور اس کے بعد توبہ کرنی ہیں۔ اگر خدا نے ان کو پاک کیا ہوتا تو نہ خدا اور رسولؐ کے حکم کے خلاف گھر سے نکلتیں نہ جنگ جمل میں جاتیں جو حضرت علیؑ سے لڑنے کا شدید گناہ تھا۔ نہ جہاد کرتیں جو عورتوں پر حرام ہے اور نہ اس کے بعد توبہ کرتیں کیونکہ جب گناہ نہیں کیا تھا تو توبہ کیوں کی۔

مولوی صاحب: ہاں یہ واقعات تو بالکل صحیح ہیں۔

حسینی بیگم: اب بتاؤ کہ جس کو خدا اس اہتمام سے فرمائے کہ میں تم سے ہر گناہ کو دور رکھوں گا اور تم کو بالکل پاک و پاکیزہ بنائے رہوں گا کیا اسی سے خدا یہ بھی فرما دے گا:

مَنْ يَّاتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضَاعَفُ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ

''اے رسول کی بیویو تم میں سے جو کوئی کھلی بدکاری کرے گی اس کو میں دوہرا عذاب دوں گا''۔

کیا پاک و پاکیزہ بیویوں سے کوئی یہ کہہ سکتا ہے؟ دیکھو چچا جان (یعنی تمھارے والد صاحب) مجھے کس قدر مانتے ہیں کہ برابر بیٹی بیٹی کہتے رہتے ہیں اور اپنے سب ملنے والوں سے کہتے رہتے ہیں کہ مجھے ایسی عالمہ، فاضلہ، پارسا، نیک سلیقہ والی عقلمند بہو ملی ہے کہ شاید ہی کسی کو ملی ہو۔ اب اگر وہی مجھ سے کہیں کہ بیٹی اگر تو چھنال پنا کرے گی تو میں تیری پوری سزا کروں گا'' تو بتاؤ ان کے ملنے والے جن سے میری وہ سب تعریف کرتے رہے ہیں کہیں گے یا نہیں کہ واہ واہ بہو ایسی اچھی ہوتی جیسی یہ پہلے کہتے تھے تو اس سے اس طرح نہیں کہتے یا تو وہ ایسی اچھی نہیں ہے یا حکیم صاحب کا اس سے یہ کہنا بالکل غلط ہے۔

مولوی صاحب: بے شک سب ہی کہیں گے۔ یہ تو خلافِ عقل ہے کہ تم سے ایسی بات کہی جائے۔

حسینی بیگم: پھر اگر خدا نے رسول کی بیویوں کو پاک و پاکیزہ رکھنے کا ارادہ کیا تھا تو یہ کیوں کہا

کہ جوتم سے بدکاری کرے گی اس پر دوہرا عذاب کروں گا؟ اگر آپ خدا کو (نعوذ باللہ) بے عقل اور پاگل نہیں سمجھتے تو ماننا پڑے گا کہ خدا نے جن کو پاک و پاکیزہ رکھنا چاہا وہ اور لوگ ہیں اور جن سے فرمایا کہ جو بدکاری کرے گی وہ دوسری ہیں۔

مولوی صاحب: ہاں عقل تو یہی کہتی ہے۔

حسینی بیگم: اب یہ بتاؤ کہ خدا جن ازواج رسول کو پاک و پاکیزہ رکھنا چاہے کیا وہ خدا اور رسولؐ کا راز فاش کر کے خدا اور رسول کو غضبناک کر سکتی ہیں؟

مولوی صاحب: نہیں یہ تو نہیں ہو سکتا۔

حسینی بیگم: ازواج رسول کا حال سنو:

اِذْا سَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ حَدِیْثًا فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِہٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ (پارہ ۲۸، سورہ تحریم)

''یعنی جب رسولؐ نے اپنی ایک بیوی سے راز کی بات کہی اور اس بیوی نے اس راز کو فاش کر دیا اور اس کی اس حرکت پر خدا نے رسول کو مطلع کر دیا کہ (فلاں بیوی نے تمہارا راز فاش کر دیا)۔''

مولوی صاحب: واقعاً اُس بیوی نے نہایت بری حرکت کی۔

حسینی بیگم: تو کیا یہ تھیں وہ جن سے خدا نے ہر برائی کو دور رکھنے کا ارادہ کیا تھا؟ کیا یہ برائی نہیں تھی؟

مولوی صاحب: ضرور تھی اور یقینی تھی۔

حسینی بیگم: اچھا اب یہ بتاؤ کہ جن کو خدا پاک و پاکیزہ رکھنا چاہے کیا ان کا دل کج ہو سکتا ہے اور ان سے گناہ عظیم سرزد ہو سکتا ہے؟

مولوی صاحب: نہیں یہ ممکن نہیں ہے۔

حسینی بیگم: اور اگر ایسا ہوا تب؟

مولوی صاحب: تو ثابت ہوگا کہ خدا نے ہرگز ان کو پاک و پاکیزہ نہیں رکھنا چاہا۔ نہ ان

میں سے کسی برائی کو دور کیا کیونکہ جب دل ہی کج ہو گیا تو انسان بھی گمراہ ہو گیا۔ اس لیے کہ انسان تو اپنے دل کا تابع ہے۔

حسینی بیگم: اب دیکھو خدا فرماتا ہے:

اِنْ تَتُوْبَا اِلَی اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُکُمَا (پ۲۸، سورہ تحریم، رکوع ۱۹)

''یعنی اے ازواج رسولؐ سے دونوں بی بیو! اگر تم دونوں توبہ کرو تو بہتر ہے کیونکہ تم دونوں کے دل ٹیڑھے ہو گئے ہیں''۔

مولوی صاحب: واقعاً عقل پریشان ہے۔

حسینی بیگم: اچھا بتاؤ جو بیویاں رسولؐ کے خلاف سازش کریں ان سے خدا غضبناک ہوگا یا نہیں؟

مولوی صاحب: معاذ اللہ۔ ضرور ضرور غضبناک ہوگا۔

حسینی بیگم: اور خدا فرماتا ہے: وَاِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ۔ اس کا ترجمہ مولانا حافظ نذیر احمد صاحب دہلوی یوں کرتے ہیں: ''اور اگر پیغمبروں کے خلاف سازشیں کرو گی''۔

(پارہ ۲۸، سورہ تحریم، رکوع ۱۹)

مولوی صاحب: میں کیا کہوں کچھ بولا نہیں جاتا۔

حسینی بیگم: اب یہ بتاؤ کہ خدا نے جن لوگوں کو پاک و پاکیزہ رکھنا چاہا کیا اُن سے اچھے بھی لوگ ہو سکتے ہیں؟

مولوی صاحب: نہیں یہ تو ممکن ہی نہیں ہے۔

حسینی بیگم: اور خدا فرماتا ہے:

عَسٰی رَبُّهٗ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ

''یعنی اے بی بیو! اگر تم کو رسول طلاق دے دیں تو خدا ان کو تم سے اچھی بیویاں دے گا''۔ (پ ۲۸، سورہ تحریم، رکوع ۱۹)

معلوم ہوا کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں جو عورتیں رسولؐ کی بیویاں نہیں تھیں وہ ان عورتوں سے بہتر اور اچھی تھیں جو آنحضرتؐ کی بیویاں تھیں۔ اگر وہ

اچھی نہ ہوتیں تو خدا ان عورتوں کو جو بیویاں نہیں تھیں ان سے اچھی کیوں کر کہتا؟

مولوی صاحب: بالکل ٹھیک کہتی ہو۔

حسینی بیگم: تو ماننا پڑے گا کہ اہلبیتؑ دوسرے لوگ تھے اور ازواج دوسری تھیں اور ازواج کسی طرح اہل بیتؑ میں داخل ہو ہی نہیں سکتیں۔ اہل بیتؑ تو سب سے اعلیٰ درجہ پر تھے۔ ان کے بعد عورتوں کا درجہ تھا جو رسولؐ کے زمانہ میں تھیں مگر حضرت کی بیویاں نہیں تھیں۔ ان کے بعد ازواج رسولؐ کا درجہ تھا۔

مولوی صاحب: انصاف تو یہ ہے کہ تمھاری ان منطقی باتوں کا جواب نہیں ہو سکتا۔

حسینی بیگم: منطقی باتیں نہیں ہیں۔ حق باتیں ہیں اور یقین رکھو کہ حق بات کا جواب ممکن ہی نہیں۔

مولوی صاحب: تو پھر اہل بیت سے کون لوگ مراد ہیں؟

حسینی بیگم: کوئی بھی ہو مگر وہ یقیناً ازواج رسول سے علیحدہ ہی کچھ لوگ تھے۔

مولوی صاحب: قرآن پاک سے تم بتا سکتی ہو۔

حسینی بیگم: قرآن شریف میں نام تو صاف صاف لکھا نہیں ہے مگر جس عقل سے تم نے فیصلہ کیا ہے کہ ازواج رسولؐ اہل بیتؑ میں داخل نہیں اسی عقل سے کام لو گے تو معلوم ہو جائے گا۔

مولوی صاحب: تم بتاؤ تو۔

حسینی بیگم: وہ آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور قرآن سے اس کی دلیل یہ کیا کم ہے کہ جس طرح خدا پیغمبروں پر سلام بھیجتا ہے۔ اسی طرح حضرتؐ کی آل پاک پر بھی بھیجتا ہے، فرمایا ہے:

سَلَامٌ علی اٰلِ یاسِین

''حضرت یسین یعنی محمد مصطفیٰؐ کی آل پر خدا کا سلام ہو۔'' (پارہ ۲۳، رکوع ۸)

اگر یہ لوگ خوب پاک و پاکیزہ نہیں ہوتے تو خدا ان پر سلام نہیں کرتا۔

مولوی صاحب: ہاں تم نے تو پہلے ہی ثابت کر دیا ہے کہ خدا نے آل محمد صلعم پر سلام بھیجا ہے۔

حسینی بیگم: دوسری آیت مباہلہ بھی ہے جس میں خدا نے آنحضرتؐ کو حکم دیا کہ نصاریٰ کے

مقابلہ میں اپنے بیٹوں، عورتوں اور نفسوں کو لے جائیں تو جن لوگوں کو حضرت لے گئے وہ یقیناً خدا کے ہاں خوب پاک و پاکیزہ ہوں گے۔ ایسے خطرناک موقع پر وہ لوگ نہیں بھیجے جا سکتے تھے جن کی طہارۃ میں شک وشبہ ہوتا۔ پس جن کو آنحضرت صلعم مباہلہ کے لیے گئے وہ اہل بیتؑ تھے۔

مولوی صاحب: مگر حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ازواج بھی اہل بیت میں داخل ہیں۔

حسینی بیگم: یہ بتاؤ کہ جھوٹی اور موضوع حدیثیں بھی ہیں یا نہیں؟

مولوی صاحب: بہت ہیں۔ کل کتابوں میں کتنی کتنی غلط حدیثیں لکھی ہوئی ہیں۔

حسینی بیگم: پھر ان سے صحیح اور غلط کی تمیز کیوں کر ہوتی ہے۔

مولوی صاحب: عقل سے۔

حسینی بیگم: پس اسی عقل سے فیصلہ کرلو کہ اہل بیتؑ کے متعلق بھی کون سی حدیثیں صحیح اور کون سی غلط ہیں؟

مولوی صاحب: یہی تو مشکل ہے۔

حسینی بیگم: نہیں کچھ مشکل نہیں۔ یہ بتاؤ کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہتر تو کوئی بتانے والا نہیں ہے

مولوی صاحب: بے شک نہیں اور نہ ہوسکتا ہے۔

حسینی بیگم: تو آنحضرتؐ نے صحیح حدیثوں میں جن لوگوں کو اپنی اہل بیتؑ بتایا ہو ان کو مانو دوسروں کو چھوڑ دو۔

مولوی صاحب: آنحضرت صلعم نے کس طرح بتایا۔

حسینی بیگم: آنحضرت صلعم کی مشہور حدیث ہے کہ:

انی تارك فيكم الثقلين كتاب الله و عترتی اهل بيتی ما ان تمسكتم بهما لن تضلوا بعدی

یعنی ''تم لوگوں میں دو بڑی چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ ایک قرآن شریف دوسری میری عترت کہ وہی میرے اہل بیتؑ ہیں۔ جب تک تم ان دونوں کی

پیروی کرو گے گمراہ نہیں ہو سکتے۔'' (دیکھو رشفۃ الصادی ص ۷۱، وصواعق محرقہ ص ۸۹، والانحاف ص ۶، واحیاء المیت مطبوعہ مصر ص ۱۱۰، و ینابیع المودۃ ص ۱۸ او تفسیر درمنشور ج ۲، ص ۶۰، ومشکوۃ شریف ج ۸، ص ۱۴۳ او غیرہ)

مگر میں ان سب سے زیادہ معتبر کتاب کو پیش کرتی ہوں کنزل العمال مطبوعہ حیدر آباد جلد اول ص ۴۴ وغیرہ میں سینکڑوں جگہ یہ حدیث جس میں عترتی اہلبیتی (میری عترت جو میرے اہل بیت ہیں) موجود ہے۔ پھر مسند امام احمد بن حنبل کس قدر صحیح اور معتبر ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیثیں اسی سے انتخاب کی گئی ہیں۔ اس کی سب جلدوں میں سینکڑوں جگہ یہ حدیث انھیں الفاظ میں موجود ہے۔ نیز وہ کتاب جو صحاح ستہ میں داخل اور صحیح بخاری و صحیح مسلم کے برابر سمجھی جاتی ہے۔ یعنی ترمذی شریف اس کے ۴۶۷، ۶۸ ۴ مطبوعہ لکھنؤ میں بھی یہ حدیث موجود ہے کہ حضرت نے فرمایا:

عترتی اهل بیتی ۔

''یعنی میری اولاد کہ وہی میرے اہل بیت ہیں''۔

مولوی صاحب: ہاں میں جانتا ہوں کہ یہ حدیث ثقلین سینکڑوں بلکہ ہزاروں کتابوں میں ہے مگر اس سے یہ کیوں کر معلوم ہو کہ حضرتؐ کے اہل بیت کون تھے؟

حسینی بیگم: خود حضرت فرما رہے ہیں کہ میری عترت جو میرے اہل بیتؑ ہیں جس سے معلوم ہوا کہ جو حضرتؐ کی عترت ہیں وہی حضرتؐ کے اہل بیتؑ ہیں۔ اب عترت کس کو کہتے ہیں تو لغت میں دیکھو۔

عترت بالکسر خویشاں و نزدیکاں مرد

''یعنی عترت مرد کے نزدیکی اور قرابت مندوں کو کہتے ہیں۔''

(صراح مطبوعہ لکھنو، ص ۱۹۶)

عترت بالکسر فرزندان واخص اقارب مرد یا اهل بیت قریب یا خویشان او

''یعنی عترت مرد کے فرزندوں اور مخصوص قرابت مندوں یا قریب کے اہل بیت یا اعزہ کو کہتے ہیں۔'' (منتہی الارب جلد۳،ص ۱۱۷)

عترة الرجل نسله و رهطه الا دنون

''یعنی مرد کی عترت اس کی نسل اور قریبی رشتہ داروں کو کہتے ہیں۔''

(مختار الصحاح مطبوعہ مصر، ص۱۳۲)

العترة نسل الانسان قال الا زهری وروی ثعلب عن ابن الاعرابی ان العترة والدالرجل وذریته و عقبه من صلبه ولا تعرف العرب من العترة غیر ذلك

یعنی عترۃ انسان کی نسل ہوتی ہے۔ازہری نے کہا اور ثعلب نے ابن الاعرابی سے روایت کی کہ عترت مرد کی اولاد اور اس کی ذریت اور اس کے ان فرزندوں کو کہتے ہیں جو اس کے صلب سے پیدا ہوں۔عرب عترت کا معنی اس کے سوا اور کچھ جانتے ہی نہیں۔(مصباح منیر مطبوعہ مصر، ص ۱۸،جل ٦)

والعترة بالکسونسل الرجل ورهطه و عشیرته الادنون

''یعنی'' مرد کی نسل اور قریبی رشتہ داروں اور کنبے کو عترت کہتے ہیں۔''

(قاموس،ص ۲۷۵)

دیکھو لغت کی ان کل عبارتوں سے معلوم ہوا کہ ازواج عترت نہیں ہوسکتیں جس طرح اردو میں ''بیویوں'' کو ''اولاد'' نہیں کہتے۔ اسی طرح عربی میں ''ازواج'' کو ''عترت'' نہیں کہتے نہ کہہ سکتے ہیں۔

مولوی صاحب: یہ کیا تم مہمل بات سمجھانے لگیں۔کون پاگل کہتا ہے کہ عربی میں ازواج کو عترت کہتے ہیں۔سب کو معلوم ہے کہ جس طرح ازواج کو اولاد نہیں کہہ سکتے۔ اسی طرح ازواج کو عترت بھی نہیں کہہ سکتے۔عترت وہ ہے جو انسان کی اپنی نسل سے ہو اور ازواج وہ ہیں جو دوسروں کی بیٹیاں شادی کر کے لائی جائیں۔

حسینی بیگم: اور آنحضرت صلعم نے بار بار عترت کی تفسیر کی ہے اہل بیتی کے ساتھ تو معلوم ہوا کہ حضرتؐ کی عترت یعنی اولاد ہی حضرت کے اہل بیتؑ ہیں کوئی اور نہیں۔

مولوی صاحب: یہ کہیے۔ اسی لیے آپ اس قدر زور دیتی تھیں کہ ازواج کو عترت نہیں کہتے۔ خیر جو تم کہتی ہو سب درست ہے مگر اس کا کیا علاج ہے کہ ہمارے بعض علماء ازواج کو بھی اہل بیت میں داخل سمجھتے ہیں۔

حسینی بیگم: اگر ہمارے علماء کسی بات کو صحیح کہیں اور آنحضرت صلعم کے بڑے صحابہ اسی بات کو غلط کہیں تو کس کی بات مانی جائے گی۔

مولوی صاحب: یہ خوب پوچھا۔ صحابہ کرام کے مقابلہ میں بیچارے علماء کس شمار میں ہو سکتے ہیں۔

حسینی بیگم: اور اگر وہ بڑے صحابہ اسی بات کو قسم کھا کر بیان کریں تب؟

مولوی صاحب: تب تو وہ بات قرآن کے بعد ہی سمجھی جائے گی۔ پھر اس کے مقابلہ میں کسی کی بات نہیں ہو سکتی۔

حسینی بیگم: دیکھو مسلم شریف میں جو بخاری شریف کے برابر سمجھی جاتی ہے۔ یہ حدیث موجود ہے کہ جناب زید بن ارقم صحابی کے پاس کچھ لوگ پہنچے اور ان سے پوچھا:

> من اهلبیته۔ نساؤه۔ قال لا ایم الله ان المرأة تکون مع الرجل العصر من الدهر ثم یطلقها فترجع الی ابیها و قومها۔ اهل بیته اصله و عصبته الذین حرموا الصدقة بعده۔
>
> ''یعنی بتائیے کہ حضرت رسول خداؐ کے اہل بیتؑ کون تھے۔ کیا حضرت کی بیویاں تھیں؟ تو جناب زید بن ارقم اتنے بڑے صحابی نے قسم اور وہ بھی خدا کی قسم کھا کر جواب دیا کہ خدا کی قسم حضرتؐ کی بیویاں حضرتؐ کے اہل بیت نہیں ہو سکتیں کیونکہ بیوی تو مرد کے ساتھ کچھ دنوں تک رہتی ہے۔ پھر وہ اس کو طلاق دے دیتا ہے تو اپنے باپ اور اپنی قوم قبیلہ میں واپس جاتی ہے۔ حضرتؐ کے اہل بیت حضرتؐ کے خاندان والے اور آپؐ کے وہ قرابت مند ہیں جن پر حضرت کے

علاوہ صدقہ حرام ہے۔'' (صحیح مسلم جلد،ص ۲۸۰)

یہ حدیث اور بھی سینکڑوں کتابوں میں ہے مگر مسلم شریف کے برابر کون کتاب ہوسکتی ہے۔

مولوی صاحب: البتہ یہ بہت بڑی اور لاجواب دلیل اس بات کی ہے کہ ازواج یقیناً اہل بیتؑ میں داخل نہیں ہیں۔

حسینی بیگم: ایک اور دلیل سنو:

قال رسول الله النجوم امان لاهل السماء فاذا ذهب النجوم ذهب اهل السماء واهل بيتی امان لاهل الارض فاذاذهب اهل بیتی ذهب الارض

یعنی آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ستارے آسمان والوں کے لیے امان ہیں کہ جب ستارے جاتے رہیں گے تو آسمان والے بھی جاتے رہیں گے اور میرے اہل بیتؑ زمین والوں کے لیے امان ہیں کہ جب میرے اہل بیت جاتے رہیں گے تو زمین والے بھی جاتے رہیں گے۔ (رشفۃ الصادی،ص ۷۸ وصواعق محرقہ،ص ۹۱ وغیرہ)

اب دیکھو کہ ازواجِ رسولؐ میں کوئی موجود ہے؟

مولوی صاحب: نہیں۔ مگر اس سے کیا مطلب۔

حسینی بیگم: یہ کہ اگر اہل بیتؑ سے ازواج مراد ہوتیں تو دنیا ختم ہوگئی ہوتی کیونکہ ازواج تو ختم ہوگئیں مگر چونکہ وہ مراد نہیں ہیں اس وجہ سے ان کے ختم ہونے سے دنیا ختم نہیں ہوئی۔

مولوی صاحب: تو حضرتؐ کی آل بھی ختم ہوگئی۔

حسینی بیگم: نہیں حضرتؐ کی آل ختم ہو جاتی تو دنیا بھی یقیناً ختم ہو جاتی یہ ممکن نہیں تھا کہ حضرت کی آل ختم ہو جاتی اور دنیا باقی رہ جاتی۔ اسی وجہ سے حضرتؐ کی آل میں اب تک امام مہدیؑ موجود ہیں جن سے دنیا بھی موجود ہے۔

اچھا یہ بتاؤ اهل بیتی هولاء وهولاء اهل بیتی میں کیا فرق ہے۔

مولوی صاحب: اہل بیتی ھولاء کا معنی یہ کہ میرے اہل بیت یہ ہیں اور ھولاء اہل بیتی کا مطلب یہ ہے کہ یہی میرے اہل بیت ہیں۔ ان کے سوا کوئی نہیں ہے۔ یعنی ھولاء کو پہلے

لانے سے حصر کر دیا کہ صرف یہی لوگ اہل بیتؑ ہیں۔

حسینی بیگم: اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ و امام حسن و امام حسین علیہم السلام کو چادر اوڑھا کر فرمایا کہ

هولاء اهلبيتي

''یعنی اے خدا میرے اہل بیتؑ صرف یہ ہیں۔'' (دیکھو تفسیر درمنثور ج ۵، ص ۱۹۸ اور فتح البیان جلد ۷، ص ۲۷۶ و تفسیر ابن کثیر ج ۸ ص ۷۰ وغیرہ سیکڑوں کتابیں)

یہ بھی دیکھو کہ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ:

ان ام سلمة رضى الله عنها حدثت قالت بينما رسولؐ الله فى بيتى يوم اذ قالت الخادم ان فاطمة و عليا رضى الله عنهما بالسدة فقال صلى الله عليه وسلم لى قومى فتحنى عن اهلبيتى قالت فقمت قتخيت فى البيت قريبا فدخل على و فاطمة ومعهاالحسن والحسين رضى الله عنهم

''یعنی جناب ام سلمیؓ بیان کرتی تھیں کہ ایک روز میرے گھر رسول خداؐ تشریف رکھتے تھے کہ خادم نے آ کر کہا'' جناب فاطمہؑ اور علیؑ تشریف لائے اور سائبان میں کھڑے ہیں''۔ تو حضرت نے مجھ سے فرمایا اٹھو میرے اہل بیتؑ کے پاس سے دور ہو جاؤ'' تو میں اٹھی اور وہاں سے ہٹ گئی۔ تب حضرت علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ و حسینؑ داخل ہوئے۔ (تفسیر ابن کثیر مطبوعہ مصر جلد ۸، ص ۷۵)

اس حدیث میں غور کرو کہ حضرتؐ نے جناب اُم سلمہؓ سے یہی تو فرمایا کہ: ''میرے اہل بیتؑ کے پاس سے دور ہو جاؤ''۔ اگر وہ بھی اہل بیت میں داخل ہوتیں تو حضرت یہ کیوں فرماتے؟ بلکہ پھر ام سلمہ بھی کہتیں کہ'' میں بھی تو اہل بیت میں ہوں'' مگر آنحضرتؐ کا ان سے کہنا اور ان کا الگ ہو جانا قطعی دلیل ہے کہ وہ اہل بیت سے خارج تھیں۔ حضرت عائشہ کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ یہی علامہ لکھتے ہیں:

ابن حوشب ؒ عن عم له قال دخلت مع ابی علی عائشہؓ فسالتھا عن علی فقالت تسألنی عن رجل کان من احب الناس الی رسول الله و کانت تحته ابنته واحب الناس الیه لقد رایت رسول الله صلی الله علیه وسلم دعا دعلیا وفاطمه و حسنا حسینا ؓ فالقی علیھم ثوبا فقال اللھم ھولاء اہل بیتی فاذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا قالت فدنون منھم فقلت یا رسول الله وانا من اہل بیتك۔ فقال تنحی فانك علی خیر

''یعنی ابن حوشب نے جو اپنے ایک چچا سے روایت کی ہے کہ میں اپنے باپ کے ساتھ حضرت عائشہ کے پاس گیا اور حضرت علیؑ کے بارے میں ان سے پوچھا۔ انھوں نے کہا تم مجھ سے اس شخص کے بارے میں پوچھتے ہو جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو سب لوگوں سے زیادہ محبوب تھا اور حضرت کی بیٹی ان کی بیوی تھیں۔ وہ بھی آنحضرتؐ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ میں نے دیکھا کہ رسول خدا نے حضرت علیؑ و فاطمہؑ وحسنؑ وحسینؑ کو بلایا اور ان کو ایک چادر اوڑھا کر دعا کی کہ اے اللہ یہی میرے اہل بیت ہیں تو ان سے ہر برائی کو دور رکھ اور ان کو پوری طرح پاک وپاکیزہ بنائے رہ۔ میں بھی ان لوگوں کے قریب گئی اور آنحضرتؐ سے عرض کی کہ یارسول اللہؐ کیا میں بھی آپؐ کے اہل بیت میں داخل ہوں تو آنحضرتؐ نے فرمایا: ''ہٹ جاؤ تم بس صرف ایک خوبی پر ہو''۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۸، ص ۷۶)

اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ نے اہل بیت کے پاس سے حضرت ام سلمہ کو بھی دور کر دیا اور حضرت عائشہ نے داخل ہونا چاہا تو ان کو بھی ہٹا دیا بلکہ فرمایا کہ الگ ہو جاؤ۔ یعنی تم لوگ کسی طرح اہل بیت میں داخل نہیں ہوسکتیں۔ اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت ام سلمہؓ بیان فرماتی ہیں کہ جب آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ وفاطمہؑ وحسنؑ وحسینؑ کو کملی اوڑھ کر فرمایا کہ ''یہی اہل محمدؐ ہیں'' اور ایک اور روایت میں ہے کہ فرمایا: ''یہی آل

محمدؐ ہیں تو اپنے صلوات اور برکات کو آل محمدؐ پر اس طرح نازل فرما جس طرح آل ابراہیمؑ پر نازل کرتا تھا''۔ اس وقت ام سلمہؓ بیان فرماتی ہیں:

رفعت الکساء لا دخل معھم فجذبہ من یذی و قال انک علی خیر
''یعنی میں نے کمل اٹھایا کہ میں بھی اس میں چلی جاؤں تو حضرتؐ نے اس کمل کو زور سے مجھ سے کھینچ لیا اور اس میں کسی طرح جانے نہیں دیا اور فرمایا کہ تم صرف ایک خوبی پر ہو۔'' (تفسیر درمنشور جلد۵ ص ۱۹۸)

اس سے زیادہ واضح مضمون دوسری روایت میں ہے:

عن ام سلمہ قالت نزلت ھذہ الایۃ فی بیتی انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا وفی البیت سبعۃ جبرئیل ومیکائیل علیھما السلام وعلیؑ وفاطمہؑ و الحسنؑ والحسینؑ رضی اللہ عنھم وانا علی باب البیت قلت یا رسول اللہ الست من اھل البیت قال انک الی خیر انک من ازواج النبیؐ
''یعنی حضرت ام سلمہؓ بیان فرماتی ہیں کہ آیہ تطہیر میرے گھر میں اُتری۔ اس وقت اس گھر میں صرف سات بزرگ تھے: (۱) رسول خداؐ (۲) جناب جبرئیلؑ (۳) جناب میکائیل (۴) حضرت علیؑ (۵) حضرت فاطمہؑ (۶) حضرت امام حسنؑ (۷) حضرت امام حسینؑ۔ اور میں گھر سے باہر دروازے پر تھی۔ میں نے پوچھا: اے رسول اللہؐ! کیا میں اہلِ بیتؑ میں سے نہیں ہوں؟ تو حضرتؐ نے یہ جواب نہیں دیا کہ ہاں تم اہل بیتؑ میں ہو، بلکہ فرمایا کہ تم صرف ایک خوبی کی طرف ہو، تم رسولؐ کی بیویوں میں سے ہو۔ (تفسیر درمنشور جلد۵، ص ۱۹۸)

دیکھو بی بی ام سلمہؓ حضرتؐ سے یہ نہیں پوچھتیں ہیں کہ میں آپ کی بیوی ہوں یا نہیں۔ کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ بیوی تو ضرور ہوں مگر یہ نہیں جانتی تھیں کہ اہل بیتؑ میں داخل ہوں یا نہیں اور یہ کہ حضرت نے ان کو اہلِ بیتؑ میں شامل نہیں کیا تو پوچھا کہ یا حضرتؐ کیا میں آپ کے اہل بیتؑ

میں نہیں ہوں؟ تو حضرت ؑ نے یہ نہیں فرمایا کہ ہاں تم اہل بیت ؑ میں ہو، بلکہ فرمایا کہ تم صرف ایک خوبی پر ہو۔ تم میری بیوی ہو۔ جس سے حضرت ؑ نے کھول کر سمجھا دیا کہ اہل بیت ؑ دوسری جماعت ہے اور ازواج رسول ؐ دوسری جماعت۔ جس طرح ازواج رسول ؐ میں اہل بیت ؑ داخل نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح اہل بیت میں ازواج رسول ؐ نہیں داخل ہو سکتیں۔ جس طرح اردو میں ہے کہ بیویوں میں اولاد نہیں داخل ہو سکتی اور اولاد میں بیویاں نہیں داخل ہو سکتیں۔

مولوی صاحب: مگر آنحضرت ؐ نے حضرت ام سلمہؓ و حضرت عائشہؓ سے یہ تو فرمایا تھا کہ انک علی خیر (تم خیر پر ہو) جس سے ان کی فضیلت نکلی۔

حسینی بیگم: ہاں اس سے کون انکار کرتا ہے مگر صرف ایک ہی فضیلت اور وہ بھی بہت معمولی درجہ کی۔ کیونکہ حضرت ؐ نے خیر کو نکرہ ذکر کیا ہے اور نکرہ کا معنی ایک ہوتا ہے تو انک علی خیرك کا مطلب یہ ہوا کہ تم صرف ایک خیر پر ہو۔ یعنی تم میں صرف ایک خوبی ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔ اور وہ یہی کہ تم میری بیوی ہو بس۔ غرض نہ تم اہل بیت ؑ میں ہو نہ تم سے خدا نے برائیوں کو دور کیا ہے نہ تم کو پاک و پاکیزہ کیا ہے۔ بلکہ تمھاری عزت صرف اتنی ہے کہ میری بیوی ہو جس طرح پہلے انبیاء کی بیویاں اچھی بری سب ہی رہی ہیں۔ اس طرح تم بھی میری بیوی ہو اور کچھ نہیں۔ مختصر یہ کہ آنحضرت ؐ نے اپنے قول انک علی خیر سے قطعی فیصلہ کر دیا کہ ان لوگوں میں سوا ایک خیر (آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیوی ہونے) کے کوئی دوسری خوبی یا شرف یا خصوصیت ہو ہی نہیں سکتی ہے۔

مولوی صاحب: واقعاً تم نے انک علی خیر کا وہ مطلب بیان کیا جو بالکل عربی زبان کے قواعد کے مطابق ہے اور اس کے بعد کوئی اعتراض ہو ہی نہیں سکتا۔

حسینی بیگم: اب تو مانے کہ اہلبیت ؑ سے ازواج اس طرح الگ ہیں جس طرح دن سے رات۔ آفتاب سے ماہتاب کہ وہ کبھی ان میں داخل نہیں ہوئیں بلکہ حسرت اور نہایت تمنا کر کے آنحضرت ؐ سے درخواست بھی کرتی تھیں کہ مجھے ان میں داخل کر لیجئے تو حضرت ان کی درخواست نامنظور کر کے ان کو جھڑک دیتے اور کمل چھین لیتے تھے اور فرماتے تھے کہ تم

ہٹ جاؤ تم کو ان سے کیا نسبت؟ بس تمھارے لیے یہی ایک خوبی بہت ہے کہ میری بیوی ہو۔ اس سے زیادہ کی آرزو نہ کرو۔

مولوی صاحب: مگر آنحضرت ؐ کی بیوی ہونا کیا کم فضیلت ہے۔

حسینی بیگم: یہ نہ کہو۔ اگر آنحضرت ؐ کی بیوی ہونا بڑی عزت ہوتی تو خدا یہ نہ فرماتا کہ اے بی بیو! اگر تم بدکاری کروگی تو تم پر دُھرا عذاب کروں گا۔ بس جیسی بیویاں آنحضرت ؐ کے قبل نبیوں کی تھیں کہ اچھی بھی تھیں بری بھی۔ اسی طرح آنحضرت ؐ کی بیویاں بھی اچھی بری ملی ہوئی تھیں۔

مولوی صاحب: تو سابق انبیاء کی بیویاں بھی بڑے درجہ کی تھیں۔

حسینی بیگم: ہاں ایسی ہی تھیں کہ خدا نے کہا ہے:

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً لِلَّذِیْنَ كَفَرُوْا امْرَأَةَ نُوْحٍ وَامْرَأَةَ لُوْطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَیْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَیْنِ فَخَانَتَا هُمَا فَلَمْ یُغْنِیَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا وَ قِیْلَ ادْخُلاَ النَّارَ مَعَ الدَّاخِلِیْنَ

(پ ۲۸، سورہ تحریم، رکوع ۲/۲۰)

آپ شمس العلماء مولوی حافظ ڈپٹی نذیر احمد صاحب دہلوی کے ترجمہ کو بہت مانتے ہیں۔ ذرا ان کے قرآن شریف سے اس کا ترجمہ تو سناؤ مولوی صاحب نے اپنی تلاوت کی حمائل نکالی اور کہا:

مولوی صاحب: مولانا نذیر احمد صاحب لکھتے ہیں: ’’کافروں کی عبرت پکڑنے کی کے لیے خدا نوح ؑ کی بیوی اور لوط ؑ کی بیوی کی مثال دیتا ہے کہ یہ دونوں عورتیں ہمارے بندوں میں سے دو نیک بندوں کے نکاح میں تھیں۔ پھر ان دونوں نے ان کو دغا دیا کہ اپنے شوہر کے خلاف کافروں سے ملی رہیں تو دونوں کے شوہر باوجودیکہ پیغمبر تھے اللہ کے مقابلہ میں ان کے کچھ کام بھی نہ آئے اور ان دونوں عورتوں کو حکم دیا گیا کہ جہاں اور لوگ جہنم میں داخل ہوئے تم بھی ان ہی کے ساتھ جہنم میں داخل ہو‘‘۔ (حمائل نذیر احمد ص ۸۹۶)

حسینی بیگم: کیوں۔ دیکھا نہ پیغمبروں کی بعض بیویوں کا یہ درجہ بھی ہے۔ اس سے زیادہ زبان نہ کھلواؤ۔

مولوی صاحب: میری پوری تشفی تو ہوگئی، مگر صرف ایک بات کھٹکتی ہے۔
حسینی بیگم: وہ کیا؟
مولوی صاحب: یہی کہ لفظ ''اہل بیت'' سن کر فوراً ذہن میں آتا ہے کہ اس کا معنی گھر والے ہے اور گھر والے بیوی کو کہتے ہیں۔
حسینی بیگم: اگر اہل بیت کا معنی وہی ہے جو آپ کو سمجھ میں آتا ہے تو ان مقاموں میں کیا مطلب ہے۔ علامہ ابنِ حجر عسقلانی جو بہت بڑے محدث اور فرقہ اہل حدیث کے کتنے بڑے پیشوا تھے صحابہ کے حالات میں جو بڑی کتاب اصابہ لکھی ہے اس میں ایک صحابیہ حضرت آمنہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

قال ابن سعداسلمت قديما بمكة وهاجرت مع اهل بيتها الى المدينة
یعنی علامہ ابن سعد نے لکھا ہے کہ ''آمنہ ابتداء میں مکہ میں مسلمان ہوئیں اور اپنے اہل بیت کے ساتھ مدینہ کو ہجرت کی۔'' (اصابہ جلد ۸، ص ۳)

کیا آمنہ رضی اللہ عنہا کی شادی بھی کچھ عورتوں سے ہوئی تھی جو آمنہ کی ازواج تھیں اور انھیں ازواج کے ساتھ آمنہ نے ہجرت کی۔
مولوی صاحب: نہیں عورت کی شادی عورت سے کیسے ہوگی۔ یہاں اہل بیت سے گھر والے بھائی بند مراد ہیں۔
حسینی بیگم: ممدوح نے ایک اور جگہ لکھا ہے:

اهل بيت اربعة صحبوا النبى بشر وابناه عبدالله و عطيه واختها الصماء
''یعنی ایک گھر والے چار شخص (۱) بشر اور ان کے دو بیٹے (۲) عبداللہ (۳) عطیہ اور (۴) ان کی بہن صماء آنحضرتؐ کے ساتھ ہوئے۔ (اصابہ، ص ۳۱)

کیا یہاں بھی بیویاں مراد لے سکتے ہو؟
مولوی صاحب: نہیں۔ یہاں بھی گھر والے مراد ہیں۔
حسینی بیگم: ایک اور صحابیہ کے حال میں لکھتے ہیں:

تقدم و نسبها فی ترجمة والدها وهم اھل بیت صحابة شهد ابوھا واعمامها بدرا

''یعنی ان کا نسب ان کے باپ کے حال میں لکھا جا چکا اور یہ لوگ صحابہ کا ایک خاندان تھے۔ ان (مریم) کے باپ اور چچا غزوہ بدر میں شریک ہوئے۔''

(ص ۱۸۸)

بتاؤ یہاں بھی کوئی زوجہ ہے جس کے لیے لفظ اہل بیتؑ آیا؟

مولوی صاحب: نہیں۔ یہاں بھی باپ اور کئی چچا مراد ہیں۔

حسینی بیگم: یہی علامہ ایک اور صحابیہ کے حال میں لکھتے ہیں:

ام لیلی کانت من المبایعات وحدیثها عند اهل بیتها

یعنی ''ام لیلیٰ بیعت کرنے والی صحابیات میں سے تھیں اور ان کی حدیث ان کے گھر والوں کے ہاں ہے۔''

بتاؤ ان ام لیلیٰ کی بھی شادی کچھ عورتوں سے ہوئی تھی جو ان کی اہل بیت تھیں؟

مولوی صاحب: نہیں! یہاں بھی وہی باپ، بھائی، بیٹے وغیرہ مراد ہیں۔ میں مان گیا کہ یقیناً اہل بیت سے مراد ازواج نہیں ہیں اور نہ ہو سکتے ہیں۔ اور جو لوگ ایسا کہتے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں۔ تم نے ایک ایک پہلو کو واضح کر دیا کہ اب اس کے بارے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہوسکتا۔ اب رات زیادہ بیت گئی نیند آتی ہے۔ لیمپ کی روشنی کم کر دو۔

حسینی بیگم: میں تو چاہتی تھی کہ دس بارہ کتابوں کی عبارتیں اور دکھاتی کہ پوری طرح اتمامِ حجت ہو جاتا۔

مولوی صاحب: نہیں اب کوئی کسر باقی نہیں ہے۔ اس کے بعد کسی شخص کا اس کو وہم بھی نہ ہوگا کہ ازواج بھی اہل بیتؑ میں داخل ہوسکتی ہیں۔ جس طرح کوئی شخص کہے کہ اولاد میں ازواج بھی داخل ہیں تو پاگل سمجھا جائے گا۔ اسی طرح اہل بیت میں ازواج کو داخل کرنا یا سمجھنا بھی خلاف عقل اور عربی زبان سے بالکل بے خبری ہے۔ اب سو رہو۔

✿✿✿✿✿

پانچواں باب

آلِ محمدؐ پر درود بھیج کر دعا کرنے کا نتیجہ

ایک روز رات کے وقت مولوی صاحب اپنے کمرے میں پہنچے تو چہرہ سے شدید تردد اور رنج و افسوس ظاہر ہوتا تھا اور وہ نہایت درجہ پریشان تھے۔ حسینی بیگم کچھ دیر انتظار کرتی رہیں کہ وہ خود کچھ بولیں گے لیکن وہ چپ ہی رہے تو ان سے رہا نہ گیا اور بولیں۔

حسینی بیگم: آج کیا ہے؟ کیسا مزاج ہے؟ کیوں اتنے فکرمند لگ رہے ہیں۔

مولوی صاحب: کیا کہوں ایسا تردد پیدا ہو گیا کہ عقل کام ہی نہیں کرتی ہے۔

حسینی بیگم: ذرا میں بھی توں سنوں کہ کیا بات ہے۔ ہر مصیبت میں انسان کو خدا پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

مولوی صاحب: میرے ایک بڑے گہرے دوست مولوی حفیظ الدین صاحب ہیں انھوں نے اسلام کی حمایت میں ایک وعظ کہا مگر غلطی یہ کی کہ دوسرے بہت سے مذہبوں پر اعتراضات بھی کر دیئے۔ جس سے ایک جماعت کے کچھ لوگوں نے فوجداری میں ان پر دعویٰ دائر کر دیا ہے اور زیادہ مشکل یہ ہوئی کہ خفیہ پولیس کا ایک رپورٹر وہاں موجود تھا۔ جس نے ان کی تقریر نوٹ کی تھی۔ اس تقریر میں ان کے جو الفاظ ملے ان سے مقدمہ میں بہت زور پیدا ہو گیا اور مولوی صاحب سخت پریشانی میں پڑ گئے ہیں۔

حسینی بیگم: تو اب کیا ہو رہا ہے۔

مولوی صاحب: ابھی تو بیچارے ضمانت پر ہیں مگر ایک ہفتہ کے بعد مقدمہ کی پیشی ہوگی اسی کا خوف ہے۔

حسینی بیگم: یہ بتاؤ کے دوسرے مذہبوں پر انھوں نے جو اعتراضات کیے تھے وہ صحیح ہیں یا غلط یعنی واقعاً وہ باتیں ان مذہبوں میں موجود ہیں یا مولوی صاحب نے اپنے دل سے وضع کر کے

بیان کر دیں؟

مولوی صاحب: نہیں وہ اعتراضات تو صحیح ہیں اور بیچارے نے ان لوگوں کے سمجھانے ہی کے لیے بیان بھی کیا تھا کہ ان خرابیوں کی وجہ سے اس مذہب کو چھوڑیں اور دین اسلام قبول کریں۔

حسینی بیگم: کام تو انھوں نے حق کیا تھا۔ ان میں ان کی ضرور مدد کرنی چاہیے۔ اچھا میں ایک عمل بتاتی ہوں کہ وہ دو رکعت پڑھ کر یہ دعا پڑھیں:

يَا سَابِقَ الْفَوْتِ يَا سَامِعَ الصَّوْتِ يَا كَاسِيَ الْعِظَامِ لَحْمًا بَعْدَ الْمَوْتِ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ وَاجْعَلْ لِّيْ مِنْ اَمْرِيْ فَرَجًا وَ فَخَرَجًا اِنَّكَ تَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ

مجھے قوی امید ہے کہ وہ اس مصیبت سے نکل جائیں گے۔

مولوی صاحب: خیر میں کہوں گا مگر شہادت زبردست ہے اور اس طرف مال بھی بہت ہے بڑے بڑے بیرسٹر کیے گئے ہیں۔ ادھر کوئی قوت نہیں، کوئی مسلمان وکیل اپنی فیس تک نہیں کم کر رہا ہے۔ بیچارے کا بچنا دشوار ہے۔ یہ کہہ کر مولوی صاحب لحاف اوڑھ کر سو رہے۔ صبح ہوئی تو مولوی حفیظ الدین صاحب سے پھر ملاقات ہوئی اور اس دعا کو انھوں نے بتا دیا۔ وہ ہنس دیئے کہ ''ان دعاؤں سے کیا ہوتا ہے'' مگر مولوی عبدالغفار صاحب نے سمجھایا کہ ''اس طرح عمل کر لینے میں مضائقہ ہی کیا ہے'' چنانچہ وہ ہر روز نماز صبح اور نماز عشاء کے بعد اسی طرح دعا کرنے لگے اور اپنے مذہب کے اچھے اچھے وکیلوں سے پیروی کرنے کی درخواست بھی کرتے رہے مگر ہر وکیل اتنی فیس مانگتا تھا کہ بیچارے دے نہیں سکتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ ''وکیل صاحب دیکھیے یہ مذہبی معاملہ ہے میں آپ ہی کے مذہب اسلام کے کام میں ماخوذ ہوا ہوں۔ اس میں فیس کم کیجئے''۔ اور وہ جواب دیتے کہ ''جناب مولانا مذہبی کام ہو یا دنیوی ہم لوگ روٹی اسی کی کھاتے ہیں بغیر پوری فیس لیے کام نہیں کر سکتے''۔

آخر مولوی صاحب بیچارے تھک ہار کر ایک سید وکیل کے پاس پہنچے جو بڑے بڑے

بیرسٹروں کا مقابلہ کرتے تھے۔ ان کے پاس مولوی صاحب اسی خیال سے جاتے ہوئے کتراتے تھے کہ وہ وکیل صاحب ان کے خیال میں رافضی تھے۔ مولوی صاحب سمجھتے تھے کہ جب ہمارے ہم مذہب وکیل پوری فیس چاہتے ہیں تو وہ شیعہ وکیل ڈبل فیس پر بھی شاید ہی راضی ہوں مگر جب کل وکیلوں سے مایوس ہوکر مولوی صاحب اس سید وکیل صاحب کے پاس پہنچے اور پورا واقعہ بیان کیا تو انھوں نے جواب دیا۔

وکیل صاحب: یہ تو خود میرا کام ہے۔ میں اس مقدمہ کی ضرور پیروی کروں گا۔

مولوی حفیظ الدین صاحب: اور فیس کیا ہوگی؟

وکیل صاحب: فیس کیسی؟

مولوی حفیظ الدین صاحب: آپ کی زحمت اور پیروی کی۔

وکیل صاحب: واہ یہ خوب کہی۔ میں نے پہلے ہی کہہ دیا ہے کہ یہ میرا کام ہے۔ یہ بتایئے کہ آپ کا اس مقدمہ میں کیا خرچ ہوا ہوگا؟

مولوی حفیظ الدین صاحب: ابھی تو کچھ نہیں۔ کوئی اسی (۸۰) روپیہ خرچ ہوئے ہوں گے، مگر آئندہ تو بے حساب مصارف کا سامنا ہے۔

وکیل صاحب: نہیں آئندہ کی فکر نہ کیجئے اور بکس کھول کر سو روپیہ کے نوٹ نکالے اور مولوی صاحب کو دے کر کہا لیجئے یہ وہ روپیہ ہے جو اب تک آپ خرچ کر چکے ہیں۔ یہ میرا مقدمہ ہے۔ اس کے کل مصارف بھی میرے ہی ذمہ ہیں۔ ان وکیل صاحب کا یہ برتاؤ دیکھ کر مولوی صاحب حیرت سے ان کا منہ دیکھنے لگے۔ پھر ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ انھوں نے کہا:

مولوی صاحب: جناب عالی! آپ مجھے شرمندہ نہ کریں۔ یہ کیا کم احسان ہے کہ اس مقدمہ میں آپ نے کوئی فیس نہیں چاہی۔ اسی سے میں قیامت تک سر نہیں اٹھا سکتا۔ آپ اس روپیہ سے معاف کیجئے۔

وکیل صاحب: نہیں آپ کو میرے سر کی قسم اس میں کچھ نہ بولیے۔ میں اور آپ بھائی بھائی ہیں۔ آپ کا مال میرا اور میرا مال آپ کا ہے۔

مولوی صاحب اب کیا کرتے وہ روپیہ لیے ہوئے واپس آئے اور دل میں کہتے جاتے تھے کہ ہم لوگ رافضیوں کو کس قدر برا کہتے ہیں۔ مگر یہ لوگ ایسے اخلاق کے معلوم ہوتے ہیں میں نے اپنے ہم مسلک وکیلوں سے صرف فیس کم کرانی چاہی تو ان لوگوں نے کیسا خشک جواب دیا اور ان وکیل صاحب نے بغیر فیس کام کرنے کا وعدہ بھی کیا اور سو روپیہ بھی دیئے۔ سبحان اللہ۔ یہ سوچتے ہوئے مولوی عبدالغفار صاحب کے پاس پہنچے۔

مولوی حفیظ الدین صاحب:السلام علیکم

مولوی عبدالغفار صاحب:السلام علیکم ۔آپ کی خیریت کیا پوچھوں مقدمہ کی خیریت بیان کیجئے۔

مولوی حفیظ الدین صاحب نے پورا واقعہ کہہ سنایا۔

مولوی عبدالغفار صاحب: معاف کیجئے تو ایک بات کہوں کہ یہ میری بیوی کے بتائے ہوئے عمل کا پہلا اثر ہے۔انشاءاللہ آپ مقدمہ جیت جائیں گے اور ضرور کامیاب ہوں گے۔

جب مقدمہ کی تاریخ آئی تو سید وکیل صاحب نے ایسی زبردست بحث کی کہ کسی طرح مولوی حفیظ الدین صاحب کی تقریر یہ جرم ثابت نہیں ہوسکی۔آخر وہ بالکل بری ہو گئے۔جس کا تمام شہر میں غل ہو گیا اور مسلمانوں نے خوب ہی خوشیاں منائیں۔شب کو مولوی عبدالغفار صاحب اپنے کمرے میں پہنچے تو حسینی بیگم سے اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

مولوی صاحب: مبارک باد۔تمھارے بتائے ہوئے عمل کو مولوی حفیظ الدین صاحب نے کیا تو شہر کے نامی شیعہ وکیل نے بغیر فیس لیے ان کے مقدمہ کی پیروی بھی کی۔انھوں نے ان کو سو روپیہ بھی دیئے اور ایسی زبردست بحث کی کہ مولوی صاحب بالکل بری ہو گئے۔ یہ عمل تم نے کس کتاب سے بتایا تھا۔

حسینی بیگم: کتاب رشفہ الصادی ص ۵۷ میں لکھا ہے کہ خلیفہ مہدی عباسی ایک رات سو رہا تھا کہ گھبرا کر اٹھا اور کوتوال کو بلا کر کہا کہ فلاں حسینی سید کو قید خانہ سے رہا کر دو اور ان کو ایک ہزار اشرفی دے کر کہہ دو کہ وہ چاہیں تو یہاں رہیں چاہیں تو اپنے وطن چلے جائیں۔کوتوال نے

ایسا ہی کیا۔ حسینی سید نے اپنے وطن جانا چاہا تو کوتوال نے سواری کا بھی سامان کر دیا اور ان سے کہا: ''حضور والا۔ خدا رحیم نے آپ کو قید سے آزاد کرایا۔ اس کا واسطہ بتائے کہ آپ کو بھی کچھ معلوم ہوا ہے کیوں خلیفہ نے آپ کو آزاد کر دیا''۔

حسینی سید: ہاں خدا کی قسم مجھے معلوم ہے۔ میں سویا ہوا تھا تو خواب میں دیکھا کہ حضرت رسول خداؐ تشریف لائے اور فرمایا ''بیٹا! تم پر ان لوگوں نے ظلم کیا ہے؟'' میں نے عرض کی ''ہاں یا رسول اللہ'' حضرتؐ نے فرمایا: ''اٹھو اور دو رکعت نماز پڑھ کر یہ دعا پڑھو''۔ (وہی دعا جو میں نے مولوی حفیظ الدین صاحب کو بتائی تھی) میں نے وہ دعا پڑھی اور بار بار پڑھتا رہا، یہاں تک کہ تم نے آکر مجھے رہا کر دیا۔

یہ سننے کے بعد جب کوتوال خلیفہ مہدی کے پاس پہنچا تو پورا واقعہ اس سے بیان کر دیا۔ خلیفہ نے جواب دیا ''ہاں ان سید نے سچ کہا۔ خدا کی قسم میں سو رہا تھا کہ خواب میں دیکھا ایک حبشی لوہے کا گرز لے کر آیا اور میرے سرہانے کھڑا ہو کر کہا کہ ''ابھی ان حسینی سید کو رہا کر دو ورنہ میں تم کو قتل کرتا ہوں''۔ یہ خواب دیکھ کر میں بہت ڈرا ہوا جاگ گیا اور جب تک ان حسینی سید کو رہا نہ کر دیا مجھے نیند نہیں آئی۔

مولوی صاحب: واقعاً بڑا عبرت خیز واقعہ ہے۔

حسینی بیگم: کیوں نہ ہو حضرت رسول خداؐ اور آپؐ کے اہل بیتؑ خدا کے برگزیدہ بندے ہیں۔ مخلوق خدا کی ہدایت کے لیے کیا کیا مصائب اٹھائے ہیں ہر گناہ سے بچے رہے ہیں۔ پھر ان پر درود پڑھ کر دعا مانگی جائے گی تو اس میں یہ اثر ہونا ہی چاہیے۔

حضرات اہلبیتؑ کا ہر گناہ سے معصوم ہونا

مولوی صاحب: یہ تم نے کیا کہا۔ کیا اہل بیت بھی ہر گناہ سے بچے رہے ہیں؟ کیا تم ان لوگوں کو بھی معصوم سمجھتی ہو؟

حسینی بیگم: کتابوں کے دیکھنے سے تو میں اسی نتیجہ پر پہنچی ہوں۔

مولوی صاحب: نہیں ایسا نہیں ہے۔ میرا تو اعتقاد ہے کہ انبیاء کے سوا کوئی معصوم نہیں ہے۔

حسینی بیگم: یوں تو انبیاء کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ کتنے بڑے بڑے پیشوایانِ دین نے حضرت رسول خداؐ تک کے معصومؑ ہونے سے انکار کیا ہے پھر حضرات اہلبیت کی عصمت کو وہ لوگ کب مانتے؟

مولوی صاحب: خیر انبیاء کی عصمت کا مسئلہ تو مشکل ہے، مگر اہلبیتؑ کی عصمت کا قول تو تم سے آج ہی سننے میں آیا جو بہت بڑی غلطی ہے۔

حسینی بیگم: ہوسکتا ہے میرے دماغ میں غلط ہی یہ نتیجہ پیدا ہوا ہو، مگر جب تک وہ دلیلیں جو میری نظر سے گزری ہیں رد نہیں کی جائیں گی میری تشفی کیسے ہوسکتی ہے؟

مولوی صاحب: میں کہتا ہوں کہ ان لوگوں کی عصمت پر کوئی دلیل نہیں اور تم کہتی ہو کہ بہت سی دلیلیں ہیں مگر کسی دلیل کو بیان نہیں کرتیں کہ اس میں غور کیا جاتا وہ صحیح بھی ہے یا وہمی بات ہے۔

حسینی بیگم: مجھے تو اہلبیتؑ کی عصمت قرآنِ مجید سے بھی واضح ہوتی ہے اور احادیث سے بھی۔

مولوی صاحب: قرآنِ مجید کی کون سی آیت ہے؟

حسینی بیگم: یہی آیہ تطہیر۔ یہ تو ثابت ہو چکا کہ اس سے مراد حضرت علیؑ، فاطمہؑ، امام حسنؑ اور امام حسین علیہم السلام ہیں۔

مولوی صاحب: ہاں یہ تو تم نے بیان کر دیا ہے اور مجھے بھی مجبوراً ماننا پڑا اگر اس سے

عصمت کیوں کر ثابت ہوئی۔

حسینی بیگم: جب خدا ان لوگوں کو ہر برائی سے دور رکھنا چاہے تو کوئی برائی ان سے ہوسکتی ہے؟

مولوی صاحب: نہیں جب خدا دور رکھے گا تو کوئی برائی نہیں ہوسکتی۔

حسینی بیگم: اب برائی سے ہر برائی مراد ہے۔ جس میں گناہ بھی ہے۔

مولوی صاحب: اس کی کیا دلیل ہے؟

حسینی بیگم: بتاؤ رجس کے کیا معنی ہیں؟

مولوی صاحب: نجاست، گندگی، برائی۔

حسینی بیگم: کیا گناہ نہیں ہے۔ ذرا لغت کی ان کتابوں کو دیکھو (۱) منتہی الارب میں ہے رجس بالکسر پلیدی وگناہ وکفر ہے یعنی جس کا معنی پلیدی۔ گناہ اور کفر ہے۔ (۲) قاموس میں ہے۔

الرجس بالکسر القذر والماثم و کل مااستقذر من العمل والعمل المودی الی العذاب۔

''یعنی رجس کا معنی گندگی اور گناہ اور ہر وہ کام جو برا سمجھا جائے اور وہ کام جو عذاب کا سبب ہو۔''

(۳) انوار اللغۃ میں ہے: رِجسٌ یا رَجَسٌ رَجِسٌ پلیدی، نجاست، گناہ وہ کام جس پر عذاب ہو اور تفسیروں میں بھی رجس کا معنی گناہ دیا ہے، مگر وہ حدیث کی بحث شروع ہوجائے گی۔

مولوی صاحب: خیر تفسیروں کو بھی نکالو۔ اس موقع پر دیکھ لی جائیں۔

حسینی بیگم: دیکھو علامہ بیضاوی لکھتے ہیں:

الرجس الذنب المدنس بعرضکم

''یعنی رجس کا معنی گناہ جو تمھاری آبرو کو خراب کردے۔''

ویطھر کم عن المعاصی

یعنی ''اللہ تم کو گناہوں سے پاک رکھے گا۔'' (تفسیر بیضاوی جلد۲، ص۱۶۴)۔

علامہ محمد بن احمد المحلی اور علامہ سیوطی لکھتے ہیں: الرجس الاثم یعنی ''رجس معنی گناہ

ہے‘‘۔(تفسیر جلالین مطبوعہ مصر جلد۲،ص ٦٦)۔

اورعلامہ خازن لکھتے ہیں:

الرجس ای الاثم

یعنی’’رجس معنی گناہ ہے‘‘۔(تفسیر خازن جلد۳،ص ۴٦٦)

اورعلامہ نسفی لکھتے ہیں:

یظھر کم تطھیرا من نجاسة الاثام

یعنی’’اے اہل بیت! خداتم کونجاست سے پاک رکھے گا‘‘۔

(تفسیر مدارک التنزیل برخاشیہ تفسیر خازن جلد۳،ص ۴٦٦)

اورعلامہ نیشاپوری لکھتے ہیں:

فاستعار للذنوب الرجس

یعنی’’خدانے گناہوں کورجس سے ذکرکیا ہے‘‘۔

(تفسیر غرائب القرآن جلد۲۲ص۱۰برحاشیہ تفسیر طبری)

اور علامہ زمخشری لکھتے ہیں:

واستعار للذنوب الرجس

یعنی’’خدانے گناہوں کولفظ رجس سے ذکرکیاہے۔‘‘(تفسیر کشاف جلد۲،ص ۴۳۰)

اورعلامہ ابوسعود لکھتے ہیں:

الرجس ای الذنب المدنس

’’رجس کامعنی وہ گناہ جوانسان کوگندہ کردے‘‘۔(تفسیر ابوسعود جلد۲،ص ۷۸۳)

اورعلامہ فخرالدین رازی لکھتے ہیں:

لیذھب عنکم الرجس ای یزیل عنکم الذنوب

یعنی’’تم لوگوں سے کل گناہوں کودوررکھیں‘‘۔(تفسیر کبیر جلد٦،ص ۷۸۳)

اورمولاناصدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں:

والمراد بالرجس الاثم والذنب

یعنی ''رجس سے مراد گناہ ہے''۔

استعارة الرجس للمعصية

یعنی ''رجس کا استعارہ گناہوں کے لیے ہے''۔ (تفسیر فتح البیان جلد ۷، ص ۲۷۵)

اسی طرح بہت سی حدیثوں میں ہے۔

مولوی صاحب: مگر اس سے تو یہی معلوم ہوا کہ خدا نے ان حضرات پاک یعنی معصوم رکھنے کا ارادہ کیا۔ اس سے یہ کیوں کر ثابت ہوا کہ خدا کا ارادہ پورا بھی ہوا۔

حسینی بیگم: تو کیا یہ بھی ممکن ہے کہ خدا کا ارادہ پورا نہ ہوا اور وہ اپنے ارادے میں ناکامیاب رہے؟

مولوی صاحب: نہیں مگر یہ کیوں کر ثابت ہو کہ اس نے اپنا ارادہ پورا کیا۔

حسینی بیگم: خدا کے مقرر کردہ اصول سے۔

مولوی صاحب: وہ اصول کیا ہیں؟

حسینی بیگم: اس نے فرمایا:

انما امره اذا اراد شيئا ان يقول له كن فيكون (پ۲۳، رکوع ۴)

''یعنی اس کے اصول یہ ہیں کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو بس اس سے اتنا ہی فرما دیتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے''۔

مولوی صاحب: ہاں یہ تو سچ ہے کہ اس کے ارادہ کرنے اور اس کام کے ہو جانے میں کچھ تاخیر نہیں ہوتی ہے۔

حسینی بیگم: اسی وجہ سے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صاف صاف فرما دیا ہے کہ حضرتؐ اور حضرتؐ کے اہل بیت کل گناہوں سے پاک کر دیئے گئے ہیں۔

مولوی صاحب: یہ کس کتاب میں ہے اور کس نے لکھا ہے۔

حسینی بیگم: خود علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ حضرت رسول خداؐ نے فرمایا:

انا اتقى ولد آدم واكرمهم على الله تعالى ولا فخر ثم جعل

القبائل بيوتا فجعلني في خيرها بيت فذلك قوله انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت ويطهرا كم تطهير فانا واهل بيتي مطهرون من الذنوب

''یعنی اولادِ آدمؑ میں سب سے زیادہ متقی اور شریف میں ہوں اور اس پر کوئی فخر نہیں ہے۔ پھر خدا نے قبیلوں کو خاندانوں میں تقسیم کیا تو میرے خاندان کو سب سے بہتر کیا اسی کو خدا فرماتا ہے: انما یرید الله تو میں اور میرے اہل بیت کل گناہوں سے پاک و پاکیزہ ہیں''۔ (تفسیر فتح البیان جلد ۷، ص ۲۷۷)

ان حضرات کا گناہوں سے پاک اور معصوم ہونا اور ان پر درود پڑھا جانا اس قدر مشہور ہو گیا ہے کہ خلفائے بنی عباس کے زمان میں بھی شعراء نے اپنے اشعار میں اس مضمون کو ادا کیا ہے۔

مولوی صاحب: شاعر تو کوئی ایسا نہیں معلوم ہوتا جس نے ان لوگوں کو معصوم لکھا ہو اور ان پر درود پڑھنے کا ذکر کیا ہو۔

حسینی بیگم: ابونواس کو جانتے ہو؟

مولوی صاحب: ہاں ہاں وہ تو خلفائے بنی عباس کے زمانہ اور دربار کا مشہور اور بہت ہی مقبول شاعر گزرا ہے۔

حسینی بیگم: جب حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو مامون نے اپنے پاس ولی عہدی کے لیے بلایا ہے تو بہت سے شاعروں نے حضرت کی مدح میں قصیدے لکھے مگر ابونواس نے کوئی قصیدہ نہیں لکھا تو لوگوں نے اس سے شکایت کی کہ تم نے حضرت کی مدح میں کوئی شعر نہیں کہا تو اس نے جواب دیا:

قیل لی انت احسن الناس طرا

فی فنون من الکلام البنیه

لك مـن جيـد الـقـريـض مـديـح
يثـمـر الـدر فـي يـدى مـجـتـنيـه

فـعـلا مـا تـركـت مـدح ابن موسى
والـخـصـال التـي تـجـمـعـن فيـه

قـلـت لا اسـتـطيـع مـدح امـام
كـان جبـريـل خـادمـا لابيـه

''یعنی لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ تم اعلیٰ درجہ شاعری کے ہر فن میں سب لوگوں سے بڑھے ہوئے ہو۔ عمدہ اشعار میں تمھارا مدحی قصیدہ ایسا خوب ہوتا ہے کہ سننے والوں کو معلوم ہوتا ہے کہ موتی جھڑ رہے ہیں، باوجود ایسا کمال ہونے کے تم نے حضرت امام علی رضاؑ اوران کے فضائل و مناقب میں کوئی قصیدہ نہیں لکھا؟ تو میں نے ن لوگوں کو جواب دیا کہ میں ایسے جلیل القدر امام کی جن کے پدر بزرگوار کے خادم حضرت جبرئیلؑ ایسے فرشتہ ہوں مدح کر ہی نہیں سکتا ہوں۔''

اس کے بعد اسی شاعر نے حضرت کی مدح میں یہ اشعار بھی کہے:

مـطـهـرون نـقـيـات جيـوبـهـم
تـجـرى الـصـلـوة عليهم اينما ذكروا

مـن لـم يـكـن عـلـويـا حين تنسبه
فـمـا لـه فـى قـديـم الـدهـر مفتخر

الـلـه لـمـا بـرا خـلـقـا فـاتـقـنـه
صـفـا كـمـوا و اصطفلكوا ايها البشر

فـانتـم الـمـلاء الا عـلـی عـنـد کموا
عـلـم الـکتـاب ومـا جـاء ت بـه الـسـور

''یعنی یہ حضرات اہل بیتؑ پاک اور کل گناہوں سے معصوم ہیں اور ان کے لباس بھی پاکیزہ اور متبرک ہیں۔ ان حضرات کا جہاں نام لیا جاتا ہے وہاں ان پر درود ضرور پڑھا جاتا ہے۔ جو شخص نسب کے بیان ہوتے وقت سید نہ معلوم ہو اس کو زمانہ میں کوئی عزت اور فخر نہیں ہو سکتا، اے اہل بیت جب خدا نے مخلوق کو پیدا کیا اور مضبوط کیا تو آپ لوگوں کو اس نے چن لیا اور سب پر برگزیدہ کر دیا، تو آپ ہی ملاء اعلیٰ ہیں اور آپ ہی کے پاس قرآن مجید اور اس کی تفسیر کا علم ہے۔''

(وفیات الاعیان مشہور بہ تاریخ ابن خلکان مطبوعہ مصر جلد۲، ص۳۲۲)

مولوی صاحب: سبحان اللہ۔ خدا نے تم میں سب خوبصورتی جمع کر دی ہے۔ عربی شعر بھی اس خوبی سے پڑھتی ہو کہ جی چاہتا ہے سنتا جاؤں۔

حسینی بیگم: اب بات کو ادھر ادھر ٹالو نہیں۔ آپ کو معلوم ہوا کہ حضرات اہلبیت ہر گناہ سے پاک اور ویسے ہی معصوم ہیں جیسے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔

مولوی صاحب: ہاں قرآن مجید اور اس کی تفسیروں سے تو تم نے ثابت کر دیا مگر ابھی حدیث باقی ہے۔

حسینی بیگم: حدیثوں میں ایک حدیث ثقلین کیا کم ہے جس کو میں بیان کر چکی ہوں کہ حضرتؐ نے فرمایا: ''اے مسلمانو! میں تم میں دو بڑی چیزیں چھوڑے جاتا ہوں کہ جب تک تم ان دونوں کی پیروی کرو گے گمراہ نہیں ہو سکتے۔ ایک قرآنِ مجید ہے اور دوسرے میرے اہل بیتؑ جو میری عترت ہے۔''

مولوی صاحب: ہاں یہ حضرت رسول خداؐ کی حدیث ہے اور چند کتابوں میں موجود ہے۔

حسینی بیگم: آپ بات کو مختصر نہیں ہونے دیتے۔ یہ حدیث ثقلین کیا چند ہی کتابوں میں موجود ہے۔

مولوی صاحب: تو اور کیا۔

حسینی بیگم: سینکڑوں کتابوں میں ہے۔ میں صرف چند کتابوں کے نام بتا دیتی ہوں۔ دیکھ لینا (الف) حدیثوں کی کتابیں (۱) صحیح مسلم (۲) مسند احمد بن حنبل (۳) صحیح ترمذی (۴) کنز العمال (۵) مستدرک امام حاکم (۶) معجم صغیر طبرانی (۷) مشکوٰۃ شریف (۸) جامع صغیر سیوطی (۹) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ (۱۰) شعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ (۱۱) سراج وہاج (ب) سیرۃ کی کتابیں (۱) خصائص نسائی (۲) مفتاح النجاۃ (۳) احیاء المیت (۴) تذکرہ خواص الامہ (۵) ازالۃ الخفا (۶) اسد الغابہ (۹) مطالب السئول (۸) خصائص کبریٰ (۹) مواہب لدنیہ (۱۰) صواعق محرقہ (۱۱) سیرۃ حلبیہ (۱۲) مدارج النبوۃ (۱۳) وسیلۃ النجاۃ (۱۴) سعادۃ الکونین (۱۵) مشارق الانوار (۱۶) ینابیع المودۃ (ج) تفسیر کی کتابیں (۱) درمنثور (۲) تفسیر کبیر آیہ واعتصموا بحبل اللہ (۳) تفسیر ابن کثیر (۴) تفسیر حسینی (۵) سراج منیر (د) لغت کی کتابیں (۱) لسان العرب (۲) قاموس (۳) تاج العروس (۴) منتہی الارب (لغت کی کتابوں میں لفظ ثقل وعترت میں دیکھنا)۔ اب خود غور کرو کہ اگر اہل بیتؑ معصوم نہیں ہوتے تو حضرت یہ نہیں فرماتے: ''جب تک تم ان کی پیروی کرو گے اس وقت تک گمراہ نہیں ہو سکتے''۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کی جس بات میں پیروی کی جائے گی انسان گمراہی سے بچا ہی رہے گا۔ پس اگر ان سے گناہ ہوسکتا تو اس کی پیروی کرنے سے انسان ضرور گمراہ ہو جاتا اور کبھی گمراہی سے بچ نہیں سکتا۔

مولوی صاحب: تم اپنا مطلب ذرہ صاف بیان کرو۔

حسینی بیگم: حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن اور اہل بیتؑ دونوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ مسلمانو! جب تک تم ان دونوں کی پیروی کرو گے گمراہ نہیں ہو گے اب اگر قرآن میں کوئی بات گمراہی کی ہو تو کیا اس صورت میں بھی اس کی پیروی کرنے سے انسان گمراہ نہیں ہوگا۔

مولوی صاحب: نہیں اس صورت میں تو وہ بھی گمراہ ہو جائے گا۔ مگر نہ قرآن شریف میں کوئی گمراہی کی بات ہے نہ انسان اس کی کسی بات کی پیروی کرنے سے گمراہ ہوگا۔

حسینی بیگم: اسی طرح اہل بیتؑ کے بارے میں بھی بتاؤ کہ اگر ان سے کوئی گناہ ہو تو کیا اہلبیتؑ کی پیروی میں اس گناہ کے کرنے سے بھی انسان گمراہ نہیں ہوگا۔

مولوی صاحب: نہیں اس صورت میں تو وہ ضرور گمراہ ہو جائے گا۔

حسینی بیگم: حالانکہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ جب تک تم لوگ ان کی پیروی کرو گے گمراہ ہو ہی نہیں سکتے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ خدا اور رسولؐ کو معلوم تھا کہ اہل بیتؑ معصوم ہیں۔ ان سے کوئی گناہ ہو ہی نہیں سکتا بلکہ وہ جو کام کریں گے حکم خدا و رسولؐ کے مطابق ہی ہوگا۔ ان سے کوئی بات حکم خدا و رسولؐ کے خلاف ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔ اس وجہ سے یہ پیشن گوئی کی کہ جب تک مسلمان ان کے پیرو رہیں گے گمراہ نہیں ہوں گے۔

مولوی صاحب: ہاں تمہارا دعویٰ صحیح ہے۔ یقیناً ان حضرات کی عصمت کو ماننا پڑے گا۔ ورنہ یا اس حدیث کو جھوٹی کہنا ہوگا یا معاذ اللہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات غلط ہوگی۔ مگر حدیث بھی صحیح ہے اور حضرتؐ کا ارشاد بھی درست ہے۔

حسینی بیگم: اس کے علاوہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کے بارے میں فرمایا ہے:

فهو سيد الاوصياء اللحوق به سعادة والموت في طاعته شهادة واسمه في التوراة مقرون الى اسمي و زوجته الصديقة الكبرى بنتي۔ وابناه سيد اشباب اهل الجنة ابناى و هو وهما والائمة من بعدهم حجج الله على خلقه بعد النبيين ابواب العلم في امتي۔ من تبعهم نجامن النار ومن اقتدى بهم هدى الى صراط مستقيم

"یعنی علی کل وصیوں کے سردار ہیں۔ ان سے ملا رہنا سعادت اور ان کی پیروی میں مرنا شہادت ہے۔ توراۃ میں میرے نام سے ملا ہوا ان کا نام بھی لکھا ہے اور ان کی بیوی صدیقہ کبریٰ میری بیٹی ہیں اور ان کے دونوں بیٹے جو جوانان اہل بہشت کے سردار ہیں میرے فرزند ہیں۔ وہ اور ان کے دونوں بیٹے اور جو باقی امام ان کے بعد ہوں گے وہ سب انبیاء کے بعد مخلوق پر خدا کی حجتیں ہیں اور میری امت میں وہی علم کے

روازے ہیں جوان کی پیروی کرے گا وہ ضرور جہنم سے بچے گا اور جوان کے مذہب پر رہے گا وہی صراط مستقیم پر ہوگا۔ (ینابیع المودۃ، ص ۵۲)

اس سے بھی ثابت ہوا کہ یہ حضرات معصوم ہیں۔ اسی وجہ سے ان کی پیروی میں انسان ضرور جہنم سے بچ جائے گا اور ان کے مذہب پر رہنے میں ضرور صراط مستقیم پر ہوگا۔ ایک اور حدیث میں فرمایا ہے:

علی اخی و وارثی و وصیی و ولی کل مومن من بعدی ثم ابنی الحسن ثم الحسین ثم التسعة من ولدا لحسین۔ القرآن معصم وهم مع القرآن لا یفارقونه ولا یفارقهم حتی یردوا علی الحوض۔

''یعنی علیؑ میرے بھائی، میرے وارث، میرے وصی اور میرے بعد ہر مومن کے پیشوا ہیں۔ ان کے بعد میرے بیٹے حسنؑ پھر حسینؑ پھر حسینؑ کی اولاد سے نو امام ہوں گے قرآن ہمیشہ ان کے موافق رہے گا اور یہ ہمیشہ قرآن کے مطابق ہوں گے نہ یہ لوگ کسی وقت قرآن سے الگ ہوں گے اور نہ قرآن کبھی ان سے جدا ہوگا۔ یہاں تک کہ سب میرے پاس حوض کوثر پر پہنچ جائیں گے''۔ (ینابیع المودۃ ص ۹۴)

اس سے بھی عصمت معلوم ہوئی، کیونکہ اگر ان سے گناہ ہوسکتا تو حضرت یہ نہیں فرماتے کہ یہ کسی وقت قرآن سے الگ نہ ہوں گے۔ اس لیے کہ گناہ کے وقت تو انسان ضرور قرآن سے الگ ہو جاتا ہے مگر ان حضرات کے کسی وقت الگ نہ ہونے کی پیشن گوئی بتاتی ہے کہ ان سے کبھی گناہ ہوگا ہی نہیں اور یہی عصمت ہے بلکہ حضرتؐ نے صاف صاف فرمادیا ہے:

فانا واهل بیتی مطهرون من الذنوب

یعنی ''میں اور میرے اہل بیت کل گناہوں سے پاک و پاکیزہ ہیں۔''

(ینابیع المودۃ، ص ۱۳)

اور علامہ سید علی ہمدانی لکھتے ہیں:

قال رسول الله الائمة من ولدی فمن اطاعهم فقد اطاع الله ومن

عصاهم فقد عصی اللہ ھم العروۃ الوثقی وھم الوسیلۃ الی اللہ تعالیٰ۔

''یعنی حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میری اولاد ہی سے مسلمانوں کے امام ہوں گے۔ جو لوگ ان کی اطاعت کریں گے وہی خدا کی بھی اطاعت کریں گے اور جو ان کی نافرمانی کریں گے وہ یقیناً خدا کی نافرمانی بھی کریں گے۔ وہی لوگ عروۃ الوثقی (ہدایت کا مضبوط ذریعہ) اور خدا تک پہنچنے کی راہ ہیں''۔

قال رسول اللہ تمسکوا بطاعۃ ائمتکم فان طاعتھم طاعتی و بغضھم معصیتی

''یعنی حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ اپنے ان اماموں کی اطاعت مضبوطی سے کرنا اس لیے کہ ان کی اطاعت بعینہ میری اطاعت اور ان کا بغض میری نافرمانی ہے''۔

پھر لکھتے ہیں:

قال رسول اللہ معرفۃ آل محمد برائۃ من النار حب آل محمد جواز علی الصراط والولایۃ لال محمد امان من العذاب

''یعنی حضرت رسول خداؐ نے فرمایا کہ آل محمدؐ کی معرفت جہنم سے بچنے کی سند اور آل محمدؐ کی محبت پل صراط سے گزر جانے کا پروانہ اور آل محمدؐ کی ولایت عذاب سے امان ہے۔ (مودۃ القربیٰ، ص۱۹)

عن عبداللہ ابن عباسؓ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول انا وعلی والحسن والحسین وتسعۃ من ولد الحسین مطھرون معصومون

''یعنی حضرت عبداللہ بن عباسؓ ایسے جلیل القدر صحابی روایت کرتے ہیں کہ میں نے سنا حضرت رسول خداؐ فرماتے تھے کہ میں اور علیؑ اور حسنؑ اور حسینؑ اور حسینؑ کی اولاد سے نو امام پاک و پاکیزہ اور معصوم ہیں''۔ (مودۃ القربی مطبوعہ بمبئی، ص۳۴)

اور آپ کے مذہب کے بہت بڑے پیشوا اور جناب مولانا وحید الزماں خاں صاحب

وقار نواز جنگ حیدرآبادی تحریر فرماتے ہیں: الامام منا لا یکون الا معصوما۔ ''امام زین العابدینؑ نے فرمایا: امام ہم اہلبیتؑ میں سے معصوم ہوگا۔'' مجمع البحرین میں ہے معصوم وہ ہے جو حرام کاموں سے بچا رہے اور اللہ کی رسی یعنی قرآن کو، تھامے رہے، کیونکہ قرآن اور امام قیامت تک جدا نہ ہوں گے۔ جیسے دوسری حدیث میں ہے لن یفترقا حتی یردا علی الحوض صاحب دراساة اللبیب جو علمائے اہل حدیث سے ہیں۔ آئمہ اہل بیت علیہم السلام کا معصوم ہونا ثابت کرتے ہیں اور جمہور اہلِ سنت کا قول ہے کہ پیغمبروں کے سوا کوئی معصوم نہیں۔ مترجم کہتا ہے: صحیح یہ ہے کہ معصوم کے کئی معنی ہیں۔ ایک یہ کہ جس سے دین کے مسائل میں خطا نہ ہوتی ہو۔ اگر خطا ہو جائے تو فی الفور اللہ تعالیٰ اس کو مطلع کردے۔ اس معنی کو عصمت انبیاء کا خاصہ ہے، کیونکہ غیر نبی پر وحی نہیں اُترتی۔ دوسرے یہ کہ حرام اور فحش کاموں سے بچا رہے۔ اس معنی پر ائمہ اثناعشر علیہم السلام بے شک معصوم تھے۔ اب رہے عام صحابہ تو وہ معصوم نہ تھے۔ ان میں بعضوں سے کبیرہ گناہ جیسے زنا، خونِ ناحق، شرابِ خمر وغیرہ صادر ہوئے ہیں اور اہل سنت جو لکھتے ہیں الصحابہ کلھم عدول اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ سب صحابہ معصوم تھے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حدیث کی روایت کرنے میں وہ سچے تھے۔ اگر صحابہ سب معصوم ہوں تو پھر اہل بیت علیہم السلام کو تو ضرور معصوم ہونا چاہیے، حالانکہ اہلِ سنت اس کے قائل نہیں ہیں۔ تاریخ ابن جریر کو ملاحظہ کرو تو معلوم ہوگا کہ مغیرہ اور معاویہ اور عمرو بن عاص نے کیا کیا گل کھلائے ہیں جن کی وجہ سے ان کو ہرگز معصوم نہیں کہہ سکتے۔ (انوار اللغتہ پارہ ۱۸، ص ۱۲۹)

ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

> اللھم ھولاء اھل بیتی فاذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا
> ''یا اللہ یہ لوگ میرے اہل بیت ہیں یعنی حضرت علی، فاطمہ اور حسنین علیہم السلام تو ان سے پلیدی دور کردے۔ ان کو پاک کردے''۔

اس حدیث سے امامیہ نے اہل بیت کی عصمت عن الخطاء پر دلیل لی ہے۔ علمائے اہل سنت میں سے صاحب دراسات اللبیب نے آئمہ اثناعشر کی معصومیت کو تسلیم کیا ہے۔ (انوار اللغتہ پارہ ۲، ص ۸۷)

جوانانِ اہلِ بہشت کے سردار کون؟

دسویں ماہ رمضان المبارک کو مولوی عبدالغفار صاحب عصر کی نماز ایک مسجد میں پڑھا کر باہر نکلے تو ایک شخص نے انھیں ایک اشتہار دیا۔ جس میں یہ لکھا تھا کہ ''۱۴ ماہ رمضان المبارک بعد نماز مغربین محلّہ دریا آباد میں سردار جوانانِ اہلِ بہشت حضرت امام حسن علیہ السلام کے فضائل و مناقب کی محفل منعقد ہوگی۔ کل مسلمانوں سے التماس ہے کہ شریکِ بزم ہوں اور بعد کو ماحضر تناول فرما کر شکرگزار کریں''۔

اشتہار دے کر اس شخص نے کہا: ''امید ہے کہ آپ بھی ضرور تشریف لائیں گے اور اپنی شرکت سے شکرگزار کریں گے''۔

مولوی صاحب نے کہا: ''اچھا دیکھا جائے گا''۔ اور اس کے بعد اپنے مکان پر واپس آئے۔ جب شب کو افطار اور کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر آرام کے لیے اپنے کمرے میں گئے اور حسینی بیگم بھی پہنچیں تو حسبِ ذیل باتیں ہونے لگیں۔

مولوی صاحب: رافضی سب ہی عجیب عجیب حرکتیں کرتے رہتے ہیں۔ ان لوگوں کا نہ ایمان کچھ معلوم ہوتا ہے نہ عقل ہی کا کچھ پتہ چلتا ہے۔ لاحول ولاقوۃ کیسے مہمل لوگ ہیں اور کیسی کیسی باتیں ایجاد کرتے رہتے ہیں۔

حسینی بیگم: کیا ہوا۔ ہندوستان میں تو بہت سے مذہب کے لوگ ہیں۔ مسلمانوں میں حنفی، وہابی، قادیانی، چکڑالوی، مالکی، شافعی وغیرہ۔ سب ہی ہیں۔ اسی طرح سنی اور شیعہ بھی ہیں جن کو ہم لوگ رافضی کے نام سے پکارتے ہیں مگر آج ان کی کون سی بات آپ کو بری معلوم ہوئی؟

مولوی صاحب: آج میں نماز عصر پڑھ کر مسجد سے باہر نکلا تو دریا آباد کے ایک رافضی نے

یہ اشتہار دیا۔ تم خود پڑھ لو کیسے کفر کی باتیں لکھی ہیں اور صرف کفر ہی نہیں بلکہ خلافِ عقل ہے۔

حسینی بیگم: نے اشتہار لیا اور شروع سے آخر تک پڑھ گئیں مگر ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ مولوی صاحب اس کی کس بات پر خفا ہو رہے ہیں پھر اس کو پڑھ گئیں۔ اب بھی کوئی بات نہیں ملی۔ تو کہا: ''میں دن بھر روزہ سے رہی اور شام کو تمھارے افطار وغیرہ کے سامان میں پریشان ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ میرا دماغ کام نہیں کر رہا ہے۔ میں نے اشتہار تو پڑھا مگر اس کی بات جو آپ کو بری معلوم ہوا اس کا پتہ مجھے نہیں لگتا۔ آپ خود ہی بتاؤ کہ کیا ہے۔

مولوی صاحب: کیا خوب؟ کیا تم کو نظر نہیں آتا کہ اس کمبخت رافضی نے یہ کیسے کفر کا کلمہ لکھا ہے ''سردار جوانانِ اہلِ بہشت کے فضائل ومناقب'' حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہ جوانانِ اہلِ بہشت کے سردار کیسے ہو جائیں گے؟

حسینی بیگم: کیا صرف اسی بات پر تم کو غصہ آیا۔

مولوی صاحب: کیا یہ بات کم ہے کہ کل جوانانِ اہلِ بہشت کا سرداران کو کہہ دیا گیا؟ اس کو تم معمولی کفر سمجھتی ہو؟

حسینی بیگم: معمولی کفر؟ میں تو اس کو کفر نہیں سمجھتی؟ معاذ اللہ جو بات رسولِ خداؐ ارشاد فرمائیں اس کو کوئی شخص غلط کہہ دے تو وہی کافر ہو جائے گا، چہ جائیکہ حضرتؐ کے بتائے ہوئے کلام کو کفر کہہ دیا جائے۔ تم لوگ ہر بات کو جو ذرہ بھی تم لوگوں کی خواہش کے خلاف ہو کفر کہہ دیتے ہو تم خدا کے فضل سے علم سے آراستہ ہو جلدی کسی بات کو کفر نہ کہہ دیا کرو۔

مولوی صاحب: تو کیا حضرت رسولِ خداؐ نے یہ کبھی فرمایا ہے؟ کیا ہمارے ہاں کسی کتاب میں بھی یہ ہے؟ یا صرف رافضیوں کے چانڈوں خانوں کی گپیں ہیں؟

حسینی بیگم: نہیں نہیں رافضیوں کی گپیں کیوں ہونے لگیں۔ یہ حدیث ہمارے ہاں بہت مشہور ہے اور بڑے بڑے مورخین ومحدثین نے اس کو لکھا ہے۔ دیکھو علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

قال رسول اللہ الحسنؑ والحسینؑ سید اشباب اھل الجنۃ

''یعنی حضرت رسولِ خداؐ نے فرمایا ہے کہ حسنؑ اور حسینؑ کل اہلِ بہشت کے

جوانوں کے سردار ہیں۔'' (تاریخ الخلفاء،ص ۱۲۸)

مولوی صاحب: ہاں مگر کسی بڑے محدث نہیں لکھا ہوگا۔

حسینی بیگم: کیا خوب! آپ کی باتیں بھی نرالی ہوتیں ہیں۔ علامہ سیوطی کتنے بڑے محدث تھے جن کی کتاب جمع الجوامع احادیث کا وہ عظیم الشان ذخیرہ ہے پھر تفسیر درمنشوران کی بے مثل ونظیر تفسیر قرآن ہے۔ خیران سے بڑے محدث کا بیاں سنو یعنی علامہ ابنِ حجر عسقلانی جنھوں نے صحیح بخاری شریف کی شرح فتح الباری لکھی ہےاور جن کے بارے میں شمس العلماء، مولوی شبلی نعمانی نے لکھا ہے: ''حافظ ابنِ حجر کو جن کے کمالِ فن حدیث پر زمانہ کا اتفاق ہے''۔ (سیرۃ النبی جلد ۱،ص ۱۷۶)

وہ لکھتے ہیں:

من حديث حذيفه رفعه الحسنؑ والحسينؑ سيد اشباب اهل الجنة وله طرق ايضا

یعنی ''حذیفہ کی روایت ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حسنؑ اور حسینؑ کل جوانانِ اہلِ بہشت کے سردار ہیں۔'' (اصابہ مطبوعہ مصر جلد ۲،ص ۱۲)

اور مشکوٰۃ شریف ہمارے مذہب کی کیسی مشہور کتاب ہے کہ ہر گھر پھیلی ہوئی ہے اس میں بھی لکھا ہے:

عن ابي سعيد قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الحسنؑ والحسينؑ سيد اشباب اهل الجنة

یعنی ''حضرت رسول خداؐ نے فرمایا ہے کہ حسنؑ وحسینؑ دونوں سردار ہیں بہشت کے جوانوں کے''۔ (مشکوٰۃ شریف مطبوعہ لاہور جلد ۸،ص ۱۳۵)

اور ترمذی شریف جو صحاح ستہ کی کتاب ہے یعنی بخاری شریف مسلم شریف کے برابر جس کا درجہ سمجھا جاتا ہے۔ اس میں بھی لکھا ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب حذیفہ صحابی سے فرمایا:

هذا ملك لم ينزل الارض قط قبل هذه الليلة استاذن ربه ان يسلم علی و یبشر فی بان فاطمة سيدة نساء اهل الجنة وأن الحسن والحسين سيد اشباب اهل الجنة

''یعنی اے حذیفہ! یہ فرشتہ وہ ہے جو آج رات سے پہلے زمین پر کبھی نہیں آیا تھا۔ اس نے خدا سے اجازت حاصل کی کہ یہاں آ کر مجھ پر سلام کرے اور مجھے اس بات کی خوش خبری سنائے کہ بہشت کی کل عورتوں کی سردار فاطمہؑ اور بہشت کے کل جوانوں کے سردار حسن وحسین علیہما السلام ہیں''۔

(جامع ترمذی مطبوعہ لکھنو،ص ۴۶۷)

اسی طرح یہ حدیث کنز العمال جلد ۷،ص ۱۰۷، ۱۰۸۔ صواعق محرقہ ،ص ۱۱۴۔ واسد الغابہ واستیعاب جلد ا،ص ۱۴۵ وغیرہ سینکڑوں کتب احادیث وسیر وتاریخ میں موجود ہے اور بعض روایتوں میں ہے کہ اس کے بعد حضرتؐ نے یہ بھی فرمایا کہ

وابوهما خير منهما

''یعنی ان دونوں کے باپ (حضرت علیؑ) ان دونوں سے بھی بہتر وافضل ہیں۔''

(صواعق محرقہ ،ص ۱۱۴ وغیرہ)

مولوی صاحب: واقعاً مجھ سے غلطی ہوئی کہ اس اشتہار میں اس حدیث کو دیکھ کر میں اس قدر حد سے گزر گیا۔

✿✿✿✿✿

حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ کا فرزندانِ رسولؐ ہونا

حسینی بیگم: میں تو کہتی ہوں کہ اگر حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ حدیث اپنی زبان سے نہ بھی ارشاد فرمائے ہوتے جب بھی حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزندوں سے زیادہ کس کو اس بات کا حق ہو سکتا ہے کہ بہشت کے جوانوں کا سردار بنے۔

مولوی صاحب: مگر حضرت حسنؑ و حسینؑ تو آنحضرتؐ کے نواسے تھے۔ حضرت کے فرزند نہیں ہو سکتے۔ نواسے اور فرزند میں فرق ہوتا ہے۔

حسینی بیگم: یہ تو بہت بڑی بحث آپ نے چھیڑ دی۔ امام حسن اور حسین علیہما السلام آنحضرتؐ کے نواسے تھے اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ مگر یہی دونوں آنحضرتؐ کے فرزند بھی تھے جو قرآن شریف سے بھی ثابت ہے اور حدیث سے بھی۔

مولوی صاحب: اچھا ذرہ قرآنِ مجید کی وہ آیت پڑھو جس سے تم اس خلافِ عقل بات کو ثابت کر سکتی ہو۔

حسینی بیگم: میں خود کیوں کوئی آیت پڑھوں۔ ایک مشہور تاریخی اور بہت ہی دلچسپ واقعہ بیان کر دوں، اسی سے آپ کو سب معلوم ہو جائے گا، مگر یہ واقعہ تم نے خود بھی تفسیر کی کتابوں میں ضرور پڑھا ہوگا۔

مولوی صاحب: خیر تم سناؤ۔ اگر میں نے دیکھا ہوگا تو تمھاری زبان سے سن کر قند مکرر مزہ ملے گا۔

دسواں باب

مجلس کے فضائل

۱۴ ماہ رمضان المبارک کو مولوی صاحب عشاء کی نماز پڑھ کر گھر آئے اور کھانا کھا کر وہ اور حسینی بیگم دونوں سو رہے۔ سحر کے وقت آنکھ کھلی تو سحری کھا کر مولوی صاحب نے گھڑی دیکھی۔ ابھی صرف تین بجے تھے اس پر انھوں نے چائے کی خواہش کی حسینی بیگم سماور دھو کر اس میں آگ اور پانی ڈالے اپنے کمرے میں لیے چلی آئیں اور تخت پر رکھ کر پانی تیار ہونے کا انتظار کرنے لگیں کہ دفعتہ ان کو خیال آیا جس پر اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

حسینی بیگم: اس روز دریاآباد کی مجلس کا آپ نے اشتہار دکھایا جس پر علمی باتیں چھڑ گئیں پھر کچھ نہیں معلوم کہ آپ نے کیا ارادہ کیا۔ مجلس میں جاؤ گے یا نہیں؟

مولوی صاحب: واہ مجھ سے مجلس میں جانے کی بھی خوب پوچھی۔ میں نہیں جا سکتا۔

حسینی بیگم: خیر جانے نہ جانے کا آپ کو اختیار ہے مگر پوچھنے میں کیا برائی تھی جو آپ نے اعتراض کر دیا۔

مولوی صاحب: اس لیے کہ مجلس رافضیوں کا کام ہے جو بالکل بدعت ہے۔ اس میں شریک ہونا جائز نہیں ہے۔

حسینی بیگم: اگر رافضیوں کا کام ہونے کی وجہ سے اس میں شرکت جائز نہیں ہے تو ان کی شادی بیاہ میں آپ لوگ کیوں شریک ہوتے ہیں۔ ان کی انجمن میں کیوں جاتے ہیں اور اگر بدعت ہونے کی وجہ سے شریک نہیں ہوتے تو ذرا بتاؤ یہ بدعت کیوں ہے؟

مولوی صاحب: اس لیے کہ یہ رافضیوں نے ایجاد کیا ہے۔

حسینی بیگم: یہ بتاؤ کہ بدعت کس کو کہتے ہیں؟

مولوی صاحب: کیا تم نہیں جانتیں کہ بدعت کیا ہے۔ بحث کرنے میں تو مجھے مبہوت کر دیتی ہو پھر کیا تمھیں بدعت کی تعریف نہیں معلوم ہوگی؟

حسینی بیگم: مجھے جو معلوم ہے اس سے تو مجلس کسی طرح بدعت نہیں ثابت ہوتی۔

مولوی صاحب: اچھا تم ہی بتاؤ کیسے مجلس بدعت نہیں ہے؟

حسینی بیگم: سنو آپ کے بہت بڑے عالم جناب مولوی وحید الزماں خاں صاحب وقار الملک حیدر آبادی مرحوم نے تحریر فرمایا ہے: بـــدع ''نئی چیز جس کی کوئی مثال پہلے سے نہ ہو''۔ بدعت اس کا مونث..... نعمت البدعۃ یہ حضرت عمر نے تراویح کی ایک جماعت کر دینے کی نسبت کہا۔ یعنی یہ بدعت اچھی ہے۔ بدعت دو قسم کی ہے۔ ایک بدعت ضلالۃ جس کو بدعت سیۂ بھی کہتے ہیں۔ دوسری بدعت ہدایت جس کو بدعت حسنہ بھی کہتے ہیں۔ جو بدعت اللہ اور رسولؐ کے احکام کے خلاف میں ہو وہی بدعت ضلالت اور سیۂ ہے اور جو بدعت اللہ اور رسولؐ کے احکام کے موافق ہو گو اس کی کوئی مثال پہلے سے نہ ہو۔ مثلاً سخاوت کی نئی شکلیں یا عمدہ اور بہتر کاموں کی نئی صورتیں (جیسے کوئی یتیم خانہ یا بیوہ گھر یا بیت المساکین یا بیت المعذورین یا کتب خانہ یا قرض حسنہ کا بینک یا مدرسہ صنعت و حرفت و تجارت و زراعت و علوم دینیہ یا مدرسہ تعلیم طب و علاج و ادویہ قائم کرے)۔ بدعت حسنہ ہے اور اس پر ثواب کی امید ہے۔ بدلیل دوسری حدیث کے

مَنۡ سَنَّ سُنَّۃً حَسَنَۃً کَانَ لَہٗ اَجۡرُھَا وَاَجۡرُ مَنۡ عَمِلَ بِھَا وَمَنۡ سَنَّ سُنَّۃً سَیِّئَۃً کَانَ عَلَیۡہِ وِزۡرُھَا وَوِزۡرُ مَنۡ عَمِلَ بِھَا ا [1]

اور حضرت عمر نے جو تراویح کو بدعت فرمایا وہ اسی معنی پر ہے یعنی بدعت حسنہ ہے کیونکہ افعال خیر میں داخل ہے اور اللہ اور رسولؐ کے احکام کے موافق اور بدعت اس کو اس لیے کہا کہ آنحضرتؐ نے تراویح اس انتظام کے ساتھ نہیں پڑھی تھی جو انتظام حضرت عمر نے کیا تھا بلکہ کئی راتیں پڑھ کر اس کو چھوڑ دیا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق کے زمانہ میں بھی ایسا ہی

[1] یعنی جو شخص کوئی اچھی راہ نکالے اس کو بھی اچھا اجر ملے گا اور جو لوگ اس پر عمل کریں گے ان کا بھی اجر ملے گا اور جو شخص برائی نکالے اس پر بھی اس کا بھی وبال ہوگا اور ان لوگوں کا بھی وبال ہوگا جو اس پر عمل کریں گے

رہا۔ حضرت عمر نے اپنے زمانہ میں سب لوگوں کو ایک قاری کے پیچھے جمع کیا اور روزانہ تراویح پڑھنے کے لیے رغبت دلائی اسی لیے اس کو بدعت کہا فی الحقیقت وہ سنیۃ ہے''۔ (انوار اللغات جلد۲، ص۱۹)

مولوی صاحب: اس تعریف سے بھی مجلس بدعت سیۂ ہی ثابت ہوتی ہے۔

حسینی بیگم: وہ کس طرح

مولوی صاحب: اس لیے کہ یہ بدعت ضلالۃ ہے۔

حسینی بیگم: تو کیوں کر یہ بدعت ضلالتہ ہے۔ اس کو کیوں نہیں بتاتے؟

مولوی صاحب: تو کیا تمھارے خیال میں یہ بدعت حسنہ ہے؟

حسینی بیگم: میرے خیال میں تو بدعت ہی نہیں بلکہ عبادت خدا ہے۔ ایسی عبادت جس کا حکم خدا نے قرآن مجید میں دیا اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیثوں میں بھی اس کی مدح بھری ہوئی ہے۔

مولوی صاحب: تم تو ایسی عجیب وغریب باتیں کرتی ہو جن سے عقل حیران ہو جاتی ہے۔

حسینی بیگم: اگر انصاف کو راہ دیا کرو تو کوئی چیز حیرانی کی نہ ہو۔ دیکھو خدا نے قرآن شریف میں فرمایا ہے: فاذکرونی اذکرکم یعنی ''تم میرا ذکر کرو میں تم لوگوں کا ذکر کروں گا''۔ (پ۲، سورہ بقرآیت ۱۵۲) اس سے یہ تو معلوم ہوا کہ خدا ہم لوگوں کو حکم دیتا ہے کہ اس کو یاد کیا کریں اور ظاہر ہے اس کو یاد کرنا نماز۔ دعا کے علاوہ کسی اور طرح ہونا چاہیے۔

مولوی صاحب: ہاں یہ ٹھیک ہے۔

حسینی بیگم: نہیں میری بات نہ مانو بلکہ آنحضرتؐ کے قول سے سمجھو یعنی اس آیت کے متعلق آنحضرتؐ کی حدیثیں سن لو۔ ان کے ذریعہ سے بحث آسانی سے ختم ہو سکے گی۔ ہمارے اور آپ کے بہت معتبر اور مسلم الثبوت علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال یقول اللہ یوم القیامۃ سیعلم اہل الجمع الیوم من اہل الکرم فقیل ومن اہل

الکرم یا رسول الله قال اہل مجالس الذکر
یعنی ''حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خدا قیامت میں فرمائے گا آج مجمع والے جان لیں گے کون عزت اور شرف والے ہیں۔ صحابہ نے پوچھا ،حضرت عزت وشرف والے کون لوگ ہوں گے؟ حضرت نے فرمایا وہ جو ذکر کی مجلسوں کو کرتے اوران میں شریک ہوتے۔''

پھر علامہ موصوف تحریر فرماتے ہیں:

عن انس عن رسول اللهؐ قال ما من قوم اجتمعوا یذکرون الله لا یریدون بذالك الا وجهه الا ناداهم مناد من السماء ان قوموا مغفورا لکم قد بدلت سیئاتکم حسنات
''یعنی آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جولوگ خدا کی خوشی حاصل کرنے کی غرض سے ایک جگہ جمع ہوکر خدا کا ذکر کریں ان کو آسمان سے ایک منادی ندا دے گا جب تم لوگ یہاں سے اٹھ کر جاؤ گے تو تمھارے سب گناہ بخش دیئے جائیں گے اور تمھاری کل برائیاں خوبیوں میں بدل دی جائیں گی۔''

عن ابی هریره قال ان اهل آسمآء لیرون بیوت اہل الذکر تضیئی لهم کما یضیئی الکوکب لاهن الارض۔
یعنی ''رسول خداؐ نے فرمایا: کہ آسمان والے ان گھروں کو دیکھیں گے جن میں خدا کا ذکر ہوگا۔ وہ فرشتوں کو ایسے چمکتے اور روشن معلوم ہوں گے جیسے ستارے زمین والوں کو چمکتے دکھائی دیتے ہیں۔

پھر لکھتے ہیں:

عن ابن عمر قال قلت یا رسول اللهؐ ما غنیمة مجالس الذکر قال غنیمة مجالس الذکر الجنة۔
''یعنی حضرت ابن عمر نے حضرت رسول خداؐ سے پوچھا کہ جن مجلسوں میں ذکر ہوگا

ان میں شریک ہونے کا ثواب کیا ہوگا؟ فرمایا بہشت ہی مل جائے گی‘‘۔

پھر لکھتے ہیں:

قال رسول الله لیبعثن الله اقواما یوم القیمة فی وجوههم النور علی منابر اللؤلو یغبطهم الناس لیسوا بابنیاء ولا شهداء فقال عرابی یا رسول الله حلهم لنا لغرفهم۔ قال هم المتحالون فی الله من قبائل شتی وبلاد شتی یجتمعون علی ذکر الله یذکرونه۔

’’یعنی آنحضرتؐ نے فرمایا کہ خدا قیامت میں ایسے لوگوں کو مبعوث کرے گا جن کے چہروں میں نور ہوگا۔ وہ موتی کے منبروں پر ہوں گے جن کی شان دیکھ کر دوسرے رشک اور رغبط کریں گے۔ حالانکہ وہ نہ نبی ہوں گے، نہ شہید۔ اس پر ایک عرابی نے عرض کی کہ یا حضرتؐ! ہم سے ان لوگوں کا حلیہ بیان فرمائیں تاکہ ہم ان کو پہچان سکیں۔ فرمایا یہ وہ لوگ جو خدا کے لیے ایک دوسرے سے دوستی رکھیں گے وہ مختلف خاندانوں اور مختلف شہروں کے ہوں گے۔ خدا کا ذکر کرنے کے لیے مجلسوں میں جمع ہوا کریں گے‘‘۔ (تفسیر درمنشور جلد ا، ص ۱۵۱)

اب بتاؤ یہ حدیثیں صحیح ہیں یا غلط؟ یقیناً کہو گے اور ہر مسلمان یہی کہے گا کہ صحیح ہیں۔ تو سوال یہ ہے کہ پھر یہ مجلسیں دنیا کے کس مذہب میں ہوتی ہیں؟ ان کا ہونا ضروری ہے ورنہ حدیث غلط ہو جائے گی جو محال ہے۔ اب تلاش کرو کہ سوا انھیں مجالس کے جن میں خدا کا ذکر، قران مجید کی تفسیر، احکام خدا کا بیان نواہی، اللہ کا تذکرہ۔ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مناقب۔ دین اسلام کے محاسن بیان ہوتے ہیں اور کیا چیزیں ایسی ہیں جو ان احادیث کی مصداق قرار پائیں۔ دیکھو اہلحدیث بھائیوں کے ہاں تو کوئی مجلس ہوتی ہی نہیں۔ رہے ہم لوگ (حنفی جماعت) تو ہمارے ہاں یا میلاد ہوتا ہے یا عرس یا مجلس امام حسینؑ۔

- میلاد کے جلسے وہ جن میں احکامِ خدا و تفسیر قرآن شریف وغیرہ بیان ہوتی ہے وہ تو ضرور ان احادیث کے مصداق ہیں مگر زیادہ تر میلاد ایسے ہوتے ہیں جن میں نہ تو ذکر خدا ہی ہوتا ہے نہ

احکام رسول ؐ بیان ہوتے ہیں بلکہ کسی میں غزل پڑھی جاتی ہے، کسی میں مثنوی، کسی میں کچھ۔ لہٰذا اس قسم کے میلاد بھی ذکر خدا کی مجلسیں نہیں کہے جا سکتے اور اسی وجہ سے تم لوگ ان میلادوں کو بدعت اور باعث ناراضی خدا و رسول ؐ کہتے ہو۔ رہے عرس تو ان میں بھی گانا بجانا، ناچنا، کودنا وغیرہ حرکات ایسے ہوتے ہیں جن کو کوئی شخص ذکر خدا نہیں کہہ سکتا۔ پس جب یہ چیزیں ذکر خدا ہی نہیں تو مذکورہ بالا حادیثوں کا مصداق بھی نہیں ہوسکتیں۔ اب آپ ہی بتائیں وہ کون سی مجلسیں ہیں جو دنیا میں ہوتی ہیں اور ان میں شریک ہونے والوں کا اس قدر ثواب حدیثوں میں مذکور ہے؟ وہابیوں اور حنفیوں وغیرہ سے کوئی بھی اپنے کام کو نہیں کہتا کہ وہ ان حدیثوں کا مصداق ہے اور اس کام میں شرکت کرنے والوں کے لیے یہ سب ثواب ہے اور یہ یقینی ہے کہ دنیا میں ایسی کوئی مجلس ضروری ہے جس میں شریک ہونے والے کو قیامت میں اس قدر ثواب ملے گا۔ پس سوا حضرت امام حسن ؑ یا امام حسین ؑ یا حضرت علی ؑ وغیرہ کی مجلس کے اور تو کوئی چیز میری سمجھ میں ان حدیثوں کا مصداق نہیں معلوم ہوتی۔ یہی مجلسیں وہ مجالس ذکر خدا ہیں جن میں ذاکر منبر پر جاتے ہی اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم (میں برے اور رراندہ شیطان سے خدا کی پناہ حاصل کرتا ہوں) پڑھتا ہے کہ یہ ذکر خدا ہے۔ پھر بسم اللہ الرحمن الرحیم (اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو مہربان اور رحم والا ہے) پڑھتا ہے کہ یہ بھی ذکر خدا ہے۔ پھر خطبہ پڑھتا ہے جس میں حمد و ثناء سے خدا ونعمت حضرت رسالتمآب ؐ ہوتی ہے کہ یہ بھی ذکر خدا ہے، پھر کسی آیت کی تلاوت کرتا ہے کہ یہ بھی ذکر خدا ہے پھر اس کی تفسیر بیان کرتا ہے یہ بھی ذکر خدا ہے۔ پھر توحید و نبوت کے دلائل بیان کرتا ہے۔ اسلام کے محاسن ذکر کرتا ہے۔ معجزات کا امکان سمجھاتا ہے، قدرت خدا کی تصویر کھینچتا، مخالفین اسلام کے اعتراضات کا جواب دیتا، احکام خدا و رسول ؐ کی عقلی خوبیاں دکھاتا ہے۔ یہ سب ذکر خدا ہے۔ پھر آنحضرت ؐ کے ذاتی حالات و واقعات، استقلال حمایت دین وغیرہ ذکر کرتا ہے اور یہ سب ذکر خدا ہے۔ لہٰذا مجالس حضرت علی ؑ و امام حسن ؑ و امام حسین ؑ وغیرہ شروع سے آخر تک ذکر خدا ہی سے بھری رہتی ہیں۔ بس میرے خیال میں تو

وہی مذکورہ بالا حدیثوں کی مصداق ہوسکتی ہیں اور انھیں میں شرکت کرنے والوں کا اس قدر ثواب بیان ہوا ہے۔

مولوی صاحب: مگر صرف قرآن وحدیث ہی کی باتیں وہاں بیان ہوتی ہیں یا تبرا بھی ہوتا ہے؟ حضرت علیؑ کے فضائل بیان ہوتے ہیں؟ ان سب باتوں کو کیوں چھوڑ جاتی ہو؟

حسینی بیگم: شیعوں کی بہت سی مجلسوں میں بھی شریک ہوئی ہوں۔ میرے سامنے تو ان میں تبراء نہیں ہوتا نہ میرے کانوں نے اس کو سنا ہے اور حضرت علیؑ کے فضائل کا بیان تو حقیقت میں حدیث ہی کا بیان ہے اور اس کی اتنی فضیلت ہے کہ حضرت رسول خداؐ نے بیان فرمایا ہے:

عن عائشه ذکر علی عبادة

یعنی ''حضرت عائشہ بیان کرتی تھیں کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ علیؑ کا ذکر عبادت ہے''۔

دوسرے صحابی کا قول بھی سنو:

عن ابن مسعود النظر الی وجه علی عبادة عینی

''ابن مسعود صحابی بیان کرتے تھے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ علیؑ کی طرف دیکھنا بھی عبادت ہے''۔ (کنز العمال جلد ۶، ص ۱۵۲)

اس وجہ سے انصاف پسند علمائے اہل سنت کے ہاں بھی برابر مجلسیں امام حسین ہوتی اور اس میں ان حضرات کا ذکر ہوتا ہے۔

مولوی صاحب: عوام کے ہاں تو میں انکار نہیں کرسکتا مگر علمائے اہل سنت کے ہاں تو مجلس نہیں ہوتی ہے۔

حسینی بیگم: نہیں یہ کیا کہتے ہو۔ ہمارے مذہب کے کتنے بڑے عالم جناب مولانا شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواروی دام ظلہ ہیں۔ ان کے گھر کا حال سنو۔ مولانا ممدوں کے صاحبزادے مولانا حسن میاں صاحب مرحوم نے لکھا ہے: ''الغرض یہ حزن والم عشرہ محرم میں صوفیوں کے ہاں ہمیشہ سے معمولات سے ہے اور محبت اہلبیتؑ کا اثر اس قوم پر سب سے

زیادہ رہا ہے اور رہے گا اور ہمارے خاندان میں تو اہل بیتؑ کی محبت کی گھٹی میں پڑی ہے۔ مجھے اپنے خاندان کے معمولات بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ ادنیٰ اثر اس کا یہ ہے کہ میں یہ کتاب اسی داستانِ غم افزا اور حادثہ روح گزا کی قوم کے سامنے پیش کر رہا ہوں اور اس غم میں رونے اور رلانے کو ثواب عظیم جانتا ہوں اور عشرہ محرم میں ذکر اہلبیت کے سوا دوسرا ذکر نہیں کرتا ہوں۔ جیسا کہ میرے حضرت قبلہ والد ماجد صاحب مدظلہ العالی کا معمول ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے قبول کرے اور موالیان اہل بیت میں محشور کرے۔ آمین۔

و اللھم صلی علی نبینا محمدؐ سید الثقلین ما دمعت العیون علی الحسین[1]

الٰہی بحق بنی فاطمہؑ کہ بر قول ایمان کنم خاتمہ۔ (کتاب غم حسین مطبوعہ لکھنو، ص ۷۰)

اور سنو اخبار سرفراز لکھنو میں جناب شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کا ایک خط اسی مجلس امام حسینؑ کے متعلق چھپا ہے جو شمس العلماء مولانا شبلی صاحب نعمانی مرحوم کے دارالمصنفین اعظم گڑھ کے ماہوار علمی و دینی رسالہ معارف سے نقل کیا گیا ہے۔ وہ مضمون بھی پڑھنے کے قابل ہے۔

مولوی صاحب: سناؤ کیا لکھا ہے۔

حسینی بیگم: وہ مضمون حسب ذیل ہے:

---

[1] یعنی اے اللہ جب تک آنکھیں امام حسینؑ پر آنسو بہاتی رہیں تو حضرت رسول خداؐ پر درود نازل کرتا رہ۔

مصنف تحفہ شاہ عبدالعزیز صاحب کا ایک گراں قدر مکتوب عزاداری ومجالس کے متعلق

موجودہ زمانہ میں مختلف حلقوں سے عزاداری حسین کے مٹانے کی پیہم کوشش کی جارہی ہیں۔ کچھ اس ناپسندیدہ مقصد کے حاصل کرنے کے لیے تحریر وتقریر دونوں سے کام لیا جارہا ہے۔ کبھی ان طریقوں کو بدعت بتایا جاتا ہے۔ کبھی انہیں ہتکی اسلام کا موجب قرار دیا جاتا ہے۔ اصل میں کچھ بھی نہیں ہے ''اموی جنبہ داریوں'' کا جذبہ آلِ رسول ؐ کے تذکروں کا فروغ ایک لحظہ کے لیے گوارانہیں کرسکتا۔ حسینؑ کے زبردست سرفروشانہ اقدام نے اموی سیاست کواس کے اصلی رنگ میں دنیا کے سامنے پیش کردیا تھا۔ ایسی صورت میں جن افراد کو اموی خاندان سے مادی یا روحانی وابستگی ہے وہ اسے کیوں کر پسند کر سکتے ہیں کہ ہر سال اس اموی سیاست کا تارو پود اتنے موثر عنوان سے بکھیرا جائے۔ درحقیقت جو صحیح العقیدہ سنی ہیں اور اس اموی پروپگینڈے کا شکار نہیں بن گئے ہیں انھیں ان'' ناپسندیدہ ساعی'' سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ وہ مجلسیں کرتے ہیں۔ عزاداری کرتے ہیں، حسینؑ اور اہل بیت سے محبت کرنا وہ صرف شیعوں ہی کا حق نہیں سمجھتے ہیں۔ ہمیں مولانا شاہ محمد فخر عالم سجادہ نشین خانقاہ بھاگلپور کا ممنون ہونا چاہیے کہ انھوں نے اپنے قدیمی کتابوں اور خطوں کے ذخیرہ میں سے شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کا ایک پرانا مکتوب عزداری ومجالس کے متعلق حاصل کرکے معارف اکتوبر ۳۳ء آثار علمیہ وادبیہ کے تحت میں شائع کردیا ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب تحفہ اثنا عشریہ کے مصنف ہیں اور اس لیے سنیوں کے واجب الاحترام پیشوا۔ انھیں شیعوں سے جس قدر شدید مخالفت تھی وہ ان کی کتاب تحفہ سے ظاہر ہے۔ ایسی حالت میں

عزاداری و مجالس کے متعلق شاہ صاحب کا اتنا فرمانا بہرحال بے حد اہمیت کا استحقاق رکھتا ہے۔ ضرورت ہے کہ ان کے اس مکتوب کی اشاعت کثیر تعداد میں کی جائے۔ تاکہ حنفی بھائیوں کے عقائد میں مجلس وعزاداری کے متعلق وہابی پروپگینڈے سے فتور نہ پیدا ہو۔

ناظرین سرفراز کی اطلاع کے لیے اس خط کو مع مولانا سید شاہ محمد فخر عالم صاحب کی تمہید کے ذیل میں درج کرنا چاہتا ہوں۔ خط فارسی میں ہے۔ اس لیے عام فائدہ کی غرض سے اس کا ترجمہ آخر میں پیش کیا جاتا ہے۔ فقط (اختر ملہری)

اوراق پارینہ کی جستجو اور تلاش کا یوں تو پہلے ہی سے شوق تھا۔ لیکن اب ان کرم خوردہ اوراق کی قدرت ومنزلت اور بھی بڑھ گئی۔ خاندانی اور پرانے گھروں میں اب تک سینکڑوں ایسی چیزیں موجود ہیں جن کو اگر منصۂ شہود پر لایا جائے تو یقیناً صاحب تحقیق وتدقیق کے لیے اضافہ معلومات، نیز نئے ابواب پر بحث وتمحیص کے دروازے کھل جائیں اور ایسی بہت سی یادگاریں جو ہمارے بزرگوں کے لیے سرمایہ فخر ودانش تھیں اور جن کے نہ ہونے سے اسلاف کے تاریخی حالات تاریکی میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان کا انکشاف واظہار دونوں کے لیے باعث تعریف وتشکر بنے۔ لیکن اس خیال کے لوگ ہیں بھی تو معدودے چند اور اگر کہیں نظر بھی آگئے تو وہ ان نادر مجموعوں کی اشاعت تو علیحدہ چیز ہے۔ کسی کو دکھانا پسند نہیں فرماتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نادر کتابیں اور خطوط الماریوں اور صندوقوں میں پڑے پڑے کرم خوردہ ہو کر دریا آگ کی زد ہو جاتے ہیں۔ یوں تو ہمارے ہاں کے نادرات بھی تلف ہوئے لیکن خدا کا شکر ہے کہ میں ہوش سنبھالتے ہی ان قابل قدر یادگاروں کو سینے سے لگانے لگا۔ قلمی کتابیں اور پرانے خطوط جہاں بھی پاتا بہ حفاظت تمام رکھ چھوڑتا۔

رفتہ رفتہ وہ منتشر اوراق ایک جگہ جمع ہونے لگے اور آخر کار ان قدیم کتابوں اور خطوں کا کافی ذخیرہ مہیا ہو گیا۔ چنانچہ انھیں ذخائر میں ایک تاریخی خط بھی مل گیا جو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا لکھا ہوا ہے۔

یوں تو مراسلہ نگار کی ذات ہی اس قابل ہے کہ جو ٹکڑا بھی آپ کی تصنیف تالیف کامل

جائے ہم لوگوں کے لیے باعث صد نازش ہے چہ جائیکہ ایسے موضوع پر کہ جس کے عمل کی وجہ سے صوفیائے کرام کا گروہ ہدف ملامت ہوتا آ رہا ہے۔ آپ جیسے متقدمین متبحر فاضل و محدث کا لکھا ہوا خط جس میں وہ اپنے عمل اور معمولات کو ظاہر کرتے ہیں کیوں نہ قابل قدر و لائق عمل ہو۔

اس لیے ارباب اثر و تفحص کی دلچسپی کے لیے اس نمیقہ انیقہ کو درج ذیل کرتا ہوں:

نقل خط حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ
بنام احمد یار خان صاحب کشن گنج کھگڑا

از فقیر عبدالعزیز۔ بعد سلام مسنون مکشوف ضمیر ذکا تخمیر باد کہ عنایت نامہ سامی بار دیگر در مقدمہ مرثیہ خوانی وغیرہ وصول نمودہ۔ انچہ دریں باب معمول فقیر است می نواسید از ہمیں جا قیاس باید کرد در تمام سال دو مجلس در خانہ فقیر منعقد می شود یکے مجلس ذکر وفات شریف۔ دوم مجلس ذکر شہادت حسین علیہ السلام و مردم روز عاشور یا یک روز دو روز پیش ازیں قریب چہار صد پانصد کس بلکہ گاہے قریب ہزار کس فراہم می آیند و درود می خوانند بعد ازاں کہ فقیر می برآید و می نشیند ذکر فضائل حسین علیہ السلام کہ در حدیث شریف وارد شدہ در بیان می آید۔ وانچہ در احادیث اخبار شہادت ایں بزرگان و بد مالی قاتلان ایشاں وارد شدہ نیز مذکور می شود بایں تقریب بعضے شدائد کہ بر جناب ایشاں گزشتہ از ورے احادیث معتبر بیان کردہ می شود و ہمدریں ضمن مرثیہ ہائیکہ از مردم غیر یعنی جن و پری حضرت ام سلمہ و دیگر صحابہ شنیدند نیز مذکور میشود بعد ازاں ختم قرآن و پنج آیت خوندہ۔ برما حضرت فاتحہ نمودہ می آید و دریں وقت اگر شخصے خوش الحان اسلام میخواند یا مرثیہ، مشروع شروع میکند۔ اتفاق شنیدن می شود ظاہر است کہ دریں اکثر حضار مجلس را وایں فقیر را ہم وقت و بکا لاحق می شود پاس اگر ایں چیز ہا نز د فقیر بہمیں وضع جائز نمی بود اقدام برآں اصلاً نمی کرد وانچہ امور دیگر نا مشروع است۔ تا حاجت بیان نہ دارو و امام شافعیؒ میفرماید لو کان رفضا حب آل محمدؐ فلیشھد الثقلان انی رافضی زیادہ بجز توفیق حسنات چہ برنگارد۔ مہر (۱۲۸۹)

ھو العزیز اولی الرحیم

ترجمہ مکتوب

فقیر عبدالعزیز کی طرف سے بعد سلام مسنون کے واضح رہے اعالی ہو کہ جناب کا گرامی نامہ دوسری مرتبہ مرثیہ خوانی وغیرہ کے متعلق موصول ہوا۔

اس بارہ میں فقیر کا جو معمول ہے اسے لکھا جاتا ہے اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں۔

پورے سال میں فقیر خانہ پر دو مجلسیں منعقد ہوتی ہیں۔ ایک ذکر وفات شریف کی مجلس دوسرے شہادت حسینؑ کے ذکر کی مجلس جو عاشورہ کے دن یا اس سے ایک دو دن پہلے چار پانچ سو اور کبھی کبھی ہزار کے قریب لوگ جمع ہو جاتے ہیں اور درود پڑھتے ہیں اور جب فقیر باہر آتا ہے اور بیٹھتا ہے تو حسینؑ کے وہ فضائل جو احادیث میں مذکور ہیں بیان کیے جاتے ہیں۔ ان بزرگوں کی شہادت کے متعلق اور ان کے قاتلوں کی بدانجام کے متعلق جو کچھ اخبار واحادیث میں ہے وہ بھی بیان کیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں ان شدائد ومصائب کا بھی تذکرہ ہو جاتا ہے جو احادیث معتبرہ کی رو سے آپ حضراتؑ پر گزرے ہیں اور وہ مرثیے بھی ذکر کیے جاتے ہیں جنھیں حضرت ام سلمہؓ اور دوسرے صحابیوں نے جنوں اور پریوں سے سنا ہے اس کے بعد ختم قرآن پاک اور پنج سورہ پڑھا جاتا ہے اور ماحضر پر فاتحہ کیا جاتا ہے اس وقت میں اگر کوئی خوش الحان شخص سلام یا مرثیہ مشروع شروع کرتا ہے تو اس کے سننے کا اتفاق ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس حالت میں اکثر حاضرین مجلس اور خود فقیر پر گریہ وبکا طاری ہو جاتی ہے۔ اگر یہ سب چیزیں فقیر کے نزدیک اسی طریقہ سے جائز نہ ہوتیں تو کبھی ان پر اقدام نہ کرتا اور دوسرے جو غیر شرعی امور ہیں ان کے بیان کی حاجت نہیں ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں۔ اگر آل محمدؐ کی دوستی کا نام رفض ہے تو دونوں جہاں گواہ رہیں میں رافضی ہوں'' ۔ فقط (گزشتہ سال کے سرفراز محرم نمبر میں شاہ صاحب کے اس خط کا ترجمہ ایک مضمون بعنوان ''عزاداری

شہید کربلا و ایڈیٹر مدینہ کا گمراہ کن فتویٰ'' شائع ہو چکا ہے۔ اس مضمون کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کا یہ خط ان کی فقہ کی کتاب موسومہ فتاوی عزیزی مطبوعہ مجتبائی دہلی کے ص ۱۰۴ پر موجود ہے۔ محرم نمبر کے مضمون خط مذکور کا بہ زبان اردو ترجمہ تھا لیکن معارف اور شاہ صاحب کی فقہ کی کتاب میں فارسی کی مندرجہ بالا اصل عبارت بھی نقل کی گئی جس کی اصل تحریر جناب شاہ فخر عالم صاحب نے ڈھونڈ نکالی ہے۔ (ایڈیٹر) (اخبار سرفراز مورخہ ۱۹ جمادی الثانیہ، ۱۳۵۱ھ، ص۲)

مولوی صاحب: سرفراز تو شیعوں کا اخبار ہے۔

حسینی بیگم: یہ مضمون تو رسالہ اصلاح کھجوا میں بھی شاہ کی کتاب فتاوی عزیزی سے اس سے کئی برس پہلے سے متعدد مرتبہ نقل کیا جا چکا ہے۔ مگر میں نے سرفراز سے اس وجہ سے بیان کیا کہ اس میں رسالہ معارف اعظم گڈھ سے نقل کیا گیا ہے جو ہمارے بہت بڑے علمی مرکز دارالمصنفین کا ارگن ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس قدر معتبر واقعہ ہے کہ ایسے محققانہ رسالہ نے بھی اس کے شائع کرنے میں تامل نہیں کیا۔

مولوی صاحب: میری کتابوں میں بھی تو حضرت شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب فتاوی عزیزی موجود ہے۔ ذرہ اس میں اس کو تلاش تو کرو۔

اوٹھ کر گئیں اور الماری سے کتاب ''فتاوی عزیزی'' نکال لائیں جو ۱۳۲۲ھ میں مطبع مجتبائی دہلی میں چھپی تھی اور کچھ دیر ورق الٹ کر بولیں۔

حسینی بیگم: یہ کیا جلد اول کے صفحہ ۱۰۴ میں یہ عبارت موجود ہے

مولوی صاحب: اب تو کچھ بولا ہی نہیں جاتا ہے۔ جب حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی قدس سرہ ایسے امام اہلسنت بھی مجالس کرتے اور اس میں شریک ہوتے ہوں تو ہم لوگ کیسے عذر کر سکتے ہیں۔

حسینی بیگم: تو میری رائے ہے کہ آج شب کو تم بھی دریا آباد کی مجلس میں ضرور جاؤ۔

مولوی صاحب: نہیں مجھ سے نہیں جایا جائے گا۔

حسینی بیگم: خیر آپ کی خوشی مگر میں اس خیال سے کہتی تھی کہ آپ بڑے عالم ہیں۔ آپ کے علم وفضل اور وعظ وتقریر کا ڈنکا بج رہا ہے۔آپ وہاں جاتے تو ان لوگوں کی مجلسوں کی اصل حقیقت ظاہر ہو جاتی کہ واقعاً کیا بیان کرتے اور کس طرح اس کو انجام دیتے ہیں۔اس میں کون کون سی باتیں قابل اعتراض ہوتی ہیں اور کن اسباب سے وہ ترک کرنے کے قابل ہے۔

مولوی صاحب: اچھا تمھارا اصرار ہے تو میں ضرور جاؤں گا اگرچہ وہاں میرا دل نہیں لگے گا اور جو سنوں گا بھی ادھر توجہ نہیں ہوگی۔

حسینی بیگم: کیوں؟

مولوی صاحب: اس لیے کہ تم جانتی ہو آج کئی ہفتہ سے آریوں نے ہم لوگوں کو پریشان کر رکھا ہے۔کانپور، رامپور، سہارنپور، دیوبند، میرٹھ، دہلی، امرتسر لاہور وغیرہ کے بڑے بڑے زبردست علماء کرام تشریف لائے ہیں مگر آریوں نے معجزات حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق ایسے ایسے اعتراضات کر رکھے ہیں کہ ہم لوگ جواب دیتے دیتے تھک گئے مگر انصاف یہ ہے کہ اعتراضات کا واقعی جواب اب تک ہوا ہی نہیں مشکل یہ ہے کہ زمانہ سائنس اور فلسفہ کا ہے۔آریئے جو کہتے ہیں اس کو پڑھے لکھے مسلمان بھی دل سے صحیح سمجھ لیتے ہیں اور ہم لوگوں کا جواب آریہ تو آریہ خود مسلمانوں کی تشفی نہیں کرتا بلکہ ان لوگوں کا شبہ اور بڑھ جاتا ہے۔

حسینی بیگم: افسوس یہ ہے کہ میں ٹھہری پردہ نشین ورنہ کم از کم آریوں کی تقریر تو سن لیتی اور ان کے اعتراضات پر خود بھی غور کرتی۔

مولوی صاحب: تم بیچاری کیا ہو۔ جب ہندوستان کے کل بڑے زبردست اور مسلم الثبوت علمائے حنفی واہلحدیث اس اہتمام سے انجمن میں بلائے گئے ہیں اور اس قدر صرف کثیر کر کے ان کو ٹھہرایا گیا اور فیصلہ کن مناظرہ کا ارادہ کر لیا گیا ہے پھر بھی ہم لوگوں کے بنائے کچھ نہیں بنتی اور لطف یہ ہے کہ ہم سب دن بھر آریوں سے مناظرہ کرنے کے بعد شب کو جامع مسجد میں اکٹھے ہوتے اور نماز عشاء کے بعد دیر تک آپس میں رائے ومشورہ بھی کرتے

ہیں کہ فلاں اعتراض کا کیا جواب دیا جائے اور آریہ یہ کہیں تو ہم کیا کہیں ہر قسم کی کتابیں بھی الٹی جاتی ہیں۔غرض ۲۳ مشہور مناظر اور عالم آج کئی ہفتہ سے اسلام کی اس مصیبت کو دفع کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور خرچ کررہے ہیں مگر مناظرہ کسی طرح ختم ہی نہیں ہوتا ہے اور چونکہ اس شہر کے اہلحدیث میں مجھ ہی کو لوگ ممتاز سمجھتے ہیں اس وجہ سے مجھے زیادہ پریشانی رہتی ہے کہ مقامی رکن میں ہی ہوں جب دل ودماغ اس قدر تھکا ہوا ہو اور پھر دن بھر روزہ کی صعوبت بھی اٹھانی پڑے تو اب رات کو مجلس میں کیا دل لگے گا۔لیکن یہ بات تم نے اچھی کہی کہ شیعہ اپنی مجلسوں کی تعریف میں بہت مبالغہ کرتے ہیں وہاں جانے ہی سے اس کی حقیقت واضح ہوجائے گی۔انشاءاللہ جاؤں گا۔

حسینی بیگم: تو مغرب کی نماز جلد پڑھ کر یہاں چلے آنا کہ کھانے سے فوراً فراغت کرلو معلوم نہیں وہاں کب تک رہنا ہو۔

مولوی صاحب: نہیں میرا کھانا نہ پکانا۔وہیں کھانے کی دعوت بھی تو ہے اور اشتہار دے کر ان صاحب نے یہ بھی کہا تھا کہ کھانا وہیں کھایئے گا۔

حسینی بیگم: ہاں پھر یہی مناسب ہے کہ وہیں کھاؤ اسلامی اخلاق کا حکم بھی یہی ہے۔

مولوی صاحب: خیر دیکھو وہاں جانے پر کیا ہوتا ہے مجھے تو ہر نئے کام سے وحشت ہوتی ہے۔اپنی عمر میں کبھی مجلس میں شریک ہوا ہی نہیں۔جس سے طبیعت رکتی ہے۔

غرض ۱۴/ ماہ رمضان المبارک کا دن کسی طرح ختم ہوا۔مولوی صاحب نے روزہ افطار کرکے نماز مغرب پڑھی اور کچھ دیر کے بعد نماز عشاء سے فراغت کرکے گاڑی منگوائی اور دریاآباد روانہ ہوگئے۔

✿✿✿✿✿

بارھواں باب

دریا آباد کی مجلس شب ۱۵ ماہ صیام

مولوی صاحب دریا آباد مجلس میں پہنچے تو نہایت شاندار اہتمام دیکھا۔ گیس کی روشنی سے امام باڑہ بقعۂ نور بنا ہوا تھا اور وہ اس طرح آراستہ کیا گیا تھا کہ اگر اس کی تفصیل کی جائے تو کئی ورق اسی میں صرف ہو جائیں۔ مولوی صاحب کی گاڑی پہنچی تو کئی معزز میزبان دوڑے ہوئے آئے اور سلام و مزاج پرسی کے بعد نہایت پرتپاک الفاظ میں زحمت تشریف آوری کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد اس کمرے کی طرف لے جانا چاہا جہاں افطار کا سامان چنا ہوا تھا اور ہر آنے والے سے اصرار کیا جاتا تھا کہ مجلس کے پہلے کچھ افطار کر لیں۔ پھر مجلس کے بعد کھانا کھائیں گے۔ مگر مولوی صاحب نے عذر کیا کہ میں افطار کر چکا ہوں۔ ابھی کچھ نہیں کھا سکتا۔ تب آپ کے گلے میں پھولوں کا ہار پہنایا، عطر لگایا اور پان دیا گیا۔ پھر آپ کو لا کر منبر کے قریب ایک قیمتی قالین پر بٹھایا گیا۔ وہاں بانی مجلس کچھ دیر تک رسمی باتیں (شکریہ وغیرہ) کی کرتے رہے۔ پھر حقہ اور چائے حاضر کی گئی۔ مولوی صاحب نے پینا شروع کیا۔ جب ایک پیالی ختم ہو گئی تو اصرار کیا گیا کہ ایک اور حاضر کی جائے مگر انھوں نے انکار کیا۔ ساڑھے آٹھ بجے مجلس شروع ہوئی۔ لکھنو سے ایک عالم جلیل بیان کرنے کے لیے تشریف لائے تھے وہ منبر پر تشریف لے گئے تو درود کی آواز سے پورا امام باڑہ گونج گیا۔ مولانا صاحب نے اولاً عربی زبان میں نہایت فصاحت سے ایک طویل خطبہ پڑھا جس سے مولوی صاحب بہت محظوظ ہوئے اور وجد میں جھومتے رہے۔ اس کے بعد ممدوح نے سورہ قمر (پارہ ۲۷) کی آیت:

وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَةً یُّعْرِضُوْا وَیَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ

یعنی ''جب کفار کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے اور کہتے ہیں کہ یہ تو بڑا زبردست جادو ہے''۔

کی تلاوت کی۔ پھر اس کا ترجمہ کر کے اس کی تفسیر بیان کرنے لگے جو معجزات کے امکان اور اس کے وقوع کی مفصل شرح تھی۔ مولانا نے اس بحث میں معجزات کے متعلق ایسے فلسفی اور حکمی مسائل بیان کیے کہ تمام مجمع جس میں جدید تعلیم یافتہ حضرت کا کافی حصہ تھا پھڑ کتا اور دفور مسرت میں درود سے اظہار جذبات کرتا رہا۔ مگر مولوی صاحب کی حالت تو یہاں بیان ہی نہیں ہوسکتی۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ علم وحکمت کی ایک نئی دنیا میں پہنچ گئے ہیں۔ وہ اس محویت سے ایک ایک لفظ کو سنتے تھے کہ اگر رات بھر وہ تقریر جاری رہتی تو انھیں خبر بھی نہیں ہوتی کہ کس قدر وقت گزر گیا۔ مولانا نے اسی بحث میں معجزہ شق القمر پھر معراج کے بارے میں ایسے ایسے نکتے اور اس قدر زبردست اور واجب القبول دلیلیں بیان کیں کہ مولوی صاحب مبہوت ہو گئے اور کل اہل مجلس کی کمال اشتیاق سے متوجہ رہے۔ کامل ایک گھنٹہ تک مولانا نے معجزات ہی کی عقلی دلیلیں بیان کیں اور اس کے ذیل میں موجودہ سائنس وفلسفہ کی طرف سے جو جو اعتراضات ہوتے یا ہوسکتے تھے ان سب کو تفصیل سے نقل کرتے اور پھر ہر ایک کی دھجیاں اڑاتے گئے۔ بہت سے بی۔اے اور ایم۔اے وکیلوں، بیرسٹروں اور پروفیسروں کی حالت یہ تھی کہ ایک دوسرے کا منہ تکتے تھے اور معلوم ہوتا تھا کہ مولانا صاحب وہ علمی جادو کر رہے ہیں جس سے سب کے سب بے ہوش ہو رہے ہیں اور ان کے استدال کی قوت اس قدر زبردست تھی کہ ان لوگوں کی زبان سے واہ وارہ، واہ، سبحان اللہ۔ جزاک اللہ۔ بارک اللہ کی آواز بلند ہو جاتی تھی۔

اور کتنے تعلیم یافتہ تو درمیان میں یہ بھی بولتے گئے کہ بے شک ایسے زمانہ میں ایسے ہی واعظوں کی ضرورت ہے اور آپ ہی حضرات کے ذریعہ سے اسلام کی حفاظت ہوسکتی ہے۔ کئی معزز تعلیم یافتہ ہندو حضرات تھے وہ سب بھی ان مدلل بیانات سے بے خود ہو رہے تھے۔ غرض معلوم ہوتا تھا کہ واقعاً مولانا سحر کر رہے ہیں۔ جس موقع پر چاہا ہنسا دیا، جس وقت چاہا لوگوں کو متحیر کر دیا۔ جس وقت چاہا سب سے بے اختیار درود پڑھوا دیا۔ بانی مجلس اس محفل کا رنگ دیکھ کر مارے خوشی کے پھولے نہیں سماتے تھے۔ معجزات کے بعد مولانا نے خلافت کا

مسئلہ شروع کیا اور ایسی خوبصورتی سے اس پر تقریر شروع کی کہ اپنے مذہب کی حقیقت کی ہر بات کہتے گئے اور کسی کو بری نہیں معلوم ہوئی۔ اس کے بعد حضرت امام حسنؑ کے حالات زندگی اور فضائل و مناقب اس خوبی سے بیان کیے کہ پورا مجمع وجد میں جھومتا رہا۔ تقریباً دو گھنٹہ بیان کر کے مولانا ممدوح منبر سے نیچے تشریف لائے تو ہر طرف ''سبحان اللہ، سبحان اللہ۔ کیا قدرۃ کلام ہے۔ کیا اعجاز بیان ہے۔ کیا کیا مطالب عالیہ آپ نے ارشاد فرمائے کیسی آپ نے حمایت اسلام فرمائی۔ کس قدر ایمان کی جلا ہوگئی''۔ وغیرہ آواز دیر تک بلند رہی۔ مومنین ایک دوسرے سے بغل گیر بھی ہو رہے تھے کچھ دیر بعد بانی مجلس نے لوگوں کو کھانے پر تشریف لے چلنے کی خواہش کی (سوا ہندو یا چند مسلمانوں کے جنہوں نے بعض معقول عذر کر کے معافی مانگی) سب لوگ اس بڑے کمرے میں گئے جہاں دستر خوان بچھا ہوا اور نہایت پر تکلف کھانے چنے ہوئے تھے۔ مولوی صاحب بھی تشریف لائے اور لکھنوی مولانا صاحب کی بغل میں بیٹھے انھوں نے بھی مولانا صاحب کی بہت مدح وثنا کی اور تعریف کے پل باندھ دیئے اور واقعاً مولوی صاحب ان مولانا صاحب کی قابلیت اور کمال کا کلمہ پڑھنے لگے تھے اور دل میں سوچتے تھے کہ کسی طرح مولانا صاحب کو دو روز کے لیے روک کر مناظرہ میں لے چلیں تاکہ آریوں کے اعتراضات کی مصیبت دفع ہو۔ مگر ان کی زبان سے یہ بات کسی طرح نکلتی نہیں تھی۔ جب کھانے سے فراغت ہوگئی تو کئی اہل سنت تعلیم یافتہ حضرات نے مولوی صاحب کو علیحدہ لے جا کر یہ مشورہ کیا کہ ''کسی طرح مولانا صاحب کو آریوں کے مناظرہ میں لے چلنا چاہیے۔ یقین ہے کہ ایسا جواب دیں گے جس سے آریوں کو شکست ہو جائے گی''۔

مولوی صاحب: میرے دل میں بھی یہی خیال دیر سے ہو رہا ہے۔ مگر جب تک اپنے علمائے اعلام سے میں دریافت نہ کرلوں اس وقت تک مولانا صاحب سے کیوں کر کہہ سکتا ہوں۔

تعلیم یافتہ حضرات: اِن لوگوں سے دریافت کرنے کی تو کچھ ایسی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ آپ کی تحریک کافی ہوگی۔ آپ ہی یہاں کے رکن اعظم اور اس مناظرہ کی روح رواں ہیں۔

مولوی صاحب: نہیں جب کئی ہفتہ سے ان لوگوں کے ذمہ یہ کام کر دیا گیا ہے تو بغیر ان کی رائے کے کوئی جدید انتظام کرنا مناسب نہیں ہے۔

تعلیم یافتہ حضرات: اگر مولانا صاحب کل صبح لکھنؤ واپس گئے تب کیا ہوگا؟

مولوی صاحب: ہاں یہ تردد مجھے بھی ہے۔

تعلیم یافتہ حضرات: پھر کیوں نہ اس وقت یہ وعدہ لے لیا جائے کہ مولانا صاحب کل شب کو اپنا کچھ وقت ہم لوگوں کو دیں۔ اگر رائے ہوگئی تو آریوں سے مناظرہ فرمائیں ورنہ اسی مناظرہ کے میدان میں صرف معجزات پر ایک زبردست تقریر فرمائیں جو آج سے زیادہ مبسوط اور جامع ہو۔

مولوی صاحب: یہ تدبیر بہتر ہے۔

یہ مشورہ کر کے سب حضرات مولانا صاحب کے پاس پہنچے اور اسی بات کو ذکر کیا۔ مولانا صاحب نے اپنی عدیم الفرصتی کا عذر کیا مگر ادھر سے زیادہ اصرار ہوا اور بانی مجلس نے بھی بہت زور دیا کہ ''یہ اسلام کی بڑی خدمت کا وقت ہے اور اس وقت آریوں کے اعتراضات سے مسلمان بہت شرمندہ ہو رہے ہیں۔ اگر آپ ان لوگوں کی تشفی کر دیں گے تو بہت بڑا احسان بھی ہوگا اور حمایۃ ایمان بھی ہوگی'' تو مولانا صاحب ایک روز اور رہنے پر راضی ہو گئے جس سے بانی مجلس بھی نہایت شکرگزار ہوئے۔

✿✿✿✿✿

بارھواں باب

آریوں سے لکھنوی مولانا صاحب کا مناظرہ

جس وقت مولانا صاحب نے آریوں سے مناظرہ کرنے کا وعدہ کرلیا اس وقت ان تعلیم یافتہ حضرات اور خصوصاً مولوی عبدالغفار صاحب کو جو خوشی ہوئی بیان نہیں ہوسکتی۔ سب نے دیر تک ممدوح کا شکریہ ادا کیا اور اپنے اپنے گھر واپس آئے۔ چونکہ مولوی صاحب شب کو بہت دیر کر کے مکان پر پہنچے اس وجہ سے آج حسینی بیگم سے اس مجلس کے متعلق کوئی بات نہیں ہوئی۔ صبح جلد اٹھ کر مولوی صاحب ان علمائے کرام کے پاس پہنچے جو ہندوستان کے مختلف مقامات سے آریوں کے ساتھ مناظرہ کرنے کو آئے تھے اور شب کا پورا واقعہ بیان کیا۔ پھر ان سے کہا ''اگر آپ حضرات اجازت دیں تو لکھنوی مولانا صاحب کو بھی مناظرہ میں شریک کرلیا جائے۔ میرے خیال میں معجزات کے متعلق وہ بہت زبردست سلاح ہیں اور آریوں کا دنداں شکن جواب دیں گے''۔

مگر جب کوئی بات کسی مجمع میں بغرض رائے اور مشورہ پیش کی جاتی ہے تو آسانی سے طے نہیں ہوتی اور مختلف باتیں نکلنے لگتی ہیں۔ اس تجویز کے متعلق بھی ایک پورا مباحثہ شروع ہوگیا۔ کوئی صاحب کچھ کہتے تھے کوئی صاحب کچھ ارشاد فرماتے تھے۔ بے چارے مولوی عبدالغفار صاحب ٹھہرے اکیلے اور ادھر بہت سے جلیل القدر علماء اور وہ بھی ایسے جن سب کا احترام ضروری۔

مولوی صاحب ہر شخص کا مناسب جواب دیتے مگر تنہا کیا کرسکتے۔ غرض بہت دیر تک گفتگو کرنے کے بعد بھی بات طے نہیں ہوئی اور یہ مسئلہ یوں ہی رہ گیا۔ دو تین گھنٹہ تک محنت شاقہ کرنے کے بعد مولوی صاحب اپنے مکان پر واپس آئے اور کچھ دیر آرام کیا اور پھر نماز ظہر کے لیے مسجد میں گئے۔ اس سے فراغت کر کے پھر میدان مناظرہ میں پہنچے۔ آج مناظرہ دو بجے دن سے مقرر تھا۔ ٹھیک وقت پر شروع ہوا۔ کل جو اعتراضات آریوں نے کیے تھے اور جن کے کافی

جوابات اس روز علماء نہ دے سکے تھے ان کا جواب شروع کیا گیا۔ مگر ہر جواب پر پھر آریوں نے ایسے ایسے اعتراضات کیے کہ علمائے اسلام ان کا مفصل جواب نہ دے سکے۔ غرض ۵ بجے شام تک دونوں فریق پوری قوت سے مقابلہ کرتے رہے مگر کسی طرح بحث طے نہیں ہوئی۔ تب مناظرہ دوسرے دن کے لیے ملتوی کیا گیا۔ اس وقت وہ تعلیم یافتہ حضرات بھی جو شب کو دریا آباد کی مجلس میں گئے تھے اور مولوی عبدالغفار صاحب سے اصرار کرتے تھے کہ لکھنوی مولانا صاحب کو بھی مناظرہ میں شریک کرلیا جائے اپنے اپنے کاموں سے فارغ ہوکر مکان پر پہنچ گئے ان سب کو معلوم ہوا کہ آج بھی مسلمانوں نے آریوں کا تشفی بخش جواب نہیں دیا اور مناظرہ ختم نہیں ہوسکا تو وہ حضرات خود ان علمائے اسلام کے پاس گئے اور بہت آرزو منت کی کہ آج شب کو پھر مناظرہ کیا جائے اور اس میں لکھنوی مولانا صاحب ضرور شریک کیے جائیں۔ بہت دیر تک سمجھانے کے بعد ان حضرات کو راضی کیا۔ اس کے بعد کل حضرات آریہ مناظرین کے پاس پہنچے اور ان سے کہا کہ اتفاق سے ایک مولانا صاحب لکھنؤ سے آگئے ہیں۔ ہم لوگوں کی خواہش ہے کہ ان کو بھی مناظرہ میں شریک کرلیا جائے اور آج شب کو بھی اسی میدان میں مناظرہ ہوتا کہ ہم لوگ بھی شریک ہو سکیں۔ آریہ حضرات نے پہلے کچھ عذر کیا مگر زیادہ اصرار کرنے سے راضی ہوگئے۔ اس وقت بڑی کوشش کرکے مسلمانوں کو مطلع کردیا گیا کہ آج شب کو ۸ بجے پھر آریوں سے مناظرہ شروع ہوگا۔ گو وقت کم ہونے کی وجہ سے دور دور کے محلوں میں خبر نہیں پہنچ سکی مگر ذی اثر مسلمانوں کے متوجہ ہو جانے کی وجہ سے بہت بڑا مجمع ہوگیا اور خاص کر اہل علم مسلمان اور ہندو تو کافی تعداد میں جمع ہو گئے۔ ٹھیک ۸ بجے مناظر شروع ہوا۔ لکھنوی مولانا صاحب نے کہا کہ ”پہلے آریہ حضرات معجزات کے متعلق اپنے کل اعتراضات کا خلاصہ ایک تقریر میں بیان کردیں تاکہ میں سمجھ سکوں۔

ہمارے اور ان کے درمیان کن امور پر بحث ہوگی“۔

اس کو سب نے پسند کیا اور آریہ جماعت کے ایک تجربہ کار مناظر نے ۳۰ منٹ تک تقریر کرکے اپنے اعتراضات ذکر کیے۔ جب وہ صاحب اپنی تقریر ختم کرکے بیٹھے تو لکھنوی مولانا صاحب اٹھے اور کہا کہ: ”حاضرین جلسہ!

تسلیم۔ میں آج اس صحبت میں پہلی دفعہ حاضر ہوا ہوں اور آخری دفعہ بھی ہے کیونکہ مجھے کل صبح ہی لکھنؤ واپس جانا ضروری ہے لہٰذا اپنے معزز آریہ بھائیوں کے اعتراضات کے متعلق میں ایک معقول تقریر کرنی چاہتا ہوں جو شاید ایک گھنٹہ میں ختم ہو سکے امید ہے کہ آپ حضرات بحث کو جلد ختم کرنے کے لیے مجھے اس کی اجازت دیں گے جب میں اپنی تقریر تمام کرلوں تب ہر شخص کو اختیار ہوگا کہ اس پر جو اعتراض چاہے پیش کرے۔ اگر مجھ سے ممکن ہوگا تو پھر جواب الجواب عرض کروں گا ورنہ ان اعتراضات کو مان کر سپر انداختہ ہو جاؤں گا''۔

اس پر مجمع سے آواز آئی کہ ''ہاں آپ پہلی تقریر بے تکلف ایک گھنٹہ کر سکتے ہیں'' جس کے بعد مولانا صاحب نے اپنا بیان شروع کیا اور مجمع کی یہ حالت تھی کہ ہر منٹ پر بڑھتا ہی جاتا تھا کیونکہ مسلمانوں نے کوشش کی تھی کہ دس بجے شب تک دور دور کے محلوں کے مسلمانوں کو خبر ہوتی رہے خواہ کوئی آئے یا نہ آئے۔ مگر چونکہ کئی ہفتہ سے اس مناظرہ نے شہر کے مسلمانوں میں ایک عام بے چینی پیدا کر رکھی تھی اس وجہ سے جس کو جس وقت بھی خبر ہو جاتی تھی۔ گاڑی، موٹر، لوری کرکے وہاں پہنچتا جاتا تھا۔ غرض لکھنوی مولانا صاحب کی تقریر شروع ہوتے وقت کئی ہزار مسلمانوں کا مجمع جمع ہو چکا تھا۔ آپ کا بیان سلجھا ہوا اور عام فہم تھا کہ ہر طرف سے واہ واہ، سبحان اللہ کے نعرے بلند ہوتے اور تھوڑی تھوڑی دیر پر اللہ اکبر کی آواز مسلمانوں کے دلی جذبات کی ترجمانی کرتی تھی۔ آریہ حضرات بت بنے ہوئے سن رہے تھے۔ مولانا صاحب کا عنوان خطاب اس قدر مہذب، شیریں اور دوستانہ تھا کہ کل غیر مسلم حضرات نہایت دلچسپی سے ایک ایک لفظ سنتے اور خوش بیانی کا پورا مزہ اٹھا رہے تھے۔ محویت کی یہ حالت تھی کہ جو شخص جس طرح کھڑا یا بیٹھا تھا اسی طرح رہا زانو بدلنے تک کا خیال نہ ہوا۔ معلوم ہوتا تھا کہ مولانا ممدوح کا بیان مقناطیسی خزانہ ہے جو سب مخاطبین کو اپنی طرف جذب کرتا جاتا ہے۔ ایک گھنٹہ تقریر ہوگئی مگر لوگوں کے اشتیاق کی یہ حالت تھی کہ سب اس کے جاری رہنے کے لیے بے چین تھے۔ اب مولانا رکے اور فرمایا:

حضرات! آپ نے مجھے ایک گھنٹہ کی اجازت دی تھی۔ اگرچہ میں اپنا پورا مطلب واضح نہ کر سکا مگر وعدہ کی پابندی میں اپنا بیان ختم کرتا ہوں۔ اب جن حضرات کو اعتراض کرنا

ہوتقریر فرمائیں''۔ یہ کہہ کرآپ بیٹھ گئے اس پر ہر طرف سے تعلیم یافتہ ہندو اور آریوں نے شور کیا کہ ''نہیں نہیں آپ بیان فرمائیں۔ ہم لوگوں کی پیاس باقی ہے۔ کسی کو کچھ کہنا نہیں ہے۔ سبحان اللہ آپ تو علمی وعقلی باتوں کے دریا بہارہے ہیں آپ تو بحث واستدلال کی عجیب وغریب دنیا کی سیر کرارہے ہیں۔ خدا نے کیا قابلیت آپ کو عنایت کی ہے اور آپ کے دماغ کو کیسی لیاقت عطا کی ہے۔ آپ ایک نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئے۔ خدا کے واسطے ابھی اور بیان فرمائیں۔ ابھی ہم لوگوں کی سیری نہیں ہوئی، غرض دیر تک اسی قسم کی آوازیں بلند رہیں تو مولانا صاحب پھر اٹھے اور کہا'' اچھا حضرات آپ کی مجھ غریب الوطن پر اس قدر مہربانی ہے تو پھر سمع خراشی کرتا ہوں مگر اب کسی وقت کی تعین نہیں کرسکتا۔ میں اپنی کج مج زبان سے جو ہو سکتا ہے پھر ادا کرتا ہوں جو صاحب جس وقت چاہیں میرے بیان پر اعتراض کردیں۔ میں اسی وقت جواب دینے کی کوشش کروں گا اور جو صاحب میری تقریر سے گھبرا جائیں وہ فوراً بے تکلف مجھ سے فرمادیں میں خاموش ہو جاؤں گا''۔ اس کے بعد پھر تقریر شروع کی اور سائنس وفلسفہ کی رو میں وہ وہ باتیں بیان کرنے لگے کہ بہت سے حضرات جو بی۔ ایس۔ سی، ایم۔ ایس۔ سی کی ڈگریاں حاصل کر چکے تھے اور بہت سے وہ طلبہ جو سائنس وفلسفہ کے اعلیٰ درجوں میں پڑھتے تھے اس تقریر پر مبہوت ہو رہے تھے ایسی ایسی مثالیں ذکر فرمائیں جن کا جواب ممکن ہی نہیں ہے اور ایسے ایسے مناظر عالم کی تشریح کی جس کی حقیقت سمجھنے سے انسانی عقلیں عاجز نظر آتی ہیں۔ غرض اس دفعہ پورے سوا دو گھنٹے تک آپ نے وہ زبردست تقریر کی کہ آلہ اباد کی زمین میں مدت دراز تک یاد رہے گی۔ ہر طرف سے واہ وا سبحان اللہ۔ سبحان اللہ کی آواز بلند تھی اور کئی آریہ حضرات نے کہا کہ: ''حضرت! واقعا! ہم نے مان لیا کہ جب آپ جیسا مقرر دنیا میں ہوسکتا ہے جو ایک خود معجزہ معلوم ہوتے ہیں تو اب معجزات کے متعلق شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ خدا نظر بد سے بچائے۔ آپ پوجنے کے لائق ہیں اور ہماری جماعت میں اگر آپ جیسا فلسفی ہوتو ہم لوگ اس کے پاؤں کے نیچے اپنی آنکھیں بچھائیں۔

حدیث حُسَیْنُ مِنِّیْ وَاَنَا مِنَ الْحُسَیْن کا مطلب
(حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں)

لکھنوی مولانا صاحب کی دونوں تقریروں کا مولوی عبدالغفار صاحب پر ایسا زبردست اثر ہوا کہ کئی روز تک ان کو انھیں باتوں کا تصور رہا اور وہ اس کی کوشش کرتے رہے کہ جو کچھ مولانا صاحب نے بیان کیا ان سب مطالب کو قلمبند کر لیں۔ چنانچہ بہت کچھ انھوں نے نوٹ بھی کر لیا۔ مگر سنی ہوئی باتیں کل کیوں کر لکھی جا سکتی ہیں۔ جب اس واقعہ کو کئی دن گزر گئے تو ایک روز سحری کھانے کے بعد ان کی حسینی بیگم سے اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

حسینی بیگم: جب سے آپ دریا آباد کی مجلس میں گئے ایسے متردد اور متفکر رہے کہ مجھے اس مجلس کا حال پوچھنے کا موقع بھی نہ ملا۔ کہو وہاں کیا دیکھا اور کیا پایا۔

مولوی صاحب: جو کچھ تم نے کہا تھا سب کو درست دیکھا اور صحیح پایا۔

حسینی بیگم: کیا مذاق کر رہے ہو۔

مولوی صاحب: نہیں بقسم کہتا ہوں کہ تمھاری کل باتیں سچی ثابت ہو گئیں ہم لوگ محض ناواقف ہونے کی وجہ سے مجلس کو اتنی بری سمجھتے تھے۔ ورنہ حقیقت میں وہ علوم دینیہ کی تعلیم کی ایک اعلیٰ جگہ ہے اور جو لوگ بڑی کتابوں کو دیکھ نہیں سکتے۔ یا دقیق مضامین خود سمجھ نہیں سکتے ان کے لیے یہ مجلسیں بہترین استاد ہیں جو ایک دو گھنٹہ میں اتنی باتیں بتا دیتی ہیں کہ مہینوں میں لوگوں کو معلوم نہیں ہو سکتیں۔ میں آریوں کے مناظرہ سے کس قدر پریشان تھا اور کتنے بڑے بڑے علماء کرام مختلف مقامات سے آئے تھے وہ سب بھی عاجز ہو رہے تھے مگر اس مجلس میں

معجزات ہی کے متعلق مولانا صاحب نے ایسی تقریر کی کہ میری آنکھیں کھل گئیں اور خدا نے جوفرمایا ہے: ان من البیان لسحرا یعنی یقیناً بیان میں جادو کا اثر ہے اس کی تصدیق ہوگئی۔ اس وجہ سے دوسرے روز انھیں مولانا صاحب کو لاکر آریوں کے مقابلہ پیش کیا گیا۔ انھوں نے تین گھنٹہ سے زیادہ ایسی مدلل۔ مفصل۔ جامع محققانہ اور شیریں تقریر کی کہ ہزاروں ہندوں ومسلمان مولانا صاحب کا کلمہ پڑھ کر اٹھے اور کسی ایک آریہ کو بھی اس پر کوئی اعتراض نہیں ملا۔ سب کے سب بت بنے ہوئے سن رہے تھے ان کا بیان اس قدر زبردست تھا کہ کسی کو پائخانہ پیشاب تک کا حس نہ ہوا۔ عجیب دماغ پایا ہے اور نہ معلوم کس قدر قوت خدا نے ان کے ذہن اور زبان میں پیدا کردی۔

حسینی بیگم: یہ بات نہیں ہے۔ وہ لوگ چونکہ برابر اس فن میں مشغول رہتے ہیں اور ان کو اچھے اچھے مضامین بیان کرنے کی مشق ہوتی رہتی ہے۔ اس وجہ سے مضامین عالیہ ہی ان سے نکلتے ہیں اور پھر ان کی نیت بھی تو خالص صرف مذہب کی حمایت ہوتی ہے۔ اس وجہ سے خدا ان کی مدد بھی کرتا ہے۔

مولوی صاحب: البتہ مولانا صاحب نے ایک حدیث یہ بھی بیان فرمائی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے حسین منی وانا من الحسینؑ ۔ یہ حدیث میں نے بھی تو کہیں دیکھی ہے مگر اس کا مطلب نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امام حسینؑ سے کیوں کر ہوئے۔

حسینی بیگم: یہ حدیث تو بہت مشہور اور کئی صحابیوں اور کئی طریقوں سے موجود ہے۔ علامہ شبلنجی کی کتاب نورالابصار، ص ۱۲۶۔ علامہ ابن حجر مکی کی کتاب صواعق محرقہ، ص ۱۱۴۔ مولانا صدر الدین صاحب کی کتاب روائح المصطفیٰ، ص ۴۳ اور خود مشکوۃ شریف جلد ۸، ص ۱۳۶۔ جامع ترمذی شریف، ص ۴۶۶ وکنز العمال جلد ۶، ص ۲۲۰ وغیرہ میں موجود ہے۔ اسی طرح ہزاروں کتابوں میں ہے بلکہ شائد ہی کوئی کتاب ایسی ہو جس میں حضرت امام حسینؑ کے فضائل لکھے ہوں اور یہ حدیث نہ لکھی ہو۔ مگر اس حدیث کے متعلق آپ کو تردد کیا ہے۔

مولوی صاحب: یہ کہ حضرت امام حسینؑ کا حضرت رسول خداؐ سے ہونا تو ظاہر ہے کہ آپ حضرتؐ کے نواسے تھے تو آپ کا وجود حضرتؐ ہی کے وجہ سے ہوا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ ہوتے تو نہ جناب فاطمہؑ پیدا ہوتیں نہ حضرت حسینؑ موجود ہوتے۔ مگر حضرتؐ نے اپنے کو کس معنی سے فرمایا کہ میں حسینؑ سے ہوں۔ باپ سے بیٹا اور نانا سے نواسا ہوتا ہے مگر نواسے سے نانا کیسے ہوسکتا ہے؟ یہ بات تو کسی طرح عقل میں نہیں آتی ہے حالانکہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول ہے جو کسی طرح غلط نہیں ہوسکتا اور نہ کسی وجہ سے بے معنی ہوسکتا ہے۔ اس میں کوئی راز ضرور ہے۔ جو ہم لوگوں کی سمجھ میں نہیں آسکتا۔

حسینی بیگم: البتہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث عقلوں کو حیران کر دینے والی ہے۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے تو اس کے حاشیہ پر اس کی شرح اس طرح لکھی گئی ہے:

حسینؑ منی وانا من حسینؑ کانه صلی الله علیه وسلم علم بنور الوحی ما سیحدث بینه وبین القوم فخصه بالذکر و بین انهما کالشی الواحد فی وجوب المحبة و حرمة التعرض والمحاربة وآلد ذلك بقوله احب الله من احب حسینا فان محبته محبته الرسول و محبته الرسول محبة الله (جامع ترمذی جلد۲ص۴۶۶مطبوعہ لکھنؤ)

بعینہ یہی مضمون علامہ ملا علی قاری کی شرح مشکوٰۃ مطبوعہ مصر جلد ۵، ص ۶۰۵ میں بھی ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہوا کہ حضرتؐ نے جو فرمایا کہ حسینؑ مجھ سے ہیں اور میں حسینؑ سے ہوں تو گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نور وحی نبوت سے معلوم ہو گیا تھا کہ امام حسینؑ اور حضرتؐ کی امت کے درمیان کیا واقع ہونے والا ہے۔ اس وجہ سے حضرتؐ نے امام حسینؑ کو خاص طور پر ذکر کیا اور واضح فرمایا کہ حضرت رسول خداؐ اور امام حسینؑ کی محبت کے واجب ہونے اور ان کی مخالفت کے حرام ہونے اور ان سے جنگ کے ممنوع ہونے میں ایک چیز ایسے ہیں اور خدا نے اس بات کی تاکید بعد والے جملے سے کی کہ اللہ دوست رکھے گا اس کو

جو دوست رکھے گا حسینؑ کو۔ اس لیے کہ امام حسینؑ کی محبت بعینہ رسولؐ کی محبت اور رسولؐ کی محبت بعینہ اللہ کی محبت ہے۔

مولوی صاحب: مگر اس حدیث کا یہ مطلب تو دل کو لگتا نہیں ہے۔

حسینی بیگم: کیوں؟

مولوی صاحب: اس لیے کہ اگر صرف خصوصیت محبت ہی ظاہر کرنا تھی تو حضرتؐ کی دوسری حدیثیں اس مضمون کے واضح کر دینے کے لیے کافی تھیں جیسے فرمایا: **اللھم انی اجھما فاجھما و احب من یحبھا** یعنی ''اے اللہ میں ان دونوں کو دوست رکھتا ہوں تو بھی ان کو دوست رکھ اور جو لوگ ان دونوں کو دوست رکھیں ان کو بھی دوست رکھ''۔ (جامع ترمذی، ص ۴۶۶) بس اسی سے معلوم ہو جاتا کہ وجوب محبت میں حضرت رسول خداؐ اور امام حسینؑ ایک چیز ہیں۔ علاوہ بریں اگر حضرتؐ کا یہی مطلب ہوتا تو جناب سیدہؑ اور حضرت حسنؑ کے بارے میں بھی حضرتؐ یہی مضمون ذکر فرماتے۔

حسینی بیگم: ہاں میرا بھی خیال ہے کہ حضرتؐ کا مطلب یہ نہیں تھا بلکہ کچھ اور تھا اور وہ بہت گہرا مضمون ہے۔

مولوی صاحب: وہ کیا۔ کوئی نیا نکتہ تم نے ایجاد کیا؟

حسینی بیگم: میرا ذہن دو باتوں کی طرف جاتا ہے۔ ایک یہ کہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلیٰ کمالات میں ایک شہادۃ کا درجہ باقی رہ گیا تھا جس سے خدا نے حضرتؐ کو محروم رکھا اور اس وجہ سے حضرتؐ کی افضلیت ناقص رہی جاتی تھی تو خدا نے حضرت کو امام حسینؑ کے ذریعے سے یہ کمال عطا فرمایا جس سے حضرت کو درجہ شہادت بھی حاصل ہو گیا اور وہ نقص جاتا رہا۔ اس مضمون کو حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے زیادہ واضح لکھا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

اعلم رحمك الله تعالىٰ ان الكمالات التى افترقت فى الانبياء قد اجتمعت فى بينـنا فقد اعطى الخلافة كما اعطى آدمؑ و داودؑ

اعطى الملك كما اعطى سليمان ؑ واعطى الحسن كما اعطى يوسف واعطى الخلة كما اعطى ابراهيم واعطى الكلام كما اعطى موسىٰ واعطى العبادة كما اعطى يونس واعطى الشكر كما اعطى نوح و قد زيدت له كمالات اخر من انواع الوالايات والمحبوبية المطلقة والاصطفاء المطلق والرواية والقرب الاتم والشفاعة العظمى والجهاد مع اعداء الله الى غير ذلك من الكمالات كالعلم الوسيع والعرفان الاتم والقضاء وانقيا والاجتهاد والاحتساب والقراءة وغيرها۔ لكن بقى له كمال لم يحصل له بنفسه وهى الشهادة۔ والسر فى عدم حصولهاله بنفسه انه لو استشهد فى الحرب ادى ذلك الى كسرشوكة الاسلام و اختلال الدين ولو استشهد عليه وسرا كماوقع لبعض خلفائه لم يشتهر امر شهادة بل و لاتمت الشهادة لان تمام الشهادة ان يقتل الرجل فى الغربة والكربة وان يعقرجواد ه و يلقى حبثة مطروحة و يقتل حوله جمع كثير من اعزة اصحابه و اقاربه وان ينهب ماله وان توسر نسائه وايتامه كل ذلك فى ذات الله فاقتضت حكمة الله ان بليحق هذا الكمال العظيم بسائر كما لاته بعدد وفاة وانقضاء ايام خلافة التى تنافى المغلوبية والمظلومية برجال من اهل بيته بل باقرب اقربه واعزا ولاده ومن يكون فى حكم ابنائه حتى تلحق حالهم لم بحاله و يندرج كما لهم فى كماله۔ فتوجهت عناية الله بعد انقضاء ايام الخلافة الى هذا الالحاق فاستنابت الحسنين عليهما السلام مناب جدهما ؑ عليه افضل الصلوات والتحيات وجعلتها مرأتين

لملاحظته و خدین لجماله

''یعنی اے مسلمانو! اللہ تم پر رحم کرے اس بات کو جان لو کہ جو کمالات انبیاء میں الگ الگ تھے وہ سب ہمارے پیغمبر (حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں مجتمع ہو گئے تھے جیسے حضرت آدمؑ داوُدؑ کو خلافت دی گئی تھی حضرتؑ کو بھی دی گئی اور جیسے حضرت سلیمانؑ کو بادشاہت دی گئی تھی۔ حضرتؑ کو بھی دی گئی اور جیسے حضرت یوسفؑ کو خوبصورتی دی گئی تھی۔ حضرتؑ کو بھی دی گئی اور جیسے حضرت ابراہیمؑ کو خلت (دوستی) تھی، حضرتؑ کو بھی دی گئی اور جیسے حضرت موسیٰؑ کو کلام دیا گیا۔ حضرتؑ کو بھی مرحمت ہوا اور جیسے حضرت یونسؑ کو عبادت دی گئی، حضرتؑ کو بھی عطا کی گئی اور جیسے حضرت نوحؑ کو شکر دیا گیا، حضرتؑ کو بھی عنایت کیا گیا اور ان سب کے علاوہ بھی بہت سے کمالات حضرتؑ کو زیادہ دیئے گئے۔ جیسے ولایت کی مختلف قسمیں محبوبیۃ مطلقہ۔ اصطفاء مطلق رویۃ۔ پورا قرب۔ شفاعۃ عظیمہ دشمنان خدا کے ساتھ جہاد۔ علم وسیع۔ عرفان کامل۔ فیصلہ قضایا۔ فتاوی۔ اجتہاد۔ احتساب۔ قرأۃ وغیرہ۔ لیکن ان سب کمالات کے بعد حضرتؑ میں ایک کمال باقی رہ گیا تھا جو حضرتؑ کو بنفسہ نہیں حاصل ہوا اور وہ شہادت ہے اور اس کا راز کہ خود حضرتؑ ہی کو یہ فضیلت کیوں نہ حاصل ہوئی ہے یہ ہے کہ اگر حضرتؑ خود کسی جہاد میں شہید ہو جاتے تو آپ کی شہادت سے شوکت اسلام جاتی رہتی اور دین الہی میں بڑی خرابی پیدا ہو جاتی اور اگر حضرت اپنی جگہ اس طرح شہید ہو جاتے کہ کوئی دشمن آپ کو دھوکے سے اور چھپ کر قتل کر دیتا جیسا کہ بعض خلفاء رسولؐ کے بارے میں واقع ہوا تو حضرتؑ کی شہادت کا واقعہ مشہور نہیں ہوتا اور شہادت کا درجہ بھی پورا نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ کمال شہادت تو یہ ہے کہ کوئی شخص عالم مسافرت اور حالت کرب و مصیبت میں قتل کیا جائے اور اس کی سواری کا گھوڑا اپے کر دیا جائے اور اس کا بدن زمین پر

چھوڑ دیا جائے اور اس کے گرد اس کے عزیز صحابہ اور اقربہ سے بڑی جماعت قتل ہو کر پڑی رہے اور اس کا مال و اسباب لوٹ لیا جائے اور اس کی عورتیں اور یتیم بچے قیدی بنا دیئے جائیں اور اس کو یہ سب مصیبتیں خدا کی راہ میں پہنچیں تو خدا کی حکمت اس بات کو مقتضی ہوئی کہ یہ کمال عظیم حضرت ؐ کے باقی کمالات میں حضرت ؐ کی وفات کے بعد اضافہ ہوا اور حضرت ؐ کی خلافت کی مدت تمام ہونے کے بعد یہ فضیلت حاصل کریں تا کہ حضرت ؐ کی مغلوبیت و مظلومیت کے منافی ہو اور اس کے بھی حکمۃ الٰہی مقتضی ہوئی کہ حضرت ؐ کو یہ شرف حضرت کے اہلبیت ؑ کے کچھ لوگوں بلکہ حضرت ؐ کے نہایت ہی قریبی رشتہ داروں بلکہ عزیز ترین اولاد کے ذریعہ سے حاصل ہو وہ اولاد جو حضرت ؐ کے فرزندوں کے حکم میں تھی تا کہ ان لوگوں کا حال واقعاً حضرت ؐ کے حال سے ملحق ہو جائے اور ان لوگوں کا کمال حضرت کے کمال میں درج ہو جائے۔ اسی وجہ سے حضرت ؐ کی خلافت کا زمانہ گزرنے کے بعد خدا کی عنایت اس طرف متوجہ ہوئی کہ یہ کمال بھی حضرت ؐ کے کمالات میں بڑھا دیا جائے۔ اسی غرض کے لیے خدا کی عنایت نے حضرت امام حسن ؑ و امام حسین علیہما السلام کو حضرت ؐ کے جد بزرگوار کا قائم مقام بنا دیا اور ان دونوں حضرات ؑ کو حضرت ؐ کے کمالات و فضائل کے ملاحظہ کا دو آئینہ اور حضرت ؐ کے جمال کا دو رخسارہ قرار دیا تا کہ حضرت ؐ کے کمال شہادت کی تصویر ان دونوں کی شہادت میں نظر آئے''۔

اس کے بعد تحریر فرمایا ہے:

لما كانت الشهادة على قسمين شهادة سر و شهادة علانية قسمت عليهما فاختص السبط الاكبر بالقسم الاول۔ ولما كان امرها مستورا لم يظهر لها ذكر في الوحي وابهم امرها عند الوقوع ايضا حتى وقعت على يدي زوجته۔ والزوجية من علائق

المحبة دون العداوة و كل ذلك لانه مبنى على السّر والا خفاء ولذلك لم يخبر به النبى صلى الله عليه وآله وسلم ولا اميرالمومنين عليه التحية والثناء ولا غيرهما واختص السبط الاصغر بالقسم الثانى ولما كان مبنى امره على الشهرة والاعلان انزل اولا فى الوحى على لسان جبرئيل وغيره- من الملائكة ثم تبعيين المكان وتسميته و تعيين الزمان وهو راس الستين- ثم اشتهراره واعلن ذكره على لسان اميرالمومنين كرم الله وجهه فى سفره الى صفين- ثم لما وقعت واقعة الشهادة اشتهر امرها بانقلاب التربة وما وامطار الدم من السماء وهتف الوهاتف بالمراثى و نوح الجن وبكائهم وطواف السباع حافظات لحبثة و دخول الحيات فى مناظر قاتليه الى غير ذلك من اسباب الشهرة ليطلع الحاضرون والغائبون على وقوعها بل با بقاء البكاء والحزن المستمر و تذكر تلك الوقائع الهائلة فى امته الى يوم القيامة فقد بلغت نهاية الشهرة فى الملاء اعلىٰ والاسفل والغيب والشهادة والجن والانس والناطق والصامت

چونکہ شہادت کی دو قسمیں ہیں ایک چھپی ہوئی شہادت اور دوسری کھلی ہوئی شہادت۔ اس وجہ سے خدا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کو ان دونوں صورتوں پر تقسیم کر دیا اس طرح کہ پہلی قسم (چھپی ہوئی) شہادت کے لیے حضرتؐ کے بڑے نواسے امام حسنؑ اختیار کر گئے مگر چونکہ اس شہادت کا حال پوشیدہ رہا اس وجہ سے وحی میں بھی اس کا کوئی ذکر نہیں ہوا اور اس کے واقع ہوتے وقت اس کا حال بھی لوگوں پر مشتبہ رہا یہاں تک کہ امام حسنؑ کی یہ شہادت حضرتؑ کی زوجہ ہی کے ہاتھوں واقع ہوئی اور معلوم ہے کہ زوجیت محبت کے تعلقات سے ہے نہ کہ عداوت کے علاقوں

ہے اور یہ سب اسی سبب سے ہوا کہ اس شہادت کی بناء ہی راز داری اور پوشیدگی پر تھی کہ کوئی جاننے نہ پائے اور یہ بات چھپی رہے۔ اسی وجہ سے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے بھی اس (امام حسن علیہ السلام) کی شہادت کی خبر نہیں دی نہ کسی اور ذریعہ سے اس کی پیشن گوئی کی گئی اور دوسری (کھلی ہوئی) شہادت کے لیے حضرتؐ کے چھوٹے نواسے امام حسینؑ کا انتخاب ہوا اور چونکہ اس شہادت کی بناء اس کو اچھی طرح مشہور اور اعلان کر دینے اور ہر جگہ پھیلا دینے پر تھی اس وجہ سے پہلے اس کی پیشن گوئی حضرت جبرئیل وغیرہ فرشتوں کی زبان پر وحی کی صورت میں نازل کی گئی پھر اس جگہ کی تعین کی گئی جہاں یہ واقع ہونے والا تھا پھر اس جگہ کا نام بتایا گیا پھر وہ زمانہ بھی بتایا گیا جب یہ واقع ہونے والا تھا جو ۶۱ھ کا شروع تھا۔ پھر اس شہادت کا حال خواب اچھی طرح مشتہر کیا گیا اور اس کے ذکر کا اعلان کیا گیا۔ اس طرح کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام جنگ صفین میں جاتے وقت کربلا میں اترے اور اس پیشن گوئی سے لوگوں کو باخبر کر دیا پھر جب یہ واقعہ شہادت واقع ہو گیا تب اس کے حال کا اشتہار (خدا کی طرف سے) اس طرح دیا گیا کہ مٹی خون بن گئی اور آسمان سے خون کی بارش ہوئی اور غیبی ہاتفوں نے حضرت کے مرثیے کہے اور جنات نے حضرت پر نوحہ پڑھا اور گریہ و بکا کیا اور حضرت کے جسم مبارک کی حفاظت کے لیے شیر اور دوسرے درندے اس کے گرد گھومتے رہے اور حضرت کے قاتلوں کے نتھنوں میں زندہ سانپ گھستے اور نکلتے رہے اسی طرح اور بہت صورتوں سے اس واقعہ کو مشہور کیا گیا تا کہ سب لوگ اس شہادت سے مطلع ہو جائیں اور جو لوگ اس موقع پر موجود تھے اور وہ جو غائب تھے وہ سب بھی جان جائیں کہ یہ شہادت عظیم واقع ہو گئی۔ بلکہ خدا نے اس امت میں اس تدبیر کو جو جاری کیا کہ لوگ ہمیشہ اس پر رویا اور نوحہ و ماتم کیا کریں اور قیامت تک اس پر حزن و غم کریں اور ان ہولناک مصیبتوں کو ذکر کیا کریں اس کی غرض بھی یہی ہے کہ اس واقعہ کا اچھی طرح

اشتہار ہوتا رہے تو یہی نتیجہ بھی حاصل ہوا کہ اس واقعہ کی نہایت درجہ شہرت ہوگئی اور آسمان وزمین اور حاضر وغائب اور جن وانس اور انسان وحیوانات سب ہی اس سے باخبر ہوگئے۔(رسالہ سرالشہادتین درتحریرالشہادتین مطبوعہ لکھنؤ ص۱۴ تا ۲۰)

اب اس حدیث کا مطلب اس بیان سے ملاؤ تو صاف سمجھ میں آجائے گا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں حسینؑ سے ہوں۔یعنی میری نبوت ورسالت کا ایک بڑا اکمال شہادت جس سے میں خود محروم رہا میرے فرزند حسینؑ کے ذریعہ سے مجھے حاصل ہوگا یعنی میری رسالت حسینؑ کی وجہ سے کامل ہوگی۔کیونکہ اگر حسینؑ نہ ہوتے تو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت ناقص رہ جاتی حضرت امام حسینؑ نے اس کو پورا کردیا۔ جس سے حضرت میں وہ تمام کمالات جمع ہوگئے جو دوسرے انبیاء میں تھے اور اب کوئی نبی یا کوئی رسول حضرتؐ سے بڑھنے نہیں پایا نہ حضرتؐ پر وہ فخر کرسکے گا۔مختصر یہ کہ اس حدیث کا معنی یہ ہوا کہ میں حسینؑ کے ذریعہ سے ہی کامل ہوا۔میں حسینؑ کے سبب سے جمیع کمالات نبوت کا جامع ہوا۔میں حسینؑ کیذریعہ سے اس قابل ہوا کہ اب کوئی نبی یا رسول کسی صفت میں مجھ سے عظیم نہیں۔

مولوی صاحب: ہاں اس حدیث کا یہ مطلب اس مطلب سے کہیں بہتر اور چسپیدہ ہے جو ترمذی شریف کے حاشیہ کا تم نے پہلے بیان کیا۔اس میں تو شک نہیں کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کمال شہادت نہیں حاصل ہوا اور جب حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمتہ اللہ علیہ جیسے امام جلیس اس کی وجہ بیان کریں اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعہ سے اس کا حاصل ہونا ثابت کریں تو کس کو عذر ہوسکتا ہے اور دنیا بھی اس کو تسلیم کرتی ہے کہ شاگرد کا فضل حقیقت میں استاد کا فضل کہا جاتا ہے اور بیٹے کا کارنامہ واقعاً باپ کی طرف منسوب ہوتا ہے۔

حدیث اَنَا مِنَ الْحُسَیْن کا دوسرا مطلب
حقا کہ بنائے لا الہ است حسینؑ کی شرح

مولوی صاحب: تم نے کہا تھا کہ اس حدیث کے مطلب میں تمھارا ذہن دو باتوں کی طرف جاتا ہے ایک تو تم نے بیان کیا اب دوسری کو بھی بتاؤ۔

حسینی بیگم: حضرت رسالتمآبؐ کی خلقت اور بعثت محض اس لیے ہوئی کہ آپ آدمیوں کے برے حالات کی اصلاح فرمائیں، ان کی خرابیاں دفع کریں، ان کی جہالت مٹائیں، ان کو ہدایت کریں، علم و حکمت سکھائیں اور ان کے اخلاق طرزِ زندگی کو درست کریں۔ چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے حضرت کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

> ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم ایتہٖ ویز کیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضَلٰلٍ مبین
>
> ''یعنی وہ خدا وہی ہے جس نے جاہل لوگوں میں ایک پیغمبرؐ انھیں میں سے بھیجا جو ان کو خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتا اور ان کو پاکیزہ کرتا، ان کو کتاب اور عقل کی باتیں سکھاتے اگرچہ اس کے پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔'' (پ ٢٨، سورہ جمعہ)

اور خود حضرتؐ نے بھی اپنی خلقت اور بعث کی علت یہ بیان فرمائی: **انما بعثت لا تمم مکادم الاخـــلاق** ''یعنی میرے پیغمبر بنا کر بھیجے جانے کی غرض صرف یہ ہے کہ میں لوگوں کی ہدایت اور ان کی خرابیوں کی اصلاح کروں اور مکارم اخلاق کو اعلیٰ درجہ تک پہنچا دوں''۔ (جامع صغیر ص ۵، منتخب کنز العمال جلد ا، ص ٣٢) اور اس غرض کے حاصل کرنے کے لیے حضرتؐ نے دنیا کی

تمام لذتیں چھوڑ دیں، کل نعمتوں سے باز آئے۔ سب خوشیوں سے محروم رہے بلکہ اس کے عوض آپ کو ساحر کاذب مجنوں کہا گیا۔ آپؐ کے دوست احباب نے آپ کو چھوڑ دیا۔ آپؐ کے چچا ابولہب تک آپ کا دشمن ہوگیا۔ آپؐ پر کوڑا پھینکا جاتا، ڈھیلا پتھر مارا جاتا، آپؐ سے تمام تعلقات قطع کر دیئے گئے جس سے آپؐ شعب ابی طالب میں پناہ گزیں ہو گئے۔ اس قید نے حضرتؐ اور حضرتؐ کے ساتھیوں کو ایسی اذیت میں مبتلا کر دیا کہ یہ حضرتؐ بھوک کے مارے درختوں کے پتے کھانے لگے۔ غرض دنیا کے ہر آرام سے محروم اور ہر مصیبت و پریشانی میں مبتلا ہونا حضرتؐ نے پسند کیا۔ صرف اس لالچ میں کہ لوگ سیدھے راستہ کو اختیار کر کے اپنی حالت درست کریں، اپنی برائیوں کو چھوڑ دیں اور اپنے اخلاق کو ترقی دیں۔ اس کوشش میں حضرت کو اپنے پیارے وطن مکہ معظمہ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھوڑنا پڑا مگر حضرت نے اس بات کو پسند نہ کیا کہ آپ کی قوم اور ملک والے جس اخلاقی پستی میں چلے جا رہے ہیں اس میں پڑے رہیں اور جن مفاسد کو مٹانے کے لیے آپ بھیجے گئے تھے وہ ان میں باقی رہ جائیں۔ اس وجہ سے عمر بھر اس خدمت کو انجام دیتے رہے اور اس میں بہت بڑی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔ مگر حضرت کو علم نبوت سے یہ بھی معلوم تھا کہ تھوڑے ہی زمانہ کے بعد اسلام کی صورت پھر بگاڑ دی جائے گی اور جن خرابیوں کو مٹا رہے ہیں وہ دوبارہ پیدا ہو جائیں گی اور جن اخلاق کو حضرت درست کر رہے ہیں وہ جلد ہی پھر برے ہو جائیں گے اور اس وقت پھر میری غرض بعثت (یعنی مکارم اخلاق کو ترقی دینے اور لوگوں کو سیدھی راہ بتانے کا کام) حسینؑ انجام دیں گے اور وہ اپنی شہادت قبول کر کے حق باطل کو الگ الگ کر دیں گے اور شیطانی راستوں سے انھی راہوں کو چھانٹ دیں گے۔ اس وجہ سے حضرت نے فرمایا: اَنَا مِنَ الْحُسَيْنِ یعنی میری خلقت و بعثت کی غرض چونکہ حسینؑ سے دوبارہ پوری ہوگی اور انھیں سے لوگ ایمان کو پھر پائیں گے اس وجہ سے میں ان سے ہوں یعنی میری کامیابی ان کے واسطے سے ہے کہ انھیں کی شہادت میری نبوت کو دوبارہ قیامت تک کے لیے کامیاب بنائے گی۔ مختصر یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دنیا میں تشریف لانے کی غرض اور اس دنیا میں قیام فرمانے کی ضرورت صرف دو تھی ایک کہ حضرت

آدمیوں کو بری باتوں سے الگ کر دیں، دوسری یہ کہ ان کو اچھی باتوں میں لگائیں اور حضرت اپنی زندگی کے آخری وقت تک انھیں دونوں امروں کی کوشش فرماتے رہے مگر خدا نے حضرت کو علم نبوت کے ذریعہ سے آگاہ کر دیا تھا کہ تمھارے انتقال کے کچھ دنوں کے بعد یہ دونوں باتیں بدل دی جائیں گی اور تمھاری محنت ضائع کر دی جائے گی۔ اس وقت تمھارا فرزند حسینؑ ان لوگوں کی اطاعت نہیں کرے گا اور نہ ان کی باتیں ان کو گوارہ ہوں گی آخر وہ اپنا شہید ہونا اختیار کر کے تمھارے آنے کی اصلی غرض کو پھر زندہ کرے گا جس سے لوگوں کو حق و باطل کی تمیز ہو جائے گی اور اچھے برے کی شناخت کرنے لگیں گے۔ اس وجہ سے حضرت نے فرمایا کہ میں حسینؑ سے ہوں یعنی میرے دنیا میں آنے کی غرض حسینؑ سے پوری ہوگی اور میرے مبعوث ہونے کا دائمی نفع حسینؑ سے حاصل ہوگا۔

مولوی صاحب: حضرت کے آنے کی دو غرض کیوں کر بدل دی گئی۔

حسینی بیگم: معاویہ کا عہد حکومت یاد کرو جس میں اس قدر اسلام شکن باتیں پھیل گئی کہ تمام دنیائے اسلام پر رفتہ رفتہ چھا گئیں اس وجہ سے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کو اسلام کی یہ خراب صورت حال خواب میں دکھائی گئی۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

> ''یعنی حضرت رسول خداؐ نے خواب میں نبی فلاں کو دیکھا کہ حضرت کے منبر پر بندروں کی طرح اچک رہے ہیں تو حضرت کو بڑی اذیت ہوئی اس کے بعد حضرت اپنی وفات تک ہنستے ہوئے نہیں دیکھے گئے اور خدا نے یہ آیت نازل کی کہ جو خواب ہم نے تم کو دکھایا ہے وہ لوگوں کے لیے فتنہ ہے''۔

اب نبی فلاں کون تھے اس کی تصریح اسی کے بعد کی روایتوں میں اس طرح ہے: قال رسول اللہ رایت بنی امیہ علی منابر الارض وسیملکونکم فتجد ونہم ارباب سوء واھتم رسول اللہ لذالک فانزل اللہ وما جعلنا الایۃ۔ ''یعنی حضرت رسول خداؐ نے فرمایا کہ مجھے خواب میں دکھایا گیا کہ بنی امیہ منبروں پر ہیں اور وہ بہت جلد تم لوگوں کے بادشاہ بن جائیں گے۔ تم ان کو شرارتوں کے سردار اور مالک پاؤ گے۔ اس خواب سے

حضرت رسول خداؐ محزون ومغموم رہتے تھے تب خدا نے یہ آیت نازل کی کہ اے رسول اللہ! جوخواب ہم نے تم کودکھایا ہے الخ۔اس کے بعد ہی یہ روایت بھی ہے: **ان رسول اللہ اصبح وھو مھموم فقیل مالك یا رسول اللہ فقال انی اریت فی المنام کان بنی امیہ یتعاورون منبری ھذا فقیل یا رسول اللہ لا تھتم فانھا دنیا تنالھم فانزل اللہ وما جعلنا الایۃ** ''یعنی حضرت رسول خداؐ ایک صبح کومحزون ومغموم اٹھے۔لوگوں نے عرض کی یا حضرت آج کس بات کا غم ہے؟ حضرت نے فرمایا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ بنی امیہ بار بار میرے منبر پر چڑھتے اور اترتے ہیں،لوگوں نے کہا یا حضرت جانے دیجئے اس کا افسوس نہ کیجئے کیونکہ یہ دنیا ہی تو ہے جواُن کو ملے گی اس پر خدا نے وہ آیت نازل کی (تفسیر درمنشور جلد ۴،ص ۱۹۱) اسی وجہ سے خدا نے اس خاندان کو **والشجرۃالملعونہ** (لعنت کیا ہوادرخت) فرمایا ہے(پ ۱۵،ع ۶)چنانچہ حضرت عائشہ نے بنی امیہ کے رکن مروان بن حکم سے فرمایا تھا کہ: **سمعت رسول اللہ یقول لابیك وجدك انكم الشجرۃ الملعونۃ** ''یعنی میں نے حضرت رسول خداؐ سے سنا کہ تیرے باپ دادا کے بارے میں فرماتے تھے کہ تم لوگ لعنت کیے ہوئے درخت ہو''۔(تفسیر درمنشور جلد ۴،ص ۱۹۱)اورعلامہ طبری نے بھی لکھا ہے: **فمما لعنھم اللہ بہ علی لسان نبیہ وانزل بہ کتابا قولہ الشجرۃ الملعونہ فی القران ونخوفھم فما یزیدیھم الا طغیانا کبیرا ولا اختلاف بین احدانہ داد بھا بنی امیہ** ''یعنی ان باتوں سے جن سے خدا نے اپنے رسولؐ کے ذریعہ ان لوگوں پر لعنت کی اوراس لعنت کو اپنی کتاب میں بھی نازل فرمایا خدا کا یہ قول والشجرۃالملعونہ ہے یعنی وہ درخت جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے۔غرض باوجودیکہ ہم ان لوگوں کو ڈراتے رہے لیکن ہمارا ڈرانا ان کی سرکشی کو اور درجہ زیادہ کرتا رہا اور کسی کو اس بات میں اختلاف نہیں ہے کہ خدا کی مراد اس شجرہ ملعونہ سے بنی اُمیہ ہیں۔(تاریخ طبری مطبوعہ مصر جلد ۱۱،ص ۳۰۶،تفسیر کبیر جلد ۵،ص ۶۰۶ میں بھی یہ مضمون ہے بلکہ بہت سی تفسیروں میں موجود ہے)۔اب زمانہ معاویہ کی دو ایک حکایت سنو

کہ اسلام کی روح کس درجہ پامال کر دی گئی تھی۔ علامہ مسعودی لکھتے ہیں:

ان رجلا من اهل الكوفة قد دخل على بعيرله الى دمشق فى حال منصرفهم عن صفين فتعلق بدرجل من دمشق فقال هذه ناقتى اخذت منى بصفين فارتفع امرهما الى معاويه وقام الدمشقى خمسين رجلابينة يشهدون انها ناقته فقضى معاويه على الكوفى وامره تبسليم البعير اليه فقال الكوفى اصلحك والله انه جمل وليس بناقة فقال معاويه هذا حكم قد مضى ودس الى الكوفى بعد تفرقهم فاحضره وسئله عن ثمر بعيره فدفع اليه ضعفه وبره واحسن اليه و قال له ا بلغ عليا انى اقابله بمائة الف ما فيهم من يفرق بين الناقة والجمل

''یعنی جب کوفہ کے لوگ جو حضرت ؓ کے ساتھ جنگ صفین میں گئے تھے وہاں سے واپس آنے لگے تو ان میں ایک شخص اپنے اونٹ پر سوار شہر دمشق میں داخل ہوا۔ اس کے پہنچتے ہی شامی ایک شخص اس سے لپٹ گیا اور کہا یہ تو میری ہی اونٹنی ہے جو تو نے جنگ صفین میں مجھ سے چھین لی تھی''۔ اس کوفہ والے نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ نہیں یہ میرا اُونٹ ہے۔ بات بڑھ گئی تو فیصلہ کے لیے مقدمہ معاویہ کے پاس پیش کیا گیا وہ بیچارہ کوفی اکیلا تھا وہاں گواہ کہاں سے لاتا مگر شامی نے پچاس آدمیوں کو گواہی کے لیے کھڑا کر دیا جن سب نے گواہی دی کہ'' یہ اونٹنی اس شامی کی ہے''۔ اس پر معاویہ نے فیصلہ دیدیا کہ بیشک یہ اونٹنی اس شامی کی ہے اس کے حوالہ کر دی جائے۔ اس پر وہ کوفی چلایا کہ اے امیر! خدا آپ کی اصلاح کرے یہ بھی تو دیکھیے کہ یہ لوگ اس کے اونٹنی ہونے کی گواہی دیتے ہیں مگر یہ تو اونٹ ہے۔ اونٹنی ہے ہی نہیں۔ اس کو آپ کیسے دلواتے ہیں؟'' معاویہ نے کہا: ''اب فیصلہ ہو چکا۔ اس کی کوئی اپیل نہیں سنی جاسکتی غرض وہ شامی وہ وانٹ لے کر چلا گیا اور کوفی بیچارہ منہ تکتا رہا۔ جب شامیوں کا مجمع وہاں سے ہٹ گیا اور

معاویہ اکیلا ہوا تب کسی شخص کو آہستہ سے اس کوفی کے پاس بھیج کر اسے بلایا اور پوچھا کہ: ''بتاؤ تمھارے اونٹ کی کیا قیمت تھی؟'' اس نے بتادی اس پر معاویہ نے اس کو دوگنی رقم دے دی اور اس کے ساتھ اور بھی احسان کیا اور کان میں کہا: ''بھائی اب جا کر علیؑ سے کہہ دینا کہ میں ان سے ایسے ایک لاکھ آدمیوں کو لے کر لڑوں گا جو ایسے اندھے ہیں کہ اونٹ اور اونٹنی تک میں تمیز نہیں کرتے ہیں''۔

(مروج الذہب جلد ٦، ص ١٠٦ بر حاشیہ تاریخ کامل)

اس اندھیر کو آپ نے دیکھا کہ پچاس آدمی اونٹ کو اونٹنی بتا رہے ہیں اور اس کی گواہی دے رہے ہیں مگر معاویہ صاحب اس کو مان لیتے ہیں اور اس کوفی کے خلاف فیصلہ کر دیتے ہیں۔

مولوی صاحب: مگر پھر تنہائی میں بلا کر دوگنی قیمت تو دے دی، اب کیا اعتراض ہوسکتا ہے؟

حسینی بیگم: آپ بھی کیا باتیں کرتے ہیں۔ کسی کا مال غصب کر لینے کے بعد اس کی قیمت اس کو دے دینا کس شریعت میں جائز ہے؟ کیا اسلام نے یہی تعلیم دی تھی؟ اس ایک واقعہ میں معاویہ نے اسلام کے خلاف کتنی باتیں کیں (١) کوفی کا مال زبردستی دوسرے کو دلوایا جو اس کوفی پر ظلم ہوا (٢) شامی کو غصبی مال پر تصرف کرنے کا موقع مہیا کر دیا (٣) پچاس مسلمانوں کو جھوٹی گواہی دیتے دیکھا مگر اس سے منع نہیں کیا (٤) اس کوفی کو جو حق پر تھا اتنے مسلمانوں کے سامنے ذلیل اور شرمندہ کیا (٥) اس جھوٹے شامی کی جو باطل پر تھا پیٹھ ٹھوک دی اور اس کو اس پر جری کر دیا کہ آئندہ بھی وہ اسی طرح دوسروں کے مال پر ڈاکا ڈالا کرے اور مسلمانوں سے جھوٹی گواہیاں دلوایا کرے۔ حالانکہ خدا نے قرآن شریف میں ایسی باتوں سے صاف صاف منع فرمادیا ہے، ارشاد ہوتا ہے: **تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان** ۔ یعنی ''نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کے مددگار بنو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کے مددگار نہ بنو''۔ (سورۂ مائدہ: آیت 6) معاویہ نے بالکل اس کے الٹا کیا کہ نیکی اور پرہیزگاری کا جو کام تھا (اس کوفی شخص کے دعویٰ کی تصدیق) اس میں تو مددگار نہیں بنا اور گناہ اور زیادتی کا جو کام تھا

(اس شامی کے غلط دعویٰ کی تائید) اس کی اتنی مدد کی کہ اسی کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ یہی علامہ مسعودی یہ واقعہ بھی لکھتے ہیں: **ولقد بلغ من امرھم فی طاعتھم لہ انہ صلی بھم عند مسیرھم الی صفین الجمعۃفی یوم الاربعاء** یعنی'' شام والوں کی حالت معاویہ کی اطاعت وفرمانبرداری میں اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ جنگ صفین کو جاتے وقت معاویہ نے چارشنبہ ہی کے روز ان فوجوں کو نماز جمعہ پڑھا دی اور سب نے آنکھ بند کر کے نماز پڑھ لی''۔ (ص ۱۰۷) بتاؤ یہ واقعہ بھی بالکل ویسا ہی بلکہ اس سے بڑھا ہوا ہے یا نہیں۔ کیونکہ پہلے واقعہ میں تو صرف پچاس شامیوں نے اونٹنی کو اونٹ کہہ دیا اور اس کی زوردار گواہی دے دی مگر یہاں ایک لاکھ سے زیادہ مسلمان معاویہ کے ساتھ جنگ صفین میں جا رہے ہیں اور ان سب کو بدھ کے روز نماز جمعہ پڑھائی جا رہی ہے اور سب آنکھ بند کر کے پڑھ لیتے ہیں ان میں کوئی بھی ایسا نہیں نکلا جو کچھ بھی چون وچرا کرتا اور سنو:

ذکر بعض الاخبار یین انہ قال الرجل من اھل الشام من زعمائھم واھل الرای والعقل منھم من ابو تراب ھذا الذی یلعنہ الامام علی المنبر قال اراہ لصامن لصوص الفتن۔

'' یعنی بعض مورخین نے بیان کیا ہے کہ شام کے ایک شخص نے اپنے بعض سرداروں سے جو صاحب علم وعقل تھے پوچھا کہ یہ ابوتراب جس پر ہم لوگوں کا امیر (معاویہ) برابر منبروں پر لعنت کرتا ہے کون تھا؟ تو ان بزرگ نے جواب دیا کہ میں سمجھتا ہوں وہ کوئی ڈاکو تھا''۔ (مروج الذہب جلد ۶، ص ۱۰۷)

مولوی صاحب: یہ تو اس شخص کی جہالت تھی۔ اس سے امیر معاویہ پر کیا الزام ہوا؟

حسینی بیگم: وہ کتنا بڑا الزام ہے کہ شام والوں کو انھوں نے اس درجہ جاہل کر رکھا تھا کہ لوگوں کو یہ تک جاننے دیتے تھے کہ حضرت علیؑ کون ہیں خدا کے ہاں ان کا کیسا درجہ تھا حضرت رسول خداؐ سے کیا قرابت تھی۔ اسلام پر ان کے کتنے احسان ہیں بلکہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک سے لوگوں کو بے خبر اور ناواقف بنا رکھا تھا۔ یہی علامہ مسعودی لکھتے ہیں:

وحکی الجاحظ قال سمعت رجلا من العامة وھو حاج قد ذکر له البیت
یقول اذا اتیته من یکلمنی منه وانه اخبره صدیق له انه قال رجل منهم
وقد سمعه یصلی علی محمد ما یقول فی محمدؐ هذا اربنا هو

''یعنی جاحظ نے بیان کیا ہے کہ میں نے شامی عامہ سے ایک شخص کو سنا جو حج کے ارادے پر جا رہا تھا۔ اس کے سامنے خانہ کعبہ کا ذکر کیا گیا تو وہ پوچھنے لگا کہ بتاؤ جب میں وہاں پہنچوں گا تو کون شخص اس کی طرف سے مجھ سے باتیں کرے گا (یعنی اس حاجی نے خیال کہ خانہ کعبہ بھی کوئی بادشاہ ہے جس کے دربان اور مترجم مقرر ہیں جو اس کی طرف سے لوگوں سے باتیں کرتے ہیں) اور اس کے ایک دوست نے کہا اس بیان سے کیا کہ شام والوں سے ایک شخص کے سامنے اس نے حضرت رسول خداؐ پر درود پڑھا تو وہ شامی اس سے پوچھنے لگا کہ یہ محمدؐ کون تھے؟ کیا یہی ہمارے خدا ہیں''۔ (مروج الذہب جلد ۶، ص ۱۰۷)

یہی علامہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ کچھ لوگ بیٹھے حضرات ابوبکر و عمر و علیؑ و معاویہ کے بارے میں بحث کرتے ہیں کہ وہیں ایک بوڑھا شامی بھی پہنچا جس کی ڈاڑھی بڑی لمبی تھی اور ان لوگوں سے کہا: ''کب تک تم لوگ علیؑ اور معاویہ کے بارے میں بحث کرتے رہو گے ایک شخص نے اس سے کہا: ''اچھا تم ہی بتاؤ تم ان لوگوں کے بارے میں کیا کہتے ہو''۔ اس بوڑھے نے پوچھا کس کے متعلق سوال کرتے ہو۔ اس شخص نے کہا علیؑ کے بارے میں بتاؤ کہ تم کیا کہتے ہو''۔ اس بوڑھے شامی نے کہا: ''وہی علیؑ جو فاطمہؑ کے باپ تھے؟ اس شخص نے پوچھا: ''فاطمہؑ کون تھیں؟'' اس شامی نے کہا تھیں کون۔ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی اور عائشہ کی بیٹی تھیں اور عائشہ معاویہ کی بہن تھیں''۔ تب اس نے پوچھا کہ پھر علیؑ کا کیا ہوا''۔ اس شامی نے کہا: ''وہ تو حضرت رسول خداؐ کے سامنے غزوہ حنین میں شہید ہو گئے''۔ (مروج الذہب جلد ۲، ص ۱۰۸) یہ سن کر مولوی اس قدر ہنسے اس قدر ہنسے کہ کئی منٹ تک لوٹتے رہے پھر کہا: ''واللہ عجیب آدمی تھا۔ کیسی بے پر کی اڑاتا رہا۔ واقعاً بیچارے

تحت جہالت میں ڈال دیے گئے''۔

حسینی بیگم: اس سے زیادہ جرات دیکھو۔ ایک دفعہ عمرو عاص جو معاویہ کی طرف سے مصر کا حاکم تھا۔ مصر سے کچھ لوگوں کو لے کر معاویہ سے ملنے کے لیے آیا۔ مگر معاویہ کے دربار میں پہنچنے سے پہلے مصر والوں سے کہا: ''دیکھو معاویہ کو خلیفہ کہہ کر سلام نہ کرنا بلکہ جہاں تک تم سے ہو سکے اس کو چھوٹا اور حقیر ظاہر کر کے سلام بھی کرو اور بات بھی کرو۔ ایسا کرنے سے وہ سمجھے گا کہ تم لوگ بڑی عزت والے اور تنے بڑے ہو کہ اس تک کوئی چیز نہیں سمجھتے۔ اس سے اس کے دل میں تم لوگوں کی بڑی ہیبت پیدا ہو جائے گی''۔ مگر معاویہ تو عمرو عاص کا بھی استاد تھا اس کے پاس جب یہ لوگ پہنچے تو اس نے صورت ہی سے پہچان لیا کہ عمرو عاص نے ان لوگوں کو ایسی بات سکھائی ہے تو اس نے اپنے درباریوں سے کہا: ''مجھے اندازہ ہوتا ہے کہ عمرو عاص نے ان لوگوں کی نظر میں مجھے حقیر کرنا چاہا ہے۔ اس کے عوض تم لوگ یہ کرو کہ جب یہ سب میرے قریب آئیں تو میری نہایت درجہ تعظیم کر کے ان کو ایسا گھبراؤ کہ سب بدحواس ہو کر مجھ کو سلام کریں۔ درباروالوں نے ایسا ہی کیا جس کا یہ اثر ہوا کہ مصر والوں کی نظر میں معاویہ کی اتنی عظمت بڑھ گئی کہ ان کا پہلا شخص جو معاویہ کے پاس پہنچا۔ اس نے بجائے خلیفہ کہہ کر سلام کرنے کے اس طرح سلام کیا۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ ''اے خدا کے پیغمبر آپ پر سلام ہو''۔ اس شخص کی زبان سے اس سلام کا نکلنا تھا کہ سب مصریوں نے اسی طرح معاویہ کو سلام کیا۔ جب سب باہر نکلے تو عمرو عاص ان لوگوں پر بگڑا کہ ''واہ میں نے تم لوگوں سے کہا تھا کہ معاویہ کو خلیفہ کہہ کر سلام نہ کرنا، الٹا تم سب نے اس کو رسول اللہ کہہ کر سلام کر دیا''۔ (تاریخ کامل جلد۴، ص۵)۔ علامہ ابن اثیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ سن ۵۰ھ میں معاویہ نے یہ حکم دیا کہ حضرت رسول خداؐ کا منبر مدینہ سے شام منگوالیا جائے۔ چنانچہ لوگ اس کے ہٹانے کے لیے گئے۔ جب منبر کو شہر مدینہ سے جنبش دی گئی تو سورج گہن لگا کہ دن کو تارے نظر آنے لگے۔ اس حادثہ کو دیکھ کر لوگ ڈرے اور منبر کے لے جانے سے باز رہے''۔ (تاریخ کامل جلد۳، ص۱۸۳) بتاؤ۔ کیسی کیسی بے ادبی کا سامان اس نے کیا۔ حد ہوگئی کہ حلالِ خدا کو حرام

اور حرامِ خدا کو حلال کر دیا۔ ابوسفیان نے زمانہ جاہلیت میں کسی فاحشہ عورت سے زنا کیا تھا اس سے زیاد پیدا ہوا جو اس فاحشہ عورت کے شوہر کا بیٹا سمجھا جاتا تھا۔ معاویہ نے اس کو اپنا بھائی بنا کر شریعت اسلام کو مٹا دیا۔ (تاریخ کامل جلد ۳ ،ص ۱۷۷)۔ جناب مولانا وحید الزماں خان صاحب وقار الملک حیدر آبادی نے اس کے بارے میں تحریر فرمایا ہے:''جب زیاد بن ابیہ کے نسب کا دعویٰ کیا گیا تو میں ابوبکرہ صحابی سے ملا اور میں نے کہا یہ تم لوگوں نے کیا کیا۔ اس کا مختصر قصہ یہ ہے کہ..... معاویہ کو زیاد کی طرف سے بڑی فکر ہوئی اس لیے کہ ایران کے قلعے مضبوط اور مستحکم اور خزانے بھرپور تھے جو زیاد کے قبضہ میں تھے وہ معاویہ سے بخوبی لڑ سکتا تھا۔ معاویہ تھے پولٹیکل آدمی انھوں نے کیا تدبیر نکالی کہ مغیرہ کو زیاد کے پاس بھیجا اور بڑی مہربانی اور محبت آمیز باتیں کہلائیں۔ آخر مغیرہ زیاد کو لے کر معاویہ کے پاس آ گئے۔ اس وقت معاویہ نے زیاد سے کہا تو تو میرا بھائی ہے۔ زیاد نے نہ مانا۔ تب معاویہ نے اپنی بہن جویریہ بنت ابی سفیان کو زیادہ کے پاس بھیج دیا وہ اسے بے پردہ ہو گئی اور اپنے بال کھول ڈالے اور کہنے لگی تو تو میرا بھائی ہے۔ میرے باپ نے خود مجھ سے یہ بیان کیا تھا۔ آخر زیاد ابوسفیان کا بیٹا بننے پر راضی ہو گیا۔ تب معاویہ زیاد کو لے کر جامع مسجد میں آئے اور زیاد چار گواہ بنا کر لایا انھوں نے یہ گواہی دی کہ ابوسفیان نے اس کی ماں سمیہ سے زنا کیا تھا اور زیاد ابوسفیان ہی کا نطفہ ہے اس وقت معاویہ نے یہ فیصلہ سنا دیا کہ زیاد ابوسفیان کا بیٹا ہے اور میرا بھائی ہے۔ اس پر ایک شخص نے اعتراض کیا معاویہ نے اس کو برا بھلا کہا، گالیاں دیں..... اہل سنت کی کتابوں میں اس کی تصریح ہے کہ معاویہ دنیاوی بادشاہوں میں سے تھے نہ خلفائے راشدین میں سے۔ کس لیے کہ خلافت راشدہ امام حسنؑ پر ختم ہو گئی اور حدیث شریف کا بھی یہی مضمون ہے اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نے جو لکھا ہے: **اما خلافة معاويه فصحيحة ثابتة بعد خلع الحسن بن علی** ''تو یہ حدیث نبوی کے خلاف ہے **الخلافة بعد ثلثون سنة** اس وجہ سے ہم حضرت شیخ کا قول قبول نہیں کر سکتے اور جب معاویہ باوجود قریشی ہونے کے خلیفہ نہ ہوئے تو اور کوئی مغل یا ایرانی یا افغانی ڈاڑھی

اور حرامِ خدا کو حلال کر دیا۔ ابوسفیان نے زمانہ جاہلیت میں کسی فاحشہ عورت سے زنا کیا تھا اس سے زیاد پیدا ہوا جو اس فاحشہ عورت کے شوہر کا بیٹا سمجھا جاتا تھا۔ معاویہ نے اس کو اپنا بھائی بنا کر شریعۃ اسلام کو مٹا دیا۔ (تاریخ کامل جلد ۳،ص ۱۷۷)۔ جناب مولانا وحید الزماں خان صاحب وقار الملک حیدر آبادی نے اس کے بارے میں تحریر فرمایا ہے: ''جب زیاد بن ابیہ کے نسب کا دعویٰ کیا گیا تو میں ابوبکرہ صحابی سے ملا اور میں نے کہا یہ تم لوگوں نے کیا کیا۔ اس کا مختصر قصہ یہ ہے کہ.... معاویہ کو زیاد کی طرف سے بڑی فکر ہوئی اس لیے کہ ایران کے قلعے مضبوط اور مستحکم اور خزانے بھرپور تھے جو زیاد کے قبضہ میں تھے وہ معاویہ سے بخوبی لڑ سکتا تھا۔ معاویہ تھے پولٹیکل آدمی انھوں نے کیا تدبیر نکالی کہ مغیرہ کو زیاد کے پاس بھیجا اور بڑی مہربانی اور محبت آمیز باتیں کہلائیں۔ آخر مغیرہ زیاد کو لے کر معاویہ کے پاس آ گئے۔ اس وقت معاویہ نے زیاد سے کہا تو تو میرا بھائی ہے۔ زیاد نے نہ مانا۔ تب معاویہ نے اپنی بہن جویریہ بنت ابی سفیان کو زیادہ کے پاس بھیج دیا وہ اسے بے پردہ ہوگئی اور اپنے بال کھول ڈالے اور کہنے لگی تو تو میرا بھائی ہے۔ میرے باپ نے خود مجھ سے یہ بیان کیا تھا۔ آخر زیاد ابوسفیان کا بیٹا بننے پر راضی ہو گیا۔ تب معاویہ زیاد کو لے کر جامع مسجد میں آئے اور زیاد چار گواہ بنا کر لایا انھوں نے یہ گواہی دی کہ ابوسفیان نے اس کی ماں سمیہ سے زنا کیا تھا اور زیاد ابوسفیان ہی کا نطفہ ہے اس وقت معاویہ نے یہ فیصلہ سنا دیا کہ زیاد ابوسفیان کا بیٹا ہے اور میرا بھائی ہے۔ اس پر ایک شخص نے اعتراض کیا معاویہ نے اس کو برا بھلا کہا، گالیاں دیں.....اہل سنت کی کتابوں میں اس کی تصریح ہے کہ معاویہ دنیاوی بادشاہوں میں سے تھے نہ خلفائے راشدین میں سے۔ کس لیے کہ خلافت راشدہ امام حسنؑ پر ختم ہوگئی اور حدیث شریف کا بھی یہی مضمون ہے اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نے جو لکھا ہے: اما خلافة معاويه فصحيحة ثابتة بعد خلع الحسن بن علی'' تو یہ حدیث نبوی کے خلاف ہے الخلافة بعد ثلثون سنة اس وجہ سے ہم حضرت شیخ کا قول قبول نہیں کر سکتے اور جب معاویہ باوجود قریشی ہونے کے خلیفہ نہ ہوئے تو اور کوئی مغل یا ایرانی یا افغانی ڈاڑھی

منڈا شرع کے خلاف چلنے والا کیوں کر خلیفۃ المسلمین ہوسکتا ہے۔ (انوار اللغۃ پارہ ۸، ص ۴۸)۔ ممدوح نے اس کے خلاف اور بہت لکھا ہے۔ معاویہ نے اپنے کارناموں میں یہ بھی اضافہ کیا کہ یزید کو اپنا ولی عہد بنا دیا جس نے اور زیادہ اسلام کی صورت بدل ڈالی۔ اس وجہ سے حضرت امام حسینؑ نے یزید کی بیعت نہیں کی اور اپنی شہادت قبول کر کے لوگوں پر واضح کر دیا کہ یزید اور اس کو خلیفہ مقرر کرنے والا (اس کا باپ معاویہ) دونوں اسلام کے خلاف چل رہے ہیں۔ پس چونکہ حضرت نے اپنی شہادت سے ان لوگوں کا باطل پر ہونا ظاہر کر دیا اور حقیقی اسلام کی طرف لوگوں کو متوجہ کیا۔ اس وجہ سے حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا تھا کہ انا من الحسینؑ یعنی میں حسینؑ سے ہوں۔ یعنی میرے دنیا میں آنے کی غرض اور پیغمبرؐ ہونے کا مقصود حسینؑ سے پورا ہوگا کہ دین اسلام کو جو مردہ ہو گیا ہوگا وہ دوبارہ زندہ کر دیں گے اور اسلام کے درخت کو جو سوکھ کر مرجھا گیا ہوگا اپنے اور اپنے ساتھیوں کے خون سے سینچ کر ہرا کر دیں گے۔ اس مضمون کا جوہر حضرت خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمہ اجمیری نے اپنی اس رباعی میں کھینچ دیا ہے۔

شاہ است حسینؑ و بادشاہ است حسینؑ
دیں است حسینؑ و دین پناہ است حسینؑ
سر داد نداد دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسینؑ

مولوی صاحب: ہاں تم سچ کہتی ہو۔ اسی وجہ سے یزید نے بھی سب سے پہلا کام اپنی بادشاہ شروع ہوتے ہی یہ کیا کہ حاکم مدینہ کو فوراً حضرت کی بیعت لینے کا حکم بھیجا۔ اس خیال سے کہ جب حضرت میرے تابع ہو جائیں گے تو پھر میرے کسی کام پر کوئی اعتراض ہی نہیں کر سکے گا ورنہ ایسی جلدی کیا پڑی تھی کیا بعد کو اطمینان سے اس بات کی کوشش نہیں کر سکتا تھا۔

پندرھواں باب

امام حسینؑ کی شہادت کی پیشن گوئیاں

مولوی صاحب: امام حسینؑ تو ۶۱ھ میں شہید ہوئے اور حضرت رسول خداؐ نے ۱۱ھ میں وفات پائی۔ اس قدر قبل حضرت آپ کی شہادت کو کیوں کر جانتے، جس کی وجہ سے انا من الحسینؑ فرمایا؟ ہم لوگ تو اس کے قائل ہی نہیں ہیں کہ حضرت کو علم غیب حاصل تھا۔
حسینی بیگم: خود خدائے تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو اس کی خبر دی تھی۔ ایک دو دفعہ نہیں بلکہ کئی مرتبہ فرشتے آئے اور حضرت کو اطلاع دیتے رہے۔ مثال کے لیے چند حدیث نہایت معتبر کتابوں سے بیان کرتی ہوں۔

① حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی نے تحریر فرمایا ہے:

اما اخبار النبیؐ بهذا الواقعة الهائلة من جهة الوحی بواسطة جبرئیل و غیره من الملئکة فمشهور متواتر۔

یعنی ''حضرت رسول خداؐ کا جناب جبرئیل اور دوسرے فرشتوں کے واسطے سے اس ہولناک حادثہ کی خبر دینا مشہور اور متواتر ہے''۔ (سر الشہادتین، ص ۸۱)

② اجرج ابوداؤد والحاکم عن ام الفضل بنت الحارث ان النبیؐ قال اتانی جبرئیل فاخبرنی ان امتی ستقتل بنی هذا یعنی الحسینؑ واتانی برتبة حمراء

یعنی ''امام ابوداؤد اور امام حاکم نے روایت کی ہے کہ بی بی ام الفضل جو حارث کی

صاحبزادی تھیں بیان کرتی تھیں کہ حضرت رسوخدا نے فرمایا میرے پاس جبرئیل نے آ خرخبر دی کہ میری امت میرے اس بیٹے حسینؑ کو جلد قتل کر دے گی اور وہ میرے پاس (ان کے قتل گاہ) کی سرخ مٹی بھی لائے تھے۔ (صواعق محرقہ،ص ۱۶۹،وکنزل العمال جلد ۶،ص ۲۲۲،سرالشہادتین،ص ۸۲)

اورامام احمد بن حنبل کی مسند کو جانتے ہو کہ کس قدر معتبر ہے۔علامہ سیوطی نے اس کے متعلق لکھا ہے:

ما کان فی مسند احمد فھو مقبول

یعنی ''جس قدر حدیثیں مسند احمد بن حنبل میں وہ سب مقبول ہیں''۔

(جمع الجوامع خطبہ جلد ا،ص ۳)

اورعلامہ شوکانی نے لکھا ہے:

''یعنی فن حدیث کے اماموں کی ایک جماعت نے کہا کہ کتاب مسند احمد حدیث کی بہترین کتابوں میں سے ہے''۔ (نیل الاوطار)

اور جناب مولانا شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے صحاح ستہ کے ذکر کے بعد لکھا ہے:

وكاد مسنداحمد يكون فى جملة هذا لطبقة فان الامام احمد جعله اصلا يعرف به الصحيح والسقيم قال ما ليس فيه فلا تقبلوه

یعنی ''مسند احمد بن حنبل صحاہ ستہ کے برابر ہے اس لیے کہ امام احمد نے اس کو ایک اصل قرار دیا ہے جس کے ذریعہ سے صحیح اور غلط حدیثوں کی پہچان ہو جاتی ہے۔ انھوں نے فرمایا ہے کہ جو حدیث اس مسند میں نہ ہو اسے قبول نہ کرو''۔ (حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ مصر جلد ا،ص ۱۰۷)

اب ایسی عظیم الشان اور معتبر کتاب سے چند پیشنگوئیاں سنو:

③عن عبدالله بن نجی عن ابيه انه سادمع علیؑ وكان صاحب

مطهرته فلما حاذی نینوی و هو منطلق الی صفین فنادی علیؑ اصبریا ابا عبدالله بشط الفرات۔ قلت و ماذا۔ قال دخلت علی النبیؐ ذات یوم وعنیاہ تفیضان۔ قلت یا نبی الله اغضبك احد۔ ما شان عینیك تفیضان۔ قال بل قام من عندی جبرئیلؑ قبل فحدثنی۔ ان الحسینؑ یقتل بشط الفرات۔ قال فقال هل لك الی ان اشمك من تربته۔ قال قلت نعم۔ ممدیده فقبض قبضة من تراب فاعطا ینها فلم املك عینی ان فاقتا

''یعنی عبداللہ نجی نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ وہ حضرت علیؑ کے ساتھ صفین کی طرف سفر میں جا رہے تھے اور حضرت علیؑ کا سامان طہارت وغیرہ انھیں کے پاس رہتا تھا۔ جب حضرت علیؑ مقام نینویٰ کے پاس پہنچے تو بلند آواز سے امام حسینؑ کو پکار کر فرمایا کہ اے ابوعبداللہ (امام حسین) دیکھو تم فرات کے سامنے صبر کرنا۔ نجی بیان کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ کی یہ عجیب بات سن کر میں نے عرض کی کہ اے حضرت یہ آپؑ نے کیا فرمایا؟ حضرت نے جواب دیا کہ میں ایک دفعہ حضرت رسول خداؐ کے پاس گیا تو دیکھا کہ آپ کی آنکھوں میں آنسو جاری ہیں۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہؐ! کیا کسی نے آپ کو غضب ناک کیا ہے؟ حضور کی چشم مبارک سے آنسو کیوں بہتے ہیں؟ تو حضرت نے فرمایا کسی نے غضبناک نہیں کیا بلکہ ابھی جبرئیلؑ میرے پاس سے اٹھے ہیں انھوں نے بیان کیا کہ حسینؑ فرات کے کنارے قتل کیے جائیں گے پھر مجھ سے جبرئیلؑ نے کہا کہ کیا میں وہاں کی مٹی لا کر اسے آپ کو سنگھا دوں؟ میں نے جواب دیا ہاں۔ اس پر انھوں نے ہاتھ دراز کیا اور ایک مٹھی مٹی مجھے دی۔ جس پر مجھے ضبط نہ ہو سکا اور میں اپنے رونے کو نہ روک سکا۔ (مسند احمد بن حنبل مطبوعہ مصر جلد، ص ۸۵)

اسی کتاب میں یہ بھی ہے:

④عن أنس بن مالك ان ملك المطر استاذن ربه ان ياتی النبیؐ فاذن له فقال الام سلمة املکی علینا الباب لا یدخل علینا۔ احد قال و جاء الحسینؑ لیدخل فمنعته فوثب فدخل فجعل یقعد علی ظهرالنبی و علی منکبه وعلی عاتقه قال فقال الملك النبیؐ اتحبه قال نعم قال امان امتك ستقتله وان شئت ارتیك المکان الذی یقتل فیه فضرب بیده فجاء بطنیة حمراه فاخذتها ام سلمهؓ فعرتها فی خمارها قال ثابت بلغنا انها کربلاء

''یعنی حضرت انس بن مالک نے روایت کی ہے کہ بارش والے فرشتے نے خدا سے اجازت چاہی کہ حضرت رسول خداؐ کی خدمت میں حاضر ہوتو خدا نے اجازت دے دی۔ وہ آیا تو حضرت نے ام سلمہؓ سے فرمایا کہ تم دروازہ پر ٹھہرو اور کسی کو میرے پاس نہ آنے دو۔ جناب ام سلمہؓ دروازہ پر چلی گئیں۔ اتنے میں امام حسینؑ آئے اور اندر حضرت کے پاس جانا چاہا۔ ام سلمہؓ نے ان کو روکا مگر وہ کود کر اندر چلے گئے اور آنحضرت کے پاس پہنچ کر کبھی حضرتؐ کی پشت مبارک پر کبھی دوش پر کبھی گردن پر بیٹھ جاتے تھے۔ اس پر اس فرشتے نے حضرتؐ سے پوچھا کہ کیا آپ اس صاحبزادے کو بہت پیار کرتے اور دوست رکھتے ہیں؟ حضرتؐ نے فرمایا: ہاں۔ فرشتے نے کہا حضرتؐ بہت جلد آپ ہی کی امت اس کو شہید کر دے گی۔ اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو وہ جگہ دکھا دوں جہاں یہ قتل ہوں گے۔ اس کے بعد فرشتے نے ہاتھ مارا اور وہ تھوڑی سی سرخ مٹی لایا۔ جناب ام سلمہؓ نے وہ سرخ مٹی لے لی اور اپنے دوپٹے میں باندھ لی۔ ثابت کہتے ہیں کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ وہ جگہ (امام حسینؑ کی قتل گاہ) کربلا ہے۔

(مسند احمد جلد ۳، ص ۲۴۲)

اسی کتاب میں یہ بھی ہے:

⑤عن عائشة و ام سلمة ان النبی ؐ قال لاحدهما لقد دخل علی البیت ملک لم یدخل علی قبلها فقال لی ان انبک هذا حسین ؑ مقتول و ان شئت اریتک من تربة الارض التی یقتل بها قال فاخرج تربة حمراء

''یعنی حضرت عائشہ ؓ یا حضرت ام سلمہ ؓ سے حضرت رسول خدا ؐ نے فرمایا کہ میرے پاس اس گھر میں اس وقت ایک فرشتہ آیا جو آج سے پہلے کبھی میرے پاس نہیں آیا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ آپ کا یہ فرزند حسین ؑ قتل کیا جائے گا۔ اگر آپ چاہیں تو میں اس جگہ کی مٹی بھی آپ کو دکھا دوں جہاں یہ قتل ہوں گے۔ پھر اس نے وہیں کی سرخ مٹی نکال کر دکھا دی''۔ (مسند احمد جلد ۶، ص ۲۹۴)

اور امام حاکم نے بھی ان روایتوں کو اپنی کتاب مستدرک میں درج کیا ہے جس میں یہ روایت بھی ہے:

⑥عن ابن عباس قال اوحی الله الی محمد ؐ انی قتلت یحییٰ بن زکریا سبعین الفا وانی قاتل بابن بنتك سبعین الفا و سبعین الفا

''یعنی حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا ہے کہ خدا نے حضرت رسول ؐ خدا پر وحی نازل کی میں نے یحییٰ بن زکریا پیغمبر کے قتل ہونے پر ان کے خون کے بدلے میں ستر ہزار آدمیوں کو قتل کیا تھا۔ اب تمھارے نواسے حسین ؑ کے خون کے عوض اس کا دوگنا یعنی ایک لاکھ چالیس ہزار آدمیوں کو قتل کروں گا''۔ (مستدرک امام حاکم بحوالہ منتخب کنز العمال بر حاشیہ مسند احمد جلد ۵، ص ۱۱۱)

اور امام عبد بن حمید کشی نے روایت کی ہے:

⑦ قالت ام سلمة ؓ کان النبی ؐ فی بیتی فجاء حسین ؑ یدرج قالت فقعدت علی الباب فامسکت فحافة ان یدخل فیوقظه قالت ثم غفلت فی بیتی فدب فدخل فقعد علی بطنه قالت

فسمعت نحيب رسول اللہؐ قال فجئت فقلت یا رسول اللہؐ واللہ ما علمت بہ۔ فقال انما جاء نی جبرئیل وھو علی بطنی قاعد فقال اتحبہ فقلت لم۔ قال امتك ستقتلہ۔ الا اریك التربة التی یقتل بھا قال فقلت بلی۔ فضرب بجناحه فاتانی بھذہ التربت۔ قالت واذا فی یدہ تربة حمراء وھو یبکی و یقول ما لیت شعری من یقتلك بعدی

''یعنی ام المومنین حضرت ام سلمہؓ فرماتی تھیں کہ حضرت رسول خداؐ میرے گھر میں آرام فرمارہے تھے کہ اتنے میں آہستہ آہستہ امام حسینؑ وہاں چلے آئے۔وہ بیان کرتی ہیں کہ ان کو دیکھ کر میں دروازے پر بیٹھ گئی اور ان کو اندر جانے سے روکا اس خیال سے کہ یہ وہاں پہنچ کر حضرتؐ کو جگا دیں گے۔وہ کہتیں ہیں کہ پھر میں اپنے گھر میں غافل ہوگئی تو وہ آہستہ آہستہ اندر چلے آئے اور حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شکم مبارک پر بیٹھ گئے جس کے بعد میں نے حضرت رسول خداؐ کے رونے کی آواز سنی جس پر میں فوراً وہاں گئی اور حضرت سے عرض کی یارسول اللہؐ! مجھے ان کے آنے کی خبر نہیں ہوئی۔اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جب حسینؑ میرے پیٹ پر بیٹھے تو جبرئیل آئے اور کہنے لگے یا حضرتؐ کیا آپ ان کو بہت دوست رکھتے ہو اور ان سے محبت فرماتے ہو؟ میں نے کہا ہاں۔اس پر انھوں نے کہا کہ بہت جلد آپ کی امت ان کو قتل کر دے گی۔کیا میں اس جگہ کی مٹی جہاں یہ قتل ہوں گے آپ کو نہ دکھا دوں؟ میں نے کہا اچھا دکھاؤ۔بس انھوں نے اپنا بازو مارا اور اس جگہ کی مٹی مجھے اٹھا کر دے دی۔ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرت کے ہاتھ میں سرخ مٹی تھی اور آپ روتے جاتے تھے اور امام حسینؑ سے فرماتے تھے۔(اے بیٹا) کاش مجھے معلوم ہوتا کہ میرے بعد کون شقی تم کو قتل کرے گا''۔(مسند کشی جس کا نسخہ خانبہادر مولوی خدابخش صاحب وکیل مرحوم کے

مشہور کتبخانہ میں بہ مقام پٹنہ موجود ہے)

یہ کتاب امام ابو محمد عبدالحمید بن حمید بن نصر کشی رحمتہ اللہ علیہ معروف بہ عبد حمید کی ہے جو تیسری صدی ہجری کے بہت جلیل القدر محدث تھے امام فن حدیث اور بہت بڑے رکن مذہب اہل سنت تھے۔ ۲۴۳ھ یا ۲۴۹ھ میں انتقال کیا۔ ان کی جلالت قدر اس سے واضح ہو جاتی ہے کہ وہ اصحاب صحاح ستہ کے شیوخ میں سے تھے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی کتاب سبان المحدثین میں ان کا حال لکھا ہوا ہے۔ جناب مولانا نواب صدیق حسن خان صاحب بھوپالی رحمتہ اللہ علیہ ان کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

''مسلم وترمذی ودیگر محدثین اجلہ از وے روایت دارند وبخاری در دلائل النبوۃ از صحیح خود تعلیقا از وے روایت کردہ ونامش عبدالحمید بردہ'' یعنی ''امام مسلم ترمذی اور دوسرے بڑے محدثین نے ان سے روایت کی ہے اور امام بخاری نے بھی اپنی صحیح بخاری کے دلائل النبوۃ میں تعلیقاً ان سے روایت کی ہے اور ان کا نام عبدالحمید بتایا ہے'' (کتاب اتحاف النبلا، ص ۳۱۰)

یہ بزرگ صاحب مسند ہیں ان کی کتاب مسند کشی کے نام سے مشہور ہے اور امام ابو نعیم تحریر فرماتے ہیں:

⑧ عن انس ابن مالك قال استاذن ملك المطر ان ياتى النبى ؐ فاذن له فقال لام سلمة احفظى علينا الباب لا يد خلن احد قال فجاء الحسين ؓ بن على خوثب حتى دخل فجعل يصعد على منكب النبى ؐ فقال له الملك اتحبه فقال النبى صلعم نعم۔ قال فان من امتك من يقتله وان شئت اريتك المكان الذى يقتل فيه۔ فضرب بيده فاراة ترابًا احمر فاخذته ام سلمة رضى الله عنها وفى رواية سليمان بن احمد فشمها رسول الله وقال ريح كرب و بلاء

فقال كنا نسمع انه يقتل بكر بلاء

''یعنی حضرت انس بن مالک بیان کرتے تھے کہ بارش والے فرشتے نے خدا سے اجازت چاہی کہ حضرت رسول ؐ خدا کی خدمت میں آئے۔ اجازت مل گئی تو حضرت نے جناب ام سلمہ ؓ سے فرمایا کہ دروازے پر ہوتا کہ کوئی اندر نہ آنے پائے اتنے میں امام حسین ؑ گئے اور اچھل کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچ گئے اور وہاں حضرت کے کاندھے پر چڑھنے لگے تو حضرتؐ سے اس فرشتے نے پوچھا کہ کیا آپؐ ان سے محبت فرماتے ہیں؟ حضرت رسول ؐ خدا نے فرمایا، ہاں۔ تب اس فرشتے نے کہا آپؐ کی اُمت میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جو ان کو قتل کریں گے اور اگر پسند کریں تو آپ کو وہ جگہ بتا دوں جہاں یہ ذبح کیے جائیں گے۔ اس کے بعد اس نے ہاتھ مارا اور حضرت کو سرخ مٹی دکھا دی جس کو پھر حضرت ام سلمہ ؓ نے لے لیا اور سلیمان بن احمد کی روایت میں ہے کہ پھر اُس مٹی کو حضرت رسول ؐ خدا نے سونگھا اور فرمایا کہ اس مٹی سے تو کرب و بلا کی بو آتی ہے۔ حضرت انس نے بیان کیا کہ ہم لوگ سنا بھی یہی کرتے تھے کہ حضرت کربلا میں شہید ہوں گے''۔ (کتاب دلائل النبوۃ جزو ثالث، ص۲۰۲ مطبوعہ حیدرآباد دکن)

یہ امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی رحمتہ اللہ علیہ چوتھی صدی کے اکابر محدثین اور اجلہ علمائے اہل سنت سے ہیں۔ بستان المحدثین وغیرہ میں ان کی بہت مدح وثنا مرقوم ہے اور جناب مولانا نواب صدیق حسن خان صاحب بھوپالی رحمتہ اللہ نے ان کے بارے میں تحریر فرمایا ہے:

''از اعلام محدثین واکابر حفاظ دین وثقات صوفیہ متقین ست در سنہ سہ صد وشش متولد شد الخ یعنی'' امام ابونعیم بڑے معتبر اور معزز محدثین اور اعلیٰ درجہ کے حافظانِ حدیث اور موثقین صوفیہ متقین سے ہیں۔ ۳۰۶ھ میں پیدا ہوئے۔ (اتحاف النبلاء، ص۱۹۸)

ان کی بہت سی تصنیفات ہیں جن میں یہ کتاب دلائل النبوۃ بھی ہے جو اپنے فن کی ایک لاجواب اور بے مثل ونظیر کتاب ہے اور ملا علی متقی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے:

⑨ مقتل الحسینؑ اخبرنی جبرئیل ان حسینا یقتل بشاطی الفرات

یعنی ''حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل نے مجھے خبر دی ہے کہ حسینؑ دریا کے کنارے قتل کیے جائیں گے''۔

⑩اتانی جبرئیل فاخبرنی ان امتی ستقتل ابنی هذا یعنی الحسینؑ و تانی بتربة من تربة حمراء

یعنی ''آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل آئے اور خبر دی کہ میری امت جلد میرے اس بیٹے حسینؑ کو قتل کرے گی''۔

⑪اخبرنی جبرئیل ان ابنی الحسین یقتل بعدی بارض الطف و جاء نی بهذه التربة و اخبرنی ان فیها مضجعه

یعنی ''آنحضرت نے فرمایا کہ جبرئیلؑ نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ میرا بیٹا حسینؑ میرے بعد زمین طف میں قتل کیا جائے گا اور میرے پاس یہ مٹی لائے ہیں اور کہا ہے کہ حسینؑ کا مزار اسی زمین میں ہوگا۔

⑫اخبرنی جبرئیل ان ابنی الحسینؑ یقتل بارض العراق فقلت لجبرئیل ارنی تربة الارض التی یقتل فیها فجاء فهذه تربتها

یعنی ''جبرئیل نے مجھ سے بیان کیا کہ میرا بیٹا حسینؑ زمین عراق پر قتل کیا جائے گا اس پر میں نے جبرئیلؑ سے کہا کہ مجھے اس زمین کی مٹی دکھا دو جہاں یہ قتل ہوں گے تو وہ آئے اور یہ وہاں کی مٹی ہے''۔

⑬ ان جبرئیل اخبرنی ان ابنی الحسینؑ یقتل و هذه تربته تلك الارض

یعنی ''جبرئیلؑ نے مجھے خبر دی کہ میرا بیٹا حسینؑ قتل کیا جائے گا اور یہ اس زمین کی مٹی ہے''۔

⑭ان جبرئیل کان معنا فی البیت فقال اتحبه یعنی الحسینؑ فقلت اما فی الدنیا منعم فقال ان امتك ستقتل هذا بارض یقال لها کربلاء فتناول جبرئیلؑ من تربة فارانیه

یعنی ''آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جبرئیلؑ میرے ساتھ اس گھر میں تھے تو انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ آپ ان حسینؑ سے محبت کرتے ہیں؟ میں نے کہا ہاں۔ اس پر وہ بولے کہ آپ کی امت عنقریب ان کو قتل کرے گی اس زمین پر جس کو کربلا کہتے ہیں پھر جبرئیلؑ نے وہاں کی مٹی لی اور مجھے دکھا دی''۔

⑮ان جبرئیل اخبرنی ان ابنی هذا یقتل وانه اشتد غضب الله علی من یقتله

یعنی ''ارشاد نبیؐ ہے کہ جبرئیل نے مجھے خبر دی ہے کہ میرا یہ بیٹا حسینؑ قتل کیا جائے گا جو اس کو قتل کرے گا اس پر اللہ کا غضب بہت ہی سخت ہوگا''۔

⑯ان جبرئیل اتانی واخبرنی ان ابنی هذا تقتله امتی فقلت فارنی تربته فاتانی بتربة حمراء

یعنی ''فرمایا آنحضرتؐ نے کہ جبرئیلؑ میرے پاس آئے تھے اور مجھے خبر دی تھی کہ میرے اس بیٹے حسینؑ کو میری امت قتل کرے گی تو میں نے کہا مجھے وہاں کی مٹی دکھا دو اس پر انھوں نے یہ سرخ مٹی دی''۔

⑰ ان جبرئیلؑ ارانی التربة التی یقتل علیها الحسینؑ فاشتد غضب الله علی من یسفك دمه فیها عائشة والذی نفسی بیده انه لیحزننی فمن هذا من امتی یقتل حسینا بعید۔

یعنی ''آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جبرئیلؑ نے مجھے وہ مٹی دکھائی جس پر حسینؑ قتل

کیا جائے گا۔ اس کی وجہ سے اللہ کا غضب اس شخص پر بہت شدید ہوگا جو ان کا خون بہائے گا۔ اے عائشہ خدا کی قسم اس خبر سے مجھے بڑا رنج وصدمہ ہے''۔ یہ کون شخص میری امت کا ہے جو میرے بعد حسینؓ کو قتل کرے گا''۔

⑱ اوحی اللہ انی قتلت بیحییٰ بن ذکریا سبعین الفا وانی قاتل بابن بنتك سبعین الفا و سبعین الفا۔

یعنی''آنحضرتؐ نے فرمایا کہ خدا نے مجھ پر وحی نازل کی کہ میں نے یحییٰ بن زکریا کے خون کی وجہ سے ستر ہزار شخصوں کو قتل کیا اور اب تمھارے نواسے حسینؓ کے خون کی وجہ سے ایک لاکھ چالیس ہزار شخصوں کو قتل کروں گا''۔

⑲ قام عندی جبرئیلؑ من قبل فحدثنی ان الحسینؑ یقتل بشط الفرات و قال هل لك ان اشمك من تربته۔ قلت نعم فمدیده فقبض قبضة من تراب فاعطانیها فلم تملك عینی ان فاضیتا۔

یعنی''آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میرے پاس سے ابھی جبرئیلؑ اٹھ کر گئے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ حسینؓ دریائے فرات کے کنارے قتل کیے جائیں گے اور انھوں نے مجھ سے یہ بھی پوچھا ہے کہ کیا آپ اس کو پسند کریں گے کہ میں آپ کو ان کے قتل گاہ کی مٹی سنگھا دوں۔ میں نے کہا ہاں اس پر انھوں نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور ایک مٹھی مٹی لے کر مجھے دی۔ اس پر میری آنکھیں نہ رک سکیں اور ان سے بے اختیار آنسو جاری ہوگئے''۔

⑳ کانی انظر الی کلب ابقع یلغ فی دماء اهلبیتی

یعنی''حضرت امام حسینؓ خود فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ گویا میں ایک چلتا کتا دیکھ رہا ہوں جو میرے اہل بیتؑ کے خون میں منہ ڈالتا اور ان کا لہو چاٹتا ہے''۔ (کنز العمال جلد ۶، ص ۲۲۳، ۲۲۳)

یہی ملا علیؒ متقی رحمتہ اللہ علیہ دوسری جلد میں بھی تحریر فرماتے ہیں:

(۲۱)قتل الحسین رضی اللہ عنہ عن علی لما احیط بالحسین ؑ بن علی قال ما اسم لارض قیل کربلاء فقال صدق رسول اللہ ؐ ارض کرب و بلا۔

یعنی ''حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے روایت ہے کہ جب حضرت امام حسین ؑ کو دشمنوں نے گھیر لیا تو حضرت نے پوچھا اس زمین کا نام کیا ہے؟ لوگوں نے عرض کی کربلاء تو آپ بول اٹھے کہ سچ فرمایا تھا حضرت رسول خداؐ نے یہ کرب وبلاء کی زمین ہے''۔

(۲۲)عن محمد بن عمر بن حسین قال کنا مع الحسین ؑ بنھر کربلاء فنظر الی شمر ذی الجوشن۔ فقال صدق اللہ ورسولہ قال رسول اللہ ؐ کانی انظر الی کلب ابقع یلغ فی دماء اھلبیتی و کان شمر ابرص۔

یعنی ''محمدؒ بن عمر بن حسین بیان کرتے تھے کہ ہم لوگ کربلا میں حضرت امام حسین ؑ کے ساتھ تھے۔ جب آپ نے وہاں شمر ذی الجوشن کو دیکھا تو کہا کہ سچ فرمایا اللہ اور اس کے رسول ؐ نے کیونکہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا تھا کہ گویا میں ایک سفید داغ والے کتے کو دیکھتا ہوں کہ وہ میرے اہل بیت کے خون میں منہ ڈالتا اور ان کا لہو چاٹتا ہے۔ راوی کہتا ہے کہ شمر واقعاً ابرص (سفید داغ والا) تھا''۔

(۲۳)عن علی قال لیقتلن الحسین ؑ قتل وانی لا عرف تربیتۃ الارض التی بھا یقتل تربیا من النھرین۔

یعنی ''حضرت علیؑ فرماتے تھے کہ حسین ؑ بہت سختی سے قتل کیے جائیں گے اور میں اس زمین کی مٹی تک کو پہچانتا ہوں جہاں یہ قتل ہوں گے۔ وہ جگہ مقام نہرین کے قریب ہے''۔ (کنز العمال جلد ۷،ص ۱۱۰)

اور مشکوۃ شریف میں یہ بھی یہ پیشن گوئی بہت دردناک عنوان سے موجود ہے۔

(۲۳)عن ام الفضل بنت الحارث انها دخلت علی رسول اللہؐ فقالت یا رسول اللہ انی رایت حلما منکر اللیة قال وما ھو۔ قالت انہ شدید۔ قال وما ھو۔ قالت رایت کان قطعة من جسدك قطعت و وضعت فی حجری۔ فقال رسول اللہ رایت خیرائلد فاطمة ان شاء اللہ غلاما یکون فی حجرك فولدت فاطمة الحسین فکان فی حجری کما قال رسول اللہ۔ فدخلت یوما علی رسول اللہؐ فوضعته فی حجره ثم کانت منی التفاتة فاذا عینا رسول اللہ تھریقان الدموع قالت فقلت یا نبی اللہ بابی انت وامی مالك قال اتانی جبرئیلؑ فاخبرنی ان امتی ستقتل ابنی ھذا۔ فقلت ھذا؟ قال نعم۔ واتانی بتربةمن تربته حمراء

''یعنی حارث کی بیٹی ام الفضل[1] بیان کرتی تھیں کہ ایک دفعہ میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی کہ اے رسولؐ خدا میں نے ایک بُرا خواب پچھلی رات کو دیکھا ہے۔ حضرتؐ نے پوچھا کیا دیکھا تھا؟ میں نے کہا حضرتؐ وہ بہت سخت ہے۔ حضرتؐ نے فرمایا کچھ بتاؤ بھی تو کیا دیکھا میں نے کہا یہ دیکھا کہ گویا آپؐ کے جسم مبارک کا ایک ٹکڑا کاٹا گیا اور میری گود میں رکھ دیا گیا ہے۔ یہ سن کر حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ خواب تو تم نے بہت ہی اچھا دیکھا ہے۔ انشاء اللہ فاطمہؑ کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوگا جو تمھاری گود میں رہے گا۔ تم اس کو دودھ پلاؤ گی۔ واقعاً ایسا ہی ہوا کہ جناب فاطمہؑ کے ہاں حضرت امام حسینؑ پیدا ہوئے جو حضرت رسول خداؐ کی پیشن گوئی

[1] یہ ام الفضل حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چچا کی بیٹی تھیں اور سالی بھی۔ چچی اس طرح کہ چچا جناب عباس بن عبدالمطلب کی بیوی تھیں اور سالی اس طرح کہ آنحضرتؐ کی بیوی جناب میمونہ کی بہن تھیں۔ (اصابہ جلد ۸، ص ۲۲۳، مطبوعہ مصر)

کے مطابق میری گود میں پرورش پانے لگے۔ ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ میں (امام حسینؑ کو لے کر) حضرت رسولؐ خدا کی خدمت میں حاضر ہوئی اور حسینؑ کو گود میں دے دیا پھر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ اس کے بعد جو ادھر پھری تو کیا دیکھتی ہوں کہ حضرت رسولؐ خدا کی دونوں آنکھوں سے آنسوؤں کے دریا جاری ہیں۔ وہ کہتی تھیں کہ یہ دیکھ کر میں (گھبرائی) حضرت سے پوچھا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے ماں باپ حضورؐ پر نثار ہو جائیں کیا ہوا آپؐ کیوں رونے لگے؟ حضرت نے فرمایا کہ ابھی میرے پاس جبرئیلؑ آئے تھے اور مجھے خبر دی کہ میری ہی امت میرے اس بیٹے کو بہت جلد قتل کرے گی۔ میں نے (گھبرا کر) پوچھا کیا اس صاحبزادے کو؟ حضرت نے فرمایا ہاں اور مجھ کو ان کے قتل گاہ کی سرخ مٹی بھی دی ہے''۔

(مشکوۃ شریف باب مناقب اہل بیت مطبوعہ لاہور جلد ۸، ص ۱۴)

مولوی صاحب: اب بس بھی کرو گی یا پڑھے ہی چلی جاؤ گی؟ ایک ہی مضمون کو سینکڑوں کتابوں سے پڑھنے سے تمھارا دل نہیں گھبراتا؟

حسینی بیگم: چونکہ آپ نے کہا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۱۱ھ میں انتقال فرما گئے تھے پھر حضرت امام حسینؑ کی شہادت کی خبر کیسے دی جو ۶۱ھ میں واقع ہوئی۔ اس وجہ سے میں نے حدیث ہی کی اتنی بڑی اور معتبر کتابوں سے اس روایت کو بیان کر دیا کہ آپ کو یا کسی کو اس کے بارے میں کچھ بھی کہنے یا شک وشبہہ کرنے کی گنجائش نہ رہے بات ایک ہی تھی مگر مختلف علماء ومحدثین کی متعدد کتابوں میں اور اسی طرح مختلف صحابہ کرام وتابعین کی روایتوں سے ہے اس وجہ سے سب کو ذکر کر دیا۔ اگرچہ میں دیکھتی تھی کہ آپ اس طول بیان سے گھبرا رہے ہو۔ جب خدا نے آنحضرتؐ پر وحی نازل فرمائی تھی تو کیا یہ خبر کبھی غلط ہوسکتی تھی؟

مولوی صاحب: ایک ہی بات اگرچہ سینکڑوں کتابوں میں ہو مگر کئی دفعہ سننے سے دل نہیں لگتا اور وہ بات بھی خلاف فصاحت معلوم ہوتی ہے۔

حسینی بیگم: مگر جو ضروری بات ہو اس کا بار بار کہے جانا عین فصاحت ہے۔
دیکھو خدا نے قرآن مجید سورہ رحمان (پ ۲۸) میں ایک دو آیت کے بعد:

فبای الاء ربکما تکذبان۔
''اے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کا انکار کرو گے۔''

فرمایا ہے: اس چھوٹی سی سورۃ میں جس میں صرف ۸۷ آیتیں ہیں ۳۰ مرتبہ سے زیادہ خدا نے اسی آیت کو ذکر کیا ہے تو کیا وہ بھی معاذ اللہ خلاف فصاحت ہی ہے۔

مولوی صاحب: تم تو ہر بات میں مجھے ہرا دیتی اور میری زبان بند کرا دیتی ہو۔ قرآن کو کوئی شخص خلاف فصاحت کیسے کہہ سکتا ہے اور یہ بھی ٹھیک ہے کہ سورہ رحمٰن میں خدا نے تقریباً ہر آیت کے بعد اس آیت کو بیان فرمایا ہے۔

حسینی بیگم: آپ گھبرا گئے تو میں بھی اب ان پیشن گوئیوں کو ختم کرتی ہوں۔ اگرچہ ابھی بہت باقی رہ گئی ہیں اور سب ذکر کی جائیں تو سو (۱۰۰) سے کم نہ ہوں گی مگر میں آخر میں صرف ایک پیشن گوئی اور بیان کر کے اس کو تمام کر دوں گی۔ حضرت غوث اعظم محبوب ربانی غوث صمدانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کو تو خوب جانتے ہو۔ حضرت ممدوح نے بھی اپنی مشہور کتاب میں تحریر فرمایا ہے:

(۲۵) روی عن ام سلمۃؓ انہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی منزلی اذا دخل علیہ الحسینؑ فطالعت علیہما من الباب و اذا الحسینؑ علی صدر النبی صلی اللہ علیہ وسلم یلعب و فی ید النبی صلی اللہ علیہ وسلم قطعۃ من طین و دموعہ تجری فلما خرج الحسینؑ دخلت فقلت بابی انت وامی یارسول اللہ طالعت علیک وفی یدک طینۃ وانت تبکی فقال صلی اللہ علیہ سلم لی لما فرحت بہ وھو علی صدری یلعب اتانی جبرئیل عم و ناولنی الطینۃ التی یقتل علیہا فکذالک بکیت

''یعنی حضرت ام سلمہ ؓ بیان کرتی تھیں کہ ایک روز حضرت رسول ؐ خدا میرے گھر تشریف رکھتے تھے ۔ اتنے میں حضرتؐ کے پاس حسین ؓ پہنچ گئے ۔ میں دروازہ سے دونوں صاحبوں کو جھانک کر دیکھنے لگی تو کیا دیکھتی ہوں کہ حضرت رسول ؐ خدا کے سینہ پر حضرت حسین ؑ چڑھے ہوئے کھیل رہے ہیں اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں تھوڑی مٹی ہے اور حضرت ؐ کی آنکھوں میں آنسو جاری ہیں ۔ جب حسینؑ وہاں سے نکل آئے تو میں حضرت ؐ کی خدمت میں گئی اور عرض کی اے رسول ؐ خدا! میرے باپ اور ماں حضور پر نثار ہو جائیں ۔ میں نے در سے جھانک کر حضور کو دیکھا تو آپ کے ہاتھ میں مٹی تھی اور آپ روتے تھے وہ مٹی کیسی تھی اور حضور کیوں روتے تھے؟ اس پر حضرت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب حسینؑ میرے سینہ پر کھیل رہے تھے اور میں ان کے کھیل سے باغ باغ ہو رہا تھا تو جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور مجھے اس جگہ کی مٹی دی جہاں میرا فرزند حسینؑ ذبح کیا جائے گا اسی سبب سے میں رو رہا ہوں ۔ (کتاب غنیۃ الطالبین مصنفہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ مطبوعہ دہلی ص ۶۸۳)

کہو تو میں ابھی اور سینکڑوں کتابوں سے اس پیشنگوئی کو بیان کروں ۔

مولوی صاحب: نہیں، بس کرو۔ اب بالکل ضرورت نہیں ہے یقیناً حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسینؑ کی شہادت کی پیشین گوئی کی تھی ۔ اس میں وہی عذر کرے گا جو آنکھ اور عقل دونوں کا اندھا ہوں ۔

سولھواں باب

کیا امام حسین علیہ السلام یقیناً شہید ہوئے؟

مولوی صاحب: مگر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیا ضرور قتل ہی ہوئے؟
حسینی بیگم: اس سے تمھارا کیا مطلب؟ کیا اس میں بھی کسی کو شبہ ہو سکتا ہے؟
مولوی صاحب: ہو کیوں نہیں سکتا۔ اگر کوئی انکار کردے تو تم روک سکتی ہو؟
حسینی بیگم: نہیں انکار کرنے میں کیا کوئی نہیں روک سکتا۔ یہ بتاؤ اگر کوئی شخص آپ سے کہے کہ یہ زمین نہیں ہے۔ دن کو آفتاب نکلا ہوا اور وہ کہے کہ نہیں ہے۔ رات کو چاند چمکتا ہو اور وہ کہے نہیں۔ یہ بھی کہے کہ یہ مکان نہیں ہے۔ یہ تخت نہیں بچھا ہے یہ لوٹا نہیں رکھا ہے تو اس کی زبان کون پکڑ سکتا ہے؟
مولوی صاحب: مگر یہ چیزیں تو ایسی ہیں جن سے کوئی انکار کرے گا تو پاگل سمجھا جائے گا۔
حسینی بیگم: پھر کیا جو شخص حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت سے انکار کرے وہ عاقل مانا جائے گا۔ یہ بتاؤ اگر کوئی شخص کہے کہ حضرت رسول خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہی نہیں ہوئے تھے تو اس کا کیا علاج ہو سکتا ہے۔
مولوی صاحب: اس سے کہا جائے گا کہ حضرتؐ کے کلمہ گو آج کروڑوں دنیا میں موجود ہیں اور کروڑوں مر گئے۔ اگر حضرت پیدا نہیں ہوتے تو اتنے مسلمان حضرتؐ کو پیغمبر کیوں مانتے؟
حسینی بیگم: بس جتنے مسلمان آج موجود ہیں اور جس قدر مر گئے وہ سب جس طرح حضرت رسولؐ خدا کو پیغمبر مانتے رہے یہ بھی کہتے رہے کہ حضرتؐ کے نواسے امام حسین علیہ السلام کربلا میں شہید ہوئے ہیں۔ کوئی عاقل ایسا نہیں ملے گا جو حضرت رسولؐ خدا کے پیدا ہونے کو مانے اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت سے انکار کرے اور جس طرح دنیا کی صحیح ترین کتابوں میں رسولؐ خدا کا پیدا ہونا اور پیغمبری کا دعویٰ کرنا اور مکہ شریف سے مدینہ شریف ہجرت کرنا لکھا

ہے۔ بالکل اسی طرح انھیں کتابوں میں حضرت امام حسین علیہ السلام کا جناب رسول خدا کا نواسا ہونا نیز ۶۱ ھ میں شہید ہونا اور کربلا میں دفن ہونا لکھا ہے۔ ذرہ برابر دونوں میں فرق نہیں ہے۔ بلکہ یہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاریخ ولادت سے زیادہ یقینی ہے۔

مولوی صاحب: ہاں ہے تو ایسا ہی۔ مگر دہلی میں ایک صاحب مرزا حیرت پیدا ہوئے تھے جو اخبار کرزن گرنٹ دہلی کے اڈیٹر تھے۔ انھوں نے ۱۹۰۵ء مطابق ۱۳۲۳ھ میں رافضیوں کے چڑانے کو لکھ دیا تھا کہ امام حسین رضی اللہ عنہ شہید نہیں ہوئے۔

حسینی بیگم: ایسے ہی لوگوں کی باتوں کی طرف توجہ کی جائے تو مجھے یقین ہے کہ اگر آپ کے دوست کہہ دیں کہ تمھارے کان ہی نہیں ہے تو تم آپ اپنے کو واقعاً کن کٹا مان لو گے۔

مولوی صاحب: تم تو مذاق کرنے لگیں۔

حسینی بیگم: اس میں مذاق کیا ہے۔ آپ خود کہتے ہیں کہ مرزا حیرت نے رافضیوں کے چڑانے کو حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت سے انکار کر دیا۔ اسی طرح میں بھی کہتی ہوں کہ اگر کوئی آپ کو چڑانے کو کہہ دے کہ آپ کے کان نہیں ہیں تو آپ اس کو سچا کہہ دو گے۔

مولوی صاحب: لیکن فرض کرو رافضیوں کے چڑانے کو نہیں بلکہ واقعاً تحقیقی طور پر کوئی شخص کہے کہ امام حسین کی شہادت کو نہیں مانتا تو اس کو کیا جواب دیا جائے گا؟

حسینی بیگم: اس سے پوچھا جائے گا کہ مسلمان ہے یا غیر مسلم۔ اگر مسلمان ہے تو مسلمانوں کی صحیح ترین کتابوں کو دکھایا جائے گا اور غیر مسلم ہے تو ان لوگوں کی کتابوں سے سمجھا دیا جائے گا۔

مولوی صاحب: مسلمانوں کی کتابیں تو زیادہ تر عربی زبان میں ہیں جن کو مولوی لوگ سمجھ سکتے ہیں تو یہ لوگ ایسے واقعہ سے انکار ہی کیوں کریں گے۔ البتہ جو لوگ صرف اردو سمجھتے ہیں ان کو کیوں کر یقین کرایا جا سکتا ہے۔

حسینی بیگم: واہ یہ خوب کہی۔ اردو میں بھی بہت سے کتابیں بڑے بڑے علمائے کرام کی ہوگئی ہیں۔ ان میں تلاش کرنے سے حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا واقعہ ضرور مل جائے گا۔

مولوی صاحب: تمھارے پاس کوئی کتاب ہو تو دکھاؤ۔ حسینی بیگم اٹھ کر گئیں اور الماریوں

سے چند کتابیں نکال لائیں پھر اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

حسینی بیگم: آپ شمس العلماء حافظ مولوی ڈپٹی نذیر احمد صاحب دہلوی کو تو خوب جانتے ہو جن کا مترجم کلام شریف مسلمانوں میں پھیلا ہوا ہے۔آپ بھی تو انھیں کی مترجم حمائل میں تلاوت کرتے ہو۔ان کی کتابوں میں اگر یہ واقعہ لکھا ہو تو یقین ہو گا یا نہیں؟

مولوی صاحب: ہاں ہاں ضرور ہوگا۔ایسے محقق اور مستند علماء اب پیدا کہاں ہوتے ہیں۔ان لوگوں کی تحقیق اور علمی و دینی خدمات کا توڑ نکا نچ رہا ہے۔وہ بڑے قابل اور قابل تعریف معلومات کے بزرگ گزرے ہیں۔وہ گورنمنٹ اور پبلک دونوں میں ایسے معزز اور جلیل القدر عالم مانے گئے کہ ہندوستان بھر میں عربی علوم کا جو سب سے بڑا سرکاری امتحان ''مولوی فاصل'' پنجاب یونیورسٹی میں ہوتا ہے۔اس میں عربی علم ادب کے ممتحن وہ مرتے وقت تک ہوتے رہے۔کیا عجب ہمارے شیر پنجاب اور سردار فرقہ اہلحدیث مولانا ثناء اللہ صاحب مولوی فاضل ایڈیٹر امرتسر کے امتحان مولوی فاضل میں بھی وہ ممتحن رہے ہوں اور ان کا بھی امتحان انھیں نے لیا۔

حسینی بیگم: بس بس اس سے زیادہ ان کی قابلیت کی اور کیا دلیل چاہیے دیکھو وہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں: ''علی ؓ کے نام کے ساتھ ہمارا ذہن فاطمہ ؓ کی طرف منتقل ہوتا ہے اور فاطمہ ؓ کے خیال کے ساتھ یہ بات بھی خواہی نہ خواہی خیال میں آتی ہے کہ پیغمبر ؐ کے انتقال سے اس وقت کے ہر ایک مسلمان کو کیا مرد کیا عورت کیا اپنے کیا پرائے۔کیا مہاجرین کیا انصار سبھی کو قلق ہوا۔مگر قلق قلق میں فرق تھا۔بڑا قلق فاطمہ ؓ کا تھا کہ ان کے حق میں گویا مصیبت کا آسمان ٹوٹ پڑا تھا انھوں نے باپ کے مرنے کا اتنا رنج کیا اور کرنا ہی تھا کہ چھ مہینے کے اندر ہی گھل گھل کر مر گئیں اور جتنے دن جئیں ہنسا تو درکنار مسکرائیں تک نہیں۔ہم کو جب فاطمۃ الزہرا ؓ کا خیال آتا ہے تو بے اختیار جی چاہتا ہے کہ علی ؓ کو خلافت مل جاتی تو غمزدہ فاطمہ ؓ کی کچھ تو دلجوئی ہو جاتی۔یہ خیال اور بھی زیادہ تکلیف دیتا ہے جب دیکھا جاتا ہے کہ پہلے انتخاب میں علی ؓ کی ناکامی نے پیغمبر اسلام کی نسل کی اسلامی وقعت کو کم کرتے کرتے آخر کو بالکل زائل کر دیا۔ اب جو کچھ بھی اسلامی وقعت پیغمبر اسلام کی نسل کی رہ گئی ہے وہ یہی ہے کہ درود میں آل محمد ؐ کا

نام برائے نام ابھی تک باقی چلا جاتا ہے ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ ایک شخص قوم کو کسی طرح کا فائدہ پہنچاتا ہے تو لوگ اس کی نسلوں تک کا احسان مانتے ہیں۔ ایک پیغمبر اسلام تھے کہ بھکڑوں لٹیروں کے بادشاہ، بدمعاشوں کو بھلا مانس، بت پرستوں کو خدا پرست، نالائقوں کو لائق، وحشیوں کو مہذب، جانوروں کو انسان بنا گئے ان کے ان تمام احسانات کا بدلہ ان ہی کی امت نے ان کے نواسے نواسیوں، بہو، بیٹوں کو جو دیا اور جیسا دیا اس کا رونا آج تک اسلامی دنیا میں رویا جارہا اور قیامت تک رویا جائے گا۔ قطعہ

اَتَــرْجُــوا اُمَّةٌ قَتَـلَـتْ حُسَيْـنًــا
شِــفَــاعَةَ جَــدِّه يَــوْمَ الْـحِسَــابِ
فَلَا وَاللّٰـــهِ لَيْـــسَ لَهُــمْ شَـفِيْــعٌ
وَهُــمْ يَــوْمَ الْـقِيَــامَةِ فِــي الْـعَـذَابِ

''جس اُمت نے حسینؓ کو قتل کیا کیا وہ اس بات کی امید رکھتی ہے کہ قیامت کے روز ان کے نانا کی شفاعت اسے نصیب ہوگی۔ قسم خدا کی اس روز ان کا کوئی سفارشی نہ ہوگا اور وہ قیامت کے دن مبتلائے عذاب ہوں گے۔ پیغمبر کی نسل کے ساتھ ان کی امت کا برتاؤ جو کچھ بھی اور جیسا کچھ بھی ہوا نامناسب ہوا بے جا ہو۔''

(کتاب امہات الامۃ مطبوعہ دہلی، ص ۹۴)

اس عبارت میں مجھے صرف اس جملہ سے مطلب ہے ''جس امت نے حسینؓ کو قتل کیا''۔ جس سے معلوم ہوا کہ ممدوح نے امام حسینؓ کے قتل کو مانا۔ پھر ممدوح لکھتے ہیں ''علیؓ اور معاویہ کی نزاع کا انجام یہ ہوا کہ مقام صفین میں دونوں کے لشکر صف آرا ہوئے اور طرفین کے تیس ہزار آدمی مارے گئے اور آخر کار ابوموسیٰ اشعری علیؓ کی طرف سے اور عمرو بن العاس معاویہ کی طرف سے حکم قرار پائے کہ جس کو خلیفہ قرار دیں وہی خلیفہ۔ عمرو بن العاص معاویہ کا وزیر تھا وہ بھی معاویہ کی طرح بڑے جوڑ توڑ کا آدمی تھا۔ ''وزیرے چنیں شہریارے چناں'' اس نے ابوموسیٰ کو دھوکا دے کر اپنے تئیں حکم مستقل بنایا اور علیؓ کو خلافت سے معزول

کردیا۔علیؓ اور کوفیوں نے جو علیؓ کے مددگار تھے عمرو بن العاص کے فیصلہ کو نہ مانا اور خلافت بدستور و عملی میں رہی۔ کوفیوں کے خلیفہ علیؓ اور عراقیوں اور شامیوں کے معاویہ۔ یہاں تک کہ علیؓ عبدالرحمان بن ملجم کے ہاتھ سے شہید ہوئے اور ادھوری امر متنازع فیہ خلافت کے لیے کوفیوں نے حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ آخر حسنؓ نے خلافت کے دردسر کو اپنی اور عامہ مسلمین کی عافیت میں خلل انداز سمجھ کر یہ کالائے بد معاویہ کے سر ماری۔ پھر بھی معاویہ کو نسل اہلبیت کی طرف سے کھٹکا لگا رہا اور اس نے اپنے بیٹے یزید کے لیے بیعت لینی شروع کی۔ حسینؓ نے انکار کیا۔ دونوں میں لڑائی تھی۔ اس لڑائی کو جو انجام ہوا آج تک مسلمان اس کو روتے ہیں اور اس کے سوا وہ کر بھی کیا سکتے ہیں ۔

نہ ماند ستمگار بد روز گار
بماند برو لعنت پائے دار
پند اشت ستم گر جفا برما کرد
بر گردن او بماند و برما بگزشت

(دیکھو امہات الامۃ، ص ۱۳۱)

مولوی صاحب: اس شعر میں تو یزید وغیرہ پر لعنت بھی کر دی اور مولانا نذیر احمد صاحب نے اس کو نقل کر کے بتایا کہ وہ بھی سبھوں پر لعنت کرتے ہیں۔

حسینی بیگم: مولانا ممدوح ہی یہ بھی تحریر فرماتے ہیں ''علیؓ کے دوسرے فرزند حسینؓ نے معاویہ کے بیٹے یزید کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا اور کوفہ میں آکر اپنی خلافت پر لوگوں سے بیعت لی۔ جس کا نتیجہ وہ ہوا جو سب کو معلوم ہے۔ حسین قتل ہوئے۔ پیچھے عبدالمالک بن مروان نے ان کے صاحبزادے زین العابدینؓ کو قید میں رکھا اور آخر کار زہر دے کر مار ڈالا''۔

(امہات الامۃ، ص ۹۵)

ایک جگہ اور تحریر فرماتے ہیں: ''بی بی ام سلمہؓ کا انتقال شوال کے مہینہ ۶۲ھ میں ہوا اس وقت ان کی عمر ۸۳ برس کی تھی۔ ازواج مطہرات میں سب سے آخر میں ان ہی کا انتقال ہوا ان

کے انتقال سے کچھ پہلے ۶۱ ھ میں حسینؓ بن علیؓ بمقام کربلا میں شہید ہوئے۔ بی بی ام سلمہؓ نے مدینہ اسی روز اس واقعے کی خبر شائع کر دی تھی۔ چنانچہ ترمذی میں ابورافع کی بیوی سلمٰی سے روایت ہے کہ میں ایک روز بی بی ام سلمہؓ کے پاس گئی دیکھتی ہوں کہ وہ زار و قطار رو رہی ہیں۔ میں نے رونے کا سبب پوچھا تو کہنے لگیں میں نے ابھی جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور اس وحشتناک حالت میں دیکھا کہ آپ کے سر اور ڈاڑھی مبارک کے تمام بال خاک آلود ہو رہے ہیں۔

فرمایا ام سلمہؓ! میں ابھی ابھی مقتل حسین میں گیا تھا اور وہیں سے آ رہا ہوں۔ سلمٰی کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے چند روز بعد میں نے سنا کہ قتل حسینؑ کی خبر مدینے کے ہر چہار طرف گشت کر رہی ہے۔'' (امہات الامۃ، ص ۱۲۱)

ایک اور مقام پر لکھا ہے کہ: ''پیغمبر صاحب کی صاحبزادی فاطمۃ الزہرؓ آپ کے چچازاد بھائی علی بن ابی طالبؓ سے بیاہی گئیں اور ان سے تین صاحبزادے حسن، حسین، محسن رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دو صاحبزادیاں ام کلثوم اور زینب پیدا ہوئیں۔ محسن تو حالت رضاعت ہی میں انتقال کر گئے اور حسن و حسینؓ بڑے ہو کر صاحب اولاد ہوئے۔ حسنؓ نے آخر میں زہر کے صدمے سے وفات پائی اور حسینؓ معرکہ کربلا میں شہید ہوئے۔ (امہات الامۃ، ص ۵۷)

مولانا ابوالکلام آزاد دہلوی کو بھی آپ خوب جانتے ہیں جن کی قابلیت کا شہرہ ہے۔ انھوں نے اخبار وکیل امرتسر۔ اپنے اخبار الہلال و البلاغ کلکتہ وغیرہ میں بہت سے مضامین حضرت کی شہادت پر لکھے ہیں۔ حال میں اخبار حقیقت لکھنؤ نے بھی موصوف کا ایک مضمون ''فلسفہ شہادت'' کی سرخی سے شائع کیا ہے۔ (دیکھو اخبار حقیقت لکھنؤ مورخہ ۱۵ اور ۱۶ محرم ۱۳۵۱ھ)

تمھارے شیر پنجاب مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسر مولوی فاضل و ایڈیٹر اخبار اہلحدیث و سردار فرقہ اہلحدیث نے بھی اپنے اخبار اہلحدیث امرتسر میں پچیسوں مضمون شہادت پر لکھے ہیں۔ جن سب میں اقرار کیا ہے کہ امام حسین علیہ السلام ۱۰ محرم ۶۱ ھ کو کربلا میں شہید ہوئے اور جناب مولانا شاہ سلیمان صاحب پھلواروی نے جو کیسے محترم رکن مذہب اہل سنت کے ہیں اس

بحث میں ایک مستقل کتاب ہی لکھ دی ہے جس کا نام ہے ''شہادت حسینؑ'' یعنی حضرت سید الشہداء امام۔ ہمام جناب سیدنا ومولانا امام حسین علی جدہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی شہادت کا ثبوت احادیث صحیحہ وکتب تواریخ وسیر معتبر ہے اور جناب مرزا حیرت دہلوی کے اعتراضات وشکوت وشبہات کی تردید اور اس کے جوابات ہم اہل سنت والجماعت کی طرف سے''۔

(رسالہ شہادت حسین، ص ا)

اس رسالہ کو ممدوح نے بشیر ہند پریس امرتسر میں چھپوا کر شائع کر دیا تھا۔

مولوی صاحب: ہاں ہاں مدت ہوئی میں نے بھی وہ رسالہ دیکھا۔ واللہ بڑی قابلیت اور جامعیت سے لکھا ہے اور اچھی تحقیقات جمع کی ہیں۔ تمھارے پاس وہ ہے یا نہیں۔

حسینی بیگم: ابا جان نے بڑی کوشش سے اس کے دو نسخے منگوائے تھے ایک خود رکھا اور ایک مجھے دیا۔ میں اس کو کئی مرتبہ پڑھ چکی ہوں۔ بعض بعض جگہ تو واقعہ شہادت کے متعلق خوب ہی تحقیق کی داد دی ہے۔

مولوی صاحب: آج مجھے کوئی ایسا ضروری کام نہیں ہے۔ لاؤ اسی میں جی بہلایا جائے۔ اس رسالہ کو بھی نکالو اور مختلف جگہ سے اس کی کچھ عبارتیں پڑھو۔ حسینی بیگم گئیں اور الماری سے رسالہ شہادت حسینؑ نکال لائیں۔

مولوی صاحب: رسالہ تو بہت مختصر ہے۔

حسینی بیگم: مگر تحقیقات کا جوہر بھی ہے۔ میرے اختیار میں ہو تو اس کے کئی ہزار نسخے چھپوا کر مسلمانوں میں مفت بانٹ دوں۔

مولوی صاحب: اچھا کچھ پڑھو۔

حسینی بیگم: سنو۔ مولانا ممدوح تحریر فرماتے ہیں: ''نہ شہادت کا واقعہ ہمارے یا کسی سنی کے نزدیک جزو ایمان ہے اور نہ اسے اسلام وایمان کا کوئی رکن سمجھتا ہوں۔ ہاں یہ میرا عقیدہ ہے کہ اسلام میں یہ واقعہ ایک بہت ہی عجیب وغریب سخت دردناک ودل سوز اور مصیبت انگیز واقعہ ہوا اور کہ حضرت سید الشہداء علیہ السلام کی شہادت کمال تواتر سے ثابت ہے۔ یہ بات یاد

رکھنا چاہیے کہ کسی ولی و بزرگ خلفائے اربعہ اور خود حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات شریف کا واقعہ یا تاریخ وغیرہ اس تواتر سے ثابت نہیں جیسا کہ سید الشہداء علیہ السلام کی شہادت کا واقعہ ثابت ہے۔ خلفاء کی وفات کی تاریخوں میں اختلاف خود حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات شریف کی تاریخوں میں اختلاف لیکن امام مظلوم کی شہادت میں ذرا اختلاف نہیں۔ تمام احادیث وتواریخ وغیرہ سے باتفاق ثابت ہے کہ امام حسینؑ دسویں محرم کو کربلا میں شہید ہوئے پھر ایسے مسلم اور کھلے واقعہ کا انکار ظلم نہیں تو کیا ہے؟ اگر ایسا ہی ہے تو پھر دنیا میں کون سا واقعہ سچا ہوگا اور ایک متواتر واقعہ کا انکار بالکل عقل وفہم کے خلاف ہے۔ خصوصاً جب کہ وہ تواتر بھی اس درجہ کو پہنچ گیا ہو کہ نہ اسلامی دنیا بلکہ تمام تاریخی وعلمی دنیا اسے تسلیم کرتی ہے اور تمام محققین اس کے تواتر کو اور اس واقعہ کو صحیح مانتے ہوں۔ اس کا انکار کرنا عقل ودانش سے بالکل بعید ہے۔ چنانچہ عیسائی مورخوں نے بھی اپنی کتابوں میں امام مظلوم کا ذکر کیا ہے۔ مسٹر جیمس کارکرن صاحب مورخ جو مترجم صدر دیوان عدالت کلکتہ تھے جنھوں نے تاریخ چین لکھی اور ۱۸۴۸ء میں دو جلدوں میں بزبان اردو طبع کرا کے شائع کی۔ انھوں نے تاریخ چین دفتر دوم باب سولہ میں جہاں مغلوں اور ختائیوں کی لڑائیوں اور بہادریوں کا ذکر کیا ہے۔ یوں تحریر فرماتے ہیں ...... اسی طرح علامہ جرجی زیدان مصری عیسائی اڈیٹر الھلال جو علوم مشرقیہ و مغربیہ میں اس وقت دنیا میں اپنی آپ نظیر ہیں۔ انھوں نے بھی اسلامی تاریخوں اور صحیح روایتوں سے شہادت امام حسینؑ کے واقعات کو جمع کر کے عربی زبان میں ایک کتاب غادہ کربلا لکھی ہے اور اس میں شہادت کے دردناک واقعات درج کیے ہیں وہ چھپ کر مصر میں شائع و ذائع ہے۔ اسی طرح محققین اور غیر اقوام کے مورخین نے بھی اس واقعہ کی تصدیق اور اس کا تذکرہ کیا ہے۔ (رسالہ شہادت حسین، ص ۳) پھر لکھتے ہیں: ''باتفاق کتاب سر الشہادتین حضرت شاہ عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ ہی کی تصنیف ہے اور کوئی روایت اس کی بے سند نہیں پائی جاتی اور حضرت شاہ صاحب نے فقط سر الشہادتین نہیں بلکہ اپنی تفسیر میں بھی امام عالی مقام کی شہادت کا ذکر کیا ہے اور اپنی مناظرہ کی کتاب ''تحفۂ اثنا عشر (جو شیعوں کی تردید میں لکھی گئی

ہے) میں بھی اس کا جا بجا مذکور کیا ہے...... اور صرف شاہ صاحب ہی نہیں ان کے والد ماجد حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی جوفن حدیث کے بڑے نقاد گزرے ہیں اپنی تصنیفات میں امام علیہ السلام کی شہادت اور اس کے بارے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشن گوئی کو بیان فرمایا ہے'' (ص ۴) ۔ پھر لکھا ہے: ''ناظرین! اسلام میں جب سے تالیف وتصنیف کی بنیاد پڑی اور احادیث اور تاریخی واقعات قلمبند ہونے لگے۔ اس وقت سے اس وقت یعنی دوسری صدی کے آخر سے چودہویں صدی ہجری کے شروع تک جتنی کتابیں اسلامی تاریخ کی کہلاتی ہیں اور جن کو محدثین ومورخین نے جمع کیا ہے سب کی سب اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام شہید کربلا ہیں۔ ایسے تواتر کا انکار کرنا ہم نہیں سمجھ سکتے کہ کوئی عاقل کیوں کر تسلیم کرسکتا ہے اور متواتر کا جواب متواترات ہی سے ہونا چاہیے نہ کہ کسی قصہ وکہانی سے۔ بارہ سو برس کے محدثین ومورخین اور کامہ امت کو محض غلطی اور دھوکے پر قرار دینا خود اپنے نفس کا ایک بہت بڑا دھوکا اور فریب ہے۔ طبقات صحابہ میں ہم نے جن کتابوں کا ذکر کیا ہے ان کے مصنفین ایک ملک یا شہر کے رہنے والے نہ تھے بلکہ مختلف بلاد و امتصار کے۔ ابن سعد بغدادی ہیں۔ ابن اثیر شامی۔ ابن حجر مصری اور عبدالبر اندلسی۔ اندلس پر ہمیشہ بنی امیہ حاوی رہے اور ان کی وہاں ایک مستقل سلطنت تھی۔ وہاں کے اکثر علماء حب امویت میں سرشار تھے۔ جیسے ابن عربی مالکی اور ابن خلدون وغیرہ مگر کسی عالم نے امام حسین کے واقعہ شہادت کو غلط نہیں بتایا۔ بلکہ قرطبی وغیرہ نے اس واقعہ کو بہ تفصیل تمام ذکر کیا ہے۔ ہاں امام حسین علیہ السلام کو کچھ لوگ برسر غلط اور باغی بتاتے تھے۔ معاذ اللہ من ذالک۔ لیکن اصل واقعہ سے انکار نہ تھا...... مگر یہاں معاملہ برعکس ہے۔ مدعی سست وگواہ چست۔ یعنی بنی امیہ بھی اس واقعہ شہادت کو غلط نہ بتائیں بلکہ سچ سمجھیں اور جناب مرزا صاحب اس کو غلط بتائیں۔ ذالک عجب عجاب...... ناظرین اب اور آگے چلیے۔ ہمارے محدثین کے تعلقات فقط متون حدیث ہی تک محدود نہ رہے۔ واقعات عالم اور انقلابات سلطنت کی طرف بھی ان کی نگاہیں تھیں اور ان کو قلمبند کرتے جاتے تھے۔ دوسری صدی کے آخر میں تاریخ کا سلسلہ بھی شروع

ہو گیا اور یوماً فیوماً مستند تاریخوں کا مجموعہ و ذخیرہ تیار ہو گیا اور تیسری صدی کے مشہور مولفات سے اس وقت دو تاریخیں میرے ہاں موجود ہیں۔ ایک کتاب الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ دنیوری کی جنھوں نے ۲۷۰ھ میں انتقال کیا۔ یہ کتاب اسی سال مصر میں چھپی ہے۔ دوسری کتاب تاریخ طبری ہے جو اسلامی دنیا میں نہایت ہی شہرہ آفاق اور ہر زمانہ میں اس پر بہت ہی اعتماد کیا گیا ہے یہ جرمن میں طبع ہوئی ہے۔ علامہ ابن خلدون اور علامہ ابن اثیر وغیرہ اسی کے خوشہ چین ہیں۔ اس کی روایتیں بقاعدہ اہل حدیث حدثنا اوراخبرنا کر کے ہے..... ان سب کتابوں میں حضرت امام حسینؓ کی شہادت کا واقعہ بہ تفصیل تمام درج ہے۔ مرزا حیرت جب تک ان قدیم تاریخوں سے جن کو ابتدائی تاریخ و کتاب ہونے کا حق ہے پہلے کی کوئی کتاب و تاریخ ابطال شہادت میں نہ پیش کریں اور اس کی روایات کو محدثین کے قاعدہ پر پرکھ کر نہ بتالیں۔ کوئی عاقل کب ادھر توجہ کر سکتا ہے اب خاص کتب حدیث کو ملاحظہ فرمائیے۔ اسلامی دوسری صدی سے سلسلہ تالیفات شروع ہو گیا تھا اور چوتھی صدی تک ایک مضبوط ذخیرہ تیار ہو گیا۔ جس میں موطا امام مالک بن انس اور مسند امام احمد بن محمد بن حنبل رحمہما اللہ تعالیٰ اور صحاح ستہ وغیرہ مشہور متداول ہیں۔ موطا میں مراسیل و موقوف اخبار بہت ہیں۔ اس لیے مسند امام احمد اور جامع صحیح (صحیح بخاری) امام بخاری کی اس سے زیادہ کارآمد اور مبسوط ہے اور ان تمام کتب میں جامع صحیح امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی اصح الکتب کہلاتی ہے اور عامہ اہل علم اس کی صحت پر متفق ہیں۔ اس کی حدیث کو موضوع کہنا تو بڑی بات ہے کوئی ضعیف بھی نہیں کہہ سکتا۔ اس کتاب کی حدیثیں اور واقعات بالکل صحیح ہیں۔ مگر یہاں بھی مجھے حسرت سے یہی لکھنا ہوتا ہے کہ.....شہادت امام حسین علیہ السلام کا اس میں مذکور ہوا ہے۔'' (رسالہ شہادت حسین، ص ۱۳)

پھر ایک جگہ مولانا ممدوح تحریر فرماتے ہیں: ''اب غور کرنا چاہیے کہ پیشن گوئی شہادت کس قدر کثرت طرق سے مروی ہے۔ اگر اس پر تواتر معنوی کا بھی حکم لگایا جائے تو شاید بے جا نہ ہوگا۔ حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰؓ اور خود حضرت امام حسینؓ اور حضرت ابن عباس اور حضرت انس رضی اللہ عنہم اور حضرت امہات المومنین حضرت عائشہ۔ حضرت ام سلمہ اور حضرت

زینب بنت جحش رضی اللہ عنہن اور والدہ ابن عباس حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہما نے اس پیشن گوئی کی روایت کی ہے اور ہر طبقہ کے محدثین اس کو اپنی کتابوں میں سند کرتے آئے ہیں۔ مثل امام احمد بن محمد بن حنبل ۔ ابن ابی شیبہ۔ عبد بن حمید کش ۔ ابو داؤد بروایتے ۔ ابن سعد طبری حاکم ۔ عبدالرزاق ۔ ابونعیم ۔ ابویعلیٰ ۔ ابن عساکر ۔ طبرانی وخطیب اور بیہقی وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ اور پھر ان سے اکابر محدثین وعلمائے محققین نقل کرتے آئے ہیں جیسے ابن تیمیہ، ابن قیم، نودی، بن اصلاح سبکی، ابن سبکی، قاضی عیاض بیضاوی، غزالی، ابن عربی، قرطبی، ذہبی، مزبی، ابن اثیر، ابن حجر عسقلانی، ابن حجر مکی، عینی، بخاری، سمہودی، شعرانی اور جلال الدین سیوطی، شیخ علی متقی، شیخ عبدالحق، شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز وغیرہم رحمتہ اللہ علیہم اجمعین اور کسی محدث نے ابتداء زمانہ تالیف وتصنیف احادیث سے لے کر آج تک اصل پیشن گوئی شہادت کو موضوع نہیں کہا۔ موضوعات صنعانی ابن جوزی، موضوعات سخاوی، موضوعات سیوطی، موضوعات ملاعلی قاری، موضوعات شوکائی شائع وذائع ہیں۔ مگر ان کتابوں میں اس واقعہ کی حدیث کو نہ موضوع کہا گیا اور نہ اشارۃ وکنایۃ بھی کسی نے بھی اس پیشن گوئی کا انکار کیا۔ علمائے اندلس جو خاص بنی امیہ کی سطوت و جبروت میں تھے وہ بھی اس واقعہ کو چھپا نہ سکے اور اکابر محدثین وعلمائے اندلس مثل ابوعمر، قرطبی، ابن خرم، حمیدی، ابن عربی، مالکی، ابن عربی صوفی، ابن عبدربہ، مقری وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ اپنی تصانیف وتوالیف میں برابر شہادت امام حسین علیہ السلام کا مذکور کرتے آئے۔ اور ان کی کتابیں ہم لوگوں کے ہاتھوں میں موجود اور شائع وذائع ہیں۔ ناظرین باتمکین تو یہ آپ بخوبی معلوم کر چکے کہ صحابی وسنن ومسانید اور تمام حدیث کی کتابیں اور سائر تواریخ وسیر وغیرہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت پر متفق ہیں اور تمام دنیا اور سارا جہان آپ کو شہید کربلا جانتا اور کربلا میں آپ کی شہادت کو مانتا ہے''۔ (شہادت حسین، ص ۴۱) اگر کہو تو اس کتاب کا اقتباس کچھ اور پڑھوں یا بس کروں۔

مولوی صاحب: نہیں بس۔ اس کتاب سے تو بہت عبارتیں پڑھ چکیں اب کسی اور کتاب کا مضمون سناؤ۔

حسینی بیگم: دیکھو جناب شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی صاحب علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:
''اب اسلام میں ہاشمی اور اموی دو طاقتیں حریف مقابل بن کر قائم ہوئیں اور ان کے باہمی معرکہ آرائیوں کی مسلسل تاریخ شروع ہوگئی۔ امام حسنؑ نے گو مصلحتِ خلافت سے ہاتھ اٹھالیا اور بظاہر معاویہ کی حکومت بے داغ رہ گئی۔ لیکن اسی زمانہ میں آل ہاشم و شیعگان علیؑ نے حضرت امام حسینؑ کو خلیفہ کرنا چاہا اور جب انھوں نے انکار کیا تو ان کے علاتی بھائی محمد بن حنیفہ کے ہاتھ پر خفیہ بیعت کی اور اکثر شہروں میں نقیب مقرر کیے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کے جانکاہ واقعہ کو ہم دوہرانا نہیں چاہتے۔ افسوس ہے کہ اس عبرت انگیز واقعہ نے خاندان نبوت کی تمام زندہ یادگاریں مٹادیں''۔ (المامون، ص۱۳)

اور مولانا موصوف نے ایک مستقل کتاب ہی لکھی ہے جس کا نام ہے ''موازنۂ انیس و دبیر'' جس میں واقعات کربلا کو تفصیل سے لکھا ہے اگر اس کتاب کی عبارت پڑھنی شروع کروں تو کئی دن اس میں صرف ہوجائیں۔

مولوی صاحب: ہاں اس کتاب سے کچھ پڑھنے کی ضرورت نہیں اس میں تو شروع سے آخر تک یہی باتیں ہیں۔ میر انیس اور میرزا دبیر صاحبان کے کلام میں فرق دکھایا ہے اور ہر واقعہ کربلا کو ویسا ہی یقینی مانا ہے جیسا میر صاحب اور مرزا صاحب کے وجود کو۔ مگر یہ لوگ زیادہ حنفی فرقہ کے علماء تھے۔ اہلحدیث علماء میں صرف ایک جناب مولانا ثناء اللہ صاحب اڈیٹر اخبار اہلحدیث امرتسر کا نام تم نے لیا ہے۔ کیا اور کسی بزرگ کی کتاب اردو زبان میں نہیں ہے جس میں واقعہ کربلا کو یقیناً ذکر کیا ہو۔

حسینی بیگم: ہے کیوں نہیں، بہت سی کتابیں ہیں۔ ریاست حیدرآباد دکن کے استاد جناب مولانا وحید الزماں خاں صاحب وقار الملک اعلی اللہ مقامہ کی کتاب انوار اللغۃ ہی کو دیکھ لو کہ سینکڑوں جگہ اس واقعہ کو لکھا ہے۔ مثلاً ایک روایت میں مــن راس ستیــن ہے یعنی ''ساٹھویں سال سے ابوہریرہ اس سال سے پناہ مانگا کرتے تھے آخر اس سے پیشتر گزر گئے۔ اسی سال میں امام حسینؑ کی شہادت ہوئی۔ یزید پلید بادشاہ ہوا۔'' (انوار اللغۃ پارہ۱، ص ۴۷)

اوہ لفراخ محمد من خلیفۃ یستخلف

''افسوس ہے محمدؐ کی آل کو ایک خلیفہ سے کیسا صدمہ پہنچے گا۔''

جو خلیفہ بنایا جائے گا مراد یزید ہے جس کی وجہ سے امام حسینؓ اور آپ کی آل کو کیسا صدمہ پہنچا''۔(پارہ ا،ص ٦٦) ایک چھنال عورت کتے کے سبب سے بہشت میں گئی رحم کر کے اس کو پانی پلایا تھا مگر ابن زیاد کے ساتھیوں نے آنحضرتؐ کے جگر گوشوں پر رحم نہ کیا ان کو پیاسا شہید کیا بھلا یہ بہشت میں کیونکر جاسکتے ہیں۔''(پارہ ۲،ص ۱۵۹)

ہائے محمدؐ کے بچوں کا ایک ناپاک دنیا کے مزے میں ڈوبے ہوئے خلیفہ کی وجہ سے کیا حال ہونا ہے۔ مراد یزید مردود ہے جس نے آنحضرتؐ کی آل کو تباہ و برباد کر دیا۔ ایسی ایسی مصیبتیں ان پر ڈالیں جن کے لکھنے سے قلم تھراتا ہے۔''(پارہ ۳،ص ۱۰)

''اسی لیے (امام حسین علیہ السلام) از روئے قواعد اسلام دین کی حفاظت کے لیے اس (یزید) کے مخالف ہوئے اور شہادت کا درجہ حاصل کیا۔''(پ ۵،ص ۱۹)

''سبحان اللہ سعد تو پیغمبر کے ایسے جانثار تھے اور ان کا نالائق بیٹا عمر بن سعد ایسا نکلا کہ رے کی حکومت کی طمع میں امام حسینؓ کو شہید کرایا۔ بقول شخصے ولی کے گھر میں شیطان پیدا ہوا۔''(پ ۵،ص ۲۷)

مولانا موصوف بڑے پرجوش حامی دین حق تھے۔ ایک مقام پر تحریر فرمایا ہے: ''حجاج بن یوسف ظالم شقی نے سنان بن یزید نخعی سے پوچھا تو نے امام حسینؓ کو کیوں کر قتل کیا؟ وہ مردود کہنے لگا میں نے آپ کو برچھے سے ڈھکیلا اور تلوار سے کاٹ ڈالا۔ واہ رے معلون نطفہ حرام۔ ارے پیغمبرؐ کے محبوب فرزند کو یوں ظلم سے قتل کرے اور پھر فخریہ بیان کرے۔ اس پر مسلمانی کا دعویٰ کرے۔ بعض کہتے ہیں شمر ملعون نے آپ کو برچھا مارا اور سنان نے تلوار لگائی۔ جب آپ گھوڑے پر سے گر پڑے تو خولی نے سر مبارک تن سے جدا کیا۔ بہرحال آپ کے قاتل یہ تینوں ملعون ہیں۔ شمر اور سنان اور خولی۔ یہ سب قیامت کے دن دوزخ کے کندے ہوں گے۔ چنانچہ خود حجاج نے سنان سے یہ سن کر کہا۔ قسم خدا کی تم دونوں بہشت میں اکٹھا نہ

ہو گئے۔'' (پ ۸، ص ۳۹)

پھر لکھا ہے: ''زیاد کا بیٹا عبیداللہ تھا جو لشکر عظیم لے کر امام حسینؓ سے لڑا اور آپ کو شہید کرایا۔ عبیداللہ کے کرتوت سے تو یہ یقین ہوتا ہے کہ اس کا باپ حرام زادہ تھا اور معاویہ کی کاروائی بباطن صحیح تھی گو ظاہر شرع کی رو سے غلط اور خلافِ قانون تھی۔ اس روایت سے انصاف پسند لوگ یہ بھی سمجھ سکتے ہیں کہ معاویہ کس قسم کے آدمی تھے اور وہ خلفائے راشدین میں سے شمار ہونے کے قابل ہیں یا نہیں۔ اہلسنت کے عقائد کی کتابوں میں اس کی تصریح ہے کہ معاویہ دنیاوی بادشاہوں میں سے تھے نہ خلفاء راشدین میں سے۔ کس لیے کہ خلافت راشدہ امام حسن علیہ السلام پر ختم ہوگئی اور حدیث شریف کا بھی یہی مضمون ہے اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نے جو لکھا ہے:

اما خلافة معاويه فصيحة ثابتة بعد خلع الحسنؑ بن علیؑ

تو یہ حدیث نبوی کے خلاف ہے الخلافة بعد ثلثون سنة اس وجہ سے ہم شیخ کا قول قبول نہیں کر سکتے اور جب معاویہ باوجود قریشی ہونے کے خلیفہ نہ ہوئے تو اور کوئی مغل یا ایرانی یا افغانی ڈاڑھی منڈا شرع کے خلاف چلنے والا کیوں کر خلیفۃ المسلمین ہوسکتا ہے۔ غایت مافی الباب یہ ہے کہ اگر کفر نہیں کرتا تو اس کو بادشاہ اسلام کہیں گے۔'' (پ ۸، ص ۴۸)

ایک اور جگہ تحریر فرمایا ہے: ''آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ میں نے کہا خیر تو ہے آپ کیوں رونے لگے۔ فرمایا جبرئیلؑ میرے پاس آئے اور مجھے یہ خبر سنائی کہ میری امت عنقریب میرے اس بیٹے کو قتل کرے گی یعنی امام حسینؑ کو میں نے کہا ہائے اس کو؟ کہنے لگے ہاں اس کو! اور ایک لال مٹی لے کر آئے یعنی کربلا کی جہاں جناب امام حسینؑ شہید ہوئے۔ اس حدیث کو حاکم نے روایت کیا اور کہا صحیح ہے۔ بخاری مسلم کی شرط پر صحیح بخاری میں انس بن مالک اور عبداللہ بن عمرو اور امام زین العابدین سے روایات صحیحہ مسندہ موجود ہیں جن سے امام حسینؓ کا قتل ہونا ثابت ہے اور ترمذی نے بی بی ام سلمہؓ سے روایت کی کہ انھوں نے خواب میں آنحضرتؐ کو پریشان حال دیکھا۔ سبب پوچھا تو فرمایا میں ابھی وہاں گیا تھا جہاں

حسین مارا گیا اور تمام اہل تاریخ وسیر کا اس پر اتفاق ہے کہ جناب امام حسینؑ کربلا میں شہید کیے گئے اور آپ کا سر مبارک پہلے ابن زیاد معلون پھر یزید کے پاس لایا گیا۔ اس پر بھی جو کوئی آپ کی شہادت کا انکار کرے وہ محض بے وقوف اور جاہل ہے'' (پ ۹،ص ۱۳)۔ اس کتاب سے ایک عبارت اور سنا کر ختم کرتی ہوں جو خاص مرزا حیرت دہلوی کے انکار اور پھر ان کے انجام کے متعلق ہے۔ لکھتے ہیں:

لا اشبع الله بطنه یا بطنك

آنحضرت نے معاویہ بن ابی سفیان کے حق میں فرمایا: ''اللہ اس کا پیٹ نہ بھرے یا اللہ تیرا پیٹ نہ بھرے''۔ بس یہی ایک حدیث معاویہ کے باب میں وارد ہے خواہ اس کو مذمت سمجھو یا منقبت۔ امام نسائی نے جب حضرت علیؓ کے فضائل بیان کرنا شروع کیے تو ایک شخص نے ان سے کہا تم نے معاویہ کی فضیلت میں بھی کوئی کتاب لکھی ہے؟ انھوں نے کہا معاویہ کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہوئی۔ البتہ ایک حدیث تو ہے:

لا اشبع الله بطنه

اس پر خارجی اور ناصبی مردودوں نے آپ کو مارنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ آپ اسی صدمہ سے شہید ہوئے۔ رضی اللہ عنہ۔ ہمارے زمانے میں بھی اہل بیت علیہم السلام کی ایک کرامت ظاہر ہوئی۔ جیسے اولیاء اللہ سے بعد وفات بھی ایسی کرامتیں ظاہر ہوا کرتی ہیں۔ وہ یہ کہ ایک سید محبّ اہلبیتؒ نے معاویہ کے حالات منقصت آیات میں ایک کتاب لکھی۔ یہ امر جھوٹے سینوں کو جو درحقیقت خارجی اور ناصبی ہیں ناگوار ہوا اور معاویہ کی طرفداری میں اس بیچارے سید کو اخراج اور ملک بدر کرانا چاہا۔ اللہ کی قدرت چند ہی روز میں ان طرفداران معاویہ پر عتاب شاہی نازل ہوا اور وہ سب اخراج کیے گئے۔ شہر دہلی میں ایک خارجی صاحب نے امام حسین علیہ السلام کی شہادت سے انکار کیا اور معاذ اللہ آپ کو بزدل قرار دے کر یہ بہتان جوڑا کہ آپ میدان کربلا سے بال بچوں اور عزیز و اقربا اور دوستوں کو چھوڑ کر اپنی جان بچا کر بھاگ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا غضب[1] اس پر اتارسرِ راہ اس کی مرمت کی گئی اور

[1] اس سے مراد مرزا حیرت دہلوی ہیں جنھوں نے امام حسین کی شہادت سے انکار کیا تھا

تجارت اور سوداگری برباد ہوکر تجویز حبس قرار پائی۔

ان الذین یوذون اللہ و رسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاخرۃ
واعدلھم عذابا مھینا

''اللہ اور رسول کو ایذا دینے والے بموجب نفس قرانی ملعون ہیں ان کے لیے ذلت
کا عذاب تیار ہے''۔

فرماتے ہم کو معاویہ اور عمرو بن عاص اور سمرہ بن جندب اور مغیرہ بن شعبہ کی حمایت کی ضرورت ہی کیا آن پڑی ہے۔ البتہ ہم ان بزرگواروں کی ضرور حمایت کریں گے جنھوں نے مرتے دم تک اللہ اور رسول کی محبت نہ چھوڑی..... مگر معاویہ کا باپ تو آنحضرتؐ سے عمر بھر لڑتا رہا۔ پھر اس کا بیٹا حضرت علیؓ سے لڑتا رہا اور خلیفہ برحق سے باغی بن بیٹھا۔ ہزاروں مسلمانوں کا خون کرایا پھر اس کے بیٹے نے تو معاذ اللہ سارے خاندان رسالت کو تباہ و تاراج کر دیا۔ ایسے لوگوں کی حمایت درحقیقت اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی کرنا ہے۔ ہم اہل سنت کا یہ مشرب نہیں ہے کہ کسی پر لعنت کرنا یا کسی کو برا کہنا جز و ایمان سمجھیں جیسے حضرات امامیہ کا مذہب ہے مگر ہم کو یہ بھی ضرورت نہیں ہے کہ اگر کوئی بدکاران دشمنان اہل بیت کی برائی کرے تو ہم ان کی حمایت کے لیے اٹھ کھڑے ہوں اور ان کی مدح و ثنا کریں بلکہ ہر حال میں سکوت اولیٰ ہے۔

لا ازود الطیر عن شجرہ۔ قد ملبوت المومن ثمرہ

اور امام شافعی نے بھی یہی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو (ہمارے ہاتھوں کو) ان خونریزیوں سے بچایا اور الگ رکھا اس لیے ہم اپنی زبانیں بھی ان سے پاک رکھتے ہیں''۔

(انوار اللغۃ پارہ ۱۳، ص ۱۰)

مولوی صاحب: واقعاً ہم لوگ کیوں اپنی زبان خراب کریں مگر مولانا نے تو معاویہ یزید ابن زیاد وغیرہ کو پانی پی کر کوسا ہے اور ہم لوگوں سے فرمائش کرتے ہیں کہ اپنی زبان روکیں۔ ابھی تم انھیں کی کتاب سے پڑھ چکیں کہ انھوں نے ان لوگوں کو نطفۂ حرام تک لکھا ہے۔

حسینی بیگم: میرا خیال ہے کہ مولانا ممدوح اس زمانہ کے علمائے اہلحدیث میں سب سے زیادہ

پڑھے ہوئے بہت بڑے محقق اور نہایت محترم بزرگ مذہب تھے۔ ان کو باطل امور پر بڑا غصہ آجاتا تھا اور اپنے آپ سے باہر ہو جاتے تھے۔ انھوں نے دین کی حفاظت ہی کے جوش میں برا کہا ہے۔ جیسے خدا اور رسولؐ دین کے خلاف چلنے والوں کو برا کہتے رہے ہیں۔

مولوی صاحب: یہ نہ کہو کہ مولائے ممدوح علمائے اہلحدیث میں سب سے بڑھے ہوئے تھے ہوسکتا ہے ان سے بھی بڑھے ہوئے کوئی بزرگ ان کے زمانہ میں رہے ہو۔

حسینی بیگم: ہاں ہو کیوں نہیں سکتا۔ مگر تم کسی کا نام لو جس کو اس چودویں صدی کے علمائے فرقہ اہلحدیث میں ان سے بہتر کہہ سکو۔ بے شک جناب مولانا صدیق حسن خان صاحب ان کے برابر تھے مگر وہ قبل گذر چکے ہیں۔

مولوی صاحب: مجھے معلوم نہیں ہونے سے کیا یہ ثابت ہو جائے گا کہ ان سے بہتر کوئی عالم تھے ہی نہیں۔

حسینی بیگم: ثابت نہیں ہوگا تو میرا خیال غلط بھی نہیں ہوسکتا۔ جب تک تم اس کے خلاف کسی کا نام نہ پیش کرو مجھے اس سے نہیں روک سکتے کہ میں انھیں کو چودہویں صدی کے کل علمائے اہل حدیث کا پیشوا مانوں۔ دیکھو لاہور کے اہلحدیث بھائیوں نے مولانا ممدوح کی اسی کتاب انوار اللغۃ کو ان سے طلب کر کے چھپوایا تو مولانائے ممدوح اور ان کی دینی خدمات کے متعلق کیا لکھا ہے۔

مولوی صاحب: کیا لکھا ہے تمھارے پاس وہ تحریر ہے تو پڑھو۔

حسینی بیگم: اسی انوار اللغۃ کے آخر میں لکھا ہے: ''علماء ربانیین نے اپنے اپنے زمانہ کی ضرورت کے مطابق تفاسیر وتراجم جدیدہ لکھ کر شائع کیے۔ گردش دوران وانقلاب زمان کی تاثیر جدید نے ہمارے وقت میں ملک ہندوستان میں یہ جدت دکھلائی کہ بے عمل اور بعض بے علم محض اردو زباندانی کی بدولت مفسر حقانی ومترجم کلام ربانی بن بیٹھے اور خود ثنائیاں کرنے لگے۔ لہٰذا برطبق پیشن گوئی خیر الانام علیہ الصلوۃ والسلام کہ اس ہمارے علم کے حامل آئندہ لوگوں میں سے ایسے عادل ہوتے رہیں گے جو حد سے بڑھنے والوں کی تحریف اور جاہلوں کی تاویل کو باطل کریں گے۔ او کما قال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مولانا مولوی وحید

الزماں خاں صاحب حیدرآبادی جو اسم بامسمّی ہیں اور اپنے نام کی طرح یکتائے زماں ہیں۔ خداتعالیٰ کی رحمت تامہ نے خلقت عامہ کی مصلحت کے لیے ان کو اس خدمت کے لیے خاص کیا اور آپ کو اس پیشن گوئی کا مصداق بنایا۔ مولانا کا مترجم لاثانی ہونا تو پہلے سے مانی ہوئی بات ہے۔ آپ نے کتب صحاح ستہ کے ایسے عمدہ تراجم لکھ کر شایع کرادیئے کہ بلاد قریبہ سے لے کر اطراف بعیدہ تک تمام لوگوں کیا علماء کیا عوام کا غذ زر کی طرح بڑے شوق سے لے گئے اور ان تراجم کی عمدگی دیکھ کر موافق سے لے کر مخالف تک سب آپ کا لوہا مان گئے۔ علی الخصوص آپ کی آخری تصنیف اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری کا ترجمہ موسومہ تیسیر االباری تو ایسی بے نظیر کتاب واقع ہوئی ہے کہ اہل اسلام علی اختلاف مذاہبھم تو بجائے خود۔ آریہ اور عیسائیوں نے بھی اسی کتاب کو بڑے شوق سے خریدا۔ غرض مولانا نے ان عالمان بےعمل اور مترجمان بےعلم کی تحریفات وتاویلات کا برا اثر مٹانے کے لیے ترجمہ کلام اللہ شستہ سلیس اردو زبان میں لکھا اور تفسیر وحیدی تصنیف فرمائی۔ اس ترجمہ وتفسیر کی باطنی خوبیوں اور معنوی کمالات کے اظہار وشمار میں جس قدر مبالغہ کیا جائے اور تعریف وتوصیف کو جس قدر حد سے بڑھایا جائے ممکن نہیں کہ اس کے واقعی کمالات کا عشر عشیر بھی یہاں ہو سکے۔

مولوی صاحب: ہاں مولانا ممدوح کے بڑے جلیل القدر عالم دین اور مقتدائے فرقہ اہلحدیث ہونے میں کسی کو کیا عذر ہوسکتا ہے۔ واقعاً علم حدیث پر ان کے بڑے بڑے احسانات ہیں اور جس طرح مولانا شبلی صاحب نے اسلامی تاریخ کی بےمثال اشاعت کی اسی طرح مولانا وحیدالزماں صاحب مرحوم نے اسلامی حدیث کی بےنظیر خدمات انجام دیں۔

حسینی بیگم: مگر میں نے جو کہا تھا کہ ''مولائے ممدوح اس زمانہ کے علمائے اہلحدیث میں سب سے بڑھے ہوئے تھے''۔ اس کی تصدیق ہوگئی۔

مولوی صاحب: واہ۔ وہ کیوں کر۔

حسینی بیگم: ابھی میں نے عبارت پڑھی کہ لاہور کے اہلحدیث بھائیوں نے مولائے ممدوح کو لکھا ہے: ''مولانا وحیدالزماں صاحب حیدرآبادی جو اسم بامسمّی ہیں اور اپنے نام کی طرح

یکتائے زماں ہیں۔ خدا تعالیٰ کی رحمت تامہ نے خلقت عامہ کی مصلحت کے لیے ان کو اس خدمت کے لیے خاص کیا اور آپ کو اس پیشن گوئی کا مصداق بنایا''۔ اس سے زیادہ اور کن الفاظ میں کوئی کچھ کہہ سکتا تھا۔

مولوی صاحب: ہاں اس عبارت سے تو بیشک تمھارے ہی قول کی تائید ہوئی۔

حسینی بیگم: اسی طرح اور بہت سے علمائے اہلحدیث کی کتابیں اردو زبان میں ہیں جن میں واقعہ کربلا کو بیان کیا ہے۔ میں کس کس کتاب کو بیان کروں۔ بس صرف دو کتابوں کی عبارت اور سن لو۔ آپ جانتے ہیں کہ صحاح ستہ کی کل کتابوں کی حدیثیں جس کتاب میں جمع کی گئی ہیں اس سے زیادہ قابل اعتبار دنیا میں اور کون سی کتاب ہوسکتی ہے۔ الحمد للہ کہ اس کتاب کا ترجمہ اردو زبان میں ہوگیا ہے جس کا نام تلخیص الصحاح ہے اور جس کا فرقہ اہلحدیث کے ایک بڑے عالم جناب مولانا مولوی سید ابوالحسن محمد محی الدین خان صاحب مولوی فاضل نے جو جناب مولانا مولوی رشید الدین خان صاحب مرحوم دہلوی کے پوتے تھے ترجمہ کیا ہے۔ جس طرح تمھارے شیر پنجاب مولانا ثناء اللہ خان صاحب امرتسری ایڈیٹر اخبار اہلحدیث امرتسر مولوی فاضل ہیں اسی طرح مولانا محی الدین خان صاحبھی مولوی فاضل تھے اور خاندانی عزت و شرف میں ان سے کہیں بڑھے ہوئے مانے گئے۔ مولانا صاحب ممدوح نے اس کتاب کے بارے میں لکھا ہے: ''علم حدیث میں ایسی جامع کتاب جو صحاح ستہ کے قائم مقام ہو اور جس کا مطالعہ صحاح کے مطالعہ کے مساوی ہو اس سے بہتر کوئی نہیں ہے جو انواع و اقسام کے فوائد پر مشتمل ہے اور جس میں ہر قسم کی سہولتیں موجود ہیں اور جس کے مطالعے سے صحاح ستہ پر عبور ہو جاتا ہے اور تمام مضامین صحاح ستہ سے ایک قسم کی واقفیت حاصل ہوسکتی ہے''۔ (تلخیص الصحاح، جلد ا، ص ۷، مطبوعہ لاہور)

مولوی صاحب: ہاں ہاں میں جانتا ہوں تلخیص الصحاح کتاب تیسر الوصول کا اردو ترجمہ ہے جس میں صحیح بخاری شریف، صحیح مسلم شریف، صحیح ترمذی شریف، ابوداؤد شریف، نسائی شریف اور موطا شریف کی حدیثیں جمع کردی ہیں اور اردو ترجمہ بھی بہت صحیح اور مقبول ہوا ہے۔

حسینی بیگم: اس کتاب سے بھی اُردو دان مسلمانوں کو آسانی سے معلوم ہوسکتا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشن گوئی کے مطابق کربلا میں شہید ہوئے۔

مولوی صاحب: اس کی وہ عبارت نکال کر ذرا پڑھو تو۔

حسینی بیگم: ''ایک انصاری عورت سلمٰی سے روایت ہے کہ کہا میں ام سلمہؓ کے پاس گئی اور دیکھا کہ وہ رو رہی تھیں تو میں نے کہا کہ تم کیوں روتی ہو؟ کہا کہ میں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور آپؐ کے سر اور ڈاڑھی پر گرد پڑی ہوئی تھی اور آپ روتے تھے میں نے کہا یا حضرتؐ! آپؐ کیوں روتے ہیں۔ فرمایا کہ ابھی میرے سامنے حسینؑ قتل ہوئے ہیں۔ ترمذی اس کے راوی ہیں'' (تلخیص الصحاح، جلد ا، ص ۶۰، مطبوعہ لاہور)

پھر لکھا ہے: ''انس سے روایت ہے کہ عبیداللہ بن زیاد امام حسینؑ کا سر لایا اور ایک طشت میں رکھا تو ایک چھڑی ان کی ناک پر مارنے لگا اور کہنے لگا میں نے ایسا خوبصورت کوئی نہیں دیکھا۔ پس میں نے کہا بس خبردار ہو کہ بیشک وہ حضرتؐ کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہ تھے۔ بخاری اور ترمذی اس کے راوی ہیں اور لفظ اس کے ترمذی کے ہیں''۔

پھر لکھا ہے:

''عمارہ بن عمیر سے روایت ہے کہ جب عبیداللہ بن زیاد اور اس کے ساتھیوں کے سر لائے گئے تو مسجد کے چبوترے میں رکھے گئے اور میں وہاں پہنچا کیا دیکھتا ہوں لوگوں میں عجیب شور ہے سب کہہ رہے ہیں وہ آ گیا وہ آ گیا۔ سو ناگاہ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سانپ آیا اور سروں کے بیچ میں گھسنے لگا یہاں تک کہ عبیداللہ بن زیاد کے نتھنے میں گھس گیا اور تھوڑی دیر ٹھہرا۔ پھر نکلا اور چلا گیا پھر آیا اور اس کے نتھنے میں گھس گیا اسی طرح اس نے دو تین بار کیا۔ ترمذی اس کے راوی ہیں اور اس کو صحیح کہتے ہیں'' (تلخیص الصحاح، جلد ا، ص ۶۰) اور آپ جانتے ہیں کہ اسلامی دنیا کے بہت عظیم الشان مورخ علامہ ابن اثیر نے جن کی کتاب تاریخ کامل مسلمانوں کے لیے ایک نعمت عظمٰی ہے۔ حضرات صحابہ کرام کے حالات میں بھی ایک مستند، صحیح، مقبول اور

جلیل القدر کتاب اسد الغابہ لکھی ہے جو مصر میں چھپ بھی گئی ہے۔اس کا اردو ترجمہ جناب مولوی حاجی عبدالشکور صاحب اڈیٹر النجم لکھنؤ نے اپنے رسالہ النجم کے ہمراہ کئی برس میں شایع کیا ہے۔اڈیٹر صاحب نے اس کتاب کے متعلق لکھا ہے: ''ترجمہ اسد الغابہ جلد ا جس میں حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ۲۶۴ اصحاب، کا تذکرہ ہے اور سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر مبارک نہایت اختصار اور جامعیت کے ساتھ کیا گیا ہے۔ یہ کتاب علامہ ابن اثیر جوزی متوفی ۶۳۰ھ رحمتہ اللہ تعالیٰ کی تالیف کی ہوئی ہے۔علامہ ذہبی نے تجرید اسماء الصحابہ میں لکھا ہے کہ مصنف نے اس کتاب میں سات ہزار پانچ تذکرے لکھے ہیں اور اگلوں سے جو فرو گزاشت ہوگئی تھی اس کو بھی پورا کیا ہے اور ان کے اغلاط بیان کیے ہیں۔'' (ترجمہ اسد الغابہ جلد اول ٹیٹل کا صفحہ ۱)

اسی کتاب میں بھی واقعہ شہادت مفصل لکھا ہوا ہے۔اس کے چند جملے پڑھتی ہوں:

''جب حضرت معاویہ کی وفات ہوئی تب بھی حضرت حسینؑ نے بیعت نہ کی اور مدینہ سے مکہ چلے گئے۔مکہ ہی میں اہل کوفہ کے خطوط ان کے پاس پہنچے لہٰذا انھوں نے سفر کا سامان تیار کرلیا۔بہت لوگوں نے انھیں منع کیا۔ان منع کرنے والوں میں ان کے بھائی محمد حنیفہ اور ابن عمر اور ابن عباس وغیرہ تھے۔مگر حضرت حسینؑ نے فرمایا کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا آپؐ نے مجھے جس بات کا حکم دیا ہے اس کو میں ضرور کروں گا چنانچہ عراق چلے گئے۔یزید نے عبیداللہ بن زیاد کو کوفہ کا حاکم بنایا تھا۔اس نے حضرت حسینؑ کی طرف لشکر بھیجے اور عمر بن سعد بن ابی وقاص کو سردار لشکر بنایا اور (درصورت فتحیابی) اسے رے کی حکومت کا امیدوار کیا چنانچہ وہ لشکر لے کے گیا اور حضرت حسینؑ سے جنگ کی۔ بعد اسکے ان سے اس بات کی درخواست کی کہ عبیداللہ بن زیاد کے حکم سے اتر آئیں اور انھوں نے اس کو منظور نہ کیا اور جنگ کو اختیار فرمایا۔یہاں تک کہ خود شہید ہوئے اور انیس آدمی ان کے گھر کے شہید ہوئے۔جب خولی نے ان پر حملہ کیا تو ان کا سر کاٹ کر ابن زیاد کے پاس بھیجا۔اور یہ شعر کہے ؎

اُو تــو ر كـــابـسـى فـــضة و ذهبـــا

فـقـد قـتـلـت السيـد الـمـحـجـا

قـتـلـت خيـر الـنـاس امـا و ابـا

و خيــر هــم اذ يـنـتسبـون نسبـا

''میں اپنی راکب سونے سے منڈھوں گا۔ میں نے ایک بڑے سردار کو قتل کیا۔ میں نے ایسے شخص کو قتل کیا جس کے باپ تمام آدمیوں سے افضل تھے اور جن کا نسب سب سے بہتر تھا''۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ سنان بن انس نے حضرت حسینؑ کو شہید کیا تو لوگوں نے اس سے کہا تو نے حضرت حسینؑ بن علیؑ کو شہید کیا وہ فاطمہ بنت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و کے فرزند تھے۔ تمام عرب سے زیادہ عظمت والے تھے...... پس اگر لوگ تجھے اپنے سارے گھر کا مال دے دیں تب بھی وہ بمقابلہ اس گناہ کے کم ہوگا...... جب حضرت حسینؑ شہید ہوئے تو عمرو بن سعد نے چند لوگوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے گھوڑوں پر سوار ہوکر حضرت حسینؑ کے جسم مبارک کو پامال کریں۔ حضرت حسینؑ کے ہمراہ بہتر آدمی شہید ہوئے تھے جب وہ شہید ہوئے تو عمر بن سعد نے ان کا اور ان کی ساتھیوں کا سر ابن زیاد کے پاس بھیج دیا۔ ابن زیاد نے لوگوں کو جمع کیا اور وہ سر منگوائے اور حضرت حسینؑ کے دونوں ہونٹ کاٹے درمیان میں ایک لکڑی سے کونچنے لگا جب حضرت زید بن ارقم نے دیکھا کہ وہ لکڑی کو اٹھاتا ہی نہیں تو انھوں نے کہا اوئے کم بخت اس لکڑی کو اٹھا۔ قسم ہے اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ میں نے دیکھا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں ہونٹ ان ہونٹوں پر بوسہ دیتے تھے۔ یہ کہہ کر وہ روئے تو ابن زیاد نے کہا کہ خدا تمھاری آنکھوں کو روتا ہوا رکھے خدا کی قسم اگر تم بوڑھے اور سٹھیائے ہوئے نہ ہوتے تو میں تمھاری گردن مار دیتا۔ پس زید بن ارقم وہاں سے یہ کہتے ہوئے نکلے کہ اے گروہ عرب آج کی بعد سے تم غلام ہو اور تم نے حسینؑ بن فاطمہؑ کو قتل کیا اور تم نے ابن مرجانہ (یعنی ابن زیاد) کو سردار بنایا ہے جو تمھارے نیک لوگوں کو قتل کرتا ہے اور برے لوگوں کو غلام بناتا

ہے"۔(ترجمہ اسد الغابہ مترجمہ مولوی عبد الشکور صاحب اڈیٹر النجم لکھنو، جلد ۳، ص ۲۸۰)

مولوی صاحب: میں خود جانتا ہوں کہ یہ واقعہ ہر زبان کی سینکڑوں کتابوں میں ہے مگر چاہتا ہوں کہ اردو، فارسی، عربی کتابوں کے متعلق تمھاری معلومات کا اندازہ کروں کہ کس حد تک ہے۔ اردو میں تم نے بہت کثرت سے ہمارے مشہور اور بڑے محقق علماء کی کتابوں کے پتے بتائے۔ اب بتاؤ کہ اگر کوئی شخص فارسی زبان جانتا ہو تو اس کو تم اس واقعہ کا یقین کس طرح دلاؤ گی اور کس کس کتاب کی عبارت دکھاؤ گی۔

حسینی بیگم: اردو کتابوں کا تو خیر شمار بھی آسان ہے مگر فارسی اور عربی کتابوں کو کون گن سکتا ہے۔ یوں سمجھو کہ اس واقعہ کو گزرے تقریباً تیرہ سو برس ہو گئے اس وقت سے اب تک ہزاروں کتابیں فارسی زبان میں لکھی جا چکی ہیں۔ ان میں زیادہ تر ایسی ہیں جن میں کسی نہ کسی ربط سے واقعہ کربلا کا ذکر ہو ہی گیا ہے۔

مولوی صاحب: خیر تم کچھ کتابوں کی عبارتیں تو پڑھو۔

حسینی بیگم: بہت اچھا میں ابھی فارسی کتابیں بھی نکال لاتی ہوں۔ وہ اٹھ کر گئیں اور اردو و عربی کتابوں کے ڈھیر سے فارسی زبان کی کتابیں نکالنے میں چار پانچ منٹ کی دیر ہو گئی۔ جب کتابیں لے کر پلٹیں تو دیکھا کہ مولوی صاحب پڑے خراٹے لے رہے ہیں۔ گھڑی پر نظر کی تو بارہ بج چکے تھے۔ کتابوں کو تخت پر ایک طرف رکھ دیا۔ لمپ کی روشنی کم کر دی اور آہستہ سے لحاف کھینچ کر خود بھی سو رہیں۔

✿✿✿✿✿

سترھواں باب

زیارت امام حسینؑ کا اثر، اس کے مستحب ہونے کی بحث، زمینِ کربلا کی فضیلت

کچھ ایسے اتفاقات پیش آتے گئے کہ مولوی صاحب نے کئی روز تک حسینی بیگم سے فارسی کتابوں کی عبارتیں نہیں نکلوائیں۔ اس درمیان میں ایک نئی دلچسپ بات ہوگئی۔ حسینی بیگم کے چھوٹے ماموں مسٹر ابوالخیر انگریزی پڑھتے تھے اور سال گزشتہ انھوں نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے بی۔ اے کا امتحان پاس کرلیا تھا اس کے بعد مختلف محکموں میں انھوں نے ملازمت کی کوشش کی مگر اب تو بی۔ اے پاس کرنا خطرناک تجارت کے برابر ہورہا ہے کہ ابتدا سے اس وقت تک کی تعلیم میں پانچ چھ ہزار روپیہ خرچ ہو جاتا ہے اور اس قدر سرمایہ لگانے کے بعد صرف ایک کاغذ ہاتھ آتا ہے جس کو لیے ہوئے ہر محکمہ، ہر کچہری، ہر دفتر میں خوشامدیں کرتے پھرو۔ یہاں تک نوبت پہنچی کی دس روپیہ کی جگہ بھی خالی ہوتی ہے تو بی۔ اے بلکہ بعض ایم۔ اے کی درخواست بھی رجسٹری کرکے آجاتی اور اس پر بھی معزز لوگوں کی سفارشیں نتھی ہوتی ہیں مگر ایک ہی خوش قسمت ایسا ہوتا ہے جس کو وہ دس روپیہ کا عہدہ ملتا ہے اور باقی حضرات ''ہائے تقدیر، ہائے قسمت'' کہہ کر اپنا دل پکڑ لیتے ہیں۔ مسٹر ابوالخیر بھی سال بھر تک خاک چھانتے پھرے اور سینکڑوں درخواستیں دے چکے مگر کسی جگہ کامیابی نہیں ہوئی۔ پہلے تو وہ دعا، وظیفہ، عمل غرض ہر روحانی کرشمہ اور باطنی اثر کے منکر تھے۔

آں کہ شیران راکند رو بہ مزاج
احتیاج و احتیاج و احتیاج

مسٹر ابوالخیر نے اب نماز پڑھنی بھی شروع کردی۔ دعائیں بھی کرتے ہیں۔ کچھ عملیات

کا بھی شوق ہوگیا ہے۔ بعض پرانے بزرگوں کی رائے اور اصرار سے کچھ چھ شریف، رودلی شریف دہلی، اجمیر شریف وغیرہ کے اولیاء کی زیارت بھی کر آئے مگر گوہر مقصود اب تک حاصل نہیں ہوا۔ وہ آٹھویں دسویں دن اپنی بھانجی حسینی بیگم کو دیکھنے بھی چلے آیا کرتے تھے۔ ایک روز آئے تو دونوں میں اس طرح باتیں ہونے لگیں

حسینی بیگم: ماموں جان اب یہ تو فرمائیے کہ میری ممانی جان کب تک تشریف لائیں گی۔

مسٹر ابوالخیر: ابھی اپنے کھانے کا تو ذریعہ ہی نہیں ہوا۔ تمھاری ممانی صاحبہ کے زیورات اور ہر روز کے پاندان کا خرچ کا سامان کہاں سے ہوگا۔

حسینی بیگم: پھر آپ کی ملازمت کا کیا ہو رہا ہے۔

مسٹر ابوالخیر: کیا کہوں میرے والدین نے میری تعلیم میں چار پانچ ہزار روپیہ خرچ کیا ہوگا مگر اب تو دیکھتا ہوں کہ یہی تعلیم مجھ سے خودکشی کرا دے گی اور بی۔ اے کا ڈپلوما میری جان لے کر رہے گا۔

حسینی بیگم: خدا نہ کرے حضور کے دشمنوں کی جان جائے۔ یہ کیا باتیں آپ فرمانے لگے۔

مسٹر ابوالخیر: تم یقین مانو کہ اگر ابا جان نے مجھے کسی درزی کی دوکان پر سال بھر تک کام سکھانے کے بعد صرف دو سو روپیہ میں میرے لیے سنگر مشین وغیرہ خریدی ہوتی تو آج میں کئی ہزار کا سرمایہ دار ہوتا۔ ایک ایک درزی کو دیکھتا ہوں کہ معمولی کوٹ اور شیروانی کی سلائی پانچ پانچ دس دس روپیہ لیتا ہے اور لوگ اس کے ہاں ٹوٹے پڑتے اور وقت پر کپڑا دینے کے لیے اس کی خوشامد پر خوشامد کرتے رہتے ہیں اور ایک میں ہوں بلکہ بہت سے گریجوایٹ ہیں کہ دس روپیہ ماہوار کی جگہ کے لیے بھی سینکڑوں آدمیوں کی خوشامد کر رہے ہیں۔ مگر ہر جگہ سے یہی جواب ملتا ہے کہ ''کوئی جگہ خالی نہیں ہے''۔ میں تو پیر، اولیاء وغیرہ کو مانتا نہیں مگر بعض بزرگوں کے اصرار سے کئی اولیاء صاحبان کی قبروں پر بھی جا کر سجدے پر سجدے کر آیا اور جہاں تک ممکن ہوا وہاں اپنی ناک رگڑی مگر اس سے بھی کچھ کام نہیں چلا۔

حسینی بیگم: ایک تدبیر تو میرے ذہن میں بھی آتی ہے مگر آپ مانئے گا نہیں اور اس میں خرچ

بھی ڈھائی تین سو روپیہ کا ہے۔

مسٹر ابوالخیر: خیر ڈھائی تین سو روپیہ کا قرض مل جانا تو بہت دشوار نہیں ہے مگر وہ تدبیر کیا ہے۔ سنوں بھی تو۔

حسینی بیگم: نہیں آپ ہنس دیں گے۔ اس کا تعلق اعتقاد پر ہے۔ میرا تو اعتقاد ہے کہ آپ اس پر عمل کریں تو آپ کی دعا ضرور قبول ہوگی اور یقیناً آپ کو اچھا ذریعہ معاش مل جائے گا۔

مسٹر ابوالخیر: مگر اس کے بیان کرنے میں تمھارا نقصان ہی کیا ہے۔

حسینی بیگم: میں تو کہتی ہوں کہ آپ رودلی شریف، کچھ چھ شریف، اجمیر شریف ہو آئے۔ اگر ہو سکے تو ایک دفعہ کربلا شریف بھی چلے جائیے اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت کرآئیے۔

مسٹر ابوالخیر: تم عورتیں ابھی تک اسی جہالت میں پڑی ہو۔ امام حسین علیہ السلام کیا بنادیں گے۔

حسینی بیگم: میری غرض یہ ہے کہ آپ حضرت کے روضہ پر جا کر دعا کیجئے جو مانگنا ہو خدا ہی سے مانگیے مگر اسی نورانی زمین اور اسی بہشتی روضہ پر پہنچ کر اور اسی بناء لا الہ کا واسطہ دے کر۔

مسٹر ابوالخیر: اچھا دیکھا جائے گا۔ اب تو بیکاری کی اذیت اور فکروں کی پریشانی سے دماغ بھی کچھ کام نہیں کرتا۔

اس کے بعد ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ حسینی بیگم نے دوبارہ پان کی گلوری دی اور مسٹر ابوالخیر کھا کر واپس گئے۔ جب شب کو پلنگ پر سوئے تو دیر تک سوچتے رہے کہ اس میں مضائقہ کیا ہے۔ شیعہ تو بہت کثرت سے وہاں جاتے ہیں اور ہم لوگ بھی بغداد شریف جاتے ہیں تو بعض لوگ کربلا بھی ہو آتے ہیں۔ ایک کوشش یہ بھی سہی۔ نہیں کچھ۔ سیاحت تو ہو جائے گی۔ یہاں پڑے پڑے اور کوفت کرتے کرتے صحت خراب ہونے لگی ہے۔ تبدیل آب وہوا اور دنیا کا مختلف منظر دیکھنے سے کچھ تو دل بہل جائے گا۔ یہی سوچتے سوچتے سو گئے اور ایک ہفتہ اسی پر غور کرتے رہے اس کے بعد کوشش کر کے تین سو روپیہ اپنے عزیزوں سے قرض لیا اور کربلا معلیٰ کی زیارت کو روانہ ہو گئے۔ پندرہ دن میں وہاں پہنچ گئے۔ حضرتؑ کے روضہ پر دیکھا کہ عجب نور برس رہا ہے۔ زیارت کی وہاں نماز پڑھی اور حضرت کا واسطہ دے کر بہت

گڑگڑا کر خدا سے دعا مانگی کہ اے خدا! جلد میرے لیے کوئی اچھا ذریعہ معاش پیدا کر دے۔
چار پانچ روز کے بعد نجف اشرف بھی گئے وہاں دو روز رہے تھے کہ اب دل گھبرایا اور ہندوستان کا ارادہ کر دیا جب بصرہ جہاز پر سوار ہوئے تو ایک ادھیڑ بہت خوشحال بزرگ کو دیکھا۔ جن کو لوگ سیٹھ جی، سیٹھ جی کہتے تھے۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ بمبئی کے بہت معزز تاجر ہیں اور زیارت کرنے کے لیے بغداد شریف گئے۔ اب اپنے مکان واپس جا رہے ہیں۔
مسٹر ابوالخیر کو اخبار بینی کا بڑا شوق تھا۔ اردو، فارسی، انگریزی اخبار جہاں ملتا لے لیتے۔ جہاز پر بھی کئی تازہ اخبار ان کے ساتھ تھے جس روز یہ سوار ہوئے اس کے دوسرے دن یہ ایک جگہ کھڑے ہو کر فارسی اخبار پڑھتے تھے کہ سیٹھ جی ادھر ٹہلتے پہنچ گئے۔ سیٹھ صاحب فارسی نہیں جانتے تھے انھیں گجراتی اخبار دیکھنے کی عادت تھی مگر وہ اس جہاز پر کہاں ملتا۔ ان کو خیال ہوا کہ یہ فارسی اخبار دیکھ رہے ہیں لاؤ انھیں سے کچھ باتیں کرو اور نئی خبریں سنوں۔ جب دونوں آدمی ایک دوسرے کے سامنے ہوئے تو یوں باتیں ہونے لگیں۔

سیٹھ جی: السلام علیکم۔

مسٹر ابوالخیر: وعلیکم السلام۔

سیٹھ جی: آپ کی دعا ہے۔ آپ کا مکان کہاں ہے۔

مسٹر ابوالخیر: غریب خانہ الہ آباد ہے۔ اور آپ کا دولت خانہ؟

سیٹھ جی: بمبئی میں۔ آپ کا نام۔

مسٹر ابوالخیر: مجھے ابوالخیر کہتے ہیں اور آپ کا اسم شریف۔

سیٹھ جی: نورالدین۔

مسٹر ابوالخیر: مجھے آپ سے مل کر بڑی مسرت ہوئی۔ یہ کہہ کر آگے بڑھے اور ہاتھ ملا لیا۔ سیٹھ جی نے پان بڑھایا۔ انھوں نے تسلیم کہہ کر لے لیا۔

سیٹھ جی: آپ کوئی تازہ اخبار پڑھتے ہیں۔

مسٹر ابوالخیر: جی ہاں اسی ہفتہ کا ہے۔

سیٹھ جی: کوئی نئی خبر۔

مسٹر ابوالخیر: جی ہاں بہت سی خبریں ہیں۔اس کے بعد دونوں آدمی ٹہلنے لگے اور مسٹر ابوالخیر مختلف مقامات کی خبریں پڑھ کر سیٹھ جی کو سنانے لگے۔

جہاز پر کئی روز رہنا پڑا۔اس درمیان میں سیٹھ جی اور مسٹر ابوالخیر میں اچھی محبت پیدا ہوگئی۔ چائے نوشی اور کھانا بھی اکثر ساتھ ہی ہوتا۔مسٹر ابوالخیر کی شرافت، تہذیب، اخلاق اور خوش بیانی سے سیٹھ جی کے دل میں ان کی عزت بڑھتی گئی۔ جب جہاز بمبئی پہنچا اور دونوں اترے تو سیٹھ جی نے اصرار کیا کہ میرے ہی یہاں چل کر دس پندرہ روز رہیے۔بمبئی کی خوب سیر کیجئے۔اس کے بعد الہ آباد جایئے گا۔ابھی جلدی کیا ہے۔سیٹھ جی کی ایسی شفقت مسٹر ابوالخیر پر ہوگئی تھی کہ ان سے اس فرمائش کو ٹالا نہیں گیا۔مجبوراً ان کے ہاں مہمان ہو گئے یہاں مسٹر ابوالخیر کو پتہ چلا کہ سیٹھ جی لاکھوں کے آدمی ہیں۔سینکڑوں روپیہ روزانہ کا منافع گھر میں آتا ہے۔ تب افسوس کرنے لگے کہ میں نے کیوں بی۔اے پڑھنے میں عمر ضائع کی اور تجارت میں کیوں نہیں داخل ہوا کہ ان کی طرح میں بھی ترقی کیے ہوتا۔مسٹر ابوالخیر کو انکی بی۔اے کی ڈگری سے اب تک کسی قسم کا فائدہ نہیں ہوا۔سیٹھ جی سے جو ملاقات پیدا ہوگئی اس کا ذریعہ بھی فارسی اخبار ہی تھا۔جب بمبئی رہتے ہوئے مسٹر ابوالخیر کو چار روز ہو گئے تو ایک روز شب کے وقت سیٹھ جی سے اس طرح باتیں کرنے لگے۔

مسٹر ابوالخیر: اب میرے اعزہ گھر پر میرا انتظار کرتے ہوں گے میں چاہتا ہوں کہ کل چلا جاؤں۔

سیٹھ جی: ابھی آپ نے بمبئی دیکھا کہاں۔مکان پر آپ کے کون کون عزیز ہیں۔اگر بیوی بچوں کا خیال ہے تو دوسو روپیہ کل صبح تار پر وہاں بھیج دیجئے اور لکھ دیجئے کہ میں بمبئی خیریت سے پہنچ گیا ہوں۔دس بارہ روز میں آؤں گا۔

مسٹر ابوالخیر: میرے عزیزوں میں بھائی، بہن، بھانجی ہیں۔بیوی تو ابھی ہوئی ہی نہیں بچے کہاں سے آئیں گے۔کسی کے خرچ کی فکر نہیں ہے بلکہ خود ہی اپنی ملازمت وغیرہ کی کوشش کرنی ہے۔

سیٹھ جی: تو کیا ملازمت صرف الہ آباد ہی میں مل سکتی ہے یہاں نہیں ملے گی۔
مسٹر ابوالخیر: کیوں نہیں، مگر کوشش کون کرے گا۔ سفارش کس طرح بہم پہنچے گی؟
سیٹھ جی: وہاں آپ کو سر دست کس تنخواہ کی ملازمت مل جائے گی۔
مسٹر ابوالخیر: زمانہ بہت برا ہو گیا ہے۔ اب تو بی۔ اے پاس کو پچاس روپیہ ماہوار کی جگہ بھی مل جاتی ہے تو اس کے لیے معراج سمجھی جاتی ہے۔
سیٹھ جی: تو میری رائے ہے کہ آپ یہیں مستقل طور پر رہیں اور میری تجارت میں میرا ہاتھ بٹائیں۔ آپ کا کھانا وغیرہ تو میرے ساتھ ہے جس طرح ہے رہے گا۔ آپ کے پاکٹ خرچ کے لیے ابھی میں دوسو روپیہ آپ کو دوں گا۔ اگر اس کام میں آپ کا دل لگ گیا اور آپ نے کچھ ترقی دکھائی تو آپ کی تنخواہ بھی بڑھا دوں گا۔
مسٹر ابوالخیر: (دل میں تو بہت خوش ہوئے اور اس ملازمت کو ایک بڑی نعمت سمجھے مگر پالیسی کے طور پر کہا) میں ابھی نہیں کہہ سکتا۔ دوروز اس مسئلہ پر غور کرلوں۔
سیٹھ جی: ہاں اور آپ نے یہ کیا کہا کہ ''بیوی تو ابھی ہوئی ہی نہیں بچے کہاں سے آئیں گے'' کیا آپ کی شادی نہیں ہوئی ہے۔
مسٹر ابوالخیر: جی ہاں ابھی تک تو اس تردد سے بچا ہوں۔
سیٹھ جی: کیوں؟
مسٹر ابوالخیر: نسبتیں تو کئی بڑی جگہوں سے آتی رہیں مگر میں ابھی آمادہ نہیں ہوا کہ کوئی معقول ملازمت کرلوں تب اس کا ارادہ کروں۔ ملازمت کا ملنا دشوار ہے۔ بیویاں تو بہت مل رہیں گی۔

اس کے بعد سیٹھ جی چپ ہو گئے۔ وہ ایک بڑی فکر میں ڈوبے، ان کی عمر قریباً ساٹھ برس کے پہنچ گئی تھی۔ اولاد تو کئی ہوئیں مگر زندہ صرف ایک لڑکی رہ گئی تھی جو شادی کے قابل ہو چکی تھی۔ اس کی نسبت بھی کئی جگہ سے آتی تھی مگر سیٹھ جی چاہتے تھے کہ کوئی ایسا لڑکا ملے جو شریف، مہذب، تعلیم یافتہ ہو اور سب سے زیادہ ان کے گھر رہنے کو منظور کرے۔ جو داماد کا داماد ہو اور بیٹا کا بیٹا جس طرح ان کی بیٹی بھی ان کے گھر رہے اور ان کے بعد ان کا کاروبار بھی

اسی طرح جاری رہے۔ مگر بمبئی میں کوئی ایسا ملتا نہیں تھا۔ وہ غور کرنے لگے کہ مسٹر ابوالخیر ہی سے میری بیٹی کی شادی ہو جائے تو میری سب آرزوئیں پوری ہو جائیں پھر میں اپنی موت کو بھی اپنی زندگی ہی سمجھوں۔

دو دن سے سیٹھ جی اپنے کاروبار مسٹر ابوالخیر کے ذمہ بطور منیجر کر کے خود اسی مسئلہ پر غور وفکر کرنے میں بسر کرنے لگے۔ اپنے عزیزوں، دوستوں، ملاقاتیوں سے مشورہ کرتے۔ اس کے نشیب وفراز پر بحث کرتے اور ہر شخص ان کی اس تجویز کو بہت پسند کرتا بلکہ کہتا کہ اس میں دیر نہ کیجیے بلکہ سمجھئے کہ خدا نے مسٹر ابوالخیر کو آپ کے پاس بطور نعمت غیر مترقبہ نازل کر دیا ہے جس طرح ہو انھیں سے بیٹی کی شادی کر دیجئے۔ ہرگز ہرگز اس کو نہ چھوڑیئے۔ پندرہ روز کے بعد انھوں نے اس کو طے کر لیا اور اپنے ایک دوست کے ذریعہ سے مسٹر ابوالخیر پر اپنی تجویز بھی ظاہر کر دی۔ مسٹر ابوالخیر دل میں بہت خوش ہوئے اور خیال کیا کہ اس سے بہتر کیا تو پھر مجھے دنیا ہی میں بہشت مل جائے گی۔ مگر پالیسی کے طور پر دو چار روز غور کرنے میں صرف کر دیئے۔ اس کے بعد اس کو منظور کیا اور ۱۰ ذیعقدہ کو ان کی شادی سیٹھ جی کی بیٹی سے ہو گئی جس میں لاکھوں کا مال ملا۔ شادی کے تین چار روز کے بعد مسٹر ابوالخیر نے پانچ ہزار روپے کا چیک لفافہ میں رکھ کر ایک خط کے ساتھ مولوی عبدالغفار صاحب کے نام رجسٹری کر کے بھیج دیا جس میں لکھا تھا:

''عزیز گرامی قدر مولوی عبدالغفار دصاحب سلمہم اللہ تعالیٰ۔ بعد السلام علیکم واضح ہو کہ میں خیریت سے اور آپ لوگوں کی عموماً اور عزیزی حسینی بیگم سلمہا کی خصوصاً خیریت کے لیے برابر دعا کرتا ہوں۔ مجھے تو انھوں نے فقیر سے بادشاہ بنا دیا۔ آپ جانتے ہیں بی۔اے پاس کرنے کے بعد میں نے ۲۵، ۳۰ روپیہ کی ملازمت کے لیے بھی خاک چھانی مگر کامیابی کی کوئی صورت نظر نہیں آئی۔ اتفاقاً حسینی بیگم سلمہا نے اصرار کیا کہ کربلا شریف جا کر زیارت کروں اور وہیں دعا مانگوں۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ مجھے بہشت کا پتا بتا رہی ہیں پہلے تو اسے حقارت سے ٹالنا چاہا مگر تقدیر بننے والی تھی۔ آخر سامان کر کے میں کربلا شریف روانہ ہو گیا۔ وہاں سے نجف اشرف گیا اس کی زیارت کر کے دل گھبرایا بغداد شریف کی زیارت بھی نہیں کر سکا اور سیدھے ہندوستان کا

راستہ لیا۔ بصرہ جہاز پر سوار ہوا تو بمبئی کے ایک لکھ پتی سیٹھ صاحب سے ملاقات ہوگئی وہ اپنے ساتھ بمبئی لائے۔ اپنا مہمان کیا اور چند دنوں کے بعد میری شادی اپنی اکلوتی بیٹی سے کر دی۔ اس طرح زیارت کربلا کے بعد ابھی ایک مہینہ بھی نہیں ہوا تھا کہ میں فقیر سے بادشاہ ہوگیا۔ میری جواہرات سے لدی ہوئی حور مثال بیوی میرے پلنگ پر سوئی ہیں اور میں اس کے بغل کی میز پر یہ خط لکھ رہا ہوں۔ اس وقت لاکھوں کا کاروبار گویا میرے ہاتھ میں ہے۔ یہ پانچ ہزار روپیہ کا چیک روانہ کرتا ہوں۔ حسینی بیگم سلمہا کو پان کھانے کے لیے دے دیجئے گا کہ انھوں نے مجھے زندہ کر دیا بلکہ زندگی ہی مجھے بہشت میں پہنچا دیا۔ نہ زیارت امام حسین علیہ السلام کو آتا نہ یہ سلطنت ملتی۔ آئندہ ماہ سے سو روپیہ ماہوار ان کے پان کھانے کو بھیجا کروں گا۔ خدا جب تک مجھے زندہ رکھے۔ والسلام ابوالخیر۔

مولوی صاحب نے یہ خط پڑھا تو ان پر سکتے کا عالم طاری ہوگیا۔ دیر تک بے حس وحرکت پڑے رہے۔ کبھی کہتے کہ جھوٹ ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا۔ کبھی سوچتے کہ جعلی چیک ہے مذاق کے لیے بھیجا ہے۔ کبھی کچھ خیال کرتے، کبھی کچھ۔ مگر آخر میں بول دینا پڑا کہ ''خدا کی دین ہے وہ اسی طرح چھپڑ پھاڑ کر دے دیتا ہے''۔ دن کو تو مولوی صاحب کچھ عجیب حیرت کے عالم میں رہے۔ شب کو وہ خط لیے ہوئے مکان پر آئے۔ جب حسینی بیگم آئیں تو اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

مولوی صاحب: لو مبارک باد۔ تمھارے ماموں مسٹر ابوالخیر بادشاہ ہوگئے اور تم نے ان کو مالا مال کر دیا۔

حسینی بیگم: کیا آج کوئی نیا مذاق سوچ کر آئے ہو۔

مولوی صاحب: مذاق کیسا۔ ان کا خط آج ہی آیا ہے تم خود پڑھ لو۔ حسینی بیگم نے خط پڑھا تو نہایت خوش ہوئیں۔ فوراً اٹھ کر وضو کیا اور شکریہ کا دوگانہ ادا کر کے مولوی صاحب کے پاس بیٹھیں۔

مولوی صاحب: واہ رے قسمت۔ کیا سے کیا ہوگئے۔ مگر یہ تدبیر تم کو کس نے بتائی کہ کربلا شریف کی زیارت سے آدمی اس طرح بادشاہ بن جاتا ہے۔

حسینی بیگم: کتابوں ہی سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ کربلا شریف بڑی برکت کی جگہ ہے اس سے

میں نے خیال کیا کہ اگر ماموں جان وہاں جا کر دعا کریں گے تو خدا ضرور قبول کرے گا مگر میں تو سمجھی تھی کہ وہ واپس آئیں گے تو ان کو کوئی ملازمت پچاس ساٹھ کی مل جائے گی یہ تو میرے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی کہ کربلا شریف کی زیارت کر کے وہ گھر بھی نہیں پہنچ پائیں گے کہ بیچ میں لکھ پتی ہو جائیں گے۔ فوراً ایسی بیوی بھی مل جائے گی اور لاکھوں کا کاروبار بھی ہاتھ آ جائے گا۔

مولوی صاحب: زیارت کرنا تو رافضیوں کا کام ہے۔ ہمارے ہاں جائز نہیں تم نے کس مذہب سے ان کو زیارت کا مشورہ دیا۔

حسینی بیگم: میرا مذہب تو آپ کو معلوم ہے مگر میں کہتی ہوں کہ تمھارے (اہلحدیث بھائیوں کے) ہاں بھی زیارت کرنا ثابت ہے۔ خود حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان حضرات کی زیارت کا حکم دیا ہے۔ جناب مولانا وحید الزماں خاں صاحب حیدرآبادی نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

> کنت نهيتكم عن زيارة القبور فزدروها
>
> ''اگر کوئی شخص کسی پیغمبر یا ولی کی قبر کی زیارت کو جائے اور زیارت کے بعد اس کے دل میں دعا کا ارادہ پیدا ہو وہاں اللہ تعالیٰ سے دعا کرے تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔ اب زیارت قبور کے لیے سفر کرنا تو......اکثر علمائے اہلحدیث یہ کہتے ہیں کہ جائز ہے۔'' (انوار اللغتہ پارہ ۱۱، ص ۴۰)

اور دوسری جگہ لکھا ہے ''بعض اہلحدیث نے اس حدیث سے یہ دلیل لی ہے کہ اموات سے دعا کا سوال کرنا جائز نہیں کیونکہ ان کے اعمال منقطع ہو گئے ہیں۔ حالانکہ یہ ان کی غلطی ہے۔ انبیاء اللہ اور اولیاء اللہ سے ان کی قبروں پر دعا کا سوال کر سکتے ہیں۔ اسی طرح خواب میں اعمال کے انقطاع سے یہ مراد ہے کہ مرنے کے بعد ان کا کوئی عمل نامہ اعمال میں شریک نہیں کیا جاتا نہ یہ کہ وہ کوئی عمل ہی نہیں کر سکتے۔ احادیث صحیحہ سے انبیاء کے عمل بعد از موت ثابت اور اولیاء اللہ سے بعد از موت بھی طرح طرح کے فیوض و برکات ہونا متواتر منقول ہے ثابت بنانی کی قبر میں جھانکا دیکھا وہ نماز پڑھ رہے ہیں۔ حضرت نظام الدین اولیاء نے اپنی

والدہ کی قبر پر جا کر کہا۔ اماں اسی وقت پروردگار کی بارگاہ میں جاؤ اور اس خلجی سلطان کا علاج کراؤ جس نے مجھے تنگ کر دیا ہے۔ یہ واقعہ عصر کے وقت ہوا اور اسی روز مغرب کے بعد سلطان مارا گیا۔" (انوار اللغتہ، پارہ ۵، ص ۳۵)

اس سے سب باتیں ثابت ہو گئیں کہ زیارت کے لیے اولیاء اللہ کی قبر پر بھی جانا چاہیے اور دعا بھی مانگنی چاہیے اور خود حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زیارت حضرت شہداء کے لیے جانا متواتر واقعہ ہے بلکہ خود خدا نے حضرت ؑ کو اس کا حکم دے رکھا تھا۔ چنانچہ شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے لکھا ہے:

ہمچنانکہ نیز بزیارت بقیع و استغفار برایشاں مامور بود ہم چنیں بزیارت شہداء اُحد و دعائے برایشاں مامور شد

یعنی "جس طرح خدا نے حضرت کو حکم دیا تھا کہ بقیع کی قبروں کی زیارت کریں اور وہاں کے مدفونین کے لیے استغفار کریں اسی طرح حضرت ؑ کو خدا کا حکم تھا کہ اُحد کے شہیدوں کی زیارت کریں اور ان کے لیے دعا فرمائیں۔" (مدارج النبوۃ جلد، ص ۱۹۴)

اور علامہ قسطلانی نے تو اس کے بارے میں ایک مستقل فصل ہی قائم کی ہے جس میں لکھتے ہیں: الفصل الثانی فی زیارت قبرہ الشریف یعنی دوسری فصل حضرت رسول خدا ؐ کی قبر کی زیارت کے بیان میں

اعلم ان زیارت قبرہ الشریف من اعظم الآیات و ارجی الطاعات والسبیل الیٰ علی الدرجات ومن اعتقد غیر ھذا فقد انخلع من ربقۃ الاسلام و خالف اللہ و رسولہ و جماعۃ العلماء الاعلام

یعنی "جان رکھو کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ کی زیارت بڑی آیتوں اور بہت زیادہ امید والی طاعتوں سے ہے اور وہ بلند ترین درجوں تک پہنچنے کا ذریعہ ہے اور جو شخص اس کے خلاف اعتقاد رکھے گا وہ حلقہ اسلام سے خارج اور

اللہ ورسولؐ اور علماء اعلام کی جماعت کا بھی مخالف ہو جائے گا۔

وقال القاضی عیاض انها سنة من سنن المسلمین مجمع علیها و فضیلة مرغب فیها و روی الدار قطنی من حدیث ابن عمرؓ ان رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم قال من زار قبری و جبت له شفاعتی

یعنی '' قاضی عیاض نے کہا ہے کہ حضرت رسول خداؐ کی قبر کی زیارت مسلمانوں کی سنت ہے جس پر لوگوں کا اجماع ہو چکا ہے اور ایسی فضیلت ہے جس کی ترغیب دی گئی ہے اور دار قطنی نے عبداللہ ابن عمر کی حدیث روایت کی ہے کہ حضرت رسول خداؐ نے فرمایا کہ جو شخص میری قبر کی زیارت کرے گا اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو جائے گی''۔

وینبغی لکل مسلم اعتقاد کون زیارته قربة للاحادیث الواردة فی ذلك

یعنی'' ہر مسلمان کے لیے اس بات کا اعتقاد کرنا مناسب ہے کہ حضرتؐ کی قبر کی زیارت سے خدا کی خوشی حاصل ہوتی ہے اس لیے کہ اس مضمون کی بہت سی حدیثیں وارد ہیں۔''

وقد اجمع المسلمون علی مستحباب زیارة القبور کما حکاه النووی

یعنی'' مسلمانوں کا اجماع ہے اس بات پر کہ قبروں کی زیارت کرنی مستحب ہے''۔

جیسا کہ علامہ نووی نے بیان کیا ہے:

قال زور والقبور

یعنی'' حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم لوگ قبروں کی زیارت کیا کرو''۔

ان امرأة سالت عائشة رضی الله عنها ان اکشفی لی عن قبر رسول اللهؐ فکشفته فبکت حتی ماتت۔

''ایک عورت نے حضرت عائشہؓ سے سوال کیا کہ مجھے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر کھول کر دکھا دیجئے انھوں نے کھول دی تو وہ عورت اس قدر روئی کہ مرگئی۔'' (مواہب لدنیہ مطبوعہ مصر جلد۲، ص۳۸۳ تا ۳۸۷)

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت جس طرح پڑھی جاتی ہے اس سے ایک اور بات معلوم ہوتی ہے وہ میرے اور آپ ایک سابق بحث سے متعلق ہے۔ تم کہتے تھے کہ اہلبیت سے مراد حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویاں ہیں اور میں کہتی تھی کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویاں خارج ہیں اور اہل بیتؑ سے مراد صرف حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذریت جناب علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ اور ان کی اولاد ہیں۔ اب دیکھو کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کس طرح کی جاتی ہے۔ اس میں بھی حضرت امام حسین علیہ السلام اور دیگر حضرت اہل بیتؑ کی زیارت پڑھی جاتی ہے۔ یہی علامہ قسطلانی لکھتے ہیں کہ حضور کی زیارت اس طرح پڑھے:

السلام عليك يا رسول الله، السلام عليك يا نبي الله، السلام عليك يا حبيب الله، السلام عليك يا خيرة خلق الله، السلام عليك يا صفوة الله، السلام عليك يا سيد المرسلين و خاتم النبيين السلام عليك يا قائدالغرالمحجلين

اس کے بعد لکھا ہے اس جملہ کو غور سے سننا:

السلام عليك وعلى اهل بيتك الطيبين الطاهر السلام عليك وعلى ازواجك الطاهرات امهات المومنين ۔

''یعنی اے رسولؐ خدا آپ پر اور آپ کے طیب و طاہر اہل بیت پر سلام ہو۔ آپ پر اور آپ کی بیویوں پر بھی سلام ہو جو امہات المومنین تھیں۔'' (مواہب لدنیہ جلد۲، ص۳۸۷)

بتاؤ اگر اہل بیت اور ازواج ایک ہوتے تو آنحضرتؐ کی زیارت میں حضرت کے

اہل بیت پر علیحدہ اور حضرت کی بیویوں پر الگ سلام کیوں پڑھا جاتا؟ یہ بھی قابل غور ہے کہ اہل بیتؑ کی صفت طیبین و طاہرین لائے ہیں اور ازواج کی صفت امہات المومنین ذکر کی ہے اور دونوں بالکل صحیح ہے کہ اہلبیتؑ یقیناً طیب و طاہر ہیں مگر وہ امہات المومنین میں نہیں ہیں اور ازواج رسولؐ امہات مومنین ہیں مگر وہ اہل بیت نہیں ہیں۔

مولوی صاحب: یہ بات تو تم کو بڑی دلچسپ لگی۔ واقعاً جب حضرت رسولؐ خدا کی زیارت میں ازواج پر الگ سلام کیا جاتا ہے اور اہل بیت پر علیحدہ تو یقیناً ماننا پڑے گا کہ ازواج رسولؐ اہل بیت سے خارج ہیں۔ مگر تم نے اس وقت تک تو آنحضرتؐ کی زیارت کو ثابت کیا کہ مستحب ہے اور مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے۔ امام حسینؑ کی زیارت کا کیا ثبوت ہے۔

حسینی بیگم: کیا حضرت رسولؐ خدا نے یہ نہیں فرمایا: ذوروالقبور۔ ''اے مسلمانو! تم قبروں کی زیارت کیا کرو''۔ اور کیا علاوہ نووی کی عبارت نہیں سنی کہ مسلمانوں کی قبروں کی زیارت مستحب ہے جس پر مسلمانوں کا اجماع ہے اور کیا حضرت امام حسین علیہ السلام مسلمانوں کے سردار نہیں تھے۔ جب عام مسلمانوں کی قبروں کی زیارت کا حکم دیا گیا ہے تو فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سید شباب اہل الجنہ کے روضہ کی زیارت کا کیا کہنا وہ علاوہ بریں میں ابھی بیان کر چکی کہ حضرت رسولؐ خدا بقیع کی قبروں کی زیارت اور شہداء اُحد کی زیارت کو جاتے تھے اور خدا نے ہم لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے:

لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة

یعنی ''البتہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں تم لوگوں کی پیروی کرنے کا بہترین نمونہ موجود ہے''۔

پس جب حضرت رسولؐ خدا کو اُحد کے معمولی شہیدوں کی زیارت کا حکم خدا نے دیا اور یہ یقینی ہے کہ حضرتؑ کا درجہ شہدائے اُحد سے بہت زیادہ تھا۔ پھر ہم لوگ حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کی زیارت کریں گے جو ہم لوگوں سے کہیں افضل و اشرف بلکہ سردار دنیا و دین تھے تو کس قدر خدا کی خوشی کا سبب ہوگا۔ حضرت رسولؐ خدا نے اپنی زندگی میں صرف خود

ہی شہداءِ اُحد کی زیارت نہیں کی بلکہ مسلمانوں سے بھی ان کی زیارت کا اشارہ کیا ہے:

روی عنہ علیہ الصلوۃ والسلام انہ قال نی شہداء احد والذی نفسی بیدہ لا یسلم علیہم اُحد الی یوم القیامۃ الا ردوا علیہ۔

یعنی ''حضرت رسولؐ خدا نے شہداء احد کے بارے میں فرمایا ہے کہ خدا کی قسم جو شخص ان شہداء پر قیامت تک کسی وقت بھی سلام کرے گا اس کو یہ لوگ جواب سلام دیں گے۔'' (مواہب لدنیہ جلد۲،ص۳۹۰)

جب شہداء احد تک اپنی زیارت کرنے والوں کے سلام کا جواب دیتے ہیں تو پھر امام حسین بدرجۂ اولیٰ اپنے زائرین کے سلام کا جواب عطا فرماتے ہیں۔ کیونکہ مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ امام حسین علیہ السلام شہدائے احد سے ہزاروں درجہ افضل تھے۔ جناب شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے تو زیارت حضرت رسولؐ خدا کی تاکید میں کئی حدیثیں لکھی ہیں۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

من زار قبری و جبت لہ شفاعتہ

''کہ جو شخص میری قبر کی زیارت کرے گا اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو جائے گی''۔

من جاء نی زایر الا تعلمہ حاجۃ الا زیارتی کان حق علی ان اکون لہ شفیعا یوم القیامۃ

''کہ جو شخص صرف میری زیارت کو آئے اور اس کی کوئی غرض نہ ہو تو مجھ پر واجب ہے کہ میں اس کی شفاعت کروں''۔

من حج البیت ولم یزرنی فقد جفانی۔

یعنی ''جو شخص حج کرے مگر میری زیارت نہ کرے وہ مجھ پر ظلم کرے گا۔''

(جذب القلوب،ص۲۸۹)

آگے لکھا ہے: زیارت حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اکمل الصلوۃ و افضلہا باجماع علماء دین قولا و فعلا از افضل سنن وا وکد مستحبات است

یعنی ''حضرت رسول ؐ خدا کی زیارت علمائے اسلام کے اجماع کے مطابق سنتی کاموں میں سب سے افضل اور مستحی عبادتوں سے سب سے زیادہ تاکیدی ہے''

(جذب القلوب، ص۳۱۲)

علاوہ بریں علامہ قسطلانی نے لکھا ہے:

و ینبغی الضا بعد زیارتہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یقصد المزارات التی بالمدینۃ الشریفۃ والآثار المبارکۃ والمساجد التی صلی فیھا علیہ الصلوۃ والسلام التماسا لبرکتہ و یخرج الی البقیع لزیارۃ من فیہ فان اکثر الصحابۃ ممن تونی فی المدینۃ فی حیاتہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و بعد وفاتہ مدفون بالبقیع و کذلک سادات اہل البیت والتابعین

''جو شخص حضرت رسول ؐ خدا کی زیارت کو جائے اس کے لیے مناسب ہے کہ حضرت کی زیارت سے فارغ ہوکر ان مزاروں اور مبارک یادگاروں کے پاس بھی جائے جو مدینہ شریف میں ہیں ان مسجدوں میں بھی حاضر ہو جن میں حضرت رسول ؐ خدا نے نماز پڑھی تھی کہ ان کل مقامات سے برکت حاصل کرے پھر جنت البقیع میں جا کر ان لوگوں کی زیارت کرے جو وہاں دفن کیے گئے ہیں۔ کیونکہ حضرت رسول ؐ خدا کی زندگی میں اور وفات کے بعد جو صحابہ مرے ان سے اکثر وہیں مدفون ہیں۔ اسی طرح سادات اہل بیت وتابعین بھی وہاں مدفون ہیں''۔

(مواہب لدنیہ جلد۳، ص۴۰۱)

اور جناب شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے لکھا ہے: وازیں جملہ است کہ بعد از زیارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بزیارت بقیع کہ مرقد آل واصحاب کرام وامہات

المومنین و اتباع و تبع اتباع و دیگر علماء وصلحا امت است بزیارت سید الشہداء عم النبی ؑ حمزہ بن عبد المطلب ؓ و زیارت مسجد قبا و دیگر مساجد و آباء و سائر اماکن و آثار سید الابرار از غنیمت شمار کلام در آں ست کہ بزیارت بقیع ہر روز بعد از زیارت سرور کائنات متوجہ شود و روز جمعہ فقط چنانچہ الآن شدہ است امام نووی و تابعان و برآنند کہ ہر روز کند۔ یعنی ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے بعد بقیع کی زیارت کرے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ کی آل و اصحاب و ازواج و تابعین و تبع تابعین اور دیگر علماء و صلحاء امت دفن کیے گئے ہیں اور حضرت حمزہ کی زیارت اور مسجد وقبا و دیگر مساجد وغیرہ کی زیارت بھی کرے...... کلام اس میں ہے کہ بقیع کی زیارت بھی ہر روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے بعد کرے یا صرف جمعہ کے روز کرے جیسا کہ آج جاری ہے۔ امام نووی اور ان کے تابعین کا قول ہے کہ بقیع کی زیارت بھی روز کرے''۔ اس کے بعد ایک عالم کی دلیل لکھی ہے جو کہتے تھے کہ ان حضرات کی زیارت کبھی کبھی نہیں کرنی چاہیے بلکہ ہر روز کرنی مناسب ہے۔ شیخ ابوالحسن بکری رحمۃ اللہ علیہ گفتہ است کہ زیارت قبور سنت موکدہ است و ایں شامل است ہر روز یعنی ''شیخ ابوالحسن بکری رحمتہ اللہ نے کہا ہے کہ قبروں کی زیارت کرنا سنت موکدہ ہے اور یہ شامل ہے ہر روز کو۔ (جذب القلوب، ص ۳۵۹)

اس عبارت کے بعد آپ کچھ بول نہیں سکتے۔

مولوی صاحب: کیا مطلب۔

حسینی بیگم: یہی کہ علامہ قسطلانی اتنے بڑے جلیل القدر عالم اور محدث جنھوں نے صحیح بخاری شریف کی پوری شرح لکھ ڈالی ہے اور جنھوں نے حضرت رسول ؐ خدا کی بہت مفصل سوانح عمری یہی مواہب لدنیہ لکھی ہ اور جناب شیخ عبد الحق صاحب محدث دہلوی نے جو اہل سنت کے کیسے زبردست پیشوا تھے جب مسلمانوں پر تاکید کی ہے کہ جنت البقیع کے عام صحابہ تابعین اور سادات اہلبیت کی زیارت کریں تو حضرت امام حسین علیہ السلام ان کل صحابہ و تابعین اور سادات اہل بیت کے سردار اور ان سب سے افضل تھے پھر حضرت کی زیارت کا حکم تو بدرجۂ اولیٰ ہوا خود ہی انصاف کرو کہ جو غیر معصوم صحابہ و تابعین بقیع میں مدفون ہیں جب ان کی

زیارت ہمارے لیے مناسب ہے تو سید شباب اہل الجنت اور سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت کس قدر ضروری ہوگی اور تم حضرت عمدة العلماء، قدوة الفقہاء رئیس المتکلمین امام الواعظین مولانا محمد مبین اسکنہ اللہ فی اعلیٰ علیین کو بھی خوب جانتے ہو جو مشاہیر علماء دار العلم والعمل فرنگی محل لکھنو سے تھے۔ ممدوح نے اپنی وسیلۃ النجاۃ میں ایک خاص باب ہی حضرات ائمہ طاہرینؑ کی زیارت کے متعلق لکھا ہے۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں: ''خاتمہ در بیان فضیلت وثواب زیارت ائمہ اطہار علیہم السلام۔ یعنی'' کتاب کا خاتمہ حضرات ائمہ اطہارؑ کی زیارت کا ثواب اور فضیلت بیان کرنے میں ہے۔ (وسیلۃ النجاۃ مطبوعہ لکھنو، ص ۴۳۱)

اور جناب علامہ شیخ شبلنجی نے تحریر فرمایا ہے:

قال الشعر انی فی الباب العاشر من المنن وسما من الله تبارك و تعالیٰ ڈ به علی زیارتی کل قلیل لاهل البیت الذین دفنوا فی مصر کلهم او روسهم فقط ازورهم فی السنة ثلاث مرأت بقصد صلة رحم رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم ولم ارحدا من اقرانی یعتنی لذلك اما لجهله بمقامهم واما لدعواه عدم ثبوت کونهم دفنوا فی مصر و هذا جمود فان الظن یکفینا فی مثل ذلك انتهی ثم انه ذکر فی هذه المنة ایضاً اسماء جماعت من اهل البیت لهم مزارات بمصر القاهره اخبره عنهم سیدی علی الخواص رحمه الله وفی آخرها قال فهولاء الذین بلغنا انهم فی مصر بن اہل البیت و صححه اهل الکشف قال و کان سیدی علی الخواص یختم زیارت اہل البیت بالامام الشافعیؒ فعلیك یا اخی بزیارت قرابة نبیك محمد صلی الله علیه وآله وسلم و قدمهم علی زیارة کل ولی فی مصر عکس ما علیه العامة فلا تکاد تری احدا

سنهم يعتنى بزيارة احد ممن ذكرنا ابدا و يعتنى بزيارة بعض المجاذيب و ينام فى موالدهم وهذا كله من جملة الجاهل فاحذره ترشد

''یعنی علامہ شعرانی نے کتاب منن کے دسویں باب میں فرمایا ہے کہ ان باتوں سے جن کا احساس خدا نے مجھ پر کیا ہے یہ ہے کہ مجھ سے جس قدر بھی ممکن ہوتا ہے حضرات اہلبیتؑ کی جو مصر میں مدفون ہیں زیارت کرتا ہوں۔ خواہ اہل بیت کی یا ان کے سردار کی اور میں سال میں تین مرتبہ ان کی زیارت کو جاتا ہوں اور اس نیت سے کہ حضرت رسولؐ خدا کا حق صلہ رحم ادا کروں (کیونکہ اہلبیتؑ حضرتؐ ہی کی اولاد ہیں تو ان حضراتؑ کی زیارت سے حضرت رسولؐ خدا کے حقوق مجھ سے ادا ہوں گے) اور میں اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو بھی نہیں دیکھتا ہوں کہ اس صلہ رحم کا خیال کرے یا تو اس سبب سے کہ ان لوگوں کو معلوم ہی نہیں ہے کہ وہ حضرات مصر میں دفن ہی نہیں کیے گئے ہیں۔ مگر یہ غفلت ہے کیونکہ ایسی باتوں میں گمان پر عمل کرنا کافی ہوتا ہے۔ پھر انھیں علامہ شعرانی نے اس باب میں اہل بیتؑ کی ایک جماعت کے نام ذکر کیے ہیں۔ جن کے روضے مصر میں ہیں ان سے ان حضرات کے پتے سید علی الخواص رحمتہ اللہ علیہ نے بتائے تھے اور اس باب کے آخر میں کہا ہے کہ وہ حضرات اہل بیت ہیں جن کے بارے میں مجھے معلوم ہوا ہے کہ مصر میں دفن کیے گئے ہیں۔ انھوں نے کہا ہے کہ سید علی الخواص حضرات اہلبیتؑ کی زیارت اور امام شافعی کی زیارت کے ساتھ ختم کرتے تھے۔ پس اے مسلمان بھائیو تم پر لازم ہے کہ حضرت رسولؐ خدا کے قرابت مندوں کی زیارت کیا کرو اور مصر میں جو اولیاء ہیں ان کی زیارت پر حضرات اہل بیت کی زیارت کو مقدم رکھا کرو برخلاف اسے جو عوام کرتے ہیں کہ اپنی جہالت اور گمراہی سے بعض مجذوبوں کی زیارت کرتے اور ان کی پیدائش کی جگہوں میں سوتے ہیں جس سے تم لوگ

بچو کہ ہدایت پاؤ''۔(نورالابصار مطبوع مصر،ص ۱۷۸)

اور آپ اس بات کو بھی جانتے ہیں کہ بہت سے مورخین کے قول کے مطابق مصر میں حضرتؑ کا سر مبارک دفن کیا گیا ہے۔ وہاں بہت بڑا روضہ اس سر مبارک کا موجود ہے اور لاکھوں مسلمان اس روضہ کی زیارت روز کرتے ہیں۔ جناب شمس العلماء مولانا شبلی صاحب نعمانی نے مصر کے بارے میں لکھا ہے: ''مزارات اور مشاہد بھی کثرت سے ہیں اور ان کے مصارف کے لیے بہت سے اوقاف ہیں۔ حضرت زینبؑ (امام حسین علیہ السلام کی بہن) حضرت ام کلثوم، امام شافعی، امام لیث کے مقبرے بڑی شان وشوکت کے ہیں۔ میں نے امام شافعی کے مزار کی زیارت کی اور مزارات کی زیارت کا بھی ارادہ تھا۔ لیکن وہاں پہنچ کر جو حالت دیکھی اس سے طبیعت کو وحشت ہوئی اور متاسف ہو کر واپس آیا۔ مصر والوں نے ہفتہ کے خاص خاص دن مقرر کر رکھے ہیں جن میں ان کے اعتقاد کے موافق حضرت زینبؑ وامام شافعی وغیرہ کی روحیں عالم بالا سے اپنے مزارات کی طرف متوجہ ہوتی ہیں۔ ان خاص دنوں کو حضرت کہتے ہیں اور جن کے حضرت کا جو دن ہوتا ہے اس دن ان کے مزار پر بڑی بھیڑ ہوتی ہے کثرت سے لوگ زیارت کو آتے ہیں اور قبر کو بوسہ دے کر اپنی حاجتیں اور مرادیں مانگتے ہیں''(سفر نامہ روم وشام ومصر،ص ۲۰۷)۔ پس جب حضرت امام حسین علیہ السلام کے سر مبارک کی زیارت مصر میں اس درجہ رائج ہے تو حضرتؑ کے جسد مبارک کی زیارت کربلا شریف میں کیوں قابل اعتراض ہو سکتی ہے اور علامہ ابن بطوطہ نے بغداد کے متعلق لکھا ہے:

وبالقرب منها قبرا الامام ابی عبدالله احمد بن حنبل رضی اله عنه ولاقبة علیه و یذکر انها بنیت علی قبره مرار فنهدمت بقدرة الله تعالیٰ و قبره عند اہل بغداد معظم و اکثرهم علی مذهبة و بالقرب منه قبرابی بکر الشبلی من ائمة المتصوفه رحمه الله و قبرسری السقطی و قبر بشیرا الحافی و قبر داود الطائی و قبر ابی القاسم الجنید رضی الله عنهم اجمعین و

اهل بغداد لهم یوم فی کل جمعة لزیارة شیخ من هولاء
المشائخ و یوم لشیخ آخر یلیه هکذا الی آخر الا سبوع

''یعنی بغداد شریف میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے روضہ کے قریب امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کا روضہ ہے مگر اس پر کوئی قبہ نہیں ہے۔لوگ بیان کرتے ہیں کہ اس پر کئی مرتبہ قبہ بنایا گیا ہے مگر خدا کی قدرت سے گر گیا۔حضرات احمد بن حنبل کا روضہ بغداد والوں کے اعتقاد میں بہت قابل تعظیم اور باعث برکت ہے۔کیونکہ بغداد کے اکثر لوگ انھیں امام احمد بن حنبل کے مذہب پر ہیں۔ان کے روضہ کے قریب حضرت ابوبکر شبلی کا روضہ ہے جو صوفیوں کے بڑے پیروں سے ہیں اور سری سقطی اور بشر حافی اور داود طائی اور ابوالقاسمؒ کے روضہ بھی ہیں اور کل بغداد والوں کا معمول ہے کہ ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک ہر روز ان بزرگوں سے کسی بزرگ کی زیارت کو جاتے تھے۔پھر دوسرے روز دوسرے بزرگ کی زیارت کی زیارت کو تیسرے دن تیسرے بزرگ کی زیارت کو اسی طرح پورا ہفتہ زیارت کرتے ہیں''۔
(رحلۃ ابن بطوطہ مطبوعہ مصر،ص۱۴۳)

میں کہاں تک عبارتیں پڑھتی چلی جاؤں۔اب آپ خود فیصلہ کریں کہ جب ایسے ایسے بزرگوں کے روضہ کی زیارت اس قدر لازمی اور ضروری سمجھی جاتی ہے کہ بغداد کے ایسے مرکز علم و دین کے علماء و عوام سب ہی ہفتہ بھر ان کی زیارت کرتے رہتے ہیں تو حضرت امام حسین علیہ السلام جو ان لوگوں کے آقا و پیشوا تھے اور جن کی مودۃ ہی کی وجہ سے وہ بزرگان دین بھی بہشت کی امید کر سکتے ہیں۔حضرتؑ کی زیارت کس قدر ضروری اور ہر مسلمان پر لازم ہے؟ اسی وجہ سے ہزاروں علماء و صلحاء اہلسنت جو دنیا کے مختلف مقامات سے بغداد شریف زیارت کو جاتے ہیں ان میں سے بہت سے حضرات کربلا شریف کی زیارت کو بھی ضرور پہنچتے ہیں۔

مولوی صاحب: تم نے زیارت کے مسئلہ میں بھی مجھے لاجواب کر دیا اور ثابت کر دیا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت بھی مستحب اور باعث اجر جمیل ہے۔

حسینی بیگم: الحمدللہ کہ اس مسئلہ کو بھی آپ مان گئے مگر میں کچھ اور توضیح کر دیتی ہوں تا کہ آپ کو کسی قسم کا تردد باقی نہ رہے۔ یہ بتاؤ آپ امام غزالی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو کیسا سمجھتے ہو؟

مولوی صاحب: اللہ اکبر۔ وہ تو اسلام کے بڑے رکن تھے۔ حجۃ الاسلام ان کا خاص لقب مشہور ہوگیا تھا۔ شمس العلماء مولانا شبلی صاحب نعمانی علیہ الرحمہ نے ان کی مفصل سوانح عمری لکھی ہے جو شائع بھی ہوگئی ہے۔

حسینی بیگم: انھیں امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب احیاء العلوم کو دیکھو اس احیاء العلوم کے بارے میں مولانا شبلی صاحب نے لکھا ہے: ''محدث زین عراقی کا قول ہے کہ امام غزالی کی احیاء العلوم اسلام کی اعلیٰ ترین تصنیفات سے ہے۔ عبدالغافر فارسی جو امام صاحب کے ہم عصر اور امام الحرمین کے شاگرد تھے ان کا بیان ہے کہ احیاء العلوم کی مثل کی کوئی کتاب اس سے پہلے نہیں لکھی گئی۔ امام نووی شارح صحیح مسلم لکھتے ہیں کہ احیاء العلوم قرآن مجید کے لگ بھگ ہے۔ شیخ ابومحمد کازورتی کا دعویٰ تھا کہ اگر دنیا کے تمام علوم مٹا دیئے جائیں تو احیاء العلوم سے میں سب کو دوبارہ زندہ کروں گا۔ شیخ عبداللہ عیدروس کو جو بہت مشہور صوفی گزرے ہیں۔ احیاء العلوم قریب قریب پوری حفظ تھی۔ شیخ علی نے ۲۵ دفعہ اول سے آخر تک احیاء العلوم کو پڑھا اور ہر دفعہ ختم کے بعد فقراء اور طلبہ کی عام دعوت کرتے تھے۔'' (الغزالی مطبوعہ حیدرآباد، ص ۴۹)

یہی امام غزالی صاحب لکھتے ہیں:

زيارة القبور مستحبة على الجملة للتذكر والاعتبار و زيارت قبور الصالحين مستحبة لاجل التبرك مع الاعتبار و قد كان رسول الله ؐ نهى عن زيارة القبور ثم اذن في ذلك

''یعنی قبروں کی زیارت کرنی ہر طرح مستحب ہے کیونکہ اس سے آخرت یاد آتی اور عبرت حاصل ہوتی ہے اور نیک لوگوں کی قبروں کی زیارت مستحب ہے۔ اس لیے کہ اس سے برکت حاصل ہوتی ہے اور عبرت بھی ہوتی ہے۔ اور حضرت رسول ؐ خدا نے پہلے قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا پھر اس کا حکم دے دیا''۔

وزار رسول اللہؐ قبر امہ فی الف مقنع فما روی باکیا اکثر من ذلک الیوم

یعنی ''آنحضرتؐ نے اپنی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کی قبر کی زیارت کی ہزار سواروں میں جو ہتھیار بند[1] تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس قدر اس روز روئے اس سے زیادہ کبھی روتے ہوئے نہیں دیکھے گئے''۔

اقبلت عائشہؓ یوما من المقابر فقلت یا ام المومنین من این اقبلت قالت من قبر اخی عبدالرحمن فقلت الیس کان رسول اللہؐ نھی عنھا قالت نعم ثم امربھا۔

یعنی ''حضرت عائشہؓ ایک روز قبرستان سے آرہی تھیں تو راوی نے پوچھا کہ کہاں سے تشریف لاتی ہیں تو فرمایا اپنے بھائی عبدالرحمٰن کی قبر کی زیارت کو گئی تھیں میں نے کہا کیا رسولؐ خدا نے اس سے منع نہیں فرمایا تھا کہا ہاں۔''

مگر پھر حکم دے دیا تھا

قال رسول اللہؐ وزور و اموتاکم وسلموا علیھم و صلوا علیھم

یعنی ''حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا کہ اپنے مردوں کی قبروں کی زیارت کرو۔ ان پر سلام کرو اور درود بھیجو۔''

ان فاطمۃ بنت النبیؐ کانت تزور قبر عمھا حمزۃ فی الایام فتصلی و تبکی عندہ

یعنی ''حضرت فاطمہ علیہا السلام اپنے چچا جناب حمزہ کی قبر کی زیارت مہینہ میں کئی دفعہ کرتی تھیں اور وہیں نماز پڑھتیں اور روتی تھیں۔''

امام صاحب نے یہ بھی تحریر فرمایا:

---

[1] مولانا وحید الزماں خاں صاحب نے اسی طرح ترجمہ کیا ہے ملاحظہ ہو انوار اللغۃ، پ ۲۱، ص ۱۵۵۔

يستحب تلقين الميت بعدالدفن والدعاء له

یعنی ''میت کو دفن کرنے کے بعد اس کو تلقین پڑھانی اور اس کے لیے دعا کرنی بھی مستحب ہے''۔ (احیاء العلوم مطبوعہ لکھنو جلد ۴، ص ۲۷۲)

اور آپ جانتے ہیں کہ علماء اسلام میں ایک بڑے محترم بزرگ علامہ نور الدین سمہودی بھی گزرے ہیں جنھوں نے مدینہ شریف کی مفصل تاریخ وفا الوفاء لکھی ہے انھوں نے تو تقریباً پوری کتاب میں زیارت کی باتیں اور اس کا ثواب لکھ دیا ہے۔ حضرت رسولؐ خدا کے چچا عباس اور حضرت امام حسن علیہ السلام کی زیارت کے بارے میں ممدوح نے لکھا ہے:

و ينبغي ان يسلم زائرهما على من قد منا ذكر دفنه عند هما في قبر فاطمة والحسن رضى الله تعالى عنه۔

یعنی ''حضرت عباس اور حضرت امام حسنؑ کے روضوں کی زیارت کرنے والوں کے لیے مناسب ہے کہ ان لوگوں کی زیارت بھی کریں جن کو میں نے جناب سیدہ اور جناب امام حسنؑ کے روضوں کے بیان میں لکھا ہے کہ ان کے قریب دفن ہیں''۔ (وفاء الوفاء جلد ۲، ص ۱۰۱)

الباب الثامن فى زيارة النبىؐ وفيه اربعة فصول۔

یعنی ''چوتھا باب حضرت رسولؐ خدا کی زیارت کے بیان میں اور اس میں چار فصلیں ہیں''۔

الفصل الاول فى الاحاديث الواردة فى زيارته نصا۔

یعنی ''پہلی فصل ان حدیثوں کے بیان میں جو صاف صاف زیارۃ کے بارے میں وارد ہیں''۔ (جلد ۲، ص ۳۹۴)

الفصل الثاني في بقية ادلة الزيارة وان لم تنضمن لفظ الزيارة نصـا و بيان تاكه مشروعيتها و قربها من درجة الوجوب حتى اطلقه بعضهم عليها۔

یعنی ''دوسری فصل زیارت کی باقی دلیلوں کے بیان میں اگر چہ ان میں لفظ زیارت صاف طور پر نہیں ہے اور اس بیان میں کہ مذہب اسلام نے زیارت کی بڑی تاکید کی ہے اور یہ واجب ہونے کے درجہ تک پہنچ گئی ہے۔ یہاں تک کہ بعض علماء نے اس کو واجب کہا بھی ہے۔'' (ص ۴۰۳)

اور صحابہ کرام اور بعد کو علمائے اعلام برابر زیارت کو جاتے رہے۔ جناب بلال کا شام سے مدینہ زیارت کو آنا مشہور واقعہ ہے۔ علامہ سمہودی لکھتے ہیں:

و ممن سافر الی زیارة النبیؐ من الشام الی قبره بالمدینة بلال

یعنی ''جن لوگوں نے شام سے حضرت رسولؐ خدا کی زیارت کے لیے مدینہ کا سفر کیا ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موذن بلالؓ بھی تھے۔''

ان بلال رای فی منامه النبیؐ وهو یقول ما هذه الجفوة یا بلال اما آن لك ان تز ورنی یا بلال۔ فانتبه حزینا و جلا خائفا فرکب راحلة و قصد المدینة فاتی قبر النبیؐ فجعل یبکی عنده و یمرغ وجهه علیه فاقبل الحسنؑ والحسینؑ فجعل یضمهما و یقبلهمافقا لا له یا بلال نشتهی ان تستمع اذانك الذی کنت توذن به الرسول اللهؐ فی المسجد ففعل

''یعنی بلال (شام میں تھے وہاں انھوں نے) خواب میں حضرت رسولؐ خدا کو دیکھا کہ فرماتے ہیں: ''اے بلال یہ کیا بے مروتی کرتے ہو کیا ابھی اس کا وقت نہیں آیا کہ تم مدینہ آ کر میری زیارت کرو''۔ یہ خواب دیکھ کر بلال خوف زدہ اور پریشان بیدار ہوئے اور فوراً سوار ہو کر مدینہ کی طرف چل پڑے وہاں پہنچ کر حضرت رسولؐ خدا کے روضہ پر حاضر ہوئے اور وہاں روتے اور اس جگہ پر اپنے چہرہ کو رگڑتے تھے کہ اچانک امام حسنؑ و امام حسین علیہما السلام وہاں پہنچ گئے تو بلالؓ دونوں صاحبزادوں کو اپنے سینہ سے لگانے اور ان کا بوسہ لینے لگے۔ تب ان

صاحبزادوں نے کہا اے بلالؓ ہم چاہتے ہیں کہ آپ کی وہ اذان پھر سنیں جو آپ حضرت رسولؐ خدا کے لیے حضرت کی مسجد میں دیتے تھے۔ بلال نے ان حضرت کی آرزو پوری کی اور اذان دینے لگے“۔ (وفاء الوفا، جلد۲، ص۴۰۸)

دیکھو اس سے زیارت کی کس قدر تاکید نکلی کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں حضرت بلالؓ سے اس ترک زیارت کو بے مروتی فرمایا اور اعتراض کیا کہ تم میری زیارت کو نہیں آئے اور سنو۔

ان عمر لما صالح اهل بيت المقدس و قدم عليه كعب الاخبار واسلم و فرح باسلامه قال له هل لك ان تسير معى الى المدينة و تزور قبرالنبیؐ و تتمتع بزيارته فقال نعم

یعنی ”حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب بیت المقدس والوں سے صلح کرلی اور ان کے پاس کعب الاحبار آئے اور اسلام قبول کیا اور حضرت عمران کے اسلام لانے سے خوش ہوئے تو ان سے فرمایا کیا تم میرے ساتھ مدینہ چلو گے اور حضرت رسول خداؐ کے روضہ کی زیارت کا شرف حاصل کرو گے؟ کعب الاحبار نے کہا ہاں۔“ (ص۴۰۹)

پھر لکھا ہے:

ان زيارة قبر النبیؐ من افضل المندوبات والمستحبات بل تقرب من درجة الواجبات

”یعنی حضرت رسولؐ خدا کے روضہ کی زیارت سنت اور مستحب کاموں میں افضل عمل ہے بلکہ واجب کے درجہ کے قریب پہنچتی ہے۔“ (۴۱۵)

پھر لکھا ہے:

ويقول نحن وفدك يا رسول اللهؐ وزوارك جئناك القضاء حقك والتبرك بذيارتك

"یعنی زیارت کرنے والوں کو چاہیے کہ یہ بھی کہیں کہ اے رسول خدا! ہم لوگ آپ کے ہاں آئے ہیں۔ آپؐ کے زائر ہیں۔ آپ کی خدمت میں اس غرض سے حاضر ہوئے ہیں کہ آپ کا حق ادا کریں اور آپ کی زیارت سے برکت حاصل کریں۔" (ص۴۳۹)

مولوی صاحب: مگر یہ تو صرف حضرت رسول خداؐ کے متعلق ہیں۔ دوسرے لوگوں کی زیارت کے متعلق کچھ اور دلیلیں ہیں تو ان کو بیان کرو۔

حسینی بیگم: دوسرے بزرگوں کی زیارت کے متعلق بھی تو کس کثرت سے دلیلیں بیان کر چکی کیا وہ سب کافی نہیں ہیں؟ اچھا اور سنو علامہ سمہودی لکھتے ہیں:

وقد اوضح السبکی امرا الاجماع علی الزیارۃ قولا و فعلا و سرد کلام الائمۃ فی ذلك و بین انھا قربۃ بالکتاب والسنۃ والاجماع والقیاس

"یعنی علامہ سبکی نے اس بات کو واضح طور پر لکھا ہے کہ زیارت کے مستحب اور باعث ثواب ہونے پر اجماع ہے۔ قولاً بھی اور فعلاً بھی اور اس مضمون کے متعلق پیشوایان دین کا کلام ذکر کیا ہے کہ قرآن مجید حدیث اجماع اور قیاس ہر چیز سے زیارت کا باعث ثواب ہونا ثابت ہے۔ کا باعث ثواب ہونا ثابت ہے۔" (وفاء الوفا جلد ۱۱ ۴)

پھر لکھا ہے:

وقد جاء فی السنۃ الصحیحہ المتفق علیھا الامر بزیارۃ القبور

"یعنی صحیح حدیثوں میں جن پر محدثین کا اتفاق ہے یہ حکم ہے کہ قبروں کی زیارت کرنی چاہیے۔" (ص۴۱۲)

پھر لکھا ہے:

و کیف تخیل فی احد من السلف المنع من زیارۃ المصطفی وھم مجمعون علی زیارۃ سائر الموتی

"یعنی یہ خیال کیونکر ہو سکتا ہے کہ بزرگوں سے کسی نے حضرت رسول خدا صلعم کی

زیارت کو منع کیا ہے اس لیے کہ تمام مسلمانوں کا تو اس پر اجماع ہے کہ تمام مسلمانوں کی قبروں کی زیارت مستحب ہے پھر حضرت رسول خدا صلعم کے روضہ کی زیارت کیوں مستحب نہیں ہوگی۔'' (ص ۴۱۷)

یہ بھی لکھا ہے:

من زار قبر ابویه فی کل جمعة واحد هما کتب بارا

''یعنی جو شخص ہر جمعہ میں اپنے والدین کی قبر کی زیارت کرے گا وہ ابرار میں لکھا جائے گا۔'' (۴۱۳)

یہ بھی لکھا ہے:

ویروی من حدیث عائشہؓ ما من رجل یزور قبر اخیه فیجلس عنده الا استانس به حتی یقوم

''یعنی حضرت عائشہ سے یہ حدیث روایت کی گئی ہے کہ جو شخص اپنے بھائی کی قبر کی زیارت کو جائے گا اور اس کے پاس بیٹھے گا تو اس مردے کو اس سے انس حاصل ہو گا۔ (۴۰۴)

بتاؤ جب معمولی مسلمانوں کی قبروں کی زیارت مستحب ہے تو پھر حضرت امام حسین علیہ السلام کے روضہ کی زیارت کس درجہ مستحب ہے اور باعث ثواب ہوگی۔ اور جب اپنے باپ ماں بھائی کی قبروں کی زیارت کا اجر ملے گا تو خدا کے پیارے اور حضرت رسول خدا صلعم کے لاڈلے حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت کے ثواب کی حد کو کوئی کیا سمجھ سکتا ہے پھر لکھا ہے:

ویستحب الاکثار من الزیارة وان یکثر الوقوف عند قبور اهل الخیر والفضل

''یعنی کثرت سے زیارت کرنا اور صاحبان خیر و فضل کی قبروں کے پاس بہت زیادہ ٹھہرنا مستحب ہے۔'' (ص ۴۴۶)

بتاؤ جب عام طور پر صاحبان خیر و فضل کی قبروں کے پاس جانا اور ٹھہرنا مستحب ہے تو

حضرت امام حسین علیہ السلام ایسے سرچشمہ خیر وفضل کی زیارت کا کس درجہ ثواب ہوسکتا ہے؟ یہ بھی لکھا ہے:

زیارة قبور الانبیاء والصحابة والتابعین والعلماء وسائر المرسلین للکبرکة اثر معروف وقد قال حجة الاسلام الغزالی کل من یتبرك بمشاهدته فی حیاته یتبرك بزیارته بعد موته ویجوز شد الرحال لهذا الغرض

''یعنی انبیاء صلحاء، تابعین، علماء اور باقی مرسلین کی قبروں کی زیارت برکت حاصل کرنے کے لیے کوئی مشہور ومعروف دستور ہے اور حجۃ الاسلام امام غزالی نے کہا ہے کہ ہر وہ بزرگ جن سے ان کی زندگی میں مل کر برکت حاصل کی جاتی ہے ان کے مرنے پر ان کی قبر کی زیارت سے برکت حاصل کرنی چاہیے اور اس غرض کے لیے سفر کرنا جائز ہے۔'' (ص ۴۱۴)

تم ہی انصاف کرو کہ جب عام صلحاء و تابعین و علماء کی زیارت باعث ثواب ہے تو حضرت امام حسین علیہ السلام ایسے پیشوائے اسلام کے روضہ کی زیارت کا کیا اجر ہوگا۔ پھر علامہ ممدوح لکھتے ہیں:

یستحب الخروج کل یوم لی البقیع ویکون ذلك بعد السلام علی رسول الله

''یعنی مستحب ہے کہ ہر روز حضرت رسول خدا صلعم کی زیارت سے فارغ ہو کر قبرستان بقیع میں جائیں اور وہاں والوں کی بھی زیارت کریں۔'' (ص ۴۴۷)

یستحب ان یاتی قبور الشهداء باحد

''یعنی مستحب ہے کہ اُحد کے شہیدوں کی قبروں کی زیارت کو جائیں۔'' (ص ۴۴۸)

پھر لکھا ہے:

ومن اعظامه واكباره اعظام جميع اشبائه و اكرام جميع مشاهده واسكنته ومعاهده ومالمسه بيده اوعرف به انتهى قلت وذلك بزيارة تلك المشاہد والتبرك بها۔

''یعنی حضرت رسول خداؐ صلعم کی تعظیم و احترام سے یہ بھی ہی کہ حضرت کی کل چیزوں اور حضرت کے کل مقاموں، مکانوں اور گذرگاہوں کی تعظیم کی جائے بلکہ جس چیز کو حضرت نے اپنے ہاتھ سے چھوایا پہچانا اس کی تعظیم بھی کی جائے اور یہ بات اسی طرح حاصل ہوگی کہ ان کل روضوں اور قبروں کی زیارت کی جائے اور اس سے برکت حاصل کی جائے۔'' (ص ۴۴۹)

اس اصول پر بھی حضرت امام حسین علیہ السلام کے روضہ کی زیارت ضروری ہے۔ جن کو حضرت رسول خدا صلعم نے اپنی زبان چسائی۔ اپنے کاندھے پر سوار کرتے رہے۔ اپنی گود میں کھلاتے رہے:

وذكر خليل المالكى فى منسكه استحباب زيارة البقيع

''یعنی خلیل مالکی نے اپنے منسک میں لکھا ہے کہ قبرستان بقیع کی زیارت مستحب ہے۔'' (ص ۴۴۹)

اور حضرت ابوبکر عمر رضی اللہ عنہما کے روضوں کی زیارت بھی مستحب ہے۔ لکھتے ہیں:

قبر النبیؐ وصاحبه فان زيارتهم مستحبة

''یعنی حضرت رسول خدا صلعم اور حضرت ابوبکر و عمر کی قبروں کی زیارت مستحب ہے۔'' (وفاء الوفاء جلد ۲ ص ۴۱۲)

اور حضرت سیدہ جناب فاطمہ زہراء علیہا السلام کی زیارت بھی مستحب ہے۔ علامہ ممدوح نے لکھا ہے:

يسلم على فاطمة الزهراء رضى الله تعالى عنها عند المحراب الذى فى بيتها

''یعنی جناب سیدہ کی زیارت بھی کرے اس محراب کے پاس جوان کے گھر میں ہے۔'' (ص ۴۴۱)

بلکہ کوہ احد کی زیارت کا بھی حکم ہے علامہ ممدوح نے لکھا۔:

ویزور جبل احد نفسه ففی الصحیح احد جبل یحبنا ونحبه

''یعنی مسلمانوں کو چاہیے کہ اُحد پہاڑ کی بھی زیارت کریں کیونکہ صحیح حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اُحد پہاڑ ہم کو دوست رکھتا ہے اور ہم اس کو دوست رکھتے ہیں۔'' (ص ۴۴۹)

غور کرو جب پہاڑ کی جس کو حضرت دوست رکھتے تھے زیارت کا حکم ہے تو امام حسین علیہ السلام کی زیارت کا کس درجہ حکم ہوسکتا ہے جن کو حضرت رسول خدا صلعم اس درجہ دوست رکھتے کہ اپنی جان اور ماں باپ تک کو حضرت پر فدا کرتے رہتے تھے جس کے واقعات عام کتب حدیث وتفسیر وسیرۃ میں بھرے ہوئے ہیں۔

مولوی صاحب: مگر حضرت رسول خدا صلعم کے زمانہ میں یا حضرت کے بعد صحابہ کرام زیارت کرتے تھے یا نہیں؟

حسینی بیگم: خود حضرت رسول خدا صلعم زیارت کرتے تھے اور حضرت کے صحابہ کرام بھی زیارت کرتے تھے۔ علامہ سمہودی لکھتے ہیں:

ثبت من زیارته لاهل البقیع وشهداء احد

''یعنی یہ بات ثابت ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم قبرستان بقیع اور غزوہ احد کے شہیدوں کی زیارت فرمایا کرتے تھے۔'' (وفاء الوفا جلد ۲ ص ۴۱۳)

واذا ثبت ان لزیارة قربة فالسفر الیها کذالك وقد ثبت خروج النبی من المدینة لزیارة قبور الشهداء فاذا جاز الخروج للمقرب جاز للبعید

''یعنی جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ زیارت کرنی باعث ثواب ہے تو اس کے لیے

سفر کرنا بھی باعث ثواب ہے اور یہ بات ثابت ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم شہداء کی قبروں کی زیارت کے لیے مدینہ سے باہر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ پس جب قریب کے آدمی کے لیے زیارت کے لیے سفر کرنا جائز ہوا تو اور لوگوں کے لیے بھی زیارت کے لیے سفر کرنا جائز ہے۔'' (ص ۴۱۴)

اور حضرت بلال کا آنحضرتؐ کے روضہ کی زیارت کے لیے شام سے مدینہ آنا۔ اور حضرت عمر کا کعب الاحبار کو بیت المقدس سے مدینہ حضرت کے روضہ کی زیارت کے لیے اپنے ساتھ لانا پہلے بیان کر چکی ہوں۔ علامہ ممدوح نے یہ بھی لکھا ہے:

روی البیہقی عن ہاشم بن محمد العمری من ولد عمر بن علی قال اخذنی بالمدینة الی زیارة قبور الشہداء

''یعنی بیہقی نے ہاشم بن محمد عمری سے روایت کی ہے کہ عمر بن علی کے ایک لڑکے نے بیان کیا کہ میرے والد مجھ کو مدینہ میں شہداء کی قبروں کی زیارت کے لیے لے گئے۔'' (ص ۱۱۳)

اور جناب سیدہ فاطمہ زہراء علیہا السلام برابر اپنے چچا حضرت حمزہ کی قبر اور اپنے والد ماجد صلعم کے روضہ کی زیارت کو تشریف لے جایا کرتی تھیں۔

ان فاطمة بنت رسول الله کانت تزور قبر حمزه

''یعنی حضرت فاطمہ برابر جناب حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کی زیارت کو جاتی تھیں۔'' (ص ۱۱۲)

جاء ت فاطمه فوقفت علی قبره واخذت قبضة من تراب القبر ووضعت علی عینها وبکت وانشات تقول ۔ ماذا علی من شم تربة احمد۔ ان لایشم مدی الزمان غوالیا ۞ صبت علی مصائب لوانها صبت علی الایام صرن لیالیا

''یعنی حضرت فاطمہ حضرت رسولؐ خدا صلعم کی قبر پر آئیں اور وہاں ٹھہریں پھر قبر سے

ایک مٹھی مٹی اُٹھائی اور اپنی آنکھوں پر رکھا اور روئیں پھر دو شعر پڑھے جن کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص حضرت رسول خدا صلعم کی قبر کی مٹی سونگھ لے وہ پھر عمر بھر کوئی خوشبو نہ سونگھے تو اس کا کیا نقصان ہوگا (کیونکہ حضرتؐ کی قبر کی مٹی اس کے لیے کافی ہے اور اسکی خوشبو کے سامنے دنیا بھر کی خوشبوئیں ہیچ ہیں) مجھ پر اتنی مصیبتیں ڈالی گئیں جو اگر دنوں پر ڈالی جائیں تو وہ سیاہ راتیں ہو جاتے۔'' (وفاء الوفا جلد۲ ص۴۴۴)

میرے بیان کو طول ہو گیا مگر آخر میں ایک صفحہ کی عبارت اور سنا دیتی ہوں۔ علامہ ممدوح لکھتے ہیں:

ثم یزور قبورا لسلف الظاهرة بالبقیع کقبر ابراهیم بن رسول الله و عثمان والعباس والحسن بن علی وعلی بن الحسین و محمد بن علی وجعفر بن محمد وغیرهم ویختم بصفیة رسول الله

یعنی مسلمانوں کو چاہیے کہ حضرت رسول خدا صلعم کی زیارت سے فارغ ہو کر ان بزرگوں کی قبروں کی بھی زیارت کریں جو باہر بقیع میں ہیں جیسے حضرت رسول خداؐ کے فرزند حضرت ابراہیم اور خلیفہ ثالث حضرت عثمان اور حضرت رسول خدا صلعم کے چچا حضرت عباس اور حضرت کے بڑے نواسے امام حسن علیہ السلام اور چوتھے امام زین العابدین علیہ السلام اور پانچویں امام محمد باقر علیہ السلام اور چھٹے امام جعفر صادق علیہ السلام وغیرہ کی اور آخر میں حضرت رسول خدا صلعم کی پھوپھی جناب صفیہ کی زیارت کریں۔

واذا اراد زیارة البقیع یخرج من باب البلد ویاتی قبة العباس بن عبدالمطلب والحسن بن علی

''یعنی جب قبرستان بقیع کی زیارت کا ارادہ کریں تو شہر کے دروازے سے نکلیں اور حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب اور حضرت امام حسن علیہ السلام کے روضوں پر آئیں۔'' (ص۴۴۸)

اس عبارت کے بعد تو آپ کچھ بول ہی نہیں سکتے کہ جب حضرت رسول خدا صلعم کے

چچا حضرت عباس اور پھوپھی جناب صفیہ نیز دوسرے امام حسنؑ چوتھے امام زین العابدین پانچویں امام محمد باقر اور چھٹے امام جعفر صادق علیہم السلام کی زیارت کا حکم ہے تو پھر تیسرے امام حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت کا حکم تو زیادہ ضروری ہے جو سید الشہداء ہیں اور جن کے ذریعہ سے حضرت رسول خدا صلعم کے فضائل مکمل ہوئے کہ آپ ہی کی وجہ سے حضرت رسولؐ خدا کو شہادت کا شرف حاصل ہوا۔ بلکہ جو لوگ ان حضرات سے کم درجہ کے تھے ان کی زیارت کا بھی حکم ہے:

ویذھب الی زیارۃ مشھد سیدنا مالك بن سنان و مشھد النفس الزکیه

یعنی پھر مسلمانوں کو چاہیے کہ حضرت مالک بن سنان اور حضرت نفس زکیہ کے روضوں کی زیارت کو جائیں۔'' (ص ۴۴۸)

جناب علامہ شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے بھی اپنی کتاب جذب القلوب مطبوعہ کلکتہ میں ان تمام باتوں کو لکھا ہے آپ گھبرائیں گے ورنہ میں اس کی عبارتیں بھی سناتی۔

مولوی صاحب: نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اس قدر بہت ہے تم دریائے زخار ہو کہ جب بہنے لگتی ہو تو پھر رُکتی ہی نہیں بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ تم جس مضمون کو شروع کرتی ہو اس کے متعلق تمہاری معلومات کے سمندر کا کنارا نظر ہی نہیں آتا۔

حسینی بیگم: اب آپ باتیں بنانے لگے۔ علامہ سمہودی نے انہیں اوراق میں ایک دلچسپ واقعہ اور لکھا ہے۔ مگر اس کو زیارت سے کوئی لگاؤ نہیں ہے۔

مولوی صاحب: خیر زیارت سے ربط نہ سہی بیان تو کرو کیا لکھا ہے:

حسینی بیگم:

ان خالد بن الولید بن الحارث بن الحکم بن العاص وھو ابن سطیرۃ تام علی منبر رسول الله یوم جمعة فقال لقداستعمل رسول الله علی بن ابی طالب وھو یعلم انه خائن ولکن

شفعت له انبته فاطمة وداود بن قیس فی الروضة فقام فقال اس
ای یسکته قال فمزق الناس قمیصا کان علیه

''یعنی خالد بن ولید بن حارث بن حکم بن عاص جس کو لوگ ابن مطیرہ کہتے تھے ایک جمعہ میں حضرت رسول خدا صلعم کے منبر پر چڑھ کر کہنے لگا کہ حضرت رسول خدا صلعم نے حضرت علیؑ کو عامل مقرر کیا تھا حالانکہ حضرت جانتے تھے کہ وہ خائن ہیں مگر حضرتؐ کی صاحبزادی جناب فاطمہؑ نے سفارش کی تھی اس سبب سے حضرتؐ نے مقرر کر دیا۔ داؤد بن قیس وہیں روضہ میں تھے۔ انہوں نے کہا چپ رہ اور لوگوں نے اس کی قمیص پھاڑ ڈالی۔''

پھر لکھا ہے:

کفا خرجت من القبر رسول الله وهو یقول کذبت یا عدوالله
کذبت یا کافر مرارا

''یعنی دیکھا میں نے کہ ابن مطیرہ کی اس بے ادبی پر حضرت رسول خدا صلعم کی قبر سے ایک ہاتھ نکلا جو کہتا تھا کہ اے دشمن خدا تو جھوٹ بکتا ہے اے کافر تُو غلط کہتا ہے۔ اس بات کو اس نے کئی دفعہ کہا۔'' (وفاء الوفاء جلد۲ ص۴۰۸)

مولوی صاحب: خیر یہ سب تو ہوا مگر یہ بتاؤ کہ تم نے اپنے ماموں صاحب سے خاص کربلا کی زیارت کی فرمائش کیوں کی۔ بغداد شریف یا مدینہ شریف کی زیارت کو کیوں نہیں کہا۔

حسینی بیگم: بغداد شریف کا نام تو کربلا شریف کے ساتھ آ ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ بغداد شریف میں تو اُن حضرات کے روضے ہیں جو خود اپنے کو حضرت امام حسینؑ کا غلام کہتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے کہ وہ لوگ حضرتؑ کے محبوں اور جاں نثاروں میں ہیں۔ رہا مدینہ شریف تو اس کو نہ پوچھو۔ میں ڈرتی ہوں کہ اس مسئلہ میں کچھ میں بولوں تو آپ مجھ سے بہت ناراض ہو جائیں گے۔ اور میں آپ کی ناخوشی چاہتی نہیں۔

مولوی صاحب: میں ناراض کیوں ہوں گا۔ کہو تو کیا وجہ ہے؟

حسینی بیگم: نہیں اس کو جانے دو آپ کے رنجیدہ ہونے سے خدا مجھ سے ناراض ہوگا۔

مولوی صاحب: خدا کے ناراض ہونے کی خوب کہی۔ مذہبی باتوں میں شوہر کی اطاعت اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کا حکم کس نے دیا ہے؟ اگر قرآن شریف کی تلاوت کرو اور میں رنج ہوں تو کیا اس سے بھی خدا تم سے ناراض ہوگا۔ تم اپنے اعتقاد کے مطابق امام ابوحنیفہ صاحب کی تقلید کرتی ہو اور میں اس کو پسند نہیں کرتا۔ مگر کیا اس کی وجہ سے خدا تم سے ناراض ہو گا۔ غرض مذہبی احکام کے بارے میں نہ اولاد پر والدین کی اطاعت واجب ہے نہ بیوی پر شوہر کی اطاعت ضروری ہے تم کو میرے سر کی قسم بتاؤ تم نے کربلا کی زیارت کو کیوں کہا۔

حسینی بیگم: اب آپ اصرار کرتے بلکہ قسم دیتے ہو تو میں ظاہر کرتی ہوں کہ میرا تو اعتقاد ہو گیا ہے کہ مدینہ شریف سے کربلا شریف کا درجہ بڑھ گیا ہے۔

مولوی صاحب: پھر وہی کفر کی باتیں بکنے لگیں۔ ایسی باتوں سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔

حسینی بیگم: مگر میرے پاس تو اس اعتقاد کی زبردست دلیل موجود ہے اس کو کیا کروں۔ اسی سے تو میں اس کو ظاہر نہیں کرتی تھی مگر آپ نے قسم دے کر مجبور کر دیا۔

مولوی صاحب: تم جس بات کی دلیل سمجھ لو اس کا درست ہونا بھی کیا ضروری ہے؟

حسینی بیگم: نہیں غلط بھی ہو سکتی ہے۔ مگر اس دلیل کو کوئی شخص غلط ثابت بھی تو کرے؟

مولوی صاحب: خیر میں بھی تو سنوں کہ وہ دلیل کیا ہے جو غلط نہیں ہو سکتی۔

حسینی بیگم: آپ جانتے ہیں کہ حضرت غوث اعظم پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کیسے معزز ولی گزرے ہیں جن کو تم لوگ (اہل حدیث بھائی) بھی نہایت درجہ مانتے ہو اور ہم لوگ (حنفی) تو ان کو بہت بڑا رہبر اور پیشوا مانتے ہیں۔

مولوی صاحب: بے شک حضرت شیخ جیلانی رحمتہ اللہ علیہ بڑے محترم بزرگ تھے۔

حسینی بیگم: اہل حدیث بھائیوں کے پیشوا اعظم جناب مولانا وحید الزماں خاں صاحب حیدر آبادی نے لکھا ہے ''شیخ عبدالقادر حنبلی مشہور بزرگ ہیں۔ اور ہمارے مذہب یعنی حنابلہ کے پیشوا اور امام ہیں۔ مترجم کہتا ہے: میں نے آپ کو خواب میں دیکھا اور یہ عرض کیا کہ اس زمانہ

کے فقراء جیسے ہیں اُن کا حال آپ کو معلوم ہوا ہوگا۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ میری بیعت بلاواسطہ قبول فرمائیے۔ یہ سن کر آپ مجھ کو ایک ڈیرے میں لے گئے اُس میں کئی کتابیں رکھی تھیں۔ آپ نے ایک جلد کتاب اُن میں سے اُٹھا کر مجھ کو عنایت فرمائی۔ میں نے خواب ہی میں اُس کو کھول کر دیکھا تو وہ صحیح بخاری تھی۔ اس خواب کی تعبیر بیس سال کے بعد ظاہر ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھ سے صحیح بخاری کا ترجمہ تمام کرایا اور اُس کو مقبول فرمایا۔ یا اللہ حضرت پیرومرشد شیخ عبدالقادر جیلانی کے طفیل سے اس کتاب کو بھی مقبول فرمادے۔ (انوار اللغۃ پارہ ص ۱۱۰)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت غوث اعظم کی مریدی تم لوگ بھی کرتے ہو۔

مولوی صاحب: پیری مریدی کا ذکر تو رہنے دو۔ البتہ حضرت شیخ صاحب کو ہم لوگ بڑا مقرب بندہ خدا بلکہ صاحب کرامات ولی بھی مانتے ہیں۔

حسینی بیگم: بس انہیں کی کتاب غنیۃ الطالبین سے میں۔ نے سمجھا کہ کربلا شریف خدا کی بہت پیاری جگہ ہے اور شاید مدینہ شریف سے بھی بڑھ گئی ہو تو عجب نہیں۔

مولوی صاحب: تمہاری اسی بات پر مجھے غصہ آتا ہے۔ معاذ اللہ مدینہ شریف سے کربلا شریف کیسے بڑھ سکتا ہے۔

حسینی بیگم: حضرت شیخ صاحب نے لکھا ہے:

روی عن الحسن البصری رہ انه قال ان سلیمان بن عبدالملك رای النبی صلی الله علیه وآله وسلم فی المنام یبشره ویلاطفه فلما اصبح سال الحسن عن ذلك فقال له الحسن لعلك فعلت الی اهل بیت رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم معروفا فقال نعم وجدت راس الحسین بن علی فی خزانة یزید بن معاویة فكسوته خمسة من الدیباج وصلیت علیه مع جماعة من اصحابی وقبرته فقال له الحسن لقد رضی النبی صلی الله علیه وآله وسلم عنك بسبب ذلك فاحسن

الی الحسن رحمه الله تعالیٰ وامرله بالجوائز۔ وروی عن حمزة بن الزيات قال رايت النبی صلی الله علیه وآله وسلم وابراهيم الخليل عليه السلام فی المنام يصليان علی قبر الحسين بن علی قال هبط علی قبر الحسين بن علیؑ يوم اصيب سبعون الف ملك يبكون عليه الی يوم القيامة

یعنی امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے حضرت رسول خداؐ کو خواب میں دیکھا کہ اس کو مبارک باد دیتے اور اس کے ساتھ محبت سے پیش آ رہے ہیں۔ جب صبح ہوئی تو خلیفہ نے امام حسن بصری سے اس خواب کی تعبیر پوچھی۔ امام حسن بصری نے جواب دیا کہ شاید حضور نے حضرت رسولؐ خدا کے اہل بیت کے ساتھ کوئی نیکی کی ہے۔ خلیفہ نے کہا ہاں۔ میں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے سر مبارک کو یزید کے خزانہ میں پایا تو اس کو دیبا کے پانچ کپڑوں سے ڈھک دیا اور اپنے اصحاب کی ایک جماعت کے ساتھ اس پر نمازِ جنازہ پڑھی اور اس کو قبر میں رکھ دیا۔ اس پر امام حسن بصری نے خلیفہ سلیمان سے کہا کہ بس اسی سبب سے حضرت رسول خداصلعم تم سے خوش ہو گئے ہیں۔ تعبیر سن کر خلیفہ سلیمان نے امام حسن بصری کو بہت انعام دیا اور اُن کے ساتھ بڑا احسان کیا۔ اور حمزہ بن زیارت سے روایت ہے وہ بیان کرتے تھے کہ میں نے حضرت رسول خداؐ اور حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ کو خواب میں دیکھا کہ وہ دونوں بزرگ امام حسینؑ کے روضہ پر نماز پڑھتے ہیں اور مجھ سے ابونصر نے روایت کی ہے کہ جس روز امام حسین علیہ السلام شہید کیے گئے اُسی دن حضرتؑ کی لاش کے پاس ستر ہزار فرشتے اُترے جو حضرتؑ پر قیامت تک روتے ہیں۔ (غنیۃ الطالبین ص ۶۰۴)

مولوی صاحب: تو اس سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ اب کربلا شریف مدینہ شریف سے بھی بڑھ گیا۔

حسینی بیگم: پہلے یہ بتاؤ کہ حضرت غوث اعظم نے جس روایت کو اپنی کتاب میں لکھا اس کو آپ صحیح مانیں گے یا نہیں۔

مولوی صاحب: یقیناً صحیح ہے۔ میں اس کو غلط نہیں کہہ سکتا بلکہ حنفی اور اہل حدیث دونوں ان کو نہایت معتبر جانتے ہیں۔

حسینی بیگم: تو اب آپ کوتسلیم کرنا ہوگا کہ حمزہ بن زیات کا بیان صحیح ہے کہ انہوں نے حضرت رسول خدا صلعم اور حضرت ابراہیمؑ کو خواب میں دیکھا کہ روضہ امام حسینؑ پر نماز پڑھتے ہیں۔

مولوی صاحب: ہاں! اس میں شک کرنے کی کیا ضرورت ہے، دیکھا ہی ہوگا۔

حسینی بیگم: اور آپ جانتے ہیں کہ جو شخص حضرت رسولؐ خدا کو خواب میں دیکھے وہ واقعاً حضرت ہی کو دیکھے گا اور کسی دوسرے کو نہیں دیکھ سکتا۔

مولوی صاحب: ہاں اس کے متعلق تو حضرت صلعم کی حدیث موجود ہے۔ فرمایا ہے:

ومن رآنی فی المنام فقد رآنی فان الشیطان لا یتمثل صورتی

''یعنی جو مجھے خواب میں دیکھے گا وہ درحقیقت مجھ ہی کو دیکھے گا اس لیے کہ شیطان میری صورت نہیں اختیار کر سکتا۔ (صحیح بخاری: پ۲۵، ص۶۱۳)

حسینی بیگم: بس اللہ تمہارا بھلا کرے۔ اب بتاؤ کہ جب کوئی دوسرا شخص آنحضرت کی صورت نہیں اختیار کر سکتا تو جناب حمزہ بن زیات نے یقیناً آنحضرت صلعم اور حضرت ابراہیم ہی کو خواب میں دیکھا کہ روضہ امام حسینؑ پر نماز پڑھ رہے ہیں۔

مولوی صاحب: ہاں اس سے مجھے انکار نہیں ہے اور نہ اس کی کوئی وجہ ہو سکتی ہے۔

حسینی بیگم: تو معلوم ہوا کہ واقعاً حضرت رسول خدا صلعم اور حضرت ابراہیمؑ، حضرت امام حسینؑ کے روضہ پر نماز پڑھتے تھے۔ یعنی یہ حضرات عالم ارواح میں وہاں آکر خدا کی عبادت کرتے تھے۔

مولوی صاحب: ہاں کرتے تھے مگر اس سے کربلا مدینہ شریف سے افضل کیوں کر ہو جائے گا۔

حسینی بیگم: یہ بتاؤ انتقال کے بعد حضرت رسول خدا صلعم کہاں تشریف رکھتے ہیں۔

مولوی صاحب: بہشت میں۔

حسینی بیگم: بالکل درست ہے تو ثابت ہوا کہ آنحضرت صلعم بہشت کو چھوڑ کر کربلا میں آئے اور وہاں نماز پڑھتے تھے۔ مگر کیا یہ بھی کسی نے دعویٰ کیا ہے کہ اس نے حضرت رسولؐ خدا کو خواب میں دیکھا ہو کہ آنحضرت صلعم اپنے انتقال کے بعد عالم ارواح میں کبھی بہشت کو چھوڑ کر مدینہ میں تشریف لائے اور وہاں نماز پڑھی ہے۔

مولوی صاحب: نہیں مجھے تو نہیں معلوم ہے۔ نہ کسی کتاب میں یہ مضمون دیکھا ہے۔

حسینی بیگم: تو کیا اس سے یہ نہیں ثابت ہوا کہ آنحضرت صلعم نے انتقال کے بعد مدینہ اس قابل نہیں سمجھا کہ بہشت کو چھوڑ کر وہاں تشریف لائیں اور وہاں نماز پڑھیں۔

مولوی صاحب: اچھا پھر۔

حسینی بیگم: اور کربلا کو اس قابل خیال فرمایا کہ بہشت کو چھوڑ کر وہاں آئیں اور وہیں نماز پڑھیں۔ اب آپ ہی غور کرو اور انصاف سے بتاؤ کہ حضرت رسول خدا صلعم نے اپنے انتقال کے بعد دنیا کی جس جگہ کو اس قابل سمجھا کہ بہشت سے آ کر وہاں نماز پڑھیں وہ بہتر ہوگی یا وہ جگہ جس کو حضرت نے اس قابل نہیں سمجھا۔

مولوی صاحب: یہ تو تم نے بڑی مشکل کا سوال کیا۔ میں اس کا کیا جواب دوں۔

حسینی بیگم: آپ جواب دو یا نہ دو مگر ہر انصاف پسند اس کو تسلیم کرے گا کہ جب واقعہ کربلا کے بعد حضرت رسول خدا صلعم اور حضرت ابراہیمؑ نے عالم ارواح میں روضہ امام حسینؑ پر آ کر نماز پڑھی اور مدینہ شریف کو اس قابل نہیں سمجھا تو یقیناً کربلا شریف مدینہ شریف سے افضل ہے۔ اس لیے کہ ان حضرات نے عبادت خدا کے لیے کربلا کو پسند کیا اور مدینہ کو اس قابل نہیں سمجھا۔

مولوی صاحب: مگر یہ کیسے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلعم نے یا حضرت ابراہیم نے واقعہ کربلا کے بعد عالم ارواح میں آ کر مدینہ میں نماز نہیں پڑھی۔

حسینی بیگم: اس طرح کہ اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اگر کسی شخص نے خواب میں حضرت کو مدینہ میں بھی نماز پڑھتے دیکھا ہوتو معلوم ہوتا کہ آنحضرت نے واقعہ کربلا کے بعد عالم ارواح میں آکر مدینہ میں بھی نماز پڑھی۔ مگر جب کسی نے آنحضرت کو خواب میں اس طرح نہیں دیکھا تو کیسے معلوم ہوا کہ حضرت وہاں تشریف لائے اور نماز پڑھی۔ مگر کربلا شریف کے بارے میں تو روایت موجود ہے کہ جناب حمزہ بن زیات نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلعم اور حضرت ابراہیمؑ وہاں نماز پڑھ رہے ہیں اور پھر ان کی اس روایت کو حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس قدر صحیح جانا کہ اپنی ایسی مقبول کتاب غنیۃ الطالبین میں درج کردیا۔

مولوی صاحب: ہاں اس دلیل سے تو بے شک کربلا کا مدینہ شریف سے افضل ہونا ثابت ہوتا ہے اور تمہاری اس دلیل کا میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے کیونکہ واقعاً خواب میں حضرت رسول خدا صلعم اور حضرت ابراہیمؑ اس طرح دیکھے گئے کہ کربلا میں نماز پڑھتے ہیں اور مدینہ میں نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھے گئے نہ کسی بزرگ نے ایسا خواب دیکھا۔ نہ کسی عالمنے ایسا خواب اپنی کتاب میں لکھا۔

حسینی بیگم: اگر غور کروتو اس روایت کا آخری جملہ بھی پکار کر کہتا ہے کہ کربلا شریف کا درجہ مدینہ شریف سے کہیں زیادہ بڑھا ہوا ہے۔ کیونکہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے روضہ پر ستر ہزار فرشتے اُترے جو قیامت تک حضرتؑ پر روتے رہیں گے۔ یعنی ستر ہزار فرشتے برابر اُترے جو قیامت تک حضرت پر روتے رہیں گے۔ یعنی ستر ہزار فرشتے برابر وہاں موجود رہتے ہیں اور قیامت تک موجود رہیں گے۔ جب ہی تو وہاں قیامت تک روتے رہیں گے۔ اور مدینہ شریف کے بارے میں یہ کسی نے نہیں بیان کیا کہ وہاں ایک ہزار فرشتے بھی معین کیے گئے ہوں کہ برابر حاضر رہیں۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ اب مدینہ شریف اس قابل نہیں تھا کہ وہاں خدا کے عبادت گزار فرشتے مقرر کئے جاتے کہ برابر رہیں مگر کربلا شریف اس قابل ہے کہ خدا نے ایک دو نہیں سو پچاس نہیں۔ ہزار دو ہزار نہیں، دس بیس ہزار نہیں، بلکہ ستر

ہزار فرشتوں کو مقرر فرمایا کہ وہیں رہا کریں اور حضرت امام حسینؑ پر رویا کریں۔

اس کے بعد دونوں سو رہے۔ جب صبح ہوئی تو مولوی صاحب باہر گئے اور حسینی بیگم نے گھر کے ضروری کاموں سے فراغت کر کے اپنے ماموں مسٹر ابوالخبیر کے خط کا جواب لکھا جس میں اُن کی اس نئی زندگی پر بڑی خوشی ظاہر کی اور آخر میں یہ جملہ بھی لکھا آج کل مجھ سے اس بات پر بحث ہو رہی ہے کہ کس کس زبان میں کن کن علما اور مورخین نے اس واقعہ کو لکھا ہے کہ ۶۱ ھ میں حضرت امام حسین علیہ السلام کربلا میں شہید کئے گئے۔ اردو فارسی، عربی، کتابوں کے حوالے تو میں دے دوں گی مگر انگریزی نہیں جانتی ہوں۔ اگر آپ سے ہو سکے تو چار پانچ کتابوں کے نام لکھ کر مطلع فرمایئے کہ زبان انگریزی کی کتابوں کے حوالے بھی دے دیئے جائیں۔'' اور خط کو ختم کر کے لیٹر بکس میں چھوڑ دینے کو بھیج دیا۔

✿✿✿✿✿

اٹھارھواں باب

امام بارگاہ بنوانے کی ضرورت

ایک شب کو مولوی صاحب گھر آئے اور کھانا کھا کر اپنے پلنگ پر لیٹے تو اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

مولوی صاحب: ہاں اس روپیہ کا کیا ہو۔ میں کچھ ایسے جھگڑوں میں رہا کہ تم سے دریافت نہیں کر سکا کہ مسٹر ابوالخیر صاحب نے جو پانچ ہزار روپیہ تم کو بھیجے ان کو کیا کرو گی۔

حسینی بیگم: جو آپ کی رائے ہو۔

مولوی صاحب: میری رائے کیا۔ تمھارا مال ہے جو تمھارا جی چاہے کرو۔

حسینی بیگم: مگر آپ بھی تو اپنا خیال ظاہر کریں۔

مولوی صاحب: میری رائے ہے کہ اس سے کوئی جائداد موقع کی مل جائے تو خرید لو۔ اگر اس شہر میں کوئی مکان فروخت ہوتا تو اس کے لے لینے سے ماہوار ایک رقم ملتی رہے گی۔

حسینی بیگم: میری بھی یہی خواہش ہے کہ اس سے کوئی جائداد حاصل کروں مگر دنیا کی نہیں بلکہ آخرت کی جائیداد۔

مولوی صاحب: آخرت کی جائیداد کس طرح حاصل کرو گی۔ ہاں حج کر آؤ تو ہو سکتا ہے۔

حسینی بیگم: حج کرنے سے بھی جائیداد ملے گی مگر اس کا نفع ایک ہی دفعہ ملے گا اور میں چا ہوں کہ ایسی جائیداد ہو جس کے منافع ہمیشہ ملتا رہے بلکہ بڑھتا رہے۔

مولوی صاحب: تم تو پہلیاں بجھانے لگتی ہو۔ صاف صاف کیوں نہیں کہتیں۔

حسینی بیگم: میں چاہتی ہوں کہ اس سے ایک امام بارگاہ بنواؤں۔ حضرت امام حسین علیہ ا کی فضیلت ذکر کرنے سے یہ روپیہ مجھے ملا ہے تو اس سے جائداد بھی وہی لی جائے جس

امام بارگاہ بنوانے کی ضرورت

ایک شب کو مولوی صاحب گھر آئے اور کھانا کھا کر اپنے پلنگ پر لیٹے تو اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

مولوی صاحب: ہاں اس روپیہ کا کیا ہو۔ میں کچھ ایسے جھگڑوں میں رہا کہ تم سے دریافت نہیں کر سکا کہ مسٹر ابوالخیر صاحب نے جو پانچ ہزار روپیہ تم کو بھیجے ان کو کیا کرو گی۔

حسینی بیگم: جو آپ کی رائے ہو۔

مولوی صاحب: میری رائے کیا۔ تمھارا مال ہے جو تمھارا جی چاہے کرو۔

حسینی بیگم: مگر آپ بھی تو اپنا خیال ظاہر کریں۔

مولوی صاحب: میری رائے ہے کہ اس سے کوئی جائداد موقع کی مل جائے تو خرید لو۔ اگر اس شہر میں کوئی مکان فروخت ہوتا تو اس کے لے لینے سے ماہوار ایک رقم ملتی رہے گی۔

حسینی بیگم: میری بھی یہی خواہش ہے کہ اس سے کوئی جائداد حاصل کروں مگر دنیا کی نہیں بلکہ آخرت کی جائیداد۔

مولوی صاحب: آخرت کی جائیداد کس طرح حاصل کرو گی۔ ہاں حج کر آؤ تو ہو سکتا ہے۔

حسینی بیگم: حج کرنے سے بھی جائیداد ملے گی مگر اس کا نفع ایک ہی دفعہ ملے گا اور میں چاہتی ہوں کہ ایسی جائیداد ہو جس کے منافع ہمیشہ ملتا رہے بلکہ بڑھتا رہے۔

مولوی صاحب: تم تو پہلیاں بجھانے لگتی ہو۔ صاف صاف کیوں نہیں کہتیں۔

حسینی بیگم: میں چاہتی ہوں کہ اس سے ایک امام بارگاہ بنواؤں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کی فضیلت ذکر کرنے سے یہ روپیہ مجھے ملا ہے تو اس سے جائداد بھی وہی لی جائے جس میں

حضرتؑ کی فضیلت برابر بیان کی جائے۔

اس جواب پر مولوی صاحب چپ ہو گئے اور بہت دیر تک غصہ میں پیچ و تاب کھاتے رہے حسینی بیگم بلا کی ذہین واقع ہوئی تھیں سمجھ گئیں کہ امام بارگاہ کے نام پر اکھڑ گئے۔فوراً ہاتھ جوڑ کر بولیں۔

حسینی بیگم: اگر میں نے کوئی بے جا بات کہی ہوتو میری خطا معاف کرو۔

مولوی صاحب: مجھے تمھارے بدعتی خیالات سے بڑی اذیت ہوتی ہے۔

حسینی بیگم: اچھا میں اپنے بدعتی خیالات سے توبہ کرتی ہوں۔لو اب جانے دو خدا مجھے ہر بدعتی سے بچائے۔

مولوی صاحب: تعجب ہے کہ تم علمی باتوں میں اتنی بڑی محقق ہو مگر خود اپنی تحقیقات پر عمل نہیں کرتیں اور بدعتی باتوں سے دوسروں کو کہاں تک روکتیں کہ خود ان کو اختیار کرتی ہو۔

حسینی بیگم: آپ جو چاہو کہہ لو کیونکہ اس وقت ناراض ہو گئے ہو اور میں آپ کو ناخوش نہیں رکھ سکتی۔ہاں جب آپ کا غصہ اتر جائے گا تو اس کے متعلق بھی میں اپنے خیالات ظاہر کردوں گی۔

مولوی صاحب: نہیں اب میں غصہ نہیں کرتا۔تم کو جو کہنا ہو اسی وقت کہہ سکتی ہو۔

حسینی بیگم: اس وقت مناسب نہیں معلوم ہوتا۔پھر شاید آپ کو برا معلوم ہو۔

مولوی صاحب: نہیں عقل کی بات ہوگی تو بری کیوں معلوم ہوگی۔کہو تو

حسینی بیگم: آپ خود ہی انصاف کریں میں نے امام بارگاہ بنوانے کا نام لیا تو کیا بُرا کیا جس سے آپ اس قدر خفا ہو گئے وہ بھی تو ایک مکان ہے جس میں قرآن پاک کی تفسیر بیان کی جاتی ہے۔خدا کے احکام ذکر کیے جاتے ہیں۔حضرت رسول خداؐ کی حدیثیں پڑھی جاتی ہیں۔حضرت ائمہ طاہرینؑ کے فضائل و مصائب سنائے جاتے ہیں۔رویا پیٹا جاتا ہے۔اب بتاؤ کہ ایسا مکان بنانا کیوں برا ہوگا۔

مولوی صاحب: پہلے تم بتاؤ کہ کس دلیل سے امام بارگاہ بنانے کو جائز کہتی ہو۔اس کے بعد میں سمجھادوں گا کہ اس کا بنانا حرام اور رنا جائز ہے۔

حسینی بیگم: میری دلیل یہ ہے کہ جس طرح دنیا کا ہر مکان بنانا جائز ہے اسی طرح اس کا بھی بنانا جائز ہے جب تک اس کے ناجائز ہونے کی کوئی دلیل نہیں دو گے یہ ناجائز ہو نہیں سکتا۔

مولوی صاحب: مگر جب تک خدا کسی کام کی اجازت نہیں دے وہ جائز کیسے ہوسکتا ہے۔

حسینی بیگم: اس کی ضرورت نہیں ہے کہ خدا ہر چیز کا نام لے کر بتا دے کہ یہ جائز ہے اس نے کہاں کہا ہے کہ روٹی کھانا جائز ہے، مٹھائی کھانا جائز ہے، آم کھانا جائز ہے، خربوزہ کھانا جائز ہے۔ بلکہ اس نے اصول مقرر کر دیا ہے کہ جن چیزوں کو ہم منع نہ کریں وہ سب جائز ہیں۔ یہ مسئلہ علم الاصول میں طے شدہ ہے۔ آپ کے پیشوائے اعظم جناب مولانا صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی پوری تحقیق کر دی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے جب تک کسی چیز کی حرمت کی دلیل نہ ملے وہ حلال ہی سمجھی جائے گی۔ **ویدل علیہ قولہ تعالی قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبات واذا انفت الحرمۃ بالکلیۃ ثبتت الاباحۃ و قولہ تعالیٰ احل لکم الطیبات** یعنی ''میرے اس دعویٰ پر قرآن مجید کی یہ آیت دلیل ہے کہ اے رسول کہہ دو کون شخص اللہ کی زینت کو حرام کرتا ہے جس کو اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کیا ہے اور کون شخص پاک چیزوں کو روکتا ہے''۔ اور جب حرمت نہیں معلوم ہوئی تو اس کا حلال ہونا ثابت ہوگیا۔ دوسری آیت میں خدا نے فرمایا ہے: ''اے مسلمانو! تم لوگوں کے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں وقولہ تعالیٰ **خلق لکم مافی الارض جمیعا** یعنی ''خدا نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس نے تم لوگوں کے لیے زمین کی کل چیزیں پیدا کیں ہیں''۔ وقولہ تعالیٰ۔ **قل لا اجد فی ما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمہ الا ان یکون میتۃ الایۃ فجعل الاصل الاباحۃ والتحریم** مستثنی یعنی ''خدا نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اے رسول کہہ دو خدا نے مجھ پر جو وحی نازل کی ہے اس میں کسی کھانے والے کے لیے کوئی چیز حرام نہیں پاتا سوائے مردار کے اس میں خدا نے اصول مقرر کر دیا کہ ہر چیز جائز اور حلال ہے جب تک خدا اس سے کسی چیز کو مستثنی نہ کرے''۔ وقولہ تعالیٰ۔ **سخر لکم ما فی السموات وما فی الارض جمیعا**۔ یعنی ''خدا نے یہ بھی فرمایا ہے جو چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں سب کو اس نے تم لوگوں کے

لیے مسخر کریا ہے''۔و یستدل علی ذلك ایضا بما ثبت فی الصحیحین و غیر هما من حدیث سعد بن ابی وقاص عن النبی ؐ انه قال ان اعظم المسلمین فی المسلمین جرما من سال من شیء فحرم علی السائل من اجل مسالته۔ یعنی'' میرے اس دعویٰ کی دلیل یہ بھی ہے جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ کتب حدیث میں ہے کہ حضرت رسول خدا ؐ نے فرمایا کہ سب سے بڑا مجرم اور گنہگار وہ مسلمان ہے جس سے کوئی کسی چیز کا مسئلہ پوچھے تو وہ اس چیز کو حرام کردے۔ وبما اخرج الترمذی و ابن ماجه عن سلمان الفارسی انه قال لما سئل رسول الله عن السمن و الخبز و القرا قال الحلال ما احله الله فی کتابه و الحرام ما حرمه الله فی کتابه وما سکت عنه فهو مما عفا عنه۔ یعنی'' میرے دعویٰ کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جس کو امام ترمذی اور ابن ماجہ نے سلمان فارسی ؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ آلہ وسلم سے کسی نے گھی، روٹی، گورخر کو پوچھا تو حضرت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے فرمایا جس کو خدا نے قرآن میں حلال کردیا وہ حلال ہے اور جس کو حرام کردیا وہ حرام ہے اور جس کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔ خاموش رہا وہ سب جائز۔ (کتاب حصول الماموں مطبوعہ مصر ۲۱۳) امام شوکانی علیہ الرحمتہ نے بھی ان باتوں کو لکھا ہے (ملاحظہ ہوارشاد الفحول مطبوعہ مصر ۲۶۳) ان کل باتوں سے یہ تو یقینی ثابت ہوا کہ امام بارگاہ بنانے کو قرآن وحدیث میں ناجائز نہیں لکھا ہے۔ اب آپ کس دلیل سے اس کو ناجائز کہتے ہو۔ ذرہ اس کو بھی تو بیان کرو۔

مولوی صاحب: اس وجہ سے کہ یہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

حسینی بیگم: بتاؤ کہ بدعت کس کو کہتے ہیں اور یہ کس نے کہا کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔

مولوی صاحب: تمھارے پاس حضرت مولانا وحید الزماں خاں صاحب حیدرآبادی کی کتاب انوار اللغۃ موجود ہے اس کو نکال کر پڑھو۔

حسینی بیگم: اٹھ کر گئیں اور انوار اللغۃ اور اس کے ساتھ دو کتابیں اور نکال لائیں پھر کہا دیکھو اس میں لکھا بِدْعٌ نئی چیز جس کی کوئی مثال پہلے سے نہ ہو بدعت اس کا مونث نِعْمَت الْبِدْعَۃ۔ یہ

حضرت عمرؓ نے تراویح کی ایک جماعت کر دینے کی نسبت کہا یعنی یہ بدعت اچھی ہے۔ بدعت دو قسم کی ہے ایک بدعت ضلالت جس کو بدعت سیئہ بھی کہتے ہیں دوسری بدعت ہدایت جس کو بدعت حسنہ بھی کہتے ہیں جو بدعت اللہ اور رسول کے احکام کے خلاف ہیں وہی بدعت ضلالت اور سیئہ ہے اور جو بدعت اللہ اور رسولؐ کے احکام کے موافق ہو اس کی مثال پہلے سے نہ ہو مثلاً سخاوت کی نئی شکلیں یا عمدہ اور بہتر کاموں کی نئی صورتیں جیسے کوئی یتیم خانہ یا بیوہ گھر یا بیت المساکین یا بیت المعذرین یا کتب خانہ یا قرض حسنہ کا بینک یا مدرسہ صنعت و حرفت و تجارت و زراعت وعلوم دینیہ یا مدرسہ تعلیم طب و علاج وادویہ قائم کرے وہ بدعت حسنہ ہے اور اس پر ثواب کی اُمید ہے، بدلیل دوسری حدیث کے مَنْ سَنَّ سُنَّةً كَانَ لَهٗ اَجْرُهَا وَ اَجْرُ مِنْ عَمِلَ بِهَا وَمِنْ سَنَّ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَ وِزْرُ مِنْ عَمِلَ بِهَا۔[1]

اور حضرت عمرؓ نے جو تراویح کو بدعت فرمایا وہ اسی معنی کر کے ہے یعنی بدعت حسنہ ہے کیونکہ افعال خیر میں داخل ہے اور اللہ اور رسولؐ کے احکام کے موافق ہے اور بدعت اس کو اس لیے کہا کہ آنحضرتؐ نے تراویح اس انتظام کے ساتھ نہیں پڑھی تھی جو انتظام حضرت عمر نے کیا تھا بلکہ کئی راتیں پڑھ کر اس کو چھوڑ دیا تھا۔ ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں بھی ایسا ہی رہا۔ حضرت عمر نے اپنے زمانہ میں سب لوگوں کو ایک قاری کے پیچھے جمع کیا اور روزانہ تراویح پڑھنے کے لیے رغبت دلائی اسی لیے اس کو بدعت کہا۔ فی الحقیقت وہ سنت ہے۔ کیونکہ آنحضرت نے فرمایا: علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین من بعدی اور فرمایا اقتدو ابالذین من بعدی ابی بکر و عمر اور دوسری حدیث میں جو آیا ہے کل محدثة بدعة و کل بدعة ضلالة۔'' اس سے یہی مراد ہے کہ جو بدعت سیئہ ہو اور مخالف ہو اصول شرع کے وہ گمراہی ہے'' (انوار اللغۃ پ۲، ص۱۹)۔ اور علامہ ابن اثیر جوزی نے لکھا ہے۔

البدعت بدعتان بدعت هدی و بدعت ضلال فما کان

[1] یعنی جو شخص اچھی راہ نکالے اس کو اس کا ثواب بھی ملے گا اور جو لوگ اس پر عمل کریں گے اس کا ثواب بھی اور جو شخص بری راہ نکالے اس کو اس کا بھی عذاب ہوگا اور جو لوگ اس پر عمل کریں گے ان کا عذاب بھی۔

فی خلاف ما امراللہ به رسوله فهو فی خیر الذم والانکار وما حدیثاواقعا تحت عموم ما ندب الله الیه وحض علیه او رسوله فهو فی حیز المدح ولم یکن له مثال موجود کنوع من الجود والسخاء وفعل المعروف فهو من الافعال المحمودة ولا یجوزان یکون ذلك فی خلاف ما ورد الشرع به لان النبیؐ قد جعل له فی ذلك ثوابا فقال مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً کَانَ لَهٗ اَجْرُهَا وَ اَجْرُمَنْ عَمِلَ بِهَا وَقَالَ لَهٗ فی فده مِنْ سَنَّ سُنَّةً سَیِّئَةً کَانَ عَلَیْهِ وِزْرُهَا وَ وَزرُ مِنْ عَمِلَ بِهَا و ذلك اذا کان فی خلاف ما امر الله به رسوله۔(نہایت ابن اثیر مطبوعہ ایران ص۲۴)

اس کا مطلب بھی وہی ہے جواوپر مولانا وحیدالزماں خاں صاحب رحمۃ اللہ نے لکھا ہے اور جناب مولانا الشیخ محمد طاہر صاحب رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے **البدعت هی نوعان بدعت هدی و بدعت ضلالة فمن الاول ما کان تحت عموم ما ندب الیه الشارع الیه و حض علیه فلا یذم لوعد الاجر علیه بحدیث من سن سنة حسنة وفی ضده من سن سنة سیئة ومن الثانی ما کان بخلاف ما امر به فیذم و نیکر علیه**۔یعنی بدعت دوقسم کی ہے ایک ہدایت کی بدعت اور دوسری ضلالت کی بدعت۔پہلی قسم میں ہر وہ کام ہے جو اس عام بات کے ماتحت ہو جس کی طرف شارع نے بلایا ہو اور جس پر عمل کرنے کی ترغیب دی ہو تو وہ بدعت بری نہیں کہی جائے گی۔کیونکہ شارع نے اس پر عمل کرنے والے کو ثواب کا وعدہ کیا ہے۔جیسے فرمایا ہے کہ جو شخص اچھی راہ نکالے اس کو اس کا بھی ثواب ملے گا اور اس پر عمل کرنے والے کا ثواب بھی۔اور اس کے خلاف کے بارے میں فرمایا ہے کہ جو شخص بری راہ نکالے اس پر اس کا بھی عذاب ہوگا اور اس پر عمل کرنے والوں کا عذاب بھی اور دوسری قسم ضلالت کی بدعت وہ ہے جس کی طرف شارع نہ بلایا نہ ہو وہ بری اور قابل اعتراض ہے۔(مجمع بحار الانوار مطبوعہ لکھنؤ جلد ا ص ۱۰۸) اب آپ ہی بتایں کہ جب کتب خانہ، مدرسہ وغیرہ بنانا

باعث ثواب ہے تو امام بارگاہ بنانا کیوں ثواب کا ذریعہ نہیں ہوگا؟ کتب خانہ سے خدا اور رسولؐ کے احکام معلوم ہوتے ہیں۔ مذہبی علوم حاصل ہوتے ہیں۔ اسی طرح امام بارگاہ سے بھی خدا کے احکام رسولؐ کے ارشادات اور دینی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ مدرسہ سے دنیوی اور دینی تعلیم حاصل ہوتی ہے اور امام بارگاہ سے بھی دینی تعلیم ہوتی ہے اور عمل بھی ہوتا ہے پھر اس سے کس قدر ثواب حاصل ہوگا۔

مولوی صاحب: مگر امام بارگاہ میں رافضی اپنے بزرگوں کے فضائل بیان کرتے ہیں۔

حسینی بیگم: تو رافضیوں کے بزرگوں کے فضائل بیان کرنے میں کیا اعتراض ہے؟ ان کے بزرگان دین خدا اور رسولؐ وائمہ طاہرینؑ ہی تو ہیں اور ان کے فضائل قرآن مجید اور صحاح ستہ اور کتب تفسیر وحدیث وغیرہ میں بھی بھرے ہوئے ہیں۔

پس جب قرآن مجید اور کُتب احادیث اس وجہ سے قابل اعتراض نہیں ہیں کہ ان میں رافضیوں کے فضائل درج ہیں تو امام بارگاہ کیوں قابل اعتراض ہوگا۔

مولوی صاحب: مگر امام بارگاہ میں رافضی تبراء بھی کرتے ہیں۔

حسینی بیگم: تبراء تو قرآن مجید میں بھی ہے۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم، ترمذی شریف، مشکوۃ شریف وغیرہ کل مذہبی کتابوں میں ہے۔ پھر کیا ان سب کو بھی چھوڑ دیا جائے گا۔ تبراء لعنت کرنے ہی کو تو کہتے ہیں۔ پھر دیکھو قرآن مجید میں خدا نے کتنی جگہ لعنت کی ہے۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم وغیرہ میں پڑھو کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے کس کثرت سے لوگوں پر لعنت کی ہے۔ تاریخ طبری، تاریخ کامل، استیعاب، اصابہ وغیرہ ملاحظہ کرو کہ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم برابر لوگوں پر لعنت کرتے رہے ہیں۔ پھر کیا تمھارے اصول کے مطابق قرآن مجید وغیرہ کا پڑھنا پڑھانا، لکھنا، چھاپنا چھوڑ دیا جائے گا؟ اسی طرح اگر امام بارگاہوں میں تبراء ہوتا ہے تو ان کا بنانا، ان میں جانا، ان میں مجلس پڑھنا موقوف کر دیا جائے گا؟

مولوی صاحب: خیر سب کا تم جواب دو مگر اس کا تو کوئی جواب نہیں ہوسکتا کہ امام بارگاہوں میں حضرت علیؑ کو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کا بلافصل بتایا اور کہا جاتا ہے جو کتنی سخت

گالی ہے پھر ایسی چیز کا بنانا کیوں کر جائز ہوسکتا ہے جس میں ایسی گالی دی جائے اور حضرات خلفائے راشدین پر ایسا شدید سب وشتم کیا جائے۔

حسینی بیگم: اول تو میں اسی کو نہیں جانتی کہ حضرت علی کو امام بارگاہوں میں کس موقع پر خلیفہ بلافصل کہا جاتا ہے اگر علمی اور دینی تحقیقات کے موقع پر کہا جاتا ہے تو ان تحقیقات کا جواب دینا چاہیے لیکن اگر میں تمھاری بات مان بھی لوں تو یہ بتاؤ کہ مسجدوں میں بھی اذان دیتے وقت شیعہ حضرت علیؑ کو حضرت رسولؐ خدا کا خلیفہ بلافصل کہتے ہیں یا نہیں۔

مولوی صاحب: ہاں ضرور کہتے ہیں۔ یہ تبراء اور گالی بکنا تو ان کی عادت ہے وہ اس اعلان سے اپنی زبان کب روکتے ہیں۔

حسینی بیگم: پھر مسجد بنانے کو بھی کیوں منع نہیں کرتے۔ ہمارے علماء فتویٰ دے دیں کہ دنیا میں مسجدیں بھی نہ بنائی جائیں؟

مولوی صاحب: نہیں سب مسجدوں کے بارے میں کیوں فتویٰ دے دیا جائے صرف شیعوں کی مسجدوں کو روکا جاسکتا ہے۔

حسینی بیگم: اچھا شیعوں ہی کی مسجدوں کے بارے میں آج تک کسی نے یہ فتویٰ دیا ہے اور آپ بھی تو مفتی ہو کیا فتویٰ دے دو گے۔ ذرہ فتویٰ دے کر دستخط تو کرو پھر دیکھو کیسی بوچھاڑ ہوتی ہے۔ بلکہ دنیا میں کون عالم اس کی جرأت کرسکتا ہے کہ شیعوں کی مسجدوں کی تعظیم نہ کریں اور اس کو خانہ خدا نہ جائیں۔

مولوی صاحب: نہیں معاذ اللہ۔ میں کیوں ایسے کفر کا فتویٰ دوں جس سے مسجد کا بنانا رک جائے۔

حسینی بیگم: پھر امام بارگاہوں نے کیا قصور کیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بتاؤ کہ شیعوں کی ہزاروں مسجدوں میں بے حساب سنی بھی نماز پڑھتے ہیں یا نہیں۔

مولوی صاحب: یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ لاکھوں سنی رافضیوں کی مسجدوں میں بھی نماز پڑھتے ہیں۔

حسینی بیگم: اور یہ معلوم ہے کہ شیعوں کی مسجدوں میں خوب چیخ کر اذان کے وقت اشھـــد ان

امیر المومنین علیا ولی اللہ و وصی رسول اللہ و خلیفة بلا فصل کہا جاتا ہے۔ پھر جن مسجدوں میں ہر روز کئی مرتبہ گلے پھاڑ پھاڑ کر اعلانیہ خلیفہ بلافصل کی گالی دی جائے اور بقول آپ کے حضرات خلفائے راشدین پر سب وشتم کیا جاتا ہے ان مسجدوں کو ہم لوگ چھوڑ کیوں نہیں دیتے اور کیوں ان میں نماز پڑھتے ہیں اور ان میں نماز پڑھنے کو ثواب بھی جانتے ہیں۔

مولوی صاحب: اس کا تو میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔

حسینی بیگم: اچھا یہ بتاؤ کہ ہماری (سنیوں) کی مسجدوں میں شیعہ بھی نماز پڑھتے ہیں یا نہیں۔

مولوی صاحب: بہت پڑھتے ہیں اس کا بھی کوئی حساب نہیں ہو سکتا۔

حسینی بیگم: اور کیا کوئی شیعہ ایسا بھی ہے جو از ان میں حضرت علیؑ کو خلیفہ بلافصل نہ کہتا ہو۔

مولوی صاحب: نہیں کوئی نہیں ہے۔ سب ہی تو کہتے ہیں۔ ان کے علماء و مجتہدین بھی کہتے ہیں۔

حسینی بیگم: پھر ہم لوگ اپنی مسجدوں میں شیعوں کو کیوں نماز پڑھنے دیتے اور یہ گالی کا کلمہ کیوں کہلاتے ہیں؟ اگر ہم ان کو اپنی مسجدوں میں نماز نہ پڑھنے دیں تو وہ یہ کلمہ بھی ہماری مسجدوں میں نہ کہہ سکیں جس کو آپ گالی کہتے ہیں۔

مولوی صاحب: ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔

حسینی بیگم: بس تو معلوم ہوا کہ ان باتوں کی وجہ سے اصل مسجد یا امام بارگاہ قابل اعتراض نہیں قرار پا سکتا اور جس طرح حضرات اہلحدیث کے بلند آواز آمین کہنے پر اعتراض کرنا جہالت ہے اسی طرح شیعوں کے خلیفہ بلافصل کہنے پر مسجد یا امام بارگاہ کی مخالفت کرنا شدید ظلم ہے۔

مولوی صاحب: مگر مسجد کا ذکر امام بارگاہ کے ساتھ کیوں کرتی ہو۔ مسجد عبادت کی جگہ ہے۔ وہاں ذکر خدا ہوتا ہے اور امام بارگاہ میں حضرت علیؑ یا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

حسینی بیگم: مسجد میں خدا کا ذکر ہوتا ہے اور خدا کا ذکر عبادت ہے۔ اس وجہ سے مسجد عبادت گاہ ہوئی جس کی عزت اور تعظیم ضروری ہے اور بقول آپ کے امام بارگاہوں میں حضرت علی علیہ السلام کا ذکر ہوتا ہے اور صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ حضرت علیؑ کا ذکر عبادت ہے۔ لہذا امام بارگاہ بھی عبادت گاہ ہوا جس کی عزت و تعظیم ضروری ہے۔

مولوی صاحب: واہ حضرت علیؑ کے ذکر کو عبادت کس نے کہا ہے۔

حسینی بیگم: کسی نے کہا ہو۔ پہلے یہ بتاؤ کہ اگر حضرت علیؑ کا ذکر کرنا ثابت ہو جائے کہ عبادت ہے تب تو امام بارگاہوں کو بھی عبادت گاہ مانو گے اور اس کو مسجد سے الگ نہیں کرو گے۔ بلکہ اس کی تعظیم و عزت کو بھی ضروری کہو گے۔

مولوی صاحب: چپ ہو گئے۔ سوچنے لگے کہ اگر ''ہاں'' کہتا ہوں اور بیگم نے ثابت کر دیا تو امام بارگاہوں کو بھی مسجدوں کی طرح قابل تعظیم و عزت ماننا پڑے گا اور اگر ''نہیں'' کہتا ہوں تو انکار کرنے کی کوئی وجہ ہونی چاہیے۔

حسینی بیگم: اب بولتے کیوں نہیں۔

مولوی صاحب: کیا کہوں کچھ سمجھ میں نہیں آتا مگر حضرت علیؑ کا ذکر تو عبادت نہیں ہوسکتا۔

حسینی بیگم: (اٹھ کر گئیں اور ایک کتاب لا کر بولیں) دیکھو علامہ مفتی نے کیا لکھا ہے کہ ذکر علی عبادۃ عن عائشہ یعنی ''حضرت عائشہؓ نے روایت کی ہے کہ حضرت رسولؐ خدا ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت علیؑ کا ذکر عبادت ہے'' (کنز العمال مطبوعہ حیدرآباد جلد ۶، ص ۱۵۲)۔ آپ خود انصاف کریں کہ جب حضرت علیؑ کا ذکر عبادت ہے اور بقول آپ کے امام بارگاہوں میں حضرت علیؑ کا ذکر ہوتا ہے تو حضرت رسولؐ خدا کے ارشاد کے مطابق امام بارگاہ عبادت گاہ ہوا یا نہیں۔

مولوی صاحب: مگر رافضی تو حضرت علیؑ کے ذکر میں بہت مبالغہ کرتے ہیں کہتے ہیں کہ وہ حضرات خلفائے ثلاثہ سے بھی افضل تھے۔

حسینی بیگم: تو کروڑوں مسلمان اسی اعتقاد پر ہیں وہ سب تفصیلیہ کہے جاتے ہیں اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی تو حدیث ہے کہ حضرت علیؑ صرف خلفاء ثلاثہ ہی سے نہیں بلکہ حضرت کے بعد دنیا بھر کے لوگوں سے افضل ہیں اور جو اس کا اعتقاد نہیں رکھے گا وہ کافر ہوگا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا ہے علی خیر البشر فمن ابی فقد کفر۔ یعنی ''حضرت علی سب لوگوں سے بہتر ہیں جو اس سے انکار کرے گا کافر ہو جائے گا''۔ یہ بھی فرمایا ہے من لم یقل علی خیر الناس فقد کفر یعنی ''جو شخص اس کا اعتقاد نہیں رکھے گا کہ حضرت علیؑ بہترین ناس ہیں وہ

کافر ہو جائے گا"۔ (کنز العمال جلد ۶، ص ۱۵۹)

مولوی صاحب: مجھ سے کچھ نہیں کہا جاتا۔ تم ضرور امام بارگاہ بنواؤ۔

حسینی بیگم: میں آخر میں ایک بڑے عالم جلیل کی عبارت بھی سناتی ہوں۔ جنھوں نے امام بارگاہ کی تعظیم کو تصریح سے تحریر فرمایا ہے۔ ایک بزرگ جناب مولانا حکیم سلامت علی خاں صاحب بنارسی رحمۃ اللہ گزرے ہیں۔ انھوں نے ایک کتاب تبصرۃ الایمان لکھی ہے جو کلکتہ میں ۱۲۳۶ھ میں چھپی ہے۔ اس میں ممدوح نے لکھا ہے " وشک نیست درآن امام بارگاہ نقل تربت شریف بعد مرتب شدن لائق تعظیم است بالضرور وادب آں شایاں ایمان۔ یعنی "اس میں شک نہیں ہے کہ امام بارگاہ اور تربت شریف کی نقل مرتب ہونے کے بعد یقیناً لائق تعظیم ہے اور اس کا ادب کرنا ایمان کی شان سے ہے" (تبصرۃ الایمان، ص ۲۲۰)۔ اب تو امام بارگاہ پر آپ کوئی اعتراض نہیں کر سکتے۔

مولوی صاحب: مگر مولانا رحمۃ اللہ نے یہ کیوں لکھا کہ امام بارگاہ اور تعزیہ مرتب ہونے کے بعد لائق تعظیم ہے۔ کیا مرتب ہونے کے پہلے لائق تعظیم نہیں ہے؟

حسینی بیگم: امام بارگاہ تو اینٹ لکڑی، پتھر چونے سے بنایا جاتا ہے اسی طرح مسجد بھی تو جب تک یہ چیزیں مسجد یا امام بارگاہ میں لگائی نہیں جاتی ہیں اس وقت تک نہ اینٹ لائق تعظیم ہوتی ہے نہ لکڑی چونا نہ پتھر اور جب ان چیزوں سے امام بارگاہ یا مسجد بن جاتی ہے تب ان کی تعظیم کی جاتی ہے۔ اسی طرح تعزیہ لکڑی اور کاغذ کا بنایا جاتا ہے تو پہلے نہ وہ لکڑی لائق تعظیم ہوتی ہے نہ وہ کاغذ ہاں تعزیہ بن جانے کے بعد وہ لائق تعظیم ہو جاتا ہے۔

مولوی صاحب: تم ٹھیک مطلب سمجھیں میرے ذہن میں یہ بات نہیں آتی تھی۔ خیر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ تم امام بارگاہ بنواؤ مگر اس مجلس کا خرچ کہاں سے آئے گا۔

حسینی بیگم: سوچتی ہوں کہ اس کے نیچے دس یا بارہ بڑی کھوٹھریاں بنوادوں جو کرایہ پر اٹھادی جائیں۔ ایک ایک کوٹھری کا ماہوار کرایہ تین روپیہ یا ڈھائی روپیہ بھی ملے گا تو کافی روپیہ ماہوار کی آمدنی ہو جائے گی اسی سے مجلسیں ہوا کریں گی اور یہ کوٹھریاں چھوٹے دوکانداروں کو دی جائیں جو ان میں معمولی

دکانیں رکھیں۔ اس طرح کرایہ بڑھتے ہی رہنے کی امید ہے کم ہونے کا اندیشہ نہیں ہے۔

مولوی صاحب: تم کو خداداد دماغ ملا ہے۔ جس سے علمی تحقیقات بھی اعلیٰ درجہ کی کرتی ہو اور دنیوی انتظام بھی وہ سوچتی ہو جو بہترین ہوتا ہے۔ خیر امام بارگاہ کی تعمیر پر مجھے کوئی اعتراض نہیں مگر ایک معمولی واقعہ شہادت کے بیان کے لیے اتنے بڑے بڑے امام بارگاہ بے تک سے معلوم ہوتے ہیں۔

حسینی بیگم: ارے یہ کہتے ہو واقعہ شہادت معمولی ہے؟ ایسا واقعہ تو حضرت آدمؑ سے اس وقت تک کبھی اور کسی ملک میں نہیں ہوا اسی وجہ سے ہزاروں علماء نے اس واقعہ کو مختلف صورتوں سے لکھا اور کسی مفسر کسی محدث کسی مورخ کی کتاب اس کے ذکر سے بچی نہیں۔ اس واقعہ کا اس قدر اہتمام خدا نے کیا کہ جناب جبرئیلؑ سے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کو اس ہونے والے واقعہ پر مطلع کیا۔ زمین کربلا کی مٹی خونی رنگ کی بنا کر حضرتؐ کے پاس بھیجا۔ حضرتؐ اس مصیبت کو سن کر برابر روتے رہے اور جناب ام سلمہؓ کو وہ مٹی دے کر حفاظت رکھنے کی تاکید کر گئے اور مسلمانوں کو حضرت امام حسینؑ کی مدد کرنے کی وصیت فرمائی۔

واقعہ شہادتِ کربلا کا متواتر ہونا

مولوی صاحب: ایک دفعہ اس سے پہلے بھی تم نے اس کو بیان کیا تھا اور اردو کی بہت سی کتابوں کا نام لیا تھا جس میں اس واقعہ کو لکھا ہے بلکہ مولانا نذیر احمد صاحب دہلوی کی کتاب امہات الامہ۔ مولانا ابوالکلام آزاد صاحب دہلوی کے مضامین۔ مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری کے اخبار اہلحدیث۔ مولانا شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواروی کی کتاب شہادت حسین۔ مولانا شبلی نعمانی کی کتاب المامون وموازنہ انیس ودبیر۔ مولانا وحید الزماں خاں صاحب حیدرآبادی کی کتاب انوار اللغتہ۔ مولانا محی الدین خاں صاحب کی تلخیص الصحاح۔ مولوی عبدالشکور اڈیٹر النجم کے ترجمہ اسد الغابہ وغیرہ سے کچھ عبارتیں بھی سنائی تھیں مگر پھر اس واقعہ کو متواتر کیسے کہتی ہو۔

حسینی بیگم: اس لیے کہ ہر زمانہ کے بڑے معتبر اور مسلم الثبوت علماء ومحدثین ومورخین نے اس واقعہ کو اپنی کتاب میں لکھا ہے اور پہلے جناب مولانا شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواروی دام برکاتہم کی تحقیق بھی بیان کر چکی ہوں کہ تحریر فرمایا ہے''اسلام میں جب سے تالیف وتصنیف کی بنیاد پڑی اور احادیث اور تاریخی واقعات قلمبند ہونے لگے اس وقت سے اس وقت یعنی دوسری صدی کے آخر سے چودھویں صدی ہجری کے شروع تک جتنی کتابیں اسلامی تاریخ کی کہلاتی ہیں اور جن کو محدثین ومورخین نے جمع کیا ہے سب کی سب اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام شہید کربلا ہیں ایسے تواترات کا جواب متواترات ہی سے ہونا چاہیے نہ کسی قصہ کہانی سے بارہ سو برس کے محدثین ومورخین اور کافۂ امت کو محض غلطی اور دھوکے پر قرار دینا خود اپنے نفس کا ایک بہت بڑا دھوکا اور فریب ہے'' (کتاب شہادت حسین، ص ۱۱)۔ اور جناب مولانا مولوی عبدالحق صاحب

سہارنپوری نے لکھا ہے ''تمام علمائے اہل اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ بلاشک واقعہ قیامت خیز کربلا اور شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام مقام کربلا میں ثابت اور واقعی بات ہے'' (کتاب تصدیق شہادت مطبوعہ میرٹھ، ص ۳)۔ اور ہم اہلسنت کے عقائد کی مشہور کتاب شرح عقائد نسفی میں ہے۔ والحق ان رضا یزید یقتل الحسینؑ واستبشارہ بذلك واھانته اھل بیت النبی عم عما تواتر معناہ۔ یعنی ''حق یہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے قتل پر یزید کا راضی بلکہ خوش ہونا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے اہل بیت کی توہین کرنا ان باتوں سے ہے جو معناً متواتر ہے یعنی بجز متواتر ثابت ہے۔ (شرح عقائد نسفی، ص ۱۸۱)

مولوی صاحب: اچھا یہ بتاؤ کہ کوئی شخص فارسی کتابوں سے واقعہ کربلا کی تحقیق کرنا چاہے تو کیا کرے؟

حسینی بیگم: ہزاروں کتابیں حدیث۔ تاریخ وغیرہ کی ہیں۔ انھیں سے چند کو پڑھ لے۔ جیسے تاریخ روضۃ الصفا مطبوعہ بمبئی۔ تاریخ روضۃ الحباب قلمی۔ تاریخ حبیب السیر مطبوعہ ممبئی۔ جامع التواریخ مطبوعہ لکھنؤ۔ مدراج لنبوۃ مطبوعہ لکھنؤ۔ شواہد النبوۃ مطبوعہ لکھنؤ۔ معارج النبوۃ مطبوعہ لکھنؤ۔ روائح المصطفی مطبوعہ کانپور۔ وسیلۃ النجاۃ مطبوعہ لکھنؤ دلیل الطالب مصنفہ جنا بمولانا نواب صدیق حسن خاں صاحب مطبوعہ بھوپال۔ بغیۃ الرائد مصنفہ جناب مولانا نواب صدیق حسن خاں صاحب تفسیر عزیزی مصنفہ شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی۔ فتاوی عزیزی مصنفہ شاہ صاحب موصوف مطبوعہ دہلی۔ تحفہ اثناعشریہ مصنفہ ممدوح۔ ازالۃ اخفاء مصنفہ جناب مولانا شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی علیہ الرحمہ۔ اور آپ جانتے ہیں کہ ہمارے مذہب کے ایک زبردست عالم جناب مولانا حیدر علی صاحب فیض آبادی رحمۃ اللہ گزرے ہیں وہ بڑے مناظر بھی تھے شیعوں کی رد میں کئی کتابیں بھی لکھی تھیں انھوں نے ایک بڑی ضخیم کتاب ۲۸۶ صفحہ کی شہادت امام حسین علیہ السلام کے متعلق لکھی ہے جس کا نام ازالۃ الغین عین بصارۃ الغین باثبات شہادت امام حسین یہ کتاب بھی لکھنؤ میں چھپ گئی اور فارسی زبان میں ہے اور جناب مولانا شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے فارسی زبان میں مشکوۃ کی شرح لکھی ہے جس کا نام ہے اشعۃ اللمعات۔ یہ بھی چھپ گئی ہے۔ اس کی جلد چہارم ص ۳۸۶ میں بھی یہ واقعہ مرقوم ہے اور آپ

کے پیشوائے اعظم جناب مولانا نواب صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی علیہ الرحمہ نے تو اپنی کئی کتابوں میں اس کو تفصیل سے لکھا ہے مثلاً کتاب حج الکرامہ فی آثار القیامہ میں لکھا ہے فصل ہشتم واز اں جملہ قتل حسین بن علی علیہما السلام است جس کے بعد کئی صفحہ میں اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے (دیکھو حجج الکرامہ از صفحہ ۱۷۶ تا ۱۸۲ مطبوعہ بھوپال) غرض میں کس کس فن کی کس کس کتاب کا نام بتاؤں۔ تاریخ، سیرۃ، حدیث، ادب شاعری تفسیر وغیرہ کی ہزاروں کتابوں میں اس واقعہ کو لکھا ہے۔ مولانا صدیق حسن خاں صاحب علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ گوئم اصح تو الیف دریں باب رسالہ سرالشہادتین تالیف شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ست یعنی واقعہ کربلا کے بارے میں سب سے زیادہ صحیح کتاب رسالہ سرالشہادتین مصنفہ جناب شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی علیہ الرحمہ ہے۔ (حجج الکرامہ، ص ۱۷۹)

مولوی صاحب: مگر سرالشہادتین تو عربی زبان میں ہے۔ جو شخص صرف فارسی جانتا ہو وہ اس کو کیسے پڑھ سکتا ہے۔

حسینی بیگم: اس کا فارسی ترجمہ تحریر الشہادتین موجود ہے جس کو شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے شاگرد رشید جناب مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب کانپوری علیہ الرحمہ نے مفصل لکھا ہے۔ یہ رسالہ بھی چھپ گیا ہے اور قابل دید چیز ہے۔

مولوی صاحب: ہاں وہ خوب ہوگا۔ واقعاً فارسی زبان میں بھی اس واقعہ کے متعلق بڑا ذخیرہ ہے۔ اچھا اب کچھ عربی کتابوں کے نام بھی سناؤ مگر تمھارا جی تو نہیں گھبرائے گا۔

حسینی بیگم: نہیں گھبراؤں گی کیوں اور ابھی تو صرف پونے دس بجے ہیں کتنی لمبی رات پڑی ہوئی ہے۔ عربی میں بہت سے فنون ہیں مثلاً (الف) مناقب، (ب) رجال وطبقات، (ج) تاریخ، (د) ادب، (ہ) لغۃ، (و) عقائد، (ز) حدیث، (ح) تفسیر قرآن مجید میں ہر فن سے چند کتابوں کا پتا بتاتی ہوں (الف) مناقب کی کتابوں میں علامہ ابن حجر مکی نے شیعوں کے خلاف ایک بڑی زبردست کتاب لکھی ہے جس کا نام صواعق محرقہ (جلا دینے والی بجلیاں ہے اس میں ص ۱۱۵ سے ۱۱۷ تک حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ آلہٖ وسلم کی بکثرت وہ حدیثیں لکھی ہیں جن میں حضرت نے

امام حسینؑ کی شہادۃ کی پیشن گوئی کی ہے پھر ص ۱۱۹ تک حضرت کی شہادت اور اہلبیتؑ کی اسیری کو تفصیل سے ذکر کیا ہے پھر ص ۱۲۴ سے ۱۳۵ تک یزید کے اور کفر اور اس پر لعنت کے جائز ہونے کو مفصل لکھا ہے اس وجہ سے کہ اس نے امام حسینؑ کو شہید کیا۔ انھیں علامہ ابن حجر مکی کی دوسری کتاب تطہیر الجنان ہے جو حضرت معاویہ کے فضائل میں ہے اس میں بھی ص ۱۳۶ وغیرہ پر امام حسینؑ کے کربلا میں شہید ہونے کو لکھا ہے اور جناب سید ابوبکر بن شہاب الدین علوی نے بھی اس واقعہ کو کئی جگہ لکھا ہے (دیکھو ان کی کتاب (رشفۃ الصادی مطبوعہ مصر ص ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵ وغیرہ) اور شیخ عبداللہ بن محمد عامر شیراوی علیہ الرحمہ نے بھی واقعہ شہادت کو تفصیل سے لکھا ہے (دیکھو ان کی کتاب الاتحاف مطبوعہ، ص ۱۱ تا ص ۲۵ اور جناب علامہ الشیخ یوسف بن اسماعیل بنہانی نے بھی اس واقعہ کو پورے طور پر لکھا ہے (دیکھو ان کی کتاب الشرف المؤید مطبوعہ مصر ص ۶۴ تا ص ۷۰) اور علامہ محمد بن طلحہ شافعی نے بھی اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے (دیکھو ان کی کتاب مطالب السئول مطبوعہ لکھنؤ ص ۲۴۳ تا ص ۲۶۱) اور علامہ یوسف سبط ابن الجوزی علیہ الرحمہ نے بھی اس واقعہ کو بہت بسط سے لکھا ہے (دیکھو ان کی کتاب تذکرہ خواص الامہ مطبوعہ ایران ص ۱۳۳ تا ۱۵۹) اور علامہ الشیخ سلیمان قندوزی نے بھی اس واقعہ کو پوری شرح سے لکھا ہے (دیکھو ان کی کتاب ینابیع المودۃ مطبوعہ بمبئی ص ۲۳۳ تا ۲۹۹) اور علامہ محمد صبان رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے (دیکھو ان کی کتاب اسعاف الراغبین بر حاشیہ نور الابصار مطبوعہ مصر ص ۱۸۷ تا ۱۹۹) اور علامہ شیخ شبلنجی نے بھی اس واقعہ کو شرح و بسط سے تحریر فرمایا ہے (دیکھو ان کی کتاب نور الابصار مطبوعہ مصر، ص ۱۲۷ تا ۱۳۳) اور جناب خاتم المحدثین مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رضی اللہ عنہ نے تو اس واقعہ کے متعلق ایک مستقل کتاب ہی لکھی ہے جس کا نام سر الشہادتین جو لکھنؤ۔ دہلی تمام چھپی ہے۔ اسی طرح ہزاروں کتابیں ہیں میں ہر فن کی دو دو چار چار کتابوں کا نام بتا دیتی ہوں (ب) اب رجال اور طبقات کی کتابیں دیکھو۔ علامہ ابن عبدالر اندلسی نے اپنی کتاب استیعاب مطبوعہ مصر حیدر آباد دکن میں۔ علامہ ابن اثیر جزری نے اپنی کتاب اسد الغابہ میں۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب الاصابہ مطبوعہ مصر میں۔ علامہ شیخ عبدالحق

صاحب محدث دہلوی نے اپنی کتاب اسماء الرجال مشکوۃ میں ۔ علامہ ابن سعد نے اپنی کتاب طبقات ابن سعد مطبوعہ یورپ میں اور بھی بکثرت علماء رجال نے اپنی کتابوں میں مفصلاً ان حالات کو جمع کیا ہے اور یہ وہ معتبر کتابیں ہیں جن میں حضرات صحابہ کرام کے مفصل حالات بھی مرقوم ہیں ۔ اگر واقعہ کربلا کے متعلق کوئی شک کیا جائے گا تو پھر کسی صحابی حتیٰ کہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما وغیرہ کا وجود بھی ثابت نہیں ہو سکے گا (ج) اب تاریخ کی کتابوں کو دیکھو تو ان کا شمار بھی دشوار ہے ۔ مثلاً علامہ ابن شحنہ نے تاریخ روضۃ المناظر مطبوعہ مصر برحاشیہ تاریخ کامل ہیں ۔ علامہ ابوالفداء نے اپنی تاریخ میں ۔ علامہ ابن قتیبہ نے کتاب الامامۃ والسیاسۃ مطبوعہ مصر میں ۔ علامہ ابن قتیبہ نے کتاب المعارف مطبوعہ مصر میں ۔ علامہ ابن اثیر جزری نے تاریخ کامل مطبوعہ مصر میں ۔ علامہ طبری نے اپنی تاریخ مطبوعہ لیڈن ومصر میں ۔ علامہ مقریزی نے اپنی تاریخ الخطط والآثار مطبوعہ مصر میں ۔ علامہ دیار بکری نے تاریخ خمیس مطبوعہ مصر میں ۔ علامہ ابن خلکان نے تاریخ وفیات الاعیان میں ۔ علامہ مسعودی نے تاریخ مروج الذہب مطبوعہ مصر میں ۔ علامہ ابوحنیفہ دینوری نے تاریخ الاخبار الطوال مطبوعہ مصر میں ۔ علامہ طقطقی نے اپنی تاریخ الفخری مطبوعہ مصر میں ۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی تاریخ الخلفاء میں علامہ ذہبی نے اپنی تاریخ دول اسلام مطبوعہ حیدرآباد میں ۔ علامہ یافعی نے اپنی تاریخ مرآۃ الجنان مطبوعہ حیدرآباد میں علامہ قرمانی نے اپنی تاریخ اخبار الدول مطبوعہ بغداد شریف میں ۔ علامہ جرجی زیدان مصری نے اپنی تاریخ تمدن اسلام مطبوعہ مصر میں ۔ علامہ ابن عبری نے تاریخ مختصر الدول میں ۔ علامہ یاقوت حموی نے کتاب معجم البلدان مطبوعہ مصر میں ۔ علامہ ابوالفرج اصفہانی نے کتاب مقاتل الطالبین میں ۔ اسی طرح بے حدوحساب مورخین نے اپنی تاریخوں میں پوری جامعیت سے ان واقعات کو لکھا ہے ۔ (د) کتب ادب میں دیوان حماسہ ۔ مجانی الادب مطبوعہ بیروت ۔ حیوۃ الحیوان علامہ دمیری مطبوعہ مصر ۔ سریشی شرح مقامات حریری مطبوعہ مصر ۔ کتاب ثمرۃ الاوراق مطبوعہ مصر کتاب اغانی مطبوعہ مصر وغیرہ میں بھی واقعہ کربلا کو مختلف صورتوں سے لکھ دیا ہے ۔ (ہ) کتب لغۃ میں بھی جس لغۃ کو چاہو دیکھ لو ۔ مثلاً صراح ۔ صحاح جوہری قاموس منتہی الادب ۔ منجد لسان العرب ۔ تاج

العروس۔ اقرب الموارد۔ سب میں مختلف الفاظ۔ مثلاً عاشوراء، کربلا وغیرہ کے بیان میں اس واقعہ کو لکھ دیا ہے۔ یہ واقعہ اسلام میں ایسی سخت ہیبت اور شدید تلاطم پیدا کرنے والا گزرا ہے کہ بنی امیہ میں یزید کے بعد جو خلیفہ گزرے ہیں وہ بھی اس کے تصور سے لرزتے رہتے تھے۔ چنانچہ علامہ ابن عبدربہ اندلسی نے لکھا ہے کہ کتب عبدالملك بن مروان الی الحجاج بن یوسف جنبنی دماء اهل هذالبیت فانی رایت بنی حرب صلبوا ملکهم لما قتلوا الحسین یعنی خلیفہ عبدالملک بن مروان نے اپنے گورنر حجاج کو لکھا کہ اس خاندان رسولؐ کے اہل بیتؑ کے خون سے مجھے بچا تا رہ کیونکہ بنی امیہ کو ہم نے دیکھا کہ امام حسینؑ کو قتل کر کے انھوں نے اپنی سلطنت کھو ڈالی (عقد فرید مطبوعہ مصر) اور اسی خاندان کے ایک اور خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے بارے میں لکھا ہے کہ انه قال لو کنت من قتلة الحسین وغفر الله لی وادخلنی الجنة لما دخلتها حیاء من رسول الله صلی الله علیه آله وسلم یعنی ''وہ کہتے تھے کہ اگر میں بھی امام حسینؑ کے قاتلوں سے ہوتا اور خدا میرا گناہ بخشا پھر مجھے بہشت میں داخل کر دیتا تو میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے شرم سے (کہ حضرتؐ کے فرزند کو قتل کر کے حضرت محمد صلی اللہ علیہ کو منہ کیسے دیکھاؤں) بہشت میں جا تا ہی نہیں''۔ (تاریخ ابن خلکان ج ۲، ص ۵۷)

مولوی صاحب: یہ بات تو کسی اور بزرگ نے بھی کہی تھی۔

حسینی بیگم: بہت سے حضرات نے کہی ہے۔ حضرت ابراہیم نخعی بھی فرماتے تھے لو کنت ممن قاتل الحسین ثم ادخلت الجنة لا ستحییت ان انظر الی وجه المصطفی صلی الله علیه آله وسلم۔ یعنی ''اگر میں بھی امام حسینؑ کے ساتھ لڑے ہوتا پھر بہشت میں داخل بھی کر دیا جاتا تو اس بات سے شرماتا کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کا سامنا کیسے کروں''۔ (اسعاف الراغبین، ص ۱۹۳ وغیرہ)

حسینی بیگم: (د) اب عقائد کی کتابیں دیکھو شرح عقائد نسفی۔ شرح مقاصد شرح مواقف۔ شرح عقائد وعضدیہ۔ شرح فقہ اکبر۔ بغیۃ الرائد وغیرہ اس میں زیادہ مشہور ہیں۔ ان سب میں یہ واقعہ موجود ہے۔

مولوی صاحب: ہاں میں نے بھی عقائد کی جو کتابیں پڑھیں ان میں اس کا ذکر دیکھا ہے۔
حسینی بیگم: اور حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ نے بھی لکھا ہے یوما عاشورا ان الحسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما قتل فیہ۔ یعنی ''حضرت امام حسین علیہ السلام روز عاشورا کو شہید کیے گئے''۔ (غنیۃ الطالبین، ص ۲۸۳) اس سے زبردست گواہی اور کس کی چاہتے ہو۔

کُتبِ حدیث میں تذکرہ کربلا اور خواب کی عظمت

مولوی صاحب: ہاں عقائد کی ان کتابوں میں یہ واقعہ مرقوم ہے۔ مگر ہم لوگ تو حدیث شریف کی کتابوں کو زیادہ مانتے ہیں۔ ان میں کہاں کہاں اس کا ذکر ہے خصوصاً صحیح بخاری اور مشکوۃ شریف میں ہو تو بتاؤ۔

حسینی بیگم: کیا آپ کا خیال ہے کہ حدیث کی کتابوں خاص کر بخاری شریف ،مشکوۃ شریف میں اس کا ذکر نہیں ہوگا۔

مولوی صاحب: نہیں یہ دعویٰ تو میں نہیں کر سکتا۔

حسینی بیگم: سنو۔ جناب مولانا شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواری دام برکاتہ نے تحریر فرمایا ہے:

''افسوس مرزا (حیرت) صاحب نے ان (جنگ جمل وصفین وغیرہ) تاریخی مسلم الثبوت واقعات سے انکار کر کے نہ صرف تمام تواریخی وسیر سے بلکہ بہتیری صحیح اور معتبر روایات واحادیث صحیح وسنن وغیرہ سے بھی انکار کیا ہے۔ کیونکہ قطع نظر اس کے کہ تمام کتب تواریخ وسیر ان واقعات کی صحتہ پر متفق ہیں۔ صحیح بخاری ومسلم وسنن ترمذی ومسند امام احمد وغیرہ وغیرہ تمام کتب احادیث میں ان کے متعلق روایات صحیحہ اور اس بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی پیشن گوئیاں موجود ہیں'' (رسالہ شہادت حسین ص ۶)۔ مولانا ممدوح ہی نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے ''مستدرک حاکم، ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ مشہور بہ حاکم جو کبار محدثین سے گزرے ہیں اور اپنے وقت میں امام اہل حدیث تھے ان کی کتاب مستدرک جو بہت ہی مشہور کتاب ہے۔ اس میں شہادت امام حسین علیہ السلام کے متعلق بہتیری احادیث وروایات موجود ہیں جن میں اکثر وہی ہیں جن کا اوپر مذکور ہوا لہٰذا ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں'' (رسالہ شہادۃ حسین ص ۲۲)۔ اور احادیث کے

بڑے ذخیرہ کنز العمال میں ایک باب ہی لکھا ہے جس کی سرخی ہے **قتل الحسین رضی الله عنـه** جس میں ۱۱ حدیثیں لکھی ہیں کہ امام حسینؑ شہید ہوئے (کنز العمال ج ۷، ص ۱۱۰) اور مسند احمد بن حنبل جو ہمارے ہاں کے صحاح ستہ کا ماخذ ہے اس میں اس واقعہ کی کئی روایتیں موجود ہیں مثلاً **شهر بن خوشب قال سمعت ام سلمة زوج النبی صلی الله علیه آله وسلم حین جاء لغی الحسین بن علی لعنت اهل العراق فقالت قتلوه قتلهم الله غروه و ذلوه لعنهم الله۔** یعنی ''شہر بن خوشب کہتے تھے کہ جب امام حسین علیہ السلام کے شہید ہو جانے کی خبر مدینہ میں آئی تو میں نے سنا کہ جناب (رسول خدا صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی زوجہ محترمہ) ام سلمہؓ بیان فرمانے لگیں اہل عراق نے امام حسینؑ کو قتل کر دیا خدا ان سب کو قتل کرے ان لوگوں نے حسینؑ کو دھوکا دیا اور ان کی ذلت وتوہین کی۔ ان لوگوں پر خدا کی لعنت ہو'' (مسند احمد بن حنبل ج ۲، ص ۲۹۸)۔ اس کتاب کی ایک اور حدیث سن لو:

عن ابن عباس انه قال رائت النبیؐ فیما یری النائم بنصف النهار و هو قائم اشعث اغبر بیده قا ورة فیها دم فقلت بابی انت وامی یا رسول اللهؐ ما هذا؟ قال هذا دم الحسین و صحابه لم ازل التقطه منذ الیوم فاحصینا ذلك الیوم فوجدوه قتل فی ذلك الیوم۔

''یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ ایک دن دو پہر کو میں نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ کھڑے ہیں۔ آپ کے بال بہت پریشان ہیں اور اس پر گرد وغبار پڑی ہے اور حضرتؐ کے دست مبارک میں ایک شیشی ہے جس میں خون بھرا ہے۔ میں نے عرض کی میرے باپ ماں حضور پر فدا ہو جائیں اے رسول خدا صلی اللہ علیہ آلہ وسلم یہ حضور کے ہاتھ میں کیا ہے؟ فرمایا یہ میرے فرزند حسینؑ کا اور ان کیساتھیوں کا خون ہے جس کو میں آج برابر اٹھاتا رہا ہوں۔ میں نے اس دن کو یاد رکھا۔ (جب امام حسینؑ کی شہادۃ کی خبر آئی اور اس دن

تاریخ سے اس کو ملایا) تو معلوم ہوا کہ واقعاً اسی روز شہید ہوئے تھے''۔(مسند احمد بن حنبل مطبوعہ مصر جلد ا،ص ۲۸۳)

اگر کہو تو اسی کتاب سے اور روایتیں پڑھوں۔ یہ روایت امام بیہقی کی دلائل النبوۃ میں بھی ہے اور مشکوۃ شریف میں بھی ہے۔(مشکوۃ، جلد ۸،ص ۱۴۰)

مولوی صاحب: نہیں اس کی یہ دو روایتیں کافی ہیں۔

حسینی بیگم: اور صحاح ستہ میں سنن ترمذی بھی ہے۔ اس کے متعلق جناب مولانا شاہ سلیمان صاحب نے لکھا ہے'' جامع صحیح ترمذی میں واقعہ شہادۃ امام حسین علیہ السلام کے متعلق چند احادیث وواقعات ہیں۔ ایک حدیث عبداللہ بن عمر کی۔ کسی عراقی کی حالت احرام میں قتل ذباب (ترمذی کا لفظ بجائے قتل ذباب کے دم بعوض ہے) کے بارے میں دریافت کرنے اور ان کے جواب دینے کی کہ اہل عراق ایک مکھی یا مچھر مارنے کی بابت سوال کرتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے نواسے کو قتل کر ڈالا۔ جس کو بخاری نے بھی روایت کیا ہے اور حدیث کو صاحب سنن ترمذی نے ہذا حدیث صحیح کہا ہے(ترمذی،ص ۲۳۹)۔

دوسری روایت حضرت انسؓ کی ہے کہ جب امام حسینؑ کا سر ابن زیاد کے دربار میں لایا گیا اور اس نے بے ادبی کی اور انس سے رہا نہ گیا اور بول اٹھے کہ یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ آلہ وسلم سے مشابہ تھے۔ اسے بھی بخاری نے روایت کی ہے اور اس حدیث کو امام ترمذی نے ھذا حدیث حسن صحیح غریب لکھا ہے(ترمذی شریف،ص ۲۴۰)۔

تیسری روایت حضرت ام سلمہؓ کا خواب ہے، ترمذی شریف ص ۲۳۹ باب مناقب الحسن والحسینؑ ملاحظہ ہو:

حدثنا ابوسعید الاشج نا ابوخالدا حمر نارزین قال حدثنی سلمی قالت دخلت علی ام سلمه وهی تبکی فقلت ما یبکیك۔ قالت رایت رسول الله صلی الله علیه آله وسلم تعنی فی المنام وعلی راسه ولحیته التراب فقلت مالك یا

رسول الله قال شهدت قتل الحسين انفا

''یعنی سلمی کہتی ہیں کہ میں حضرت ام سلمہؓ کے پاس گئی تو دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں۔ میں نے پوچھا کہ آپ کیوں روتی ہیں فرمایا کہ ابھی خواب میں میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ کے سر مبارک اور ریش مبارک غبار آلود ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ کیا ماجرا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے فرمایا کہ ابھی میں حسینؓ کے مقتل میں گیا تھا''۔

اس حدیث پر مرزا حیرت صاحب کرزن گزٹ مطبوعہ ۱۵ ستمبر ۱۹۰۵ء، ص ۴، کالم ۲ میں یوں جرح کرتے ہیں کہ ''اس کے بعد ایک صحابی کا خواب بیان ہوا ہے جس نے شہادۃ کے وقت مدینہ میں دیکھا تھا مگر چونکہ شریعۃ نے خواب کو کوئی وقعت نہیں دی۔ اس لیے ہم اس پر بحث نہیں کرتے۔ بس چھٹی ہوئی''۔ (رسالۃ شہادۃ حسینؓ، ص ۱۸)

مولوی صاحب: واقعاً مرزا حیرت صاحب نے سچا لکھا تھا۔ اسلامی شریعۃ نے تو خواب کو کوئی وقعت نہیں دی ہے۔

حسینی بیگم: میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ نے کیا پڑھا ہے اور اب تک کس طرح حدیث کا کام کر رہے ہو۔ اسلام نے تو خواب کو اتنی وقعت دی ہے کہ بخاری شریف میں ہے باب رویا **الصالحین و قوله لقد صدق الله رسوله الرويا بالحق"**

یعنی اچھے لوگوں کے خواب کے بیان میں اور اللہ کے اس قول کے مطلب میں کہ اللہ نے اپنے رسولؐ کے سچے خواب کو سچ کر دکھایا'' (صحیح بخاری پ ۲۸، ص ۴۷۶)۔

اسلام نے تو خواب کو اتنی وقعت دی ہے کہ **عن انس بن مالك ان رسول الله صلى الله عليه آله وسلم قال الرويا الحسنة عن الرجل الصالح جزء من ستة و اربعين جزء من النبوة**

یعنی'' حضرت انس بن مالک بیان کرتے تھے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اچھے شخص کا اچھا خواب نبوت کے ۴۶ جزو سے ایک جزو ہے'' (صحیح بخاری

پ ۲۸،ص ۴۷۶)۔ جناب مولانا شاہ سلیمان صاحب پھلواروی نے تحریر فرمایا ہے:

''ناظرین رسول خدا صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے خواب کی نسبت فرمایا ہے جـــزء مـــن اجزاء النبوۃ۔ مگر مرزا صاحب اس کو بے وقعت و بے اصل بتاتے ہیں۔ خواب اگر بالکل بے اصل و بے وقعت چیز ہوتی تو حضرت یوسف علیہ السلام کو تعبیر کا فن کیوں عنایت ہوتا اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا خواب کیوں قرآن میں مذکور ہوتا اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے اقوال میں یہ کیوں لکھا جاتا کہ اول ما بدء بہ من الوحی الرویا الصادقۃ سبحان اللہ ام المومنین کا خواب اور خواب میں بھی سرور کائنات (علیہ وعلی آلہ واصحابہ وزواجہ الف الف صلوات وتحیات) کو دیکھنا اور پھر ان کا اس خواب کے واقعہ کی تصدیق کر کے اس پر گریہ وزاری کرنا کیا یہ معمولی اور بے وقعت شے ہوسکتی ہے؟

حاشاوکلا! مرزا (حیرت) صاحب خود فرماتے ہیں اور اپنے رویائے صادقہ کا ذکر کرتے ہیں کہ ''حضور انور کی پاک زیارت نے ہمارا سینہ نور خدا کے لیے کشادہ کر دیا ہے بہت سے باری تعالیٰ کے راز ہم پر منکشف ہو گئے ہیں'' الخ (ملاحظہ ہو کرزن گزٹ مورخہ یکم ستمبر ۱۹۰۵ء ص ۳، کالم سوم) میرے ناظرین اور اخوان! آپ اندازہ کر سکتے ہوں گے کہ مرزا حیرت صاحب حضرت ام المومنین بی بی ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خواب کو تو یوں بے وقعت ٹھہرائیں اور اپنے خواب و زیارت کو اتنا اعلیٰ بتائیں کہ نور سے ان کا سینہ معمور ہو جائے اور خدا کی طرف سے تیرہ سو برس کی غلطی ظاہر کرنے پر مامور ہوں۔ کیا یہ خبط اور سخت شوخی و بے باکی نہیں ہے؟ ہے اور ضرور ہے؟ واضح ہو کہ حضرت ام سلمہؓ اس خواب میں منفرد نہیں بلکہ حضرت عبداللہ بن عباس نے بھی مکہ میں ایسا ہی خواب دیکھا تھا اور جس وقت انھوں نے دیکھا تھا جب شہادت کی خبر آئی تو ٹھیک ہی یوم و وقت تھا جیسا کہ مسند امام احمد میں یہ حدیث منقول ہے...... اب غور کرنا چاہیے کہ جب خواب اصل واقعہ کے ساتھ منطبق ہو گیا اور جیسا کہ دیکھا تھا ویسا ہی ظہور میں آیا تو پھر وہ خواب کیوں کر بے وقعت ہوسکتا ہے؟ یہ خواب کوئی معمولی خواب نہ تھا۔ یہ ایک ایسا معتبر اور صحیح سچا خواب تھا کہ جب یہ واقعہ منطبق ہو گیا اور جو دیکھا گیا تھا ظاہر ہوا تو لوگ حضرت اُم سلمہؓ کے

پاس امام حسین علیہ السلام کی تعزیت کو آنے لگے۔ چنانچہ معجم صغیر طبرانی، ص۴۴ میں مروی ہے۔

حدثنا احمد بن مجاہد الصفہانی قال ثنا عبداللہ بن عمر بن ابان ثنا زافر بن سلیمان عن طعمۃ بن عمرو الجفری عن ابی الجعاف دائود بن ابی عوف عن شہر بن حوشب قال اتیت ام سلمۃ اعزیہا علی الحسین بن علی فقالت ۔الخ

''یعنی شہر بن حوشب کہتے ہیں کہ جب امام حسینؑ کی شہادت کی خبر ملی تو میں حضرت ام سلمہؓ کے پاس امام حسینؑ کی تعزیت کے لیے گیا تو آپ نے ان کے مناقب بیان فرمائے''۔

تو بھلا ایسے سچے اور معتبر خواب کو بے اعتبار بتانا کون سی انسانیت اور کون سی عقل و دانش ہے؟ جو شخص ایسے روحانی بزرگوں کے خواب کو بے وقعت بتائے اور پھر اپنے خواب کو باوقعت بتائے وہ ضرور نکبت میں گرفتار ہوتا ہے۔ جیسا کہ اسی حدیث پر جرح کرنے میں مرزا صاحب کو نوبت آئی۔ آپ نے صحاح ستہ کی احادیث شہادۃ کے متعلق یوں لکھا ہے کہ ''اس کے بعد ایک صحابی کا خواب بیان ہوا جس نے شہادت کے وقت مدینہ میں دیکھا تھا'' حالانکہ یہ خواب کسی صحابی کا نہیں بلکہ حضرت ام سلمہؓ کا ہے اور اگر مرزا صاحب یوں کہیں کہ ہم نے ابن عباسؓ کا خواب یہاں پر بیان کیا ہے تو یہ ممکن نہیں اس لیے کہ حضرت ابن عباسؓ اس وقت مدینہ میں نہ تھے بلکہ مکہ معظمہ میں تھے اور وہیں یہ خواب دیکھا تھا اور آپ فرماتے ہیں کہ ایک صحابی کا خواب بیان ہوا ہے جس نے شہادت کے وقت مدینہ میں دیکھا تھا۔ یہ ہے مرزا صاحب کی قابلیت کا اند کے از بسیار''۔ (رسالہ شہادت حسین، ص۱۹)

مولوی صاحب: اچھا مشکوۃ شریف کی عبارت پڑھو۔

حسینی بیگم: اس سے ایک روایت تو اوپر بیان کر چکی جو مسند احمد بن حنبل میں ہے وہ دلائل النبوۃ اور مشکوۃ شریف میں بھی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ بال پریشان کیے اور چہرہ انور پر گرد و غبار ڈالے اور ہاتھ میں اک شیشی لیے

ہیں جس میں خون ہے۔ دوسری روایت یہ ہے:

عن انس قال اتے عبیداللہ بن زیاد براس الحسین فجعل فی طست نجعل ینکت و قال فی حسنہ شیئا قال انس فقلت واللہ انہ کان اشبھم برسول اللہ ؐ و کان مخضوبا بالوسمہ رواہ البخاری فی روایۃ الترمذی قال کنت عند ابن زیاد فجئی براس الحسین فجعل یضرب بقضیب فی انفہ ویقول ما رایت مثل ھذا حسنا فقلت اما انہ کان من اشبھم برسول اللہ وقال ھذا حدیث صحیح

''یعنی انسؓ کہتے تھے کہ ابن زیاد کے پاس امام حسینؑ کا سر کاٹ کر لایا گیا جو ایک طشت میں رکھا گیا تو وہ شقی اس سر مبارک کو ایک چھڑی سے چھیڑتا تھا اور آپ کی خوبصورتی کے بارے میں کچھ کہتا تھا۔ انسؓ کہتے تھے کہ یہ دیکھ کر میں نے کہا خدا کی قسم سب لوگوں سے زیادہ امام حسینؑ ہی حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے مشابہ تھے اور آپ وسمہ کا خضاب لگاتے تھے''۔

امام بخاری نے اس کی روایت کی ہے اور ترمذی کی روایت میں یوں آیا ہے کہ انسؓ کہتے تھے کہ میں ابن زیاد کے پاس موجود تھا تو امام حسینؑ کا سر وہاں لایا گیا تو وہ شقی ایک چھڑی سے اس سر پر آپ کی ناک میں مارتا اور کہتا تھا کہ میں نے ایسا خوبصورت چہرہ تو آج تک دیکھا ہی نہیں ہے۔ اس پر میں بول پڑا اے ابن زیاد تجھے نہیں معلوم کہ حضرت امام حسینؑ سب لوگوں سے زیادہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ آلہ وسلم سے مشابہ تھے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ (مشکوۃ شریف ج ۸، ص ۱۳۹، مطبوعہ لاہور)۔

مولوی صاحب: ہاں ٹھیک ہے۔ اب بخاری شریف کی عبارت بھی پڑھ دو۔

حسینی بیگم: مرزا حیرت صاحب دہلوی کے جواب میں مولانا شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواری نے اس کو کچھ توضیح سے لکھا ہے۔ میں انھیں کی کتاب سے پڑھ دیتی ہوں۔

تحریر فرمایا ہے:

''مرزا حیرت ایک جگہ کرزن گزٹ میں اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ صحاح ستہ اہل سنت کے نزدیک معتبر کتابیں ہیں اور بخاری سب سے زیادہ معتبر۔ پھر آپ نے دعویٰ کیا کہ بخاری میں کوئی حدیث متعلق شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام نہیں ہے۔ پھر حضرت انس کی حدیث سے جو ثبوت ملتا تھا اس لیے اس روایت کو آپ نے سراپا لغو اور بالکل مہمل بتایا اور دوسری روایت جو صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی جو مثبت و مشعر شہادت ہے اس سے قصداً اغماض کیا۔ وہ روایت یہ ہے۔ بخاری شریف جلد اول باب مناقب الحسنؑ والحسینؑ ملاحظہ ہو۔

حدثنا محمد بن بشار قال حدثنا غندر ثنا شعبه عن محمد بن ابی یعقوب سمعت ابن ابی انعم قال سمعت عبدالله بن عمر وسئله رجل عن الحرم قال شعبه احسبه یقتل الذباب فقال اهل العراق یسئلون عن قتل الذباب و قد قتلوا ابن بنت رسول الله وقال النبیؐ هما ریحانتای من الدنیا۔

''یعنی حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کسی عراقی نے حالت احرام میں قتل ذباب کی نسبت پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ اہل عراق قتل ذباب کا تو مجھ سے مسئلہ پوچھتے ہیں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے نواسہ کو قتل کر ڈالا۔ حالانکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے فرمایا تھا یہ دونوں (حسنؑ اور حسینؑ) دنیا میں میرے دو پھول ہیں''۔

قتل ابن بنت رسولؐ اللہ امام حسینؑ کی شہادت کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ عراق کا واقعہ اور حدیث هما ریحانتاء من الدنیا اس بات کو صاف بتا رہی ہے......اب میں صحیح بخاری سے اصل حدیث کو نقل کرتا ہوں بخاری شریف جلد اول مطبوعہ مجتبائی باب مناقب الحسنؑ والحسینؑ ص۵۳۰ میں ہے۔

عن انس بن مالك قال اتی عبیدالله بن زیاد براس الحسین

فجعل فی طست فجعل ینکت فقال فی حسنه شیئا فقال
انس کان اشبههم برسول اللہؐ و کان مخضوبا بالواسمة

یعنی'' حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ابن زیاد کے پاس امام حسینؑ کا سر مبارک ایک طشت میں رکھ کے لایا گیا تو ابن زیاد اس کو ٹھکرانے لگا اور جناب سید الشہداء کے حسن کے بارے میں کچھ بولا۔ حضرت انس نے فرمایا'' امام حسینؑ تمام لوگوں میں سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ سے مشابہ تھے اور اس سر مبارک میں وسمہ کا خضاب لگا ہوا تھا'' (رسالہ شہادت حسینؑ ص ۱۶)۔ صحیح بخاری کی ان دونوں روایتوں سے ثابت ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عمر سے عراق والوں نے مسئلہ پوچھا تو انھوں نے جواب دیا کہ ان لوگوں نے امام حسینؑ کو تو قتل کر دیا اور مسئلہ پوچھتے ہیں مکھی کے قتل کرنے کا اور ابن زیاد کے پاس حضرت امام حسینؑ کا سر لا گیا۔ طشت میں رکھا گیا ابن زیاد اس پر چھڑی مارتا تھا اور انس اس سر کی تعریف کرتے تھے۔ کیا اب بھی کوئی شخص اس واقعہ کے بارے میں کچھ شک کر سکتا ہے؟ کیونکہ پہلی روایت میں حضرت عبداللہ بن عمر جو صحابی بھی تھے اور واقعہ کربلا کے وقت زندہ بھی تھے خود خبر دیتے ہیں کہ عراق والوں نے امام حسین علیہ السلام کو شہید کر دیا اور دوسری روایت میں حضرت انس جو صحابی تھے انھوں نے حضرتؑ کے سر کا ابن زیاد کے پاس لا کر رکھا جانا دیکھا اور بیان کیا۔ اب باقی کون سی بات رہ گئی۔

باب اکیسواں-۲۱

قرآن مجید میں شہادت حسینؑ کا اشارہ
ذبح عظیم کی تحقیق

مولوی صاحب: واقعاً تم نے اپنی حدیث دانی کا بھی پورا ثبوت دے دیا۔ تم ہر فن مولا ہو۔

حسینی بیگم: ابھی تو حدیث کی بہت سی کتابیں رہ گئیں۔ جیسے تیسر الوصول، جامع الاصول، صحیح بخاری کی شرحیں، فتح الباری۔ عمدۃ القاری۔ ارشاد الساری۔ تیسیر الباری وغیرہ اسی طرح مشکوۃ شریف کی شرحیں مرقاۃ۔ اشعۃ اللمعات وغیرہ ٹھہرو میں ان سب کی عبارتیں بھی آپ کو سنا دوں۔

مولوی صاحب: نہیں اب کسی کتاب حدیث کی ضرورت نہیں ہے۔ جب کنز العمال، مشکوۃ شریف، ترمذی شریف، مسند احمد بن حنبل اور خاص کر بخاری شریف میں اس تصریح سے اس کو لکھ دیا ہے تو بیکار کیوں وقت ضائع کیا جائے۔ ہاں قرآن مجید سے کوئی ثبوت دے سکتی ہو تو وہ البتہ نئی چیز ہوگی۔

حسینی بیگم: قرآن مجید تو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے زمانہ میں ۱۰ھ تک جو کچھ نازل ہونا تھا ہو چکا اور امام حسین علیہ السلام ۶۱ھ میں شہید ہوئے تو قرآن میں اس کا ذکر کیوں کر آتا۔

مولوی صاحب: مگر اشارہ تو ہو سکتا تھا۔

حسینی بیگم: اشارہ کی خوب کہی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ابولولوۃ کے ہاتھ سے قتل کیے گئے اس کا ذکر یا اشارہ قرآن شریف میں کہاں ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت مسلمانوں ہی کے ہاتھ سے ہوئی اس کا اشارہ کہاں ہے۔ حضرت علی علیہ السلام ابن ملجم کے ہاتھ سے شہید ہوئے اس کا اشارہ قرآن شریف نے کہاں کیا ہے نہ ان باتوں کی ضرورت تھی نہ واقعہ

کربلا کے اشارہ کا کوئی ایسا کام تھا مگر چند آیتیں ہیں جن کے صرف الفاظ و معانی پر غور کرو اور انصاف سے دیکھوتو سواء واقعہ کربلا کے وہ کسی پر چسپاں نہیں ہوسکتیں۔

مولوی صاحب: اے سبحان اللہ اب آپ قرآن شریف میں بھی اجتہاد کریں گی اچھا جناب مجتہد صاحب ارشاد تو فرمایئے کہ قرآن مجید کی کن آیتوں سے آپ واقعہ کربلا کی طرف اشارہ بتاتی ہیں۔

حسینی بیگم: میرا خیال ہے کہ بتانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا کیونکہ آپ مذاق کے موڑ میں ہیں اور میں شہادت حسینؑ کا موضوع ہنس ہنس کر نہیں بتاسکتی۔

مولوی صاحب: لوتم روٹھنے لگیں۔ سچ بتاؤ تو کن آیتوں سے آشارہ نکالتی ہو۔

حسینی بیگم: جی معاف کیجئے جب آپ پہلے ہی ہٹ دھرمی کرنے کو تیار بیٹھے ہیں تو کچھ کہنا بیکار ہے۔ کیونکہ میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا ہے کہ صرف ان آیتوں کے الفاظ اور معانی پر غور کرنے سے واقعہ کربلا کی طرف اشارہ معلوم ہوسکتا ہے۔ کسی عالم کا قول یا کسی کی کوئی عبارت پیش کرنے کا دعوی مین نے نہیں کیا۔

مولوی صاحب: خیر معاف کرو۔ اب ان آیتوں کو جلد بتاؤ میں پریشان ہورہا ہوں۔

حسینی بیگم: تیسویں پارے میں سورہ الفجر ہے جس میں خدا فرماتا ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ والفجر ولیال عشر یعنی صبح کی قسم اور دس راتوں کی قسم۔ آپ ہی بتایں کہ وہ کون سی صبح ہے اور کون سی راتیں ہوسکتی ہیں۔ جن کی قسم خدا کھاتا ہے جو دنیا کی ایسی ہی بے مثل و نظیر صبح بھی ہوگی اور راتیں بھی ہوں گی جن کی عزت و حرمت خدا کے ہاں اس قدر ہے کہ وہ ان کی قسم کھاتا ہے۔

مولوی صاحب: (اٹھے ہوئے گئے اور شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد صاحب مرحوم دہلوی کی مترجم حمائل شریف اٹھا لائے اور کہا) دیکھو مولانا نذیر احمد صاحب نے لکھا ہے ''دس راتوں سے بقرعید کی دس راتیں مراد ہیں یا محرم کی یا عشرہ رمضان کی جس میں شب قدر ہوتی ہے''۔ (مطبوعہ لکھنؤ، ص ۹۴۵)

حسینی بیگم: (فوراً بغل کے تخت پر سجدہ شکر بجالا کر بولیں) خدا کا لاکھ لاکھ شکر کہ اس نے اس بحث کو بہت آسان کر دیا۔ اللہ آپ کا بھلا کرے کہ مولانا نذیر احمد صاحب کی عبارت آپ نے ہی پڑھ دی۔ یہ حق کا زور ہے کہ آپ نے وہ عبارت نکالی جس سے چند منٹ میں فیصلہ ہو جا سکتا ہے۔

مولوی صاحب: اس سے کیا مطلب۔ مولانا نذیر احمد صاحب کی عبارت سے کیسے فیصلہ ہو جائے گا۔

حسینی بیگم: ممدوح نے دس راتوں کی تفسیر میں تین احتمال لکھے ہیں (۱) بقرعید کی دس راتیں، (۲) رمضان کی دس راتیں، (۳) محرم کی دس راتیں۔ اگر عقل سے کام لیا جائے تو پہلے دونوں احتمال بالکل مضحکہ خیز خیال ثابت ہو جائیں۔ اس جگہ خدا ایک صبح اور دس راتوں کی قسم کھاتا تو ضرور ہے کہ وہ ایک صبح اور دس راتیں ایسی نادر ہوں جن کی قسم کھائی جا سکے۔

مولوی صاحب: ہاں یہ تو ضروری ہے ورنہ قسم کھیل ہو جائے گی۔

حسینی بیگم: بس تو بتاؤ کہ بقرعید کی دس راتوں کو کیا خصوصیت ہے جس سے خدا ان کی قسم کھاتا۔ آٹھویں، نویں، دسویں کی عزت معلوم ہے کہ حج کے کئی کام ان میں کیے جاتے ہیں۔ اسی طرح بقرعید کی ۱۱۔۱۲۔۱۳ کی خصوصیت معلوم ہے کہ ایام تشریق ہیں مگر پہلی ذی الحجہ سے ساتویں ذی الحجہ تک میں کیا بات ہے جس کی وجہ سے خدا ان سب کی قسم کھاتا ہے۔ یہ خدا کا کلام ہے۔ بچوں کا کھیل نہیں کہ بغیر کسی وجہ یا سبب کے کوئی بات کرے۔

مولوی صاحب: ہاں یہ بات تو صحیح ہے ان سب راتوں کی تو کوئی نمایاں خوبی معلوم نہیں ہوتی۔

حسینی بیگم: اور بقرعید یعنی دسویں ذی الحجہ کی فجر کی بھی کوئی خصوصیت نہیں کیونکہ اس میں نماز عید چاشت کے وقت ہوتی ہے اور قربانی بھی اس وقت کی جاتی ہے بلکہ زیادہ تر نماز بقرِعید کے بعد قربانی کی جاتی ہے۔ پھر اس روز کی فجر کی قسم کیوں کھائی جائے جیسی فجر ہر روز کی ہوتی ہے ویسی ہی بقرعید کی بھی ہے۔ غرض نہ بقرعید کی فجر اس قابل ہے کہ اس کی قسم کھائی جائے نہ اس کی دس راتیں اس لائق ہیں کہ سب کو یہ عزت دی جائے اور خدا دس راتوں کی قسم کھاتا ہے تو سب میں کوئی وجہ ہونی چاہیے۔ اب دوسرے احتمال کو دیکھو کہ اس سے مراد ماہ رمضان کی آخری دس

راتیں ہیں مگر ان راتوں میں بھی کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے خدا صرف ان کی قسم کھائے اور پہلی بیس راتوں کی قسم نہ کھائے۔ رہیں شب قدر تو ان کی خصوصیت خدا نے علیحدہ لیلۃ القدر کے ذکر میں بیان کردی اور پھر ان دس راتوں میں وہ فجر کون سی کہی جائے گی جس کی قسم خدا نے کھائی۔اس کو بھی تو بتانا چاہیے۔

مولوی صاحب: کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا پہیلی ہے۔

حسینی بیگم: نہیں پہلی وہیلی تو کچھ نہیں ہے۔صرف عقل کا پھیر ہے۔خدا نے صاف صاف محرم کی دس راتوں اور عاشوراء کی صبح کی قسم کھائی ہے اور اس کے سوا کوئی احتمال چسپاں نہیں ہوسکتا کیونکہ دس راتیں حضرت امام حسینؑ اور آپ کے اہل بیتؑ پر اس قیامت کی گزری ہیں جن کی مثال تاریخ دنیا پیش نہیں کرسکتی اور پھر عاشوراء کی فجر بھی ویسی ہی تھی کہ رات بھر لشکر امام حسینؑ عبادت خدا کرتا رہا اور فجر ہوتے ہی دین اسلام کی حمایت میں جان دینے پر کمربستہ ہوگیا۔ نہ ویسی صبح کبھی ہوئی نہ ویسی دس راتیں کبھی آئیں۔بس جس طرح خدا نے آفتاب کی قسم کھائی کہ وہ اپنی مثال نہیں رکھتا۔اسی طرح خدا نے ۱۰ محرم ۶۱ ھ کی فجر اور ان دس راتوں کی قسم بھی کھائی کہ وہ بھی بے نظیر گزری ہیں۔اسی وجہ سے تفاسیر میں بھی محرم کی ان دسوں راتوں کا ذکر کردیا ہے۔ اب عقل والے خود طے کرلیں کہ وہ فجر اور وہ دس راتیں کون سی تھیں۔

مولوی صاحب: کن تفسیروں میں ان دسوں راتوں سے محرم کی دسوں راتیں مراد لی ہیں۔

حسینی بیگم: آپ نے خود ہی مولانا نذیر احمد صاحب دہلوی کی عبارت پڑھی اور بڑے مفسرین نے بھی لکھا ہے۔علامہ فخری الدین رازی نے لکھا ہے **المراد فجر المحرم**۔یعنی ''والفجر سے خدا کی مراد محرم کی صبح ہے'' (تفسیر کبیر جلد ۸،ص ۵۵۷)۔علامہ سیوطی نے بھی لکھا ہے:

عن ابن عباس فی قوله والفجر قال هو المحرم

یعنی ''حضرت ابن عباس بیان کرتے تھے کہ خدا نے جس صبح کی قسم کھائی ہے وہ محرم کی صبح ہے'' (تفسیر در منثور جلد ۶،ص ۳۴۴)۔ یہ ضرور ہے کہ ان مفسرین نے خاص ۱۰ محرم ۶۱ ھ کی صبح مراد نہیں لی ہے مگر عقل سے کام لیا جائے تو اس کے سوا کوئی صبح مراد نہیں ہوسکتی۔اسی طرح دس

راتوں کو بھی مفسرین نے محرم کی لکھی ہیں۔ علامہ فخر الدین رازی نے لکھا ہے:

انها عشر المحرم من اوله الی آخره وهو تنبیه علی شرف تلك الایام وفیها یوم عاشوراء

یعنی ''یہ دس راتیں محرم کے پہلے عشرہ کی ہیں پہلی سے دسویں تک اور خدا نے ان دسوں راتوں کیقسم اس لیے کھائی کہ لوگوں کو یاد رہے کہ یہ دس دن اپنے شرف و بزرگی میں خاص درجہ رکھتے ہیں کیونکہ انھیں دنوں میں عاشورا بھی ہے'' (تفسیر کبیر جلد ۸، ص ۵۵۷)۔

اور محرم ہی کی دس راتوں اور عاشوراء کی فجر کے مراد ہونے کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ محرم سب مہینوں سے بہتر اور سب کا سردار ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے فرمایا ہے

سید الاشر المحرم ماہ محرم ہے یعنی ''کل مہینوں کا سردار ماہ محرم ہے'' (منتخب کنز العمال جلد ۴، ص ۳۲۰)۔

المحرم شهر الله تاب الله فيه على قوم و يتوبفيه على قوم۔ یعنی ''محرم خدا کا مہینہ ہے۔ پہلے بھی خدا اس مہینہ میں ایک قوم کی توبہ قبول کر چکا ہے اور آئندہ بھی ایک قوم کی توبہ اس میں قبول کرے گا (منتخب کنز العمال جلد ۵، ص ۳۸۱)۔ آنحضرتؐ نے یہ بھی فرمایا ہے: **افضل الشهور المحرم** یعنی ''کل مہینوں سے افضل ماہ محرم ہے''۔ (منتخب کنز العمال جلد ۶، ص ۳۵۰)

مولوی صاحب: ہاں ان باتوں سے تو دل یہی کہتا ہے کہ یہ دس راتیں محرم ہی کی پہلی سے دسویں تک ہیں اور یہ فجر عاشوراء ہی کی فجر ہے۔

حسینی بیگم: قرآن مجید کی دوسری آیت دیکھو جس میں واقعہ کربلا کی طرف اشارہ ہے۔ **ومن عاقب بمثل ما عوقب به ثم بغي عليه لينصرنه الله**

یعنی ''جس شخص نے دشمن کو اتنا ہی ستایا جتنا خود (اس دشمن سے) ستایا گیا تھا پھر دشمن کی طرف سے اس پر زیادہ ظلم کیا گیا تو خدا (آخرت میں اس مظلوم کی) ضرور مدد کرے گا'' (پارہ ۱۷، ع ۱۵)۔ یہ آیت بھی امام حسینؑ کی شہادت اور واقعہ کربلا کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بنی امیہ اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ آلہ وسلم میں جنگ ہوتی رہی تو رسول

خدا صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے بنی امیہ کا مقابلہ کیا اس کے بعد یزید نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے فرزند امام حسینؑ کو قتل کر کر دیا تو خدا ضرور آپؐ کی اولاد سے حضرت امام مہدی کی مدد کرے گا۔ یہ آیت قتل امام حسینؑ اور واقعہ کربلا کی طرف اشارہ ہے۔ (دیکھو کتاب ینابیع المودۃ مطبوعہ بمبئی ص ۳۵۶)۔ تیسری آیت دیکھو یہی علامہ قندوزی حنفی لکھتے ہیں۔

قولہ تعالیٰ ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیہ سلطانا فلا یسرف فی القتل انہ کان منصورا۔ نزل فی الحسین والمہدی علیہما السلام۔ یعنی ''خدا نے جو فرمایا ہے کہ جو شخص ظلم سے قتل کیا جائے گا تو ہم اس کے ولی کو غلبہ دیں گے جس کو مناسب ہے کہ بدلہ لینے میں اسراف نہ کرے یقیناً اس کی مدد خدا کی طرف سے کی جائے گی'' (پارہ ۱۵، ع ۴)۔ یہ آیت امام حسینؑ اور حضرت مہدی علیہما السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے کہ چونکہ حضرت امام حسینؑ ظلم سے شہید کیے گئے۔ اس وجہ سے حضرت کے آخری جانشین حضرت امام مہدی علیہ السلام کو ضرور ان یزیدیوں اور دشمنان خدا پر غلبہ دے گا اور حضرتؑ امام مہدیؑ کی مدد کی جائے گی۔ یہ آیت بھی واقعہ کربلا ہی کے بارے میں نازل ہوئی جیسا کہ ہم لوگوں کے امام شیخ سلیمان قندوزی نے جو قسطنطنیہ کے شیخ الاسلام تھے لکھ دیا ہے۔ (ینابیع، ص ۳۵۶)

مولوی صاحب: بڑے تعجب کی بات ہے کہ اتنے بڑے شیخ الاسلام نے ان باتوں کو اپنی کتاب میں کیسے لکھ دیا۔

حسینی بیگم: انھوں نے ان سب کو یقینی جانا اس وجہ سے ان کا درج کرنا اپنا فریضہ سمجھے۔

مولوی صاحب: مجھ سے تو کچھ بولا ہی نہیں جاتا ہے۔

حسینی بیگم: اس چوتھی آیت کو بھی دیکھو

ونادیناہ ان یا ابراھیم قد صدقت الرءیا انا کذلک نجزی المحسنین ان ھذا الھو البلاء المبین وفدیناہ بذبح عظیم۔ یعنی ''ہم نے حضرت ابراہیم سے پکار کر کہا کہ اے ابراہیم تم نے اپنا خواب سچ کر دکھایا۔ ہم نیک بندوں کو اسی طرح اچھا بدلہ دیتے ہیں بے شک یہ کھلا ہوا امتحان تھا اور ہم نے بڑی قربانی کو اسمٰعیل کا فدیہ دیا'' (پارہ ۲۳، ع ۷)۔

جناب خان بہادر خلیفہ سید محمد حسن صاحب وزیر اعظم ریاست پٹیالہ نے اپنی کتاب میں قرآن مجید کی پیشن گوئیاں لکھتے ہوئے تحریر فرمایا ہے جو انصاف اور حق کے مطابق ہے۔ دوسری پیشن گوئی اس امام مظلوم کی شہادت کی خبر ہے جس کو خود اس کے نانا رسول خدا صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی امت کے بعض بد بخت لوگوں نے تین دن کا بھوکا پیاسا مع دوستوں اور عزیزوں اور بھائیوں اور بھتیجوں کے حق بات کہنے اور کرنے اور ناحق بات کے نہ ماننے پر شہید کیا۔ یہاں تک کہ چھ مہینہ کے شیر خوار بچہ تک کو زندہ نہ چھوڑا اور عین سجدہ کی حالت میں اس کا سر مبارک کاٹ لیا اور اس کے اور تمام شہیدوں کے سروں کو نیزوں پر چڑھایا اور لاشوں کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندا۔ مال واسباب لوٹ لیا اور خیموں کو جلا دیا اور اس کی حرم محترم کو قید کر کے بے مقنع و چادر ننگی پیٹھ کے اونٹوں پر بٹھا کر جن کی مہار اس کا بیمار و ناتواں فرزند (جو صرف ایک وہی زندہ باقی رہ گیا تھا) گلے میں طوق اور پاؤں میں بیڑیاں پہنے ہوئے کھینچتا تھا! کربلا سے کوفہ و دمشق لے گئے اور اس کی اور اس کے دوستوں اور عزیزوں کی لاشیں خاک و خون میں غلطاں کربلا کی جلتی زمین پر کئی دن تک بے گور و کفن پڑی رہیں جن کا بجز دن کی دھوپ اور رات کی شبنم کے کوئی بھی خبر گیراں نہ ہوا۔ جو ایک ایسا دردانگیز و حسرت خیز عظیم واقعہ ہے کہ جس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ہے۔ قرآن مجید میں خدا نے فرمایا ہے کہ ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے کو جو اس عمر کو پہنچ گیا تھا کہ ان کے ساتھ دوڑ کر چل پھر سکے کہا:

يَا بُنَيَّ اِنِّی اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّی اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَا ذَا تَرٰی قَالَ يَا اَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصَّابِرِيْنَ فَلَمَّا اَسْلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ وَنَادَيْنَاهُ اَنْ يَّا اِبْرَاهِيْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِيْنَ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِيْنُ وَ فَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ وَ تَرَكْنَا عَلَيْهِ فِی الْاٰخِرِيْنَ (سورہ صافات)

''یعنی اے فرزند میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تجھ کو قربانی کے لیے ذبح کرتا ہوں۔ پس تو سوچ کہ تیرا دل کیا کہتا ہے؟ بولا ابا جان جو کچھ آپ کو حکم دیا جاتا ہے وہ کیجئے

آپ دیکھ لیں گے کہ میں انشاء اللہ اس کو برداشت کروں گا۔ پس جب دونوں راضی بقضا ہو گئے اور ابراہیمؑ نے اس کو ذبح کرنے کو ماتھے کے بل لٹایا تو ہم نے یہ کہہ کر اس کو پکارا کہ بس اے ابراہیمؑ تو نے اپنا خواب سچ کر دکھایا۔ بے شک ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں سچے دل سے نیکی کرنے والوں کو بے شبہ یہ تو بہت ہی سخت امتحان ہے۔ اور ہم نے اس لڑکے کو ایک بڑی قربانی کے بدلے بچا لیا اور اس کا ذکر خیر پیچھے آنے والوں میں چھوڑا''۔

اس آیہ کریمہ میں جو ''عظیم'' کا لفظ ''ذبح'' یعنی ذبیح کی صفت میں وارد ہوا ہے مفسرین نے اس کی نسبت طرح طرح کی توجیہیں کی ہیں۔ کسی نے کہا ہے کہ ابراہیمؑ نے اس لڑکے کے عوض جو مینڈھا قربانی کیا تھا بڑا اور موٹا تازہ ہونے کی وجہ سے اس کو عظیم کہا گیا۔ کسی کا قول ہے کہ اس سبب سے عظیم کہا گیا کہ اس نے خریف کی چالیس فصلیں بہشت میں چری تھیں۔ کسی نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ وہ وہی مینڈھا تھا جس کو ہابیل بن آدم علیہ السلام نے پہلے پہل قربانی کیا تھا اور جبرئیلؑ اس کو بہشت سے لے آئے تھے کسی نے لکھا ہے کہ ابراہیمؑ کے بیٹے کا فدیہ ہونے کی وجہ سے عظیم کا اطلاق اس پر ہوا مگر ظاہر ہے کہ یہ سب توجیہیں نہایت رکیک ہیں کیونکہ ایک جانور خواہ وہ بہشت ہی کی گھاس سے کیوں نہ پلا ہوا ایک انسان (پھر انسان بھی کیسا کہ نبی اور نبی زادہ) کا ہرگز بدلہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ناقص چیز کامل شے کا عوض نہیں ہو سکتی اور نہ قرآن مجید کی معجزانہ بلاغت کا یہ مقتضا ہے کہ ایک ناچیز جانور پر ''عظیم'' کا اطلاق اس میں ہو اور اس لیے ضروری ہے کہ ابراہیمؑ کے بیٹے کا فدیہ کوئی ویسا ہی مقبول خدا اور عظیم المرتبت ہو جیسا کہ وہ خود تھا۔ پس حق یہ ہے کہ وہ بڑی قربانی جس کے بدلے خدا نے ابراہیمؑ کو بچا لیا تھا وہ تھی جو ۶۱ھ کے ماہ محرم کی دسویں تاریخ کو جمعہ کے روز دو پہر ڈھلنے کے بعد کربلا کے قیامت خیز میدان میں اسی طرح وقوع میں آئی جس طرح ابراہیمؑ کے بیٹے کی قربانی وقوع میں آنے والی تھی یعنی سجدہ کی حالت میں ٹھیک اسی طرح اس کو ذبح کیا گیا جس طرح کہ ابراہیمؑ نے گردن کی طرف سے بیٹے کو ذبح کرنا چاہا تھا۔ ہاں اتنا فرق بے شک ہوا کہ ابراہیمؑ کا بیٹا کمسن لڑکا تھا اور باپ نے ہاتھ

پاؤں باندھ کر اس کو ماتھے کے بل ذبح کرنے کو لٹایا تھا مگر علیؑ کے بیٹے کی عمر ۵۵ سال سے تجاوز کر چکی تھی اور انہوں نے اپنی مرضی اور اختیار سے سجدہ کے لیے اپنا ماتھا زمین پر رکھا تھا۔ ابراہیمؑ کا بیٹا تین دن کا بھوکا پیاسا نہ تھا۔ مگر علیؑ کے بیٹے کو تین دن سے پانی کا ایک قطرہ بھی نصیب نہ ہوا تھا۔ ابراہیمؑ نے ایک مینڈھے کو قربان کیا اور بیٹے کو بچا لیا مگر علیؑ کے بیٹے کے دوستوں اور عزیزوں اور بھائیوں اور بھتیجوں اور بیٹوں اور بھانجوں غرض بہتر سے زیادہ لوگوں نے اپنی جانیں قربان کر ڈالیں مگر پھر بھی اس کو نہ بچا سکے! ابراہیمؑ ہنستا اور خوش ہوتا ہوا بیٹے کو زندہ وسلامت اس کی غمگین اور نزار ماں کے پاس لے گیا مگر علیؑ کے بیٹے کے سر کو دشمن اس کی روتی پیٹتی سر برہنہ بہنوں اور بیٹیوں کے ساتھ ایک شقی ترین خلائق کے خوش کرنے کو اس کے تخت کے سامنے لے گئے! ابراہیمؑ کے بیٹے کی قربانی کا دن اس کی جان سے بچ جانے کی خوشی منانے کے لیے عید قرار پایا مگر علیؑ کے بیٹے کی قربانی کا دن رونے پیٹنے اور سوگ منانے کا دن مقرر ہوا۔

ہمارے اس بیان کو پڑھ کر ناظرین غالبًا یہ خیال کریں گے کہ یہ ایک بالکل نئی بات ہے جس کو مفسرین میں سے کسی نے بھی بیان نہیں کیا (اہلسنت مفسرین نے تو نہیں مگر ملا معین الدین واعظ کاشفی نے اپنی کتاب معارج النبوۃ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی سند پر یہی لکھا ہے جو ہم نے بیان کیا ہے۔ مولف عفی عنہ) مگر ہم کہتے ہیں کہ بیشک عامہ مفسرین نے اس کو بیان نہیں کیا مگر قرآن جن کے گھر میں اترا ہے اور جن کو احد الثقلین کہا گیا ہے انھوں نے اس آیہ شریفہ کی تفسیر میں یہی فرمایا ہے اور یہ ہی حق ہے۔ اگرچہ یہ امر مختلف فیہ ہے کہ وہ لڑکا جس کو حضرت ابراہیمؑ نے قربان کرنا چاہا تھا حضرت اسماعیلؑ تھے یا حضرت اسحاقؑ مگر اس سے اس پیشن گوئی میں کچھ خلل واقع نہیں ہوتا کیونکہ پیشن گوئی کا مقصد صرف اولاد ابراہیمؑ میں سے ایک بڑے شخص کا فدیہ ہونا تھا۔ اسماعیلؑ یا اسحاقؑ کی نسل کی کچھ تخصیص نہ تھی۔ چنانچہ وہ مقصد پورا ہوا اور حضرت اسماعیلؑ کی نسل شریف میں سے حسینؑ بن علی علیہما السلام شہادت عظمیٰ کے رتبے عالیہ پر فائز ہوئے جس کا ذکر نہایت حسرت اور افسوس کے ساتھ تقریبًا دنیا کے تمام حصوں میں ہوتا ہے اور ہوتا رہے گا جو اس وعدہ کی صداقت کی دلیل ہے جو خدا نے آپ کے حق میں فرمایا تھا کہ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي

الْاٰخِرِیْنَ۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کے اس غایب درجہ کے مخلصانہ وصابرانہ فعل کا کہ خدا کے لیے اپنے لخت جگر کو دریغ نہ کیا ہمیشہ تعریف کے ساتھ ذکر ہوتا رہا اور ہوتا رہے گا۔ لیکن اس زور وشور وقیامت کی سی دھوم دھام کے ساتھ نہیں ہوتا جیسا کہ علیؑ کے عظیم المرتبت فرزند کی قربانی کا ذکر خیر ہوتا ہے اور ہوتا رہے گا۔ **وذلك فضل الله يوتيه من يشاء**

یہ پیشن گوئی تو قرآنی تھی جو اپنے وقت پر ٹھیک پوری ہوئی مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کا وحی کے ذریعہ سے اس ہولناک واقعہ کی خبر دینا بھی اس حد کو پہنچ گیا ہے جس میں کسی طرح شبہ نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی اپنی مستند کتاب سر الشہادتین میں لکھتے ہیں کہ: **و اما اخبار النبی صلی الله علیه آلہٖ وسلم بهذه الواقعة الهائله من جهة الوحی بواسطة جبرئیل وغیره من الملائکة فمشهور متواتر۔**

یعنی ''اور خبر دینا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کا اس واقعہ ہولناک سے بواسطہ وحی لانے جبرئیل وغیرہ فرشتوں کے سومشہور اور متواتر ہے''۔ چنانچہ اس کے ثبوت میں انھوں نے بہت سی مستند اور صحیح حدیثیں نقل کی ہیں جن میں بہت تفصیل کے ساتھ اس واقعہ کے ہونے کی خبر دی گئی ہے۔ بس بقول ہمارے فخر قوم مولوی سید امیر علی صاحب۔ ایم۔ اے بیرسٹرایٹ لا۔ سی۔ آئی۔ ای مسلمہ اللہ تعالیٰ کے ''اگر معاصی عباد کا فدیہ اور تقرب خدا کا وسیلہ آدمی کو درکار ہے تو جناب سیدالشہداء حسینؑ بن علیؑ شہید دشت کربلا کی شہادت عظمیٰ سے اس مقصد کی تکمیل ہوگی''۔ اللہ اکبر واقعہ کربلا بھی عجیب دردانگیز وحسرت خیز واقعہ ہے۔ (کتاب اعجاز التنزیل، ص ۴۹۰)

مولوی صاحب: وہ قرآن مجید کے ذبح عظیم سے حسین رضی اللہ عنہ کو مراد لینا بھی عجیب ڈھکوسلا ہے۔

حسینی بیگم: آپ جو چاہو کہو۔ مگر عقل تو کہتی ہے کہ اس کے سوا اور کوئی مطلب ہو ہی نہیں سکتا۔

مولوی صاحب: تعجب ہے کہ تمھاری ایسی ذہین اور عقل کا پتلا بھی یہی مطلب لیتی ہے۔

حسینی بیگم: ذرا تفصیل سے سنو۔ اس آیت میں خدا نے دو ذبح کا ذکر کیا ہے۔ ایک حضرت اسماعیلؑ کا ذبح جس کے لیے حضرت ابراہیمؑ آمادہ ہوئے دوسرا اس کا ذبح جو حضرت اسماعیلؑ کا

فدیہ قرار پایا۔حضرت اسماعیلؑ کے ذبح کو خدا نے معمولی ذبح فرمایا مگر آپ کے بدلہ جو فدیہ ہوا اس کے ذبح کو ذبحِ عظیم فرمایا تو ضروری ہے کہ اس فدیہ کا ذبح حضرت اسماعیل کے ذبح سے عظیم یعنی بڑھا ہوا ہو۔

مولوی صاحب: ہاں اسی وجہ سے تو خدا نے اس کو ذبحِ عظیم فرمایا۔

حسینی بیگم: تو بتاؤ کہ وہ فدیہ کیا ہے۔جس کا ذبح حضرت اسماعیلؑ کے ذبح سے بڑھا ہوا ہے۔

مولوی صاحب: وہ بہشت کا دنبہ تھا جو حضرت اسماعیلؑ کے بدلہ ذبح کیا گیا۔

حسینی بیگم: تو اس کے ذبح کو خدا نے حضرت اسماعیلؑ کے ذبح سے کیوں بڑا فرمایا۔

مولوی صاحب: اس لیے کہ وہ بہشت کا تھا۔

حسینی بیگم: بہشت کا تو دنبہ تھا جو ذبیح ہوا مگر ذبیح کو تو عظیم نہیں فرماتا بلکہ ذبح کو عظیم فرماتا ہے۔یہ تو معمولی بات ہے کہ ذبح اس کام کا نام ہے جس نے کوئی ذی روح مارا یا قتل کیا جاتا ہے اور جو ذی روح ذبح کیا جاتا ہے اس کو ذبیح کہتے ہیں جیسے قتل اور قتیل۔قتل کا معنی ہلاک کرنا اور قتیل کا معنی وہ ذات جو ہلاک کی گئی ہو تو بتاؤ کہ اس دنبہ کے ذبح کرنے میں کون سی بات بڑی تھی جس کی وجہ سے اس کا ذبح ہونا عظیم ہو گیا اور اگر حضرت اسماعیلؑ ذبح ہوتے تو آپ کا ذبح اس کے ذبح سے کم ہوتا۔یعنی اس جگہ دو ذبیحوں اور دو ذبحوں کا ذکر ہے۔دو ذبیح تو حضرت اسماعیلؑ اور (آپ کے قول کے مطابق) بہشت کا دنبہ تھا اور دو ذبح حضرت اسماعیلؑ کا ذبح ہونا اور اس دنبہ کا ذبح ہونا ہوا مگر خدا ذبیح کو عظیم نہیں فرماتا ہے۔جس سے ثابت ہو کہ وہ بہشت کا دنبہ حضرت اسماعیلؑ سے بڑھا ہوا تھا۔بلکہ ذبح کو عظیم فرماتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ اس فدیہ کا ذبح ہونا حضرت اسماعیلؑ کے ذبح ہونے سے بڑھا ہوا تھا۔پس اس کی تحقیق کرو کہ اس فدیہ کے ذبح ہونے میں کیا بات تھی جس سے وہ عظیم ہو گیا اور حضرت اسماعیل کا ذبح ہونا معمولی کام رہ گیا۔

مولوی صاحب: میرے ذہن میں تو اس کی وجہ نہیں آتی مگر کوئی وجہ ضرور ہونی چاہیے۔

حسینی بیگم: بلکہ میں کہتی ہوں کہ اگر بہشت کا دنبہ مراد لیا جائے تو خدا کا کلام جھوٹا (توبہ نعوذ باللہ) ہو جاتا ہے کیونکہ اس صورت میں حضرت اسماعیلؑ ہی کا ذبح ہونا عظیم ثابت ہوگا اور اس

دنبہ کا ذبح ہونا غیر عظیم ہوگا اس لیے کہ حضرت اسماعیلؑ جناب ابراہیمؑ کے فرزند تھے اور وہ دنبہ بہشت کا جانور تھا۔ جانور کا ذبح کرنا کسی کو شاق نہیں ہوتا ہے تو حضرت ابراہیمؑ کو بھی اس دنبہ کا ذبح کرنا کچھ نہیں معلوم ہوا۔ لہٰذا وہ ذبح بالکل معمولی ذبح تھا۔ برخلاف حضرت اسماعیلؑ کے کہ آپ حضرت ابراہیمؑ کے پیارے فرزند تھے اور باپ کے لیے اپنے پیارے فرزند کا ذبح کرنا ایک قیامت ہے تو حضرت اسماعیلؑ ہی کا ذبح ہونا ذبح عظیم ہونا چاہیے مگر خدا نے اس کے برعکس اس فدیہ کے ذبح ہونے کو عظیم فرمایا جس سے یقینی ہے کہ وہ فدیہ بہشت کا دنبہ نہیں تھا بلکہ کوئی ایسا تھا جس کے ذبح کی شان حضرت اسماعیلؑ کے ذبح سے کہیں بڑھی تھی۔ اور جس کا اثر سب کے دلوں کو بے چین کر دینے والا تھا۔

مولوی صاحب: یہ تقریر تو بالکل عقل کے مطابق ہے۔ واقعاً اس دنبہ کے ذبح کرنے میں کیا خصوصیت تھی جس کی وجہ سے اس کا ذبح کرنا عظیم ہو جاتا اور حضرت اسماعیل کا ذبح کرنا معمولی ذبح رہ جاتا تو پھر اس سے کون ذبح مراد ہے۔

حسینی بیگم: آپ خود دیکھیں کہ حضرت اسماعیلؑ کے بعد دنیا کی تاریخ میں کون ذبح ایسا گزرا جو انتہائی سختیوں، حد درجہ کی مظلومیتوں اور بے حد وحساب مصیبتوں کی تصویر نظر آتا ہے۔ بس وہی ذبح عظیم ہے۔ وہی ذبح عظیم ہوسکتا ہے جس کو سن کر سینکڑوں برس کے بعد کے لوگ بھی تڑپ جائیں۔ وہی ذبح عظیم ہوسکتا ہے جو ہزار برس کے بعد بھی لوگوں کو اپنی عظمت سے رلاتا رہے۔ وہی ذبح عظیم ہے جو اپنے تو اپنے غیروں بلکہ دشمنوں کو بھی اپنے غم میں ماتم دار بنا دے۔ وہی ذبح عظیم ہوسکتا ہے جو اس تاریخ کے آتے ہی جس روز وہ ذبح واقع ہوا تمام دنیا میں انقلاب پیدا کر دے اور سب میں ہمدردی کا جذبہ جوش مارنے لگے۔

مولوی صاحب: تمھارا مطلب واقعہ کربلا ہے۔ البتہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذبح ہونا نرالا تھا ویسا ذبح آج تک نہیں ہوا۔

حسینی بیگم: بس۔ جب حضرتؑ کے ایسا ذبح دنیا کی تاریخ پیش نہیں کرسکتی تو حضرت کے سوا دوسرا کوئی ذبح بھی عظیم نہیں ہوسکتا۔ جو لوگ بہشت کے ایک دنبہ کو حضرت اسماعیلؑ کا فدیہ قرار

دے کر اس جانور کے ذبح کو حضرت اسماعیلؑ کے ذبح کے مقابلہ میں عظیم کہتے ہیں۔ ان کو نہ حضرت ابراہیمؑ کی معرفت ہے نہ حضرت اسماعیلؑ کی قدر۔ نہ وہ نبوت کی حقیقت سے واقف ہیں نہ خدا کو پہچانتے نہ اس کو عادل یا عاقل سمجھتے ہیں۔ معاذ اللہ کسی جانور کے ذبح کو حضرت اسماعیلؑ کے ذبح سے بڑھا سکتا ہے؟ پھر ایسے خدا کو کیا کہیں گے تو کیا سمجھیں گے؟ ماننا پڑے گا کہ اس سے مراد حضرت امام حسین علیہ السلام کا ذبح ہے جن کا ذبح ہونا حضرت اسماعیلؑ کے ذبح ہونے سے کئی وجہوں سے بڑھا ہوا تھا۔

(۱) حضرت اسماعیلؑ اپنے وطن میں ذبح کیے جا رہے تھے اور حضرت امام حسینؑ اپنے شہر بلکہ اپنے ملک سے بہت دور عالم مسافرت میں ذبح کیے گئے۔

(۲) حضرت اسماعیلؑ کو خدا کے حکم سے حضرت ابراہیمؑ ذبح کرنا چاہتے تھے جو باپ تھے اور جو کوئی سختی حضرت کے ساتھ نہیں کر سکتے تھے۔ مگر امام حسین علیہ السلام کو سخت ترین دشمنوں نے نہایت بے رحمی سے ذبح کیا۔

(۳) حضرت اسماعیلؑ کے ذبح کا سامان یہ کیا گیا کہ آپ لٹائے گئے اور صرف چھری آپ کی گردن پر پھیر دی جاتی مگر امام حسینؑ اس طرح ذبح کیے گئے کہ آپ پر ہزاروں تلوار نیزے۔ تیر بلکہ پتھروں کے زخم پہلے لگائے گئے تب گردن کے پیچھے آپ کا سر جدا کیا گیا۔

(۴) حضرت اسماعیلؑ کے ذبح کا جب سامان ہوا تو ان پر کھانا پانی بند نہیں کر دیا گیا تھا مگر حضرت امام حسین علیہ السلام کا ذبح ایسا تھا کہ حضرت ان مصائب میں بھی مبتلا کر دیئے گئے تھے۔

(۵) حضرت اسماعیلؑ کے ذبح کا جب ارادہ کیا گیا تو آپ کا دل و دماغ آپ کے دوستوں، ساتھیوں، بھتیجوں، بھانجوں، بھائیوں اور بیٹوں کے داغ سے زخمی نہیں ہوا تھا مگر امام حسینؑ کا ذبح ایسا تھا جو یہ سب دیکھنے کے بعد انجام پایا اور سب سے بڑی وجہ تو یہ ہے کہ (۶) حضرت اسماعیلؑ ذبح ہوتے تو اس سے حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے کمالات کی تکمیل نہیں ہوتی مگر حضرت امام حسین علیہ السلام کا ذبح ایسا تھا جس سے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو شہادت کا درجہ حاصل ہو گیا اور حضرتؐ کے کمالات پورے ہو گئے۔ اب انصاف کرو کہ ذبح

عظیم سے مراد اس دنبہ کا ذبح ہوسکتا ہے جو بہشت سے آیا تھا اور جس میں کوئی عظمت نہیں تھی یا امام حسین علیہ السلام کا ذبح جن میں اتنی خصوصیات اور اس قدر امتیازات موجود ہیں اور جس کے سبب سے حضرت سید المرسلین خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے فضائل کی کمی جاتی رہی اور آپ کے کمالات پورے ہو گئے۔ آخر میں اس دنبہ کے ذبح اور حضرت امام حسینؑ کے ذبح کے بارے میں صرف یہ کہوں گی کہ ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔

مولوی صاحب: تمھاری تقریر نے مجھ پر جادو کا اثر کیا اور مجھے یقین ہو گیا کہ ذبح عظیم سے اس بہشتی دنبہ کا ذبح سمجھا جانا بالکل خلاف عقل ہے۔ یقیناً حضرت امام حسینؑ ہی کا ذبح مراد ہے۔ دوسرا کوئی احتمال ممکن ہی نہیں ہے۔

حسینی بیگم: اسی وجہ سے ہمارے بہت سے علماء نے اپنی کتابوں میں ذبح عظیم سے مراد حضرت امام حسین علیہ السلام ہی کو لکھا ہے۔ صرف ایک کتاب کی عبارت سن لو۔

جناب مولانا معین کاشفی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے درجات کو عالم انوار میں دیکھ کر خدا سے پوچھا خداوند درمیان آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایں درجہ کراست خطاب آمد کہ فرزندار جمند اسماعیلؑ راست کہ موسوم بہ حسین است کہ دختر زادہ رسول آخر الزماںؐ است محمد صلی اللہ علیہ آلہ وسلم۔ گفت یارب من اورا دوست تر از اسماعیلؑ می درارم۔ حق تعالیٰ فرمود کہ من اورا بفدیہ اسماعیلؑ قبول کردم۔

یعنی اے خدا آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان یہ کس کا درجہ ہے؟ خطاب آیا کہ پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے فرزندار جمند اسماعیل کا ہے جن کا اصلی نام حسینؑ ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے عرض کی اے خدا میں تو اپنے دل میں اپنے اسماعیل سے بھی زیادہ ان کی محبت پاتا ہوں۔ خدا نے فرمایا:

میں نے انھیں کو اسماعیلؑ کا فدیہ قبول کیا ہے۔

پھر لکھتے ہیں مراد بذبح عظیم حسین بن علی است وفدیہ اسماعیلؑ اوست نہ کیشے چہ آں سنتے است کہ اساس نہادہ اند۔ دگو سفند را چہ محل کہ حق تعالیٰ اورا در قرآن ذبح عظیم خواند

''یعنی ذبح عظیم سے مراد امام حسینؑ کا ذبح ہے اور وہی حضرت جناب اسماعیلؑ کے فدیہ ہیں۔ کوئی دنبہ حضرت اسماعیلؑ کا فدیہ نہیں ہوسکتا اور یہ دنبہ جو بقرعید میں ذبح ہوتا ہے یہ تو ایک سنت ہے جس کو حضرت ابراہیمؑ نے قائم کیا۔ اس کو حضرت اسماعیلؑ کے فدیہ ہونے سے کیا تعلق ہے اور کسی دنبہ کی کیا حقیقت ہے کہ خدا اس کو قرآن مجید میں ذبح عظیم فرمائے۔ (معارج النبوۃ مطبوعہ لکھنؤ جلد ا،ص ۳۵۵)

مولوی صاحب: واہ واہ واہ۔ تم اپنے دعویٰ پر عقل سے تو بہت سی دلیلیں پیش کرتی ہو۔ کسی عالم کا قول بھی ضرور دکھا دیتی ہو۔ تم تو پوجنے کے قابل ہو۔

حسینی بیگم: آپ کے (اہل حدیث بھائیوں کے) پیشوائے اعظم جناب مولانا وحید الزماں خاں صاحب نے بھی لکھا ہے **الذبح العظیم الحسین**۔ ذبح عظیم سے اس آیت میں **و فدینا بذبح عظیم** امام حسینؑ کی شہادت مراد ہے۔ یہ تفسیر امامیہ کی ہے۔ (انوار اللغۃ پارہ ۹، ص ۷)

مولوی صاحب: خیر انھوں نے تو لکھ دیا کہ یہ تفسیر امامیہ کی ہے جو ہم لوگوں کے لیے حجت نہیں ہوسکتی ہے۔

حسینی بیگم: حجت کیوں نہیں ہوسکتی۔ انھوں نے بھی اس کو صحیح مان لیا۔ ایسا نہ ہوتا تو اس پر اعتراض کرتے اس کو رد کر دیتے یا اس کا جواب لکھتے مگر ایسا نہیں کیا۔ حالانکہ جو بات ان کے خلاف ہوتی ہے اس کا جواب ضرور لکھتے ہیں۔ چنانچہ اس سے دو ہی صفحہ پہلے لکھا ہے کہ جناب امیرؑ نے فرمایا:

''اگر میرے طرف دار ۳۰ مرد بھی ہوتے تو میں مکھی خورنی کے بیٹے کو خلافت سے ہٹا دیتا ان کو خلیفہ نہ بننے دیتا یہ روایت امامیہ نے اپنی کتابوں میں کی ہے اور ہمارے نزدیک یہ محض افتراء ہے (انوار اللغۃ پارہ ۹، ص ۴)۔ دیکھو یہاں بھی امامیہ کی روایت لکھی مگر اس سے مولانا مرحوم کو اختلاف تھا تو لکھ دیا کہ یہ محض افتراء ہے۔ مگر ذبح کی روایت کے بارے میں کچھ نہیں لکھا تو معلوم ہوا کہ مولانا اس روایت کو صحیح جانتے ہیں جس سے واضح ہوگیا کہ وہ بھی حضرت امام حسین علیہ السلام ہی کے ذبح کو عظیم مانتے ہیں۔

مولوی صاحب: تمھاری منطقی دلیلوں کا میرے پاس کیا کسی کے پاس جواب نہیں ہے۔ بے شک اس سے واضح ہوتا ہے کہ مولانا بھی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کو ذبح عظیم جانتے تھے۔

حسینی بیگم: اور حضرت غوث اعظم نے لکھا ہے وفداہ اللہ الیہ یوم عاشورا یعنی خدا نے عاشورا ہی کے روز حضرت اسماعیلؑ کا فدیہ مقرر کیا (غنیۃ الطالبین، ص ٦)۔ یہ بھی اس کی دلیل ہے کہ ذبح عظیم سے مراد امام حسینؑ ہی کا ذبح ہے۔ قرآن مجید کی ایک اور آیت سن لو۔ جس سے واقعہ کربلا کا ثبوت ملتا ہے۔ وہ پانچویں آیت یہ ہے۔ خداوند عالم قرآن مجید پارہ ۲۵ سورہ دخان رکوع ۱۴/۱۱ میں ارشاد فرماتا ہے:

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ وَمَا كَانُوا مُنْظَرِينَ

یعنی ''ان لوگوں پر نہ آسمان رویا نہ زمین اور نہ ان کو مہلت ہی ملی''۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ خدا کے بندے کچھ ایسے بھی ہیں جن پر آسمان اور زمین روتے ہیں۔ اسی وجہ سے خدا نے یہاں بعض خاص بندوں کے متعلق جو قوم فرعون سے تھے فرمایا کہ وہ بندے ویسے نہیں تھے جن پر آسمان یا زمین روئے بلکہ وہ دوسرے خدا کے مقرب بندے ہیں۔ تفاسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان و زمین خاص خاص بندوں پر گریہ کرتے ہیں۔ چنانچہ علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

ذکر انهم لم يكونوا يعلموا على وجه الارض عملا صالحا يبكي عليهم ولم يصعد لهم الى السماء من كلامهم ولا من عملهم كلام طيب ولا عمل صالح فتفقدهم فتبكي عليهم۔

یعنی ''حضرت رسول خداؐ نے اس آیت کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ ان لوگوں نے روئے زمین پر کوئی ایسا اچھا کام کیا ہی نہیں تھا جو ان لوگوں پر آسمان روتا اور ان کے کلام سے کوئی اچھی بات اور ان کے عمل سے کوئی عمدہ عمل بھی آسمان پر نہیں پہنچا جس کی وجہ سے وہ لوگ یاد آتے اور ان پر آسمان و زمین گریہ کرتے''۔ (درمنثور جلد ٦، ص ۳۰)

علامہ فخر الدین رازی بھی اس روایت کو نقل کرتے ہیں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں

هذا قول اکثر المفسرین
یعنی اکثر مفسرین کا قول یہی ہے (تفسیر کبیر جلد ۷، ص۴۷۱)۔

عن ابن عباسؓ انہ سئل عن قولہ فما بکت علیھم السماء ولارض ھل بتکی السماء والارض علی احد قال نعم
یعنی ''لوگوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی آیت **فما بکت علیھم السماء** کو پوچھا کہ کیا کسی شخص پر آسمان و زمین بھی روتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں'' (تفسیر درمنشور جلد ۶، ص۳۰)۔

اور علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں قرء رسولؐ اللہ فما بکت علیھم السماء والارض ثم قال انھما لا یبکیان علی الکافر
یعنی ''حضرت رسول خداؐ نے اس آیت فما بکت کو تلاوت کرنے کے بعد فرمایا کہ کافر پر آسمان و زمین نہیں روتے ہیں''۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۹، ص۱۶۱)

آسمان کس طرح روتا ہے؟

اب یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ آسمان کس طرح روتا ہے اور ہمیں اس کی خبر کیوں کر ہوتی ہے۔ یہی علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

عن عطاء رضی اللہ عنہ قال بکاء السماء حمرۃ اطرافھا
''جناب عطاء رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ آسمان اس طرح روتا ہے کہ اس کے تمام کنارے سرخ ہو جاتے ہیں''۔

عن الحسن رضی اللہ عنہ قال بکاء السماء حمرتھا
یعنی ''حسن بصری رضی اللہ عنہ بیان کرتے تھے کہ آسمان جب سرخ ہو جاتا ہے تو یہی اس کا رونا ہے'' (درمنشور جلد ۶، ص۳۰)۔

اور علامہ محمد بن حریر طبری لکھتے ہیں ان بکاء السماء حمرۃ اطرافھا یعنی ''آسمان کا رونا یہ ہے کہ اس کے کنارے سب سرخ ہو جاتے ہیں'' (تفسیر جامع البیان علامہ طبری مطبوعہ

مصر جلد ۲۵، ص ۶۸)۔

علامہ نظام الدین نیشاپوری لکھتے ہیں

وجوز كثير من المفسرين ان يكون البكاء حقيقة وجعلوا الخسوف الكسوف والحمرة التى تحدث فى السماء وهبوب الرياح العاصفة من ذلك

یعنی "بہت سے مفسرین نے کہا ہے کہ آسمان حقیقت میں رو سکتا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ چاند گہن، سورج گہن ہونا یا آسمان میں سرخی پیدا ہو جاتی ہے یا تیز تند ہوائیں یہ سب آسمان کا رونا ہے"۔ (تفسیر نیشاپوری مطبوعہ مصر جلد ۲۵، ص ۷۳)

آسمان وزمین کا امام حسینؑ پر رونا

اب دیکھنا یہ چاہیے کہ دنیا میں وہ کون افرد ہیں جن پر آسمان و زمین روتے ہیں۔ یہی علامہ سیوطہ لکھتے ہیں:

عن ابراهيم رضى الله عنه قال ما بكت السماء منذ كانت الدنيا الا على اثنين قيل بعبيد اليس المساء والارض تبكى على المومن قال ذاك مقامه و حيث يصعد عمله قال و تدرى ما بكاء السماء قال لا قال تحمرو تصير وردة كالدهان ان يحيىٰ بن زكريا لماقتل احمرت السماء و قطرت دما وان حسين بن على يوم قتل احمرت السماء۔

"یعنی ابراہیمؒ بیان کرتے تھے کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی آج تک سوا دو بزرگوں کے آسمان وزمین کسی شخص پر نہیں روئے۔ لوگوں نے راوی سے پوچھا کیا آسمان وزمین مومن پر نہیں روتے؟ تو اس نے کہا یہ بات اس کے مقام کو اور اس جگہ کو حاصل ہے جہاں اس کا عمل خیر جاتا ہے پھر پوچھا جانتے ہو آسمان کس طرح روتا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ نہیں کہا وہ سرخ اور ایسا لال ہو جاتا ہے جیسا گرم سرخ تیل ہوتا ہے۔

جب یحییٰ بن زکریا قتل کیے گئے تو آسمان سرخ ہوگیا تھا اور اس سے خون برستا تھا اور حضرت امام حسینؑ جس روز شہید کیے گئے اس روز بھی آسمان سرخ ہوگیا تھا''۔

پھر لکھتے ہیں:

عن زید بن زیاد رضی الله عنه قال لما قتل الحسين احمرت افاق السماء اربعة اشهر

یعنی ''زید بن زیادؓ بیان کرتے تھے کہ جب امام حسینؑ شہید کیے گئے تو اس کے بعد چار مہینہ تک آسمان کے کنارے سرخ ہی رہے'' (درمنثور جلد ۶ ص ۳۱)

او حی الله الی محمد صلی الله علیه آله وسلم انی قتلت بیحیی بن زکریا سبعین الفا وانی قاتل بابن ابنتك سبعین الفا و سبعین الفا

یعنی ''خدا نے رسول خدا صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی طرف وحی کی کہ میں نے حضرت یحییٰ بن زکریا کے عوض ستر ہزار افراد کو قتل کیا اور تمھاری پارہ جگر فاطمہ زہراءؑ کے لال امام حسین علیہ السلام کے عوض ایک لاکھ چالیس ہزار کو قتل کروں گا'' (درمنثور جلد ۴ ص ۲۶۴)

اور جناب نواب مولوی صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی لکھتے ہیں:

قال السدی لما قتل الحسين رضی الله عنه بكت عليه السماء وبكاوها حمرتها

یعنی ''سدی نے بیان کیا کہ جب امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید کیے گئے تو حضرت پر آسمان روتا رہا اور اس کا رونا اس کا سرخ ہو جانا تھا'' (تفسیر فتح البیان جلد ۸ ص ۳۲۶)

اور علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے

ان یحییٰ بن زکریا علیه الصلوة و السلام لما قتل احمرت السماء و قطرت دما وان الحسين بن علی رضی الله عنهما لما قتل احمرت السماء

یعنی ''جناب یحییٰ بن زکریا جب قتل ہوئے تو آسمان سرخ ہوگیا اور خون کی بارش ہوئی اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ جب شہید ہوئے تب بھی آسمان سرخ ہوگیا''۔

و ذکروا ایضافی مقتل الحسین رضی الله عنه ما قبل حجر یومئذ الا وجد تحته دم عبیط انه کسفت الشمس واحمر الافق وسقطت حجارة

یعنی ''لوگوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جو پتھر جہاں سے اٹھایا جاتا تھا اس کے نیچے خون تازہ جوش مارتا ہوا نکلتا تھا اور آفتاب کو گہن لگ گیا اور آسمان کے کنارے سرخ ہو گئے اور پتھر ساقط ہوگیا'' (تفسیر ابن کثیر مطبوعہ مصر جلد ۹، ص ۱۶۳)۔

اور علامہ محمد بن جریری لکھتے ہیں

عن السدی لما قتل الحسین بن علی رضوان الله علیهما بکت السماء علیه وبکاؤها حمرتها

یعنی ''سدی بیان کرتے ہیں کہ جب امام حسین بن علی رضوان اللہ علیہما کی شہادت ہوئی تو حضرتؓ پر آسمان روتا رہا اور اس کا رونا اس کا سرخ ہو جانا تھا'' (تفسیر جامع البیان جلد ۲۵، ص ۶۸)

اور جناب مولوی عبیداللہ صاحب بسمل امرتسری لکھتے ہیں: ''ان قدرتی آثار کا بیان ہے کہ جناب امام حسین علیہ السلام کی شہادت سے ناظرین کی عبرت کے لیے نمودار ہوئے۔ بصریہ زویہ کہتی ہیں کہ جب امام حسین علیہ السلام شہید کیے گئے تو مینہ برسا صبح ہمارے ڈول اور ہمارے مٹکے اور ہماری ہر ایک شے خون سے لبالب تھی۔ زہری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھ کو یہ خبر لگی ہے کہ جناب امام حسینؓ کی شہادت کے روز بیت المقدس کا کوئی پتھر نہیں اٹھایا گیا کہ اس کے نیچے خون تازہ نہ پایا گیا ہو۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میری دادی بیان کرتی تھیں کہ میں جناب امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے دن جوان لونڈی تھی آسمان کئی دن تک ان پر روتا

رہا۔ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسالت مآب فرماتے تھے کہ آسمان یحییٰ بن زکریا کے قتل پر روتا رہا اور میرے بیٹے کے قتل سے روئے گا۔ بیٹے سے مراد حسین ابن علی تھے'' (ارجح المطالب، ص ۳۴۷ تا ۳۴۸)۔ اور علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں:

ان السماء بکت بعد قتله سبعة ایام تری علی الحیطان کانها ملاحف معصفرة وان الدنیا اظلمت ثلاثة ایام ثم ظهرت الحمرة فی السماء

یعنی ''جناب امام حسینؑ کی شہادت پر سات دن تک برابر آسمان روتا رہا۔ دیواروں کو دیکھا جاتا تھا گویا کہ وہ چادریں کسم کی رنگی ہوئی ہیں اور بہ تحقیق دنیا پر تین دن تک اندھیرا چھایا رہا پھر آسمان پر سرخی نمودار ہوگئی''۔

عن ابی سعید قال ما رفع حجر من الدنیا والا تحته دم عبیط ولقد امطرت السماء وما بقی اثره فی الثیاب مدة حتی انقطعت

یعنی ''ابو سعید کہتے ہیں کہ جس دن امام حسین علیہ السلام شہید ہوئے دنیا کا کوئی پتھر نہیں اٹھایا گیا کہ اس کے نیچے تازہ خون نہ ملا ہو اور آسمان سے خون برستا رہا اور اس کا اثر ایک مدت تک کپڑوں میں رہا یہاں تک کہ وہ کپڑے پھٹ گئے''

اخرج الثعلبی ان السماء بکت و بکاء ها حمرتها و قال غیره احمرت افاق السماء ستة اشهر بعد قتله ثم لا زالت تری بعد ذلك

یعنی ''ثعلبی بیان کرتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت پر آسمان روتا رہا اور اس کا رونا سرخی کا نمودار ہونا ہے اور ثعلبی کے سوا اور لوگوں نے لکھا ہے کہ آسمان کے کنارے آپ کے قتل کے بعد چھ مہینے تک سرخ رہے پھر ہمیشہ وہ سرخی نمودار ہونے لگی''

عن ابن سیرین قال اخبرنا ان الحمرة التی مع شفق لم تکن حتی قتل الحسین

یعنی ''ابن سیرین کہتے ہیں کہ ہم کومعلوم ہوا ہے کہ یہ سرخی جوشفق کے ساتھ ہے جناب امام حسین علیہ السلام کے قتل سے پہلے نہ تھی''۔

ذکر ابن سعدان ھذہ الحمرۃ لم ترفی السماء قبل قتلہ۔

''ابن سعد اپنی طبقات میں لکھتے ہیں کہ یہ سرخی آسمان پر جناب امام حسین علیہ السلام کی شہادت سے پہلے نہیں دیکھی گئی''۔ (صواعق محرقہ مطبوعہ مصر، ص ۱۶)

مولوی صاحب: مگر یہاں تو خدا فرماتا ہے کہ ان لوگوں پر نہ آسمان رویا نہ زمین یعنی صرف ان لوگوں پر آسمان کے رونے کا انکار ہے۔ کسی اور پر رونے کا اقرار نہیں ہے۔

حسینی بیگم: ایسی موٹی بات بھی ت آپ کی سمجھ میں نہیں آتی۔ اچھا یہ بتاؤ کہ اگر تم کہو کہ ''میں زیمن کے ہاتھ کا کھانا نہیں کھاؤں گا'' تو اس کا مطلب کیا یہ ہوگا کہ تم کھانا کھاؤ گے ہی نہیں۔ یعنی کسی اور کے ہاتھ کا بھی نہیں کھاؤ گے۔

مولوی صاحب: نہیں بلکہ یہ مطلب کہ صرف اس کے ہاتھ کا نہیں کھاؤں گا اور دوسرے کے ہاتھ کا کھاؤں گا۔

حسینی بیگم: اسی طرح یہاں بھی خدا فرماتا ہے کہ آسمان زمین ان فرعون کی قوم والوں پر نہیں روئے لیکن دوسرے لوگوں پر آسمان و زمین روئیں گے اگر تمھارے ہاں کوئی مہمان آئے اور کہے کہ میں آج نہیں جاؤں گا تو کیا اس کا یہ مطلب ہوگا کہ وہ کسی دوسرے روز بھی نہیں جائے گا۔

مولوی صاحب: نہیں بلکہ یہ ہوگا کہ دوسرے یا تیسرے روز جائے گا۔

حسینی بیگم: اسی طرح یہاں بھی خدا کا مطلب ہے کہ آسمان اور زمین اور لوگوں پر روئیں گئ ایک جگہ خدا نے فرمایا ہے: **مَا نُنَزِّلَ الْمَلآئِکَةَ اِلاَّ بِالْحَقِّ وَمَا کَانُوْا اِذًا مُنْظَرِیْنَ**۔ یعنی ''ہم فرشتوں کو نہیں بھیجا کرتے مگر فیصلہ کے لیے اور پھر ان لوگوں کو مہلت نہیں ملتی'' (پارہ ۱۴ رکوع ۱) کیا اس کا مطلب یہ سمجھا جائے کہ پھر کسی کو مہلت نہیں ملتی۔

مولوی صاحب: ہاں ہوسکتا ہے۔

حسینی بیگم: اے سبحان اللہ۔ آپ کے فیصلہ کے قربان جاؤں۔ پھر خدا نے شیطان سے کیوں

فرمایا اِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ یعنی ''تو ان لوگوں سے ہے جن کو مہلت دی گئی'' (پارہ ۸، ع ۹)۔
اگر کسی کو مہلت نہیں ملتی تو وہ کون لوگ ہیں جن کو مہلت ملتی ہے جن کا ذکر خدا نے فرمایا ہے۔

مولوی صاحب: ہاں میں غلطی پر تھا۔ بے شک **ما بکت علیھم السماء والارض** کا مطلب یہی ہے کہ آسمان وزمین ان (فرعون کی قوم والوں) پر نہیں روئے اور دوسروں پر روئیں گے۔ اور تم نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ وغیرہ پر آسمان وزمین روئے۔ میں مانتا ہوں کہ قرآن مجید میں خدائے تعالیٰ نے کئی جگہ واقعہ کربلا کا اشارہ کیا ہے جس میں کوئی شبہہ نہیں ہوسکتا اب رات زیادہ ہوگئی سونا چاہیے۔

واقعہ کربلا اور محققین یورپ

ایک روز مولوی صاحب اپنے کتب خانے میں بیٹھے کتب بینی کرر ہے تھے کہ چٹھی رساں نے ایک لفافہ لا کر دیا جس پر لکھا تھا'' درحویلی مولوی عبدالغفار صاحب دام لطفہ'' مولوی صاحب نے اس کو رکھ لیا اور اپنا کام کرتے رہے۔ شام کو جب مکان پر آئے اور کھانے کے بعد حسینی بیگم وہاں پہنچیں تو مولوی صاحب نے وہ لفافہ ان کے حوالے کر کے کہا۔

مولوی صاحب: غالبًا یہ مسٹر ابوالخیر صاحب کا خط ہے۔

حسینی بیگم: ہاں حرف تو انھیں کا معلوم ہوتا ہے۔ یہ کہہ کر اس کو چاک کیا تو واقعًا ان کے ماموں ہی کا خط نکلا۔ جس میں انھوں نے بہت سی انگریزی کتابوں کے نام لکھے۔

مولوی صاحب: کہو کیا لکھا ہے۔ خیریت ہے۔

حسینی بیگم: ہاں شکر ہے اللہ تعالیٰ کا سب خیریت سے آپ سے واقعہ کربلا کے متعلق بحث رہتی ہے۔ ان کا خط آنے پر میں نے جو جواب بھیجا تھا اس میں یہ بھی لکھ دیا تھا کہ'' اگر آپ سے ہو سکے تو چار پانچ کتابوں کے نام لکھ کر مطلع فرمایئے جن میں لکھا کہ ٦١ ھ میں امام حسین علیہ السلام کربلا میں شہید کیے گئے''۔ انھیں کتابوں کا نام انھوں نے لکھا ہے۔

مولوی صاحب: تم ہر طرح بحث کا سامان تیار رکھتی ہو۔ انگریزوں کی کتابوں کا نام نہیں معلوم تھا تو اپنے ماموں کو لکھ بھیجا۔

حسینی بیگم: نہیں مجھے کچھ کتابوں کے نام پہلے سے معلوم ہیں بلکہ ان کی عبارتوں کا ترجمہ بھی دیکھ چکی ہوں۔ مگر جی چاہا کہ کچھ اور پتے معلوم کرلوں۔

مولوی صاحب: (اس خط کو حسینی بیگم کے ہاتھ سے جلدی چھین کر) اچھا اس خط کو میں لے

لیتا ہوں۔اب بتاؤ کہ تم انگریزی مصنفین کے حوالہ کیوں کر دے سکتی ہو۔

حسینی بیگم: اٹھ کر گئیں اور چند کتابیں لا کر بولیں۔ دیکھو مسٹر جیمس کارکرن صاحب جو زبردست مورخ اور مترجم صدر دیوان عدالت العالیہ کلکتہ تھے۔ تاریخ اردو زبان میں لکھی ہے جس کا نام تاریخ چین ہے جو دو جلدوں میں ہے اور ۱۹۴۹ء میں بزبان اردو طبع کرا کے موصوف نے شائع کرائی۔انھوں نے اس کتاب کے دفتر دوم باب ۱۶ میں جہاں مغلوں اور ختائیوں کی لڑائیوں اور بہادریوں کا ذکر کیا ہے یوں تحریر فرمایا ہے: ''دنیا میں رستم کا نام بہادری میں مشہور ہے لیکن کئی ایسے شخص گزرے ہیں کہ ان کے سامنے رستم کا نام لینے کے قابل نہیں ہے۔ چنانچہ اول درجہ میں حسینؑ بن علیؑ کا مرتبہ بہادری ہے۔ کیونکہ میدان کربلا میں ریت پر تشنگی اور گرسنگی میں جس شخص نے ایسا کام کیا ہو اس کے سامنے رستم کا نام وہی شخص لے سکتا ہے جو تاریخ سے واقف نہیں ہے۔ کس کے قلم کو قدرت ہے کہ امام حسینؑ کا حال لکھے۔کس کی زبان میں یہ لطافت و بلاغت ہے کہ ان بہتر بزرگواروں کی ثابت قدمی اور تہور و شجاعت اور بیس ہزار خونخوار شامی کے جواب دینے اور ایک ایک کے ہلاک ہو جانے کے باب میں مدح جیسا کہ چاہیے کر سکے۔کس کی نازک خیالی کی یہ رسائی ہے کہ ان لوگوں کے دل کے حال کو تصور کرے کہ کیا کیا ان پر گزرا۔اس وقت سے جب عمر سعد نے دس ہزار سوار سے ان کو گھیر لیا۔اس وقت تک کہ جب شمر ملعون نے سر کاٹ لیا۔کیونکہ ایک کی دوا دو مثل مشہور ہے اور مبالغہ کی حد یہی ہے کہ جب کسی کے حال میں یہ کہا جاتا ہے کہ دشمن نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔لیکن حسینؑ اور بہتر تن کو آٹھ قسم کے دشمنوں نے تنگ کیا تھا اور اس پر بھی قدم نہ ہٹا چنانچہ چار طرف سے تو دس ہزار فوج یزید کی تھی۔جن کے تیروں اور نیزوں کی بوچھار مثل آندھی کے آتی تھی اور پانچویں دشمن عرب کی دھوپ تھی جس کی مثال کسی جگہ زیر فلک نہیں ملتی اور یہی کہنا ہوتا ہے کہ عرب کی دھوپ کے مانند عرب ہی کی دھوپ ہے۔ اور چھٹا دشمن وہ ریگ کا میدان تھا جو آفتاب کی تمازت میں شعلہ زن اور تنوار کی خاکستر سے زیادہ پرسوز تھا۔ بلکہ اس کو دریائے قہر کہنا چاہیے جس کے بلبلے بنی فاطمہ کے پاؤں کے آبلے تھے اور دو دشمن سب سے ظالم بھوک

اور پیاس مثل دغاباز ہمراہی کے جس کے برابر عدو نہیں ساتھ تھے اور تشنگی سے زبان پھول کے جب پھٹ جاتی تھی تب ہی ان دو کی خواہش اند کے تھمتی تھی۔ پس جنھوں نے ایسے معرکہ میں ہزار ہا کافروں کا مقابلہ کیا ہو۔ان پر خاتمہ بہادری کا ہو چکا'' انتھی۔(تاریخ چین مصنفہ مسٹر جیمس کارکرن جلد دوم باب ۱۶، ص ۱۱۱ مطبوعہ نولکشور پریس ۱۸۶۴ء)۔۲۔مسٹر واشنگٹن ایرونگ اپنی تاریخ واقعات کربلا کو بہت تفصیل سے لکھتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے: ''حضرت حسنؓ کے انتقال کے بعد اس مقدس عہدہ پر ان کے چھوٹے بھائی حضرت حسین پیغمبر اسلام کی پیشنگوئی کے موافق امام تسلیم کے گئے۔ حالانکہ ظاہری سلطنت اس زمانہ میں جا چکی تھی مگر اپنی ذاتی لیاقت اور پیغمبر اسلام کے حقیقی نواسے ہونے کے باعث سے مسلمین کی نظر میں بہت کچھ عزت باقی تھی۔ اسی اثنا میں امیر معاویہ کا انتقال ہوا اور یزید اموی کو تقدیر نے یا کسی کی کوشش نے ۶۰ء میں اپنے باپ یعنی امیر مذکور کا قائم مقام بنایا اس وقت سلطنت کے دعویٰ کا خیال حضرت حسینؓ کی طرف سب سے زیادہ تھا۔ اس لیے اس بات پر پورا زور دیا گیا کہ حضرت ممدوح بھی یزید اموی کو باقاعدہ پیغمبر اسلام کا جانشین تسلیم کرلیں۔ ادھر یزید اپنی شراب خواری وغیرہ ناجائز افعال کے سبب سے عراق وحجاز کے مسلمانوں کی سوسائٹی میں کچھ وقعت کے ساتھ نہ دیکھا جاتا تھا۔ خدا جانے سچے دل سے یا کسی مصلحت سے کوفہ وبصرہ وغیرہ مقامات کے مسلمانوں نے یہ قصد کرلیا تھا کہ جس طرح ممکن ہو سکے یزید اموی کو معزول کرنا چاہیے۔ حضرت حسینؓ اس وقت مدینہ میں تھے جہاں دس گیارہ برس پہلے اپنے بڑے بھائی کے ساتھ کوفہ سے چلے گئے۔ وہ سمجھے کہ اگر میں نے یزید سے باقاعدہ بیعت کرلی تو یقیناً سارا عالم میرے ساتھ بیعت کرے گا اور تمام ناجائز افعال سنت ہو کر رواج پائیں گے۔ نہایت ایمانداری اور بڑی جواں مردی سے تمام مصیبتوں کے مقابلہ میں صاف انکار کردیا کوفہ وبصرہ کے مسلمان جو دیکھ رہے تھے کہ حضرت ممدوح بیعت کرتے ہیں یا نہیں اس انکار کا حال سن کر واقعی یا فریب سے مدد پر آمادہ ہوئے اور بلا مبالغہ سینکڑوں خطوط بھیج کر حضرت ممدوح کو طلب کیا تا کہ ان کے ہاتھ پر بیعت کریں اس وقت حضرت حسینؓ کو دو بہت بڑی دقتوں کا سامان تھا کچھ بن نہ پڑتا تھا کہ بلانے

سے جائیں یا نہ جائیں۔ ایک یہ کہ دنیا کے ہر معاملہ کو دنیا کے قواعد کے موافق کرنا چاہتے تھے۔ اپنی باطنی قوتوں اور روشن ضمیری سے کام لینا مقصود نہ تھا۔ دیکھ رہے تھے کہ ایک بادشاہ اپنی بری مثال سے دنیا کو اس حد سے ہٹا رہا ہے جو پیغمبر اسلام نے بڑی محنت سے مقرر کی تھی کیوں کر اس کے حال پر چھوڑتے اور کس طرح وہ خیر خواہی کی قوت ان کو اس وقت صبر کے ساتھ بیٹھا رہنے دیتی جو بندوں کی اصلاح کے لیے پیشوایان دین کی طبیعت میں خدا پیدا کر دیتا ہے۔ خصوصاً جب کہ ہزاروں مسلمان مدد کے لیے بھی مستعد ہوں۔ دوسری مصیبت یہ تھی کہ حضرت مرتضٰیؑ کے زمانہ سے اس وقت تک کا تجربہ بتا رہا تھا کہ یہ لوگ ہرگز قابل اعتبار نہیں۔ پے در پے بے وفائی اور وعدہ خلافی کر چکے، اب پھر کریں گے۔ یہ جان کر اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جان ضائع کرنا بھی جائز نہ تھا۔ اب کیا کرتے اس بے انتہا تردد کی حالت میں جس نے ان کی رائے کو یکسو کیا وہ خود انھیں کا یہ مقدس خیال تھا کہ جان دو اور یزید اموی کے ہاتھ سے بندگان خدا کا ایمان بچاؤ۔ جب الہام یا خود اپنی حق پسند طبیعت نے یہ فیصلہ کر دیا تو اب زمانہ کی کوئی قوت اور دنیا کی کوئی مصیبت ان کو اس ارادہ سے پھیر دینے میں کامیاب نہ ہوئی۔ آخرت شدت گرما میں مدینہ سے عراق کا سفر اختیار کیا وہ لوگ جنھوں نے متواتر خطوں کے ذریعہ سے حضرت حسینؑ کو یزید اموی کے مقابلہ پر آمادہ کیا تھا مدد سے بالکل انکار کر گئے۔ یہاں تک کہ ہزاروں آدمیوں کے مقابلہ میں فقط ۷۲ آدمی رہ گئے جس کی تعداد پورا کرنے کو ایک چھ مہینے کا بچہ بھی تھا۔ یہی لوگ درحقیقت ایک سچے مذہب کے نمونے تھے جنھوں نے قصد کر لیا تھا کہ جان دیں گے مگر یہ ثابت کر کے رہیں گے کہ اگر یزید اموی کا طریقہ سچا ہوتا تو حضرت امام حسینؑ ضرور بیعت کر لیتے اور ہرگز اپنی جان نہ دیتے۔ فی الواقع اس وقت اس تدبیر سے بہتر اور کوئی تدبیر نہ تھی۔ کیونکہ سلطنت موجود نہ تھی کہ خوف و لالچ سے لوگ اس طرف نہ جاتے تقریر کا اثر کہاں تک خیالات کی اصلاح کرتا اب جان دے کر اپنا مطلب نکالنا اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ محرم کی دسویں ۶۱ھ مطابق دس اکتوبر ۶۸۰ء اس لاجواب لڑائی کی تاریخ ہے۔ کئی ہزار فوج کے ساتھ لڑنے میں بہتر (۷۲) آدمیوں کا زندہ رہنا محال تھا۔ زندگی کے تلف ہونے کا یقین

کامل تھا۔مگر ساری رات عبادت خدا میں بسر کی۔کپڑے بدلے۔ان افعال سے ثابت ہو رہا تھا کہ مرنے کا یقین اور یقین کے ساتھ خوشی ہے۔اس لڑائی کے حصول سلطنت پر محمول کرنا ایک بڑی بے انصافی کی بات ہے۔نہایت آسانی سے ممکن تھا کہ حضرت امام حسینؑ یزید اموی سے اس کی تمنا کے موافق بیعت کر کے اپنی جان و دل بچا لیتے مگر اس ذمہ داری کے خیال نے جو مذہبی ریفارمر کی طبیعت میں ہوتا ہے اس بات کا اثر نہ ہونے دیا اور نہایت سخت مصیبت اور تکلیف پر ایک بے مثل صبر و استقلال کے ساتھ قائم رکھا۔اولاد کا سامنے قتل ہونا، چھوٹے چھوٹے بچوں کا مارا جانا، زخموں کی تکلیف،عرب کی دھوپ پھر اس دھوپ میں زخمی کی پیاس یہ ایسی تکلیفیں نہ تھیں جو سلطنت کے شوق کے سامنے کسی آدمی کو صبر کے ساتھ اپنے ارادہ پر قائم رہنے دیتیں۔انتہی

(۳) مسٹر بنجاسن مورخ نے بھی اپنی مشہور کتاب دی ہسٹری کے ص۲۸۲ پر اس واقعہ کو بہت تفصیل سے لکھا ہے۔

(۴) ڈاکٹر جوزف مورخ فرانس نے اس کتاب میں جس کا نام اس نے اسلام اور اسلامیان رکھا ہے۔اسلامی فرقوں میں سے ہر ایک کی ترقی کا حال مدلل و مشرح لکھا ہے اس میں نہایت تفصیل سے واقعات کربلا پر بطور پیشنگوئی رائے زنی کی ہے کہ یہ شہادت اسلام صحیح کی ترقی کا ایک اعلیٰ ذریعہ ہے جو دم بدم اثر دکھا رہا ہے۔مجالس غم جو برپا ہوتی ہیں ان میں تاثیر نمایاں ہیں۔واقعات کربلا سننے سے لوگوں کی طبائع کا میلان اس طرف ہوتا ہے اور خود بخود اس واقعہ کی سچائی پر قوت ذہنی مدد دینے کو موجود ہو جاتی ہے۔میری رائے میں ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ یہ واقعہ تمام دنیا کی طبیعت پر اپنا قبضہ کر کے سب کو رعایا بنا دے گا۔۵)

روزنامہ مقدس اخبار حبل المتین نے جو کلکتہ کا نہایت مشہور اور وقیع فارسی زبان کا اخبار تھا اپنی اشاعت ۲۸ مورخہ ۱۹/ محرم ۱۳۲۸ء میں بزبان فارسی ڈاکٹر مسیو ماربین کی ایک تحریر شائع کی تھی جو اس نے اپنے رسالہ سیاست اسلامیہ میں لکھی تھی۔یہ ڈاکٹر شہر لیڈن ملک جرمنی کا ایک مشہور اور نامور مورخ ہے۔اس نے مذکورہ بالا مضمون میں واقعہ شہادت پر نہایت تفصیل سے اپنا

خیال ظاہر کیا ہے اور اس نے جس غائر نظر سے شہادت امام حسینؑ کو دیکھا ہے وہ خود اس کی کمال قوت تحقیق اور منتہائے قدرت تنقید پر دال ہے۔ اس مضمون کا خلاصہ یہ ہے: ''خاندان بنی امیہ بنی ہاشم کا قطعی دشمن تھا۔ ان لوگوں کی یہ عین تمنا تھی کہ آل ہاشم سے کوئی متنفس صفحۂ عالم پر نہ رہے۔ جب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ پر غلبہ حاصل کرلیا تو سرکشان بنی امیہ پر بھی ان کا دبدبہ قائم ہوگیا۔ گو وہ دب کر مسلمان ہو گئے تھے مگر آتشِ حسد دلوں میں شعلہ زن رہتی تھی۔ وہ ہمیشہ اسی تاک میں لگے رہتے تھے کہ بنی ہاشم کا زور گھٹے تا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وفات پا گئے اور ان کی کوشش سے جانشین ولی عہدی کے اصول پر نہ رہی بلکہ انتخاب پر اس کا استقرار و تجویز ہوا۔ اس ترکیب میں بنی امیہ کامیاب ہوئے اور بنی ہاشم مغلوب رفتہ رفتہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تیسرا خلیفہ آل امیہ سے قرار پایا گیا۔ امور اسلامی میں عام طور پر ان کا اقتدار بڑھ گیا۔ یہ لوگ صرف ظاہری طور کے مسلمان تھے۔ ورنہ حقیقت اسلام ان کی طبائع میں جاگزیں نہ ہوئی تھی۔ جب پورا زور پکڑ گئے اور اپنے جاہ وجلال کی نیو کو مستحکم دیکھ لیا تو اس دین کا مذاق اڑانے لگے۔ جس نے بنی ہاشم کے گھر سے رواج پایا تھا اسی بنیاد پر یزید نے اس امرِ عظیم کے پورا کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا جس کے ذکر کرنے سے قلم صفحۂ کاغذ پر سر ٹپکتا ہے جو شخص اس زمانہ کے حالات اور بنی امیہ کے طرز معاشرت کو جانتے ہوئے ہے وہ بے تامل اس امر کی تصدیق کرسکتا ہے کہ حسینؑ نے اپنی جان دے کر نانا کے دین کو زندہ کر دیا۔ اگر یہ حادثہ پیش نہ آتا تو اسلام کبھی اس پیمانہ پر قائم نہ رہتا جو کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تجویز کیا تھا۔ حسینؑ نے وہ کارنمایاں کیا جس کی غایت سمجھنے کے لیے خدا نے انھیں کو دماغ عنایت فرمایا تھا۔ حسین اپنی جان پر کھیل کر بازی لے گئے۔ دین کو بچا لیا اور بنی امیہ کی نسل کو دنیا سے مٹا دیا۔ حسینؑ کی شہادت نے عام طبائع پر یہ اثر ڈالا کہ قوم بنی امیہ نفرت بھری نگاہوں سے دیکھی جانے لگی۔ خونِ ناحق نے ایسا جوش پھیلایا کہ ہر چہار طرف انتقامی جھنڈے بلند ہو گئے جس سے ان کا خاتمہ ہوگیا۔ جو لوگ غلط فہمی سے واقعہ کربلا کو ملکی جھگڑا کہتے ہیں وہ بالکل غلط راستہ پر چل رہے ہیں۔ واقعہ کربلا کا ملکی نزاع سے متعلق نہ ہونا ایسا صاف معاملہ ہے کہ جس میں کسی

عقل سلیم کو لغزش نہیں ہوسکتی۔ آپ جب مدینہ سے روانہ ہوئے تو برابر کہتے جاتے تھے کہ میں ضرور قتل کیا جاؤں گا۔ اگر کسی کو طمع دولت ہو تو وہ میرے ساتھ نہ جائے اگر وہ بقصد ملک گیری آمادہ سفر عراق ہوئے ہوتے تو ہرگز لوگوں کو خبر قتل دے کر پریشان نہ کرتے بلکہ افزائش لشکر میں کوشش کرتے۔ کیونکہ جب کوئی بادشاہ بطمع ملک و دولت قصد جنگ ہوتا ہے تو اس کی غالب توجہ سپاہ کی ترقی اور بھیڑ بھاڑ کی فراہمی میں ہوتی ہے۔ حقیقت میں اگر بغور نظر کی جائے تو امامؑ نے تھوڑی سی فوج سے فتح عظیم حاصل کی اور اپنے نانا کے مذہب کو ہمیشہ کے لیے قائم کر دیا اور مخالفوں کا نام ہمیشہ کے لیے مثلِ حرف غلط مٹا دیا۔ اکثر لوگوں نے آپ کو سفر کرنے سے منع کیا لیکن آپ سب کو یہی جواب دیتے رہے کہ میں قتل ہونے کے لیے جا رہا ہوں۔ اس وقت کہا جاتا تھا کہ پھر عورتوں کو نہ لے جایئے جواب ملتا تھا کہ خدا کی مشیت یہی ہے کہ میں قتل ہوں اور یہ اسیر ہوں۔ یہ واقعہ بتا رہا ہے کہ حسینؑ نے تمام مصائب نہ سلطنت کے لیے گوارا کیے تھے نہ بے سمجھے بوجھے اپنے نفس کو مہلکہ میں ڈالا تھا بلکہ ایک مطلب بزرگ کی تخم ریزی مرکوز طبیعت تھی کہ جو بلا قبول شہادت ناممکن تھی۔ آپ اپنے خاص لوگوں کو مطلع کر چکے تھے کہ میری شہادت اور گھر بار لٹ جانے کے بعد خدا ایسی جماعت پیدا کرے گا جو حق کو باطل سے جدا کرے گی وہ میری زیارت کو آئیں گے اور میرے مصائب پر آنسو بہائیں گے۔ وہ لوگ میرے جد بزرگوار کو دامن امن میں ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ہنوز حسینؑ کے حرم دربار میں نہ پہنچے تھے کہ فوارہ خون خواہی ہاتھوں اچھلنے لگا اپنی بے انتہا مظلومیت اور بنی امیہ کی حد درجہ کی شقاوت ثابت کرنے کے لیے حسینؑ نے میدانِ قتال میں وہ کام کیا کہ زمانہ کے فلاسفر کی عقول کو متحیر کر دیا وہ اپنے نادان بچے کو ہاتھوں پر اٹھا کر لائے اور لشکر یزید نے جیسا پانی اس کو پلایا اس سے تمام عالم سمجھ گیا کہ بنی امیہ سے زیادہ قسی القلب کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا۔ اگر اس واقعہ پر گہری نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوسکتا ہے کہ واقعۂ کربلا سے پہلے اکثر روسا روحانی بہ ہزار شدائد مارے گئے مگر کوئی رئیس مظلوم وادی نینوا کے سامنے کچھ وقار نہیں رکھتا۔ بنی اسرائیل میں بعض واقعات پیش آئے جناب یحییٰ کا واقعہ عظیم الشان سمجھا گیا۔ مسیحؑ سے جو یہود نے

بدعنوانی کی قابل بیان نہیں۔ ان مظلوم ومقتول لوگوں نے ارادتاً اپنے آپ کو قتل نہیں کرایا بلکہ دشمنوں نے غفلت دے کر ان پر حملہ کیا۔ اور امام حسینؑ نے نہایت مضبوط ارادہ سے اپنی جان ہی نہیں دی بلکہ جان سے عزیز تر چیزوں کو نذر خدا کیا اسی واسطے اُن کے غم میں قدرت نے وہ اثر پیدا کیا کہ تمام مظلوموں سے بڑھ گئے کوئی واقعہ کوئی حادثہ جو کہ بیدردی سے پیش آیا تھا خلائق کی طبیعت میں ایسا موثر نہیں ہوا۔ جس شہر میں جس محلّہ میں دیکھو حسینؑ حسینؑ کی آواز آرہی ہے اسلام کی ترقی اس کی حقانیت ووقعت کا قوی سبب یہی ایک شہادت ہے۔ اب سے سو برس پہلے حسینؑ کے پیرو ہندوستان میں بایں قلت تھے کہ انگلیوں پر ان کا شمار ہوسکتا تھا۔ اُس وقت مردم شماری پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ باعتبار عدد اس کثرت پر پہنچ گئے کہ تیسری قوم شمار ہونے لگے۔ ہمارے مذہبی علماء یہی پادری شبانہ روز سرگرم وعظ رہتے ہیں مگر اس ترقی کا جو دوستداران حسینؑ نے حاصل کی دسواں بھی ان کو نہ ملا۔ اس روز افزوں بڑھاوے کا سبب وہی مجالس ہیں جو اس مظلوم کے غم میں برپا کی جاتی ہیں۔ طرفداران حسینؑ کی یہ ایسی اثر خیز مشنری ہے جو ہمیشہ ان کو کثرت کے بلند زینے پر پہنچاتی رہے گی''۔

(۶) ہمارے طبقہ صوفیائے کرام کے مشہور رسالہ نظام المشائخ ماہ محرم ۱۳۲۸ھ میں ایک مضمون ''اغیار کے آنسو'' چھپا تھا۔ اس کی بعض عبارتیں سنو۔ ''یہ زمین جو پانی کے اوپر ادھر کھڑی ہے جس کو سورج روشن کرتا ہے اور رات تاریک بناتی ہے۔ اس میں شور وغل بھی ہے اور خاموشی بھی۔ آہ و بکا بھی ہے اور قہقہہ بازی بھی۔ غرض ہر طرح کا نیک و بد خشک و تر تماشہ اس میں موجود ہے۔

اسی زمین کی پشت پر آسمان و زمین کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیارے نواسے امام حسین علیہ السلام کو بھوکا اور پیاسا ذبح کر دیا گیا اور پھر اس زمین کے رہنے والوں نے مظلوم حسینؑ کے جانکاہ حادثہ پر نالہ وزاری شروع کی۔ ہم چاہتے ہیں کہ ان مسلمان ماتم کرنے والوں کا ذکر جو شیعہ اور سنی کے نام سے مشہور ہیں یہاں نہ کریں۔ کیونکہ دنیا جانتی ہے کہ وہ لوگ جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلمہ پڑھتے ہیں۔ شیعہ ہوں یا

سنی مقلد ہوں یا غیر مقلد۔ صوفی ہوں یا وہابی سب کے سب لازمی طور سے حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت سے کچھ نہ کچھ ضرور متاثر ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان کے آنسوؤں کا حال لکھنا اتنا باا ثر اور ضرور نہیں ہے جتنا غیر مسلم لوگوں کے آنسوؤں کا جو حسینؑ کے غم میں بہائے جاتے ہیں بیان کرنا ضروری ہے۔

ایشیا میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس کو واقعہ کربلا کا علم نہ ہو اور جو شہادت امام حسین علیہ السلام کو بے گناہی کا قتل عام نہ جانتی ہو۔ خاص کر ہندوستان جہاں کے باشندے قدرتی طور پر نرم دل اور روشناس پیدا ہوئے ہیں غم حسینؑ میں مسلمانوں سے بڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ اگر چہ فلسفیانہ نگاہ رکھنے والے اس کی تاویل یہ کریں گے کہ چونکہ ہندوستان میں کئی سو برس تک مسلمانوں کی بادشاہت رہی ہے اس لیے ماتم حسینؑ میں ہندو حکومت کے دباؤ اور اثر سے حصہ لینے لگے ورنہ ان کو واقعہ کربلا سے متاثر ہونے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ مگر ان لوگوں کا یہ خیال بالکل غلط ہے۔ اگر حکومت کا دباؤ مذہبی معاملات میں کام آ سکتا تو ہندو محض محرم داری ہی میں حصہ نہ لیتے بلکہ ان پر اسلام کا اصلی اور پختہ رنگ چڑھ جاتا اور سرزمین ہند پر غیر مسلموں کی یہ بے شمار تعداد قائم نہ رہ سکتی۔ ہندوؤں نے ماتم حسینؑ کی شرکت صرف اپنے دلی میلان کے سبب سے کی۔ آج جب کہ اسلامی تاج وتخت کا ہندوستان میں نام ونشان باقی نہیں ہندو اسی جوش وخروش سے محرم کی ماتم داری میں حصہ لیتے ہیں جس طرح شاہی زمانہ میں ان کا دستور تھا۔ بلکہ روز بروز ان کا یہ میلان ترقی کر رہا ہے۔

آریہ سماج نے ہزاروں کوششیں کیں کہ ہندوان اسلامی رسومات میں شریک ہونا چھوڑ دیں مگر ایک بچہ نے بھی آریہ سماج کی آواز کو نہ سنا اور برابر حضرت حسینؑ کی ماتمداری کر رہے ہیں۔ بدقسمتی سے ہندوستان میں شمار واعداد کا طریقہ جاری نہیں ہے۔ ورنہ ہم بتلاتے کہ کن کن شہروں میں ہندو مسلمانوں کے برابر یا ان سے زیادہ محرم داری کرتے ہیں۔ گزشتہ سال لکھنؤ کے تعزیوں کا شمار کیا گیا تو معلوم ہوا کہ تین سو تعزیے صرف ہندوؤں کے تھے۔ اسی طرح اور شہروں کا قیاس ہو سکتا ہے۔ ہندوؤں کے بعض فرقوں میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی ایسی

عقیدت پائی جاتی ہے کہ وہ اپنی اولاد کا نام بھی حضرت امام حسینؑ کے نام پر رکھتے ہیں اور بعض فرقوں میں حضرت امام حسینؑ کی اماننا اتنی بڑھ گئی ہے کہ اور سب دیوتاؤں کی پوجا چھوڑ دی گئی۔ ہر رنج و راحت میں حضرت امام ہی کے نام کو پکارا جاتا ہے۔ سندھ اور گجرات، کاٹھیاوار اور بمبئی کے علاقہ میں جس قدر[1] پائے جاتے ہیں یہ سب ایک زمانہ میں ہندو تھے۔ شہید امام کے داعیوں نے امامؑ کی شہادت اور ان کے مافوق العادت بزرگیوں کا وعظ کہہ کر ان قوموں کو مسلمان کیا۔ گویا شہادت امامؑ کے طفیل وہ بے شمار تعداد جس کا شمار پچاس ساٹھ لاکھ کے قریب ہوگا دائرہ اسلام میں شامل ہوئی۔

ہم نے بیان کر دیا ہے کہ ہندوستان کے باشندے قدرتی اثر سے اس قسم کے واقعات سے متاثر ہو جاتے ہیں جیسا کہ شہادت کا سانحہ ہے۔ پس ان کا ماتم حسینؑ میں شریک ہونا چنداں تعجب خیز نہیں ہے۔ دیکھنا اس بات کا ہے کہ یورپ کے باشندے جو اپنی مضبوط خیالی اور عقل پرستی کے سبب سنگدل ہو گئے ہیں وہ بھی شہادت حضرت امام پر آنسو بہائے بغیر نہ رہ سکے۔ بڑے بڑے آزاد خیال اور نامور یورپین مصنفوں نے صفحہ کاغذ پر ماتم حسین علیہ السلام میں غم کے آنسو قلم کی آنکھ سے بہائے ہیں۔ ان سب کا یکجا قلم بند کرنا تو بہت دشوار ہے لیکن دو چار مشہور انگریز و دیگر یورپین حضرات کے اقوال ذیل میں درج کیے جاتے ہیں جن سے شہادت کے متعلق یورپ کی عام رائے کا اچھی طرح سے اندازہ ہوسکتا ہے۔

مسٹر جیمس کارکرن چین کی تاریخ میں لکھتے ہیں:

دنیا میں رستم کا نام بہادری میں مشہور ہے۔ لیکن کئی ایسے شخص گزرے گئے ہیں کہ ان کے سامنے رستم کا نام لینے کے قابل نہیں۔ چنانچہ اول درجہ میں حسین ابن علیؑ کا مرتبہ بہادری میں ہے۔ کیونکہ میدان کربلا میں ریت پر تشنگی اور گرسنگی میں جس شخص نے ایسا کام کیا ہو۔ اس کے سامنے رستم کا نام وہی شخص لیتا ہے جو تاریخ سے واقف نہیں''۔

---

[1] راقم مضمون نے اس جگہ بعض مقتدر مسلم قوموں کا ذکر کیا ہے جو صوبہ بمبئی وغیرہ میں آباد ہیں ۱۲ جامع رسالہ

مسٹر گبن جو بڑے نامور مصنف ہیں اپنی کتاب گنبز رومن امپائر کی نویں جلد صفحہ ۳۴۶ میں رقم طراز ہیں:

''امام حسینؑ کا پردرد واقعہ ایک دور دراز زمانہ اور دور دراز ملک میں واقع ہوا یہ ایک ایسا واقعہ ہے جو بے رحم اور سنگدلوں کو بھی ہلا دیتا ہے۔ اگرچہ کوئی کتنا ہی بے رحم دل ہو مگر حسینؑ کا نام سنتے ہی اس کے دل میں ایک جوش ہمدردی کا پیدا ہو جائے گا''۔

اسی طرح مسٹر جان لونگ نے حضرت امام علیہ السلام کا چار سو شعر میں نہایت دردناک مرثیہ لکھا ہے جس میں آخری رائے حضرت امام علیہ السلام کی نسبت ان الفاظ میں دی ہے:

''وہ شخص دین دار خدا پرست، فروتن، خلیق اور بے مثل بہادر تھا وہ سلطنت وحکومت کے واسطے نہیں لڑتا تھا بلکہ خدا پرستی کے جوش میں وہ یزید سے اس واسطے بیزار تھا کہ یزید کے افعال اسلام اور دین احمدی کے خلاف تھے''۔

ایک شہرہ آفاق انگریز مسٹر ارتھرا ین ولسن سی۔ آئی۔ اسی نے کتاب ''ہاف آورود محمدؐ'' میں حسینؑ کا شہادت نامہ نہایت دردناک پیرایہ میں لکھا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ کے سیاسی تعلقات اور مابعد کے واقعات پر اس کتاب میں نہایت معقولیت اور واقفیت سے بحث کی گئی ہے۔ اگر ہم اس کتاب کا اور مصنف کے ان محبتانہ خیالات کا جو حضرت امام علیہ السلام کی نسبت ظاہر کیے گئے ہیں اس جگہ اقتباس بھی کریں تب بھی یہ مضمون جس میں اختصار نویسی کی تاکید ہے، بہت طوالانی ہو جائے گا۔ لہٰذا ان ہی دو تین اقتباسات پر یہ تحریر ختم کی جاتی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت پر اپنے ہی آنسو نہیں بہاتے ہیں بلکہ اس غم میں اغیار بھی چشم پر آب ہیں۔ انتہی (۷) اور انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد ۱۱، ص ۵۰۸ میں لکھا ہے ''پسران علیؑ بن ابی طالبؑ ابن عم وخویش محمدؐ ہیں اور وہ ہیرو ہیں جن کے غم میں ہر سال ہندوستان و ایران میں شیعہ محمدی ماہ محرم میں اظہار جوش وجذبہ دلی کرتے ہیں ان کی تاریخ سمجھنے کے لیے پیغمبرؐ سے ان کے مراتب کا جاننا ضروری ہے جو ذیل کے شجرہ سے ظاہر ہے۔

عہدہ تولیت کعبہ (معبد کعبہ) وشیخ قبیلہ قریش جو عبدمناف سے متعلق تھا ان کے بڑے بیٹے عبدالشمس کو پہنچتا اگر ان کے دوسرے بیٹے ہاشم کو بصلہ چند فتوحات کے نہ دیا جاتا اور یہ واقعہ دونوں گھرانوں میں سخت عداوت کا باعث ہوگیا۔ جب محمدؐ کا انتقال ہوا تو علیؑ نے منصب خلافت (نیابت یا جانشینی) کے حقدار ہونے کا دعویٰ کیا لیکن ابوبکر پدر عائشہ (پیغمبر کی چہیتی بیوی) اور عمر پیغمبرؐ کے دوسرے سسر اور عثمان کینہ ور خاندان بنی امیہ کے اکیلے ممبر کو جو شریک صف مسلمین ہوا تھا خوفناک حریف پایا۔ بی بی عائشہ نے جو حضرت علیؑ سے اس سبب سے ناراض تھی کہ انھوں نے اس بدعنوانی (بے عصمتی) کے اتہام کو جو بی بی عائشہ کے حق میں لگایا گیا تھا ساعت کیا تھا بنی اُمیہ سے متفق ہو کر علیؑ کی سخت مخالفت کی تھی۔ حضرت ابوبکر کے انتخاب سے ذرا بات دب گئی جس کی وفات پر عمر خلیفہ ہوا اور جب اس کی بھی موت کا نمبر آیا تو حضرت عثمان منتخب ہوا کیونکہ حضرت علی نے ان شرائط کے قبول کرنے سے انکار کیا جو ان کے سامنے پیش کی گئی تھیں کہ وہ قدیم رسم ورواج (سیرت شیخین) اور قرآن کے مطابق حکومت کریں[1] عثمان نے اپنی خلافت پر اپنے خاندان امیہ کی بے ہودہ طرف داری ظاہر کی اور معاویہ کو جو بنی ہاشم کا سخت دشمن تھا شام کا حاکم مقرر کیا۔ حضرت عثمان کو ۶۵۵ء میں قتل کیا گیا اور تب حضرت علیؑ بغیر کسی شرط کے خلیفہ مقرر ہوئے۔ انھوں نے فوراً معاویہ سے بیعت طلب کی جس نے اطاعت سے انکار کیا اور بے رحم (کٹر) عائشہ کے اثر سے مدد پا کر اپنے واسطے خلافت کا دعویٰ کیا۔ دونوں فریق میں سخت جنگ ہوئی اور ابتداء میں علیؑ فتح یاب ہوئے۔ لیکن آخر کار سازش کے سبب اس بات پر مجبور ہوئے کہ اپنے حقوق پنچائیت پر چھوڑ دیں۔ بجائے اس کے کہ اپنی جنگی فتوحات سے فائدہ اٹھاتے ان کے پیرووں کی ایک جماعت تقریباً بارہ ہزار اس بات سے بگڑ کر ان سے جدا ہوگئے اور اس طرح انھوں نے فرقہ خوارج کی بنیاد ڈالی جو عام مرضی کے موافق با قاعدہ قائم شدہ حکومت کے مخالف ہیں۔ تین خارجیوں کی سازش کا نتیجہ

[1] یہاں راقم مضمون نے بوجہ عیسائی ہونے کے اسلام پر چند پرانے اعتراض کیے ہیں جو ہماری بحث سے خارج ہیں۱۲۔ مترجم۔

علیؓ کا قتل ہوا۔ جو مسجد کوفہ کی محراب (در) میں مارے گئے۔ اور اس شہر سے ۵ میل کے فاصلہ پر ایک جگہ دفن ہوئے۔ بعدازاں ان کی قبر پر ایک شاندار عمارت بنائی گئی جہاں من بعد شہر مشہد علیؓ (مرقد علیؓ) آباد ہو گیا جو ان بڑے مقامات میں ایک ہے جہاں شیعہ زوار بکثرت جاتے ہیں۔ علی کی وفات پر ان کے بڑے بیٹے حسنؓ خلیفہ مقرر ہوئے۔ مگر انھوں نے خلافت معاویہ پر چھوڑ دی اس شرط پر کہ جب وہ مر جائے گا تو پھر وہی حسنؓ خلیفہ ہوں گے۔ مگر معاویہ نے جو چاہتا تھا کہ اس کا بیٹا یزید اس کا جانشین ہو حسنؓ کو انھیں کی ایک بیوی سے زہر دلوا کر ۸ برس بعد بری طرح مروا ڈالا۔ معاویہ کی وفات پر یزید اپنے باپ کا جانشین ہو گیا۔ بغیر مخالفت یا انتخاب کے اور اموی خاندان اس طرح تخت پر مضبوطی سے مسلط ہو گیا۔ مگر خانوادہ علیؓ کے طرف دار مطمئن نہ تھے۔ انھوں نے امام حسینؓ، حضرت علیؓ کے باقی ماندہ بیٹوں کو خفیہ طور پر کوفہ بلایا کہ وہاں اس گروہ کے سردار بنیں اور یزید پر خروج کریں۔ لیکن یزید نے جس کو اس تحریک کی خبر موقع پر لگ گئی تھی ہوشیاری سے تدابیر کیں۔ عبیداللہ ایک زبردست افسر کو کوفہ کا حاکم مقرر کیا گیا۔ جس نے حسینؓ کے ایلچی مسلم اور ہانی کو جس کے گھر میں وہ چھپے ہوئے تھے گرفتار کر لیا اور جب وہاں کے باشندگان نے ہجوم کیا اور ان کی رہائی پر مصر ہوئے تو اس نے ان دونوں کی گردن مار دی اور ان کے سر اس انبوہ کی طرف پھینک دیے۔ حسینؓ کو ماریہ (بابِل لونیا) کے حدود پر حر نے مع چند سواروں کے روک لیا اور کہا ''مجھے آپ کو تنہا کوفہ لے جانے کا حکم ہے''۔ لیکن پھر بھی اجازت دی کہ خواہ آپ کسی راہ سے جائیں مگر ''میری نظروں سے اوجھل نہ ہوں''۔ ایک سوار ان کو راہ میں ملا جو عبیداللہ کی طرف سے خفیہ احکام لایا تھا کہ حسینؓ کو کھلے میدان اور غیر محفوظ جگہ میں لے جائیں اور اس وقت تک ٹھہرے رہیں جب تک کہ عمر ابن سعد فوج شامی کا کمانڈر اپنی فوج لے کر آ جائے۔ یہ دوسرے دن ہوا اور حسینؓ معہ متعدد حواریوں کے چار ہزار سواروں میں گھر گئے اور بعد سخت مقابلہ کے میدان کربلا میں دریائے فرات کے کنارے عجیب درد انگیز حالات میں قتل کیے گئے۔ حتیٰ کہ ان کا صغیر السن بچہ عبداللہ اور ان کا بھتیجہ جو ایک خوبصورت بچہ تھا دونوں ان کی آغوش میں مقتول ہوئے۔ یہ واقعہ

۱۰ محرم ٦١ ھ (٥٨٠ء) کو ہوا اور اس ماہ میں ہندوستان اور ایران کے شیعہ اس یادگار کو تازہ کرتے ہیں اور نہایت معجزانہ (فوق العادۃ) طور پر اس کا اظہار ہوتا ہے جس کے خاص سین ہر روز دکھائے جاتے ہیں اور اختتام اس طرح ہوتا ہے کہ شہداء کے تابوت یا ضریح کھلے میدان میں عموماً گورستان یا ساحل دریا کے قریب کے مقامات کی طرف لے جاتے ہیں۔

علیؑ اور ان کے دودمان کی حمایت اہل ایران نے نہایت سرگرمی سے اختیار کی۔ جنھوں نے بزور اسلام قبول کیا تھا مگر سنیوں کے مذہب سے سخت نفرت رکھتے تھے اس گروہ کا نام شیعہ (خاص فرقہ کے لوگ) ہے اور ان کی اور سنیوں کی عداوت نے جو یہود اور غیر یہود اور سمٹک (نسل سام بن نوحؑ) اور آریہ نسلوں کی عداوت کی یاد دلاتی ہے اسلام میں ایک نا قابل اصلاح رخنہ ڈال دیا ہے۔

(۸) اور جسٹس مسٹر ارنولڈ صاحب نے بمبئی کے ایک مشہور خوجہ کے مقدمہ میں جو فیصلہ لکھا تھا اس میں حسب ذیل تحریر لکھی جو بمبئی ہائیکورٹ رولنگ جلد ۱۲، ص ۳۲۳ میں شایع ہوئی تھی'' مسلمانوں کو عموماً یہ توقع تھی کہ حضرت علی علیہ السلام جو سابق الاسلام تھے اور رسول اللہ کے محبوب صحابی تھے اور ان کی پیاری بیٹی کے شوہر تھے خلیفہ اول ہوں گے مگر ایسا نہیں ہوا۔ حضرت عائشہ (صدیقہؓ) جو کہ محبوب ترین ازواج رسولؐ سے تھیں۔ لیکن حضرت علی علیہ السلام اور حضرت فاطمہ علیہا السلام سے حسد و کینہ رکھتی تھیں۔ اپنے پدر بزرگوار ابو بکر (صدیقؓ) کے خلیفہ منتخب ہونے کے باعث ہوئیں۔ ان کے بعد حضرت عمر اور ان کے بعد حضرت عثمان خلیفہ ہوئے جب ٦٥٨ء میں خلیفہ ثالث مارے گئے تو خلافت ظاہری حضرت علی علیہ السلام کو دی گئی مگر بنی امیہ کی مخالفت کا سلسلہ ان کے خلیفہ ہونے کے بعد بھی جاری رہا اور حضرت عائشہؓ اور معاویہ کی اعانت و حمایت سے بنی امیہ نے ان کی خلافت میں بڑا رخنہ ڈال دیا اور ہنوز وہ جھگڑا طے نہ ہوا تھا کہ ٦٦٠ء میں حضرت علیؑ مسجد کوفہ میں ایک خارجی کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ کوفہ ایک بڑا شہر مسلمانوں کا ساحل غربی فرات پر تھا۔ اب وہ بالکل برباد ہے اور قدیم شہر بابل کے کھنڈرات کے قریب اس کے بھی کھنڈر ہیں۔ الغرض حضرت علیؑ کی شہادت سے سب مسلمانوں میں ایک تہلکہ پڑ گیا۔ حضرت علی علیہ السلام کو سب عزیز رکھتے تھے اور وہ اسی قابل

تھے۔ اس زمانہ میں جب شجاعان عرب شہرہ آفاق تھے ضرغام ابوطالب اسداللہ الغالبؑ ان کا لقب تھا اور شجاع العرب بھی ان کو کہتے تھے۔ شجاعت، حکمت و سخاوت، ہمت، عدالت اور زہد و تقویٰ میں حضرت علی علیہ السلام کا عدیل و نظیر تاریخ عالم میں کمتر نظر آتا ہے۔ علاوہ اس کے وہ زوج بتول یعنی بضعۃ الرسول حضرت فاطمہ علیہا السلام کے شوہر تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اکلوتی بیٹی اور پیاری بیٹی تھیں اور ابوالحسنینؑ تھے جن کے عاشق زاد خود ان کے نانا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے اور خود رسول اللہؐ نے ان کو مجمع احباب میں سردار جوانان بہشت فرمایا تھا۔ ان دونوں صاحبزادوں میں سے بڑے صاحبزادے حضرت حسنؑ نے عزلت گزینی اختیار کی اور اپنی خلافت موروثی کو معاویہ کے ہاتھ بمعاوضہ ایک رقم سالانہ کے فروخت کرڈالا اور باقی ایام زندگی مدینہ میں عبادت خدا اور نیک کاموں میں صرف کیا۔ ۶۶۹ء میں حسن مجتبیٰ کو ان کی زوجہ نے یزید بن معاویہ حاکم شام سے رشوت لے کر زہر سے شہید کیا۔ اب اہلبیت رسول اللہؐ سے صرف ان کے چھوٹے بھائی امام حسین علیہ السلام باقی رہ گئے۔ جن میں پدر عالی مقدار کی ہمت و شجاعت کوٹ کوٹ کر بھری تھی اپنے بڑے بھائی کی شہادت کے گیارہ برس بعد اہل عراق کی منت و سماجت سے مجبور ہو کر مدینہ سے کوفہ کو روانہ ہوئے کہ غاصبین بنی امیہ سے اپنے حق خلافت کا دعویٰ کریں اور اس سفر پرخطر میں اپنے اعیال و اطفال اور چند اصحاب کو بھی اپنے ہمراہ لے گئے یہاں تک کہ زمین کربلا تک پہنچے جو اس زمانہ میں ایک ریگستان دریائے فرات سے ایک روز کی راہ پر قریب کوہ تھا۔ وہاں جو پہنچے تو ایک فوج کثیر کو مقابلہ پر آمادہ پایا اس کے بعد جو واقعات غم انگیز گزری تاریخ عالم میں کمتر نظر آتے ہیں۔ جو مصائب و شدائد معرکہ کربلا میں اہل بیتؑ پر گزرے زبان زد خلائق ہیں صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ اس واقعہ جانگزا نے اسلام کو تہہ و بالا کرڈالا''۔

(۹) اخبار مشرق گورکھ پور مورخہ ۲۴ نومبر ۱۹۱۴ء نے حسب ذیل تحریر شائع کی تھی۔

تو نے سر دے کے کیا دین کا سکہ جاری

اللہ اللہ چہ عجب رتبہ عالی داری

آج جب کہ دنیا میں ہوائی جہازوں تلواروں اور توپوں کی گرج سے ایشیاء یورپ

افریقہ اور امریکہ تک گونج رہے ہیں۔ آج جب کہ لاکھوں آدمیوں کے خون سے سمندر اور ہزاروں دشت وکوہسار خون کی تماشا گاہ بن رہے ہیں اور جب کہ تمام عالم میں حب الوطنی، جان نثاری اور قربانی کرنے کا ولولہ ہر شخص میں گرم ہے تو یہ کوئی تعجب خیز امر نہیں ہے کہ ہماری نظریں دنیا کے ایک ایسے پردے کی طرف اٹھیں جہاں آج کے بہت پہلے حب الوطنی، جان نثاری، قربانی اور قومی غیرت کا مقدس و معظم نمونہ نمایاں ہو چکا ہے۔ گو کہ ہزاروں ماضیت اور تاریخی انقلابات اسوقت سے اس وقت تک حائل ہیں۔ لیکن اس کی انتہائی حمیت و غیرت اور حق پرستی ہر قوم سے دادطلب کیے بغیر نہیں رہی۔ فطرت انسانی کا قاعدہ ہے کہ وہ اپنے مشابہ اور ہمرنگ واقعہ کو یاد کرتی ہے۔ بہادروں کی بہادری سے بہادر یاد آتے ہیں۔ جان نثاروں کی جان نثاری سے جان نثار یاد آتے ہیں اور سرفروشوں کی سرفروشی سے سرفروش یاد آتے ہیں۔ اسی لیے اس وقت کی جان بازانہ جنگ اور دل ہلا دینے والی انسانی قربانی سے یہ بات تازہ ہوسکتی ہے کہ اس سے پہلے خدا کا ایک پاک بندہ محض خدا کی راہ میں اپنے آپ کو ذبح کرا چکا ہے۔ ممکن نہیں کہ جب حمیت اور غیرت کے مست دبے خود کرنے والے ترانے چھڑے ہوئے ہوں انھیں سن کر حمیت اور غیرت کے کارنامے یاد نہ آ جائیں۔ خاص کر اس لیے کہ دنیا بہادری اور سرفروشی کا فیصلہ کرنے کے لیے بہت سے خونی تماشے دیکھ رہی ہے اس لیے کہ کوئی ایسا متنفس نہیں پایا جاتا جس کی سرفروشی اور بہادری پر تمام مورخوں کا اتفاق ہو مگر وہ کربلا کے فاتح شہید کی ذات اقدس ہے۔ جس پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے دنیا میں صرف وہی لوگ فاتح نہیں مانے جاتے جو بہت سے زیادہ آدمیوں کا خون بہا کر کسی قوم اور ملک پر قبضہ کرتے ہیں۔ بلکہ فاتح اس کو بھی کہتے ہیں جو اپنی جان دے کر کسی معرفت اور اصول کے لیے ہمیشہ کے واسطے روشنی کا ایک مینار یا فولاد کا ایک کوہ بن کر صفحۂ تاریخ پر قائم ہوتا ہے۔ کامیابیاں کئی قسم کی ہوا کرتی ہیں مگر سب سے زیادہ روشن کامیابی وہ ہوتی ہے جو کسی امر حق کی راہ میں نصیب ہوتی ہے۔ اس راہ میں اگر فنا بھی ہو جائے تو اس فنا کو بقا سمجھتے ہیں۔ کربلا کے شہید اعظم کو فاتح کہتے ہیں۔ کیونکہ اصل فاتح ناحق کوشوں کے بالمقابل انھیں کو ہوئی۔ مورخین عالم اس واقعہ پر طرح

طرح کے پہلو سے بحث کر چکے ہیں۔لیکن تازہ ترین تحقیقات کا ایک جرمن فاضل اجل نے کی ہے جو کتاب کی صورت میں شایع ہو چکی ہے۔اس کا تھوڑا سا ترجمہ مولوی صلاح الدین خدا بخش خاں نے انگریزی میں کیا ہے۔جس طرح جرمن اور فنون دنیا میں کسی قوم سے کم نہیں ہیں اسی طرح علم اور تحقیقات قدیم و جدید میں بھی شہرت حاصل کر چکے ہیں۔جرمنی میں بڑے بڑے کتب خانہ عربی فارسی اور سنسکرتے موجود ہیں اور وہاں ان زبانوں کے عالم بکثرت موجود ہیں جس مورخ نے مسئلہ شہادت کربلا پر محققانہ نظر ڈالی ہے۔اس نے عربی لاطینی اور فارسی علمی ذخیروں سے ایسے اچھے اقتباسات کیے ہیں کہ پڑھنے والا اس کی محنت کی تعریف کرے گا۔پہلا سوال اس نے یہ کیا ہے کہ کیا حضرت امام حسین علیہ السلام میدان کربلا میں ملک گیری اور حکمرانی کے لیے لڑ رہے تھے۔اس سوال پر اس نے تاریخی اور قومی کارناموں کے حوالے سے دلچسپ بحث کی ہے کہ ہم اس کی مثال کسی اور دوسری جگہ نہیں پاتے۔وہ لکھتا ہے کہ حضرت حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام صرف بنی ہاشم کے افراد سے تعلق نہیں رکھتے تھے بلکہ اپنے عہد میں تمام عرب میں اوراس کے نواح میں اپنی عالی نسبی اپنی ذاتی علمی قابلیت اور اپنے زہد وتقویٰ کی وجہ سے نہایت مشہور اور ممتاز تھے۔دنیا کا قاعدہ ہے کہ وہ پاک نفوس کی طرف بڑھتی ہے وہ کوئی سلطنت قائم کرنا چاہتے تو بہت پہلے ایسا کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔لیکن حضرت امام حسن علیہ السلام نے جب دیکھا کہ بنی ہاشم کے قدیم دشمن میری مخالفت پر تلے ہیں تو انھوں نے دشمنوں کے دل سے یہ شبہہ مٹانے کے لیے کہ کسی وقت میں حسنؑ حکمران بن بیٹھے سب سے پہلے خلافت اور حکومت وغیرہ سے دست کش ہونے کا باضابطہ معاہدہ لکھ دیا۔افسوس ہے کہ اس پر بھی بنی ہاشم کے دشمن قانع نہ رہے اور سات بار امام مقدس کو زہر دیا اس کے علاوہ جرمن مورخ نے اس عہد کی مذہبی اور اخلاقی حالت دکھلا کر ثابت کیا ہے کہ اس وقت مسلمانوں میں دنیا پرستی اور وجاہت پرستی آ چکی تھی۔اس سے اس نے واضح کر دیا ہے کہ دونوں اماموں کے ساتھ جو کچھ بھی برا سلوک نہ ہوا ہو وہ تعجب کی بات نہیں۔اب یہ امر کہ امام حسین علیہ السلام میدان کربلا میں ملک گیری کی ہوس میں لڑ رہے تھے یا نہیں۔اس

سے صاف ہو جاتا ہے کہ اگر وہ اس خیال کے ہوتے تو واقعہ کربلا کے کہیں پہلے کسی نہ کسی قبیلے پر چڑھ دوڑتے مگر کسی تاریخ سے آپ کی ذات خاص کا حملہ آور ہونا ثابت نہیں ہوتا اگر ہم بلا تعصب اس زمانہ کے حالات اور واقعات پر نظر ڈالیں گے تو معلوم ہو جائے گا کہ اس وقت دنیا پرست اور دولت پرست مسلمانوں میں حکومت کی بو آ گئی تھی اور امام مظلوم ؑ کی ہستی ان کی نظروں میں کھٹک رہی تھی وہ اپنے خیال میں سمجھتے تھے کہ ہماری کوششوں میں حریف نہ رکاوٹ ڈالنے والا حسین ؑ ہے۔ اگرچہ خود اس مقدس شخص نے کبھی اپنے کسی فعل سے ایسا خیال کرنے کا موقع نہیں دیا مگر جس طرح تاریکی کو روشنی سے خوف رہتا ہے۔ اسی طرح دنیا کے ظالموں اور غاصبوں کو مقدس اور معظم نفوس سے کھٹکا لگا رہتا ہے۔ افسوس ہے کہ اس دھوکے میں بہت سے پاک خدا کے بندے ذبح کر ڈالے گئے۔ اسی دھوکے میں یہودیوں نے حضرت عیسیٰ ؑ کو صلیب پر چڑھایا تھا اور اسی دھوکے میں حضرت زکریا کو آرے پر کھینچ دیا تھا۔ دوسرا سوال اس نے یہ قائم کیا ہے کہ کیا حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے دشمنوں سے ذاتی اغراض اور انتقام کے لیے لڑ رہے تھے۔ اسی بحث میں جرمن مورخ نے نہایت دلچسپ اور فلسفیانہ بحث کی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ امام مظلوم ؑ کی زندگی کا وہ حصہ جو واقعہ کربلا کے پہلے گزرا ہے عالم طور سے عرب کے حالات اور واقعات میں محفوظ ہے اس پر نظر ڈالنے سے یہ بات روشن ہے کہ اس قدسی نفس نے کبھی بنی ہاشم کے دشمنوں سے بدلہ لینے کی کوشش نہیں کی۔ انتقام کی آگ صرف اسی شخص میں بھڑک سکتی ہے جو کسی معاملہ میں کسی سے شکست کھا چکا ہو اور اس شکست اور ذلت کو دفع کرنے کے لیے اسے رہ رہ کے خیال آتا ہے مگر خود مخالفین کا یہ قول مسلم ہے کہ آپ نے میدان کربلا میں بار بار عاجزی سے فرمایا تھا ''اچھا مجھے دنیا کے کسی سمت اپنے رفقاء کے ساتھ نکل جانے دو اور اگر اس پر بھی نہیں راضی ہو تو آؤ ہم تم مناظرہ کر لیں جو حق پر ہو وہ فاتح سمجھا جائے اور جو حق پر نہ ہو تو اس کی شکست مشتہر کی جائے''۔ کیا یہ واقعہ کسی شخص کے جوش انتقام کو ظاہر کرتا ہے؟ کیا اس سلجھی ہوئی تقریر سے کسی کے غصے اور حرارت کا پتہ چلتا ہے؟ کبھی نہیں اور ہرگز نہیں۔ اب مورخ کے اس بیان کی تعریف کرتے ہیں اور اس سوال کے جواب میں جو اس نے آخری

الفاظ لکھے ہیں اس کو پیش کرتے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام صرف ایک عابد و زاہد شخص نہیں تھے بلکہ وہ امانتیں اور ذمہ داریاں بھی مستور تھیں جو عرب کے پیغمبر اعظم میں ودیعت کی گئی تھیں۔ جس طرح اس اولوالعزم نبی کو خیال تھا کہ مسلمان قبیلے اور کنبوں کے جھگڑوں سے دور رہیں۔ اسی طرح آپ کے نواسوں میں بھی اس بات کا احساس تھا اور ذمہ داری اس امر سے نہایت درجہ ثابت ہوتی ہے کہ میدان کربلا میں امام مظلوم نے تمام تدبیروں سے تھک کر یہ ظاہر کرنا شروع کیا کہ لوگو یاد کرو میں کون ہوں اور کس کا بیٹا ہوں اور کس کا نواسہ ہوں اور نہ صرف اس حسب و نسب کا ذکر کیا بلکہ اپنے علم و فضل اور آخرت کے اسرار بھی بیان فرمائے۔ کیا اس سے یہ نہیں ظاہر ہوتا کہ امام مظلوم کو اپنی ذمہ داریوں کا پورا لحاظ تھا۔ کیا ان واقعات سے کہیں بھی انتقام کی بو پائی جاتی ہے۔ تیسرا سوال اور نہایت معنی خیز سوال اس مورخ موصوف نے یہ کیا ہے کہ کیا حضرت امام حسین علیہ السلام کسی عنوان شایستہ سے اس خون ریز جنگ کو اوپر اوپر ٹال سکتے تھے۔ وہ لکھتا ہے کہ یورپ کے بعض اہل قلم مظلوم امام پر ناتجربہ کاری اور بلاوجہ کی خونریزی کا الزام لگاتے ہیں اور اس الزام دہی میں یہاں تک بڑھ گئے ہیں کہ بلاخوف تردید تمام واقعہ کا ذمہ دار امام معظم ہی کو ٹھہرایا ہے۔ بلکہ یہاں تک آزادی سے کام لے کر لکھ گئے ہیں کہ اگر امام مظلوم بغیر لڑے ہوئے یزید کے پاس چلے جاتے تو تمام شر و فساد رفع ہو جاتا کیونکہ ان کے پندار تمکنت کی اپنے خیالی حریف کے آ جانے سے تسکین ہو جاتی۔ اس اعتراض کو مورخ مذکور نے بڑی قابلیت سے رد کیا ہے وہ لکھتا ہے کہ قوم عرب کے خصائل اور عادات تمام دنیا سے نرالے تھے وہ لوگ اپنے ایام جاہلیت میں بھی اپنی مہمان نوازی حمیت و غیرت میں مشہور تھے۔ قوم عرب اس درجہ غیور تھی کہ وہ کسی حالت میں اپنے قبیلہ اور اپنے خاندان کے روایات اور حکایات کو ترک کرنا نہیں چاہتی تھی۔ وہاں کے ایک شاعر کا قصہ یوں کتابوں میں لکھا ہے کہ وہ کسی جنگل میں ڈاکوؤں سے گھر گیا تھا اور جب وہ اپنی جان بچا کر بھاگنا چاہتا تھا کہ ڈاکوؤں میں سے ایک نے بلند آواز سے پکار کر ایک شعر پڑھا۔ جس میں اس نے خیال کو نظم کیا تھا کہ میدان میں دشمن سے لڑنا ہمارے لڑکوں کا کھیل ہے اور مرنا یا مارنا ہماری بازی کا

پہلا قدم ہے۔ غرض جب اس شاعر نے یہ سنا تو وہ پلٹ پڑا اور اس نے اپنی جان دے دی۔ اسی طرح کے بہت سے واقعات ہوئے ہیں۔ ایسی غیور اور بہادر قوم کے افضل ترین قبیلے سے کیا ہم امید کر سکتے ہیں کہ وہ میدان کارزار سے محض جان بچانے کے لیے بھاگ کھڑا ہوگا؟ کبھی نہیں اور ہرگز نہیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے چاہا کہ مخالفین انھیں یزید تک لے چلیں تا کہ اتمام حجت ہو جائے۔ لیکن یزیدیوں نے اصرار کیا کہ بغیر یزید کے نام پر بیعت لیے ہوئے آپ کا قدم بھی ہم لوگ اس کی جانب نہ بڑھنے دیں گے۔ اس لیے آپؑ نے مجبور ہو کر رفقاء کو سمجھایا کہ تم لوگ چلے جاؤ میں اکیلے ان لوگوں سے نپٹ لوں گا۔ ہاں جیسی غیور اور باحمیت لوگوں سے اُمید ہو سکتی تھی ویسے ہی ظہور ہوا کہ کسی نے بھی آپ کا ساتھ چھوڑنا گوارا نہیں کیا حتیٰ کہ عورتوں نے بھی آپؑ کا ساتھ چھوڑنا کسی طرح منظور نہ کیا۔ اب بات اصول حق پرستی کی آ گئی ہے۔ امام مظلومؑ دیکھ رہے ہیں کہ ایک دنیا امارات اور حکومت کی پرستش میں خدائے واحد کی بادشاہت کو اپنے جور اور ظلم سے تباہ کرنے کی فکر میں ہے اور حق و ناحق کی فتح یا شرمندگی کی گھڑی آ پہنچی ہے امام مظلوم سمجھ رہے ہیں کہ جس طرح حضرت ابراہیمؑ کو حق کے لیے آگ میں جانا پڑا اور حضرت عیسیٰ کو سولی پر چڑھنا پڑا اسی طرح آج مجھے بھی جان دینا ہے۔ لہٰذا انھوں نے ٹھان لی کہ میں اپنے خون سے اسلام کی کھیتی کو سینچوں گا۔ بہرحال حضرت امام حسین علیہ السلام نے کوئی دقیقہ اس شر و فساد کے روکنے کے لیے اٹھا نہیں رکھا۔ اگر انھوں نے بیعت کر لی ہوتی تو خاندان رسالت ہمیشہ کے لیے ذلیل ہو جاتا اور بنی ہاشم کی بزرگی خاک میں مل جاتی اگر مظلوم امام نے یزیدیوں کو اپنا ساتھی مان لیا ہوتا تو پھر اسلام کا ساتھی کوئی نہ رہتا۔ یعنی تکمیل رسالت عرب کی پیغمبر اعظم پر ہوئی اور تکمیل جان بازی امام مقدس کی ذات پر ختم ہوئی۔ اس کے بعد مورخ جرمنی نے یہ سوال کیا ہے کہ کیا حضرت امام حسین علیہ السلام اپنی جماعت کو لڑنے سے نہیں روک سکتے تھے؟ اس کے جواب میں وہ صرف یہ کہتا ہے کہ ان کی جماعت بہت تھوڑی تھی وہ کسی حال میں اپنے امام کو نہ چھوڑ سکتی تھی۔ زیادہ تر خود انھیں کے خاندان کے لوگ تھے جو پہلے ہی سے دشمنوں کی نظر میں کھٹک رہے تھے یہاں تک کہ بعض

چھوٹے بچوں کو بھی دشمنوں نے فنا کیا ایک فرد کو بھی زندہ رکھنا نہیں چاہتے تھے۔ پانچواں سوال تمام کتاب کی جان ہے۔ وہ پوچھتا ہے کہ کیا حسینؑ کی لڑائی خدا کے لیے تھی؟ وہ کہتا ہے کہ میں اس سوال کا جواب پوری طرح نہیں دے سکتا۔ میں بس اس قدر کہنا چاہتا ہوں کہ اگر واقعہ شہادت اسلام کی تاریخ میں نہ ہوتا تو غیر مسلم دنیا کو اسلام کی تاریخ اور اسلام کی حقانیت سے دلچسپی نہ ہوتی۔ ایک شخص یکہ وتنہا بالو کے چٹیل میدان میں کھڑا ہے۔ تھوڑے سے رفقاء اس کے ساتھ ہیں زمین وآسمان تک اس وقت کسی آنے والے طوفان کے لیے ساکت ہیں اور تمام انسانی ہمدردی کی اعانت کا چشمہ بند ہے۔ ایک انسان اور محض انسان ایسی حالت میں بہت آسانی سے ایک ذراسی بات مان لینے سے اپنی جان بچا سکتا ہے۔ لیکن وہ دنیا کی ناپائیدار زندگی کو نہایت حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ وہ اس میدان میں مرجانے کو حیات جاوید سے بہتر جانتا ہے۔ اس کے آگے خدا کا وہ کلام پیش پیش ہے جس میں خدائے برتر فرماتا ہے کہ جو لوگ ہماری راہ میں مارے جاتے ہیں وہ مرتے نہیں ہیں اور وہ زندہ رہتے ہیں یعنی ان کی زندگی ایک دوسری شکل میں بدل جاتی ہے۔ اس ربانی کلام پر دل وجان سے یقین کامل کر کے خدا کا مظلوم اور مجبور بندہ سر نیاز خم کرتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ میرے مخالفین زیادہ سے زیادہ جان طلب کرلیں گے اور مجھ سے اپنے خیال کے موافق بیعت لینا چاہیں گے۔ لیکن یہ جنگ کثرت افواج کی نہیں ہے بلکہ اصول اور حق کی ہے۔ اسی حالت میں وہ شخص سمجھ رہا ہے کہ حق پرستی اور غیرت اور حمیت کا تقاضا صرف یہی نہیں ہے کہ زبان سے اس کا دعویٰ کیا جائے بلکہ قول کو فعل میں بدلنے کی ضرورت ہے۔ اس لیے بغیر دنیاوی طمع کے یہ شخص تسلیم ورضا کی راہ میں اپنی جان نذر کرتا ہے تا کہ خدا کا کلام سچا ہو اور اس کی مخلوق کے درمیان سے سچائی اور روشنی نہ مٹنے پائے۔ جرمن کا مورخ اس جگہ نہایت جوش کی ساتھ لکھتا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام اگر چاہتے تو یزید کی ماتحتی میں رہ کر کسی بڑی جگہ کے گورنر بن جاتے۔ لیکن انھیں دنیا کی حکومت سے سخت نفرت تھی۔ جو روحانی حکومت اور سلسلہ باطنی معرفت کا ان بزرگوں کی دم سے قائم تھا اس کی بلندی نے دنیا کی حکومت کو ہیچ کر دیا تھا۔ اس وجہ سے یزید کی بیعت کرنا کسی حال میں

گوارا نہ کیا۔ اگر حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے آباؤ اجداد کے کارناموں کو مٹا کر اس زمانہ کی دنیا پرستی میں آ جاتے تو یقیناً دنیاوی لحاظ سے انھیں کوئی تکلیف نہ پہنچتی لیکن جو شخص دنیا کی حقیقت سے واقف ہوا اور خدا کی حکمت وقدرت کا قائل ہو وہ کبھی دنیا کی عارضی زندگی کو عقبیٰ کی لازوال نعمت پر ترجیح نہیں دے سکتا۔ آخر میں جس نکتہ پر تمام بحث کا خاتمہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ اگر واقعہ شہادت کو یہ عظمت وشہرت نہ دی جائے جو اقوام عالم میں حاصل ہے تو کیا اس سے بنی نوع انسان پر کوئی اخلاقی جرم عائد ہو سکتا ہے؟ اس بارے میں وہ کارلائل کی کتاب ہیروز ورشپ سے انتخاب کر کے یہ دکھاتا ہے کہ بہادرانہ کارنامے محض ایک قوم یا ایک ملک تک محدود نہیں رہتے بلکہ تمام انسانی برادری کی میراث اور ملکیت ہو جاتے ہیں۔ ان کی وجہ سے آنے والی نسلوں میں سلسلہ شجاعت اور استقامت کا باقی رہتا ہے۔ اس لحاظ سے واقعہ شہادت پر جس درجہ غور اور فکر کیا جائے گا اس قدر اس کے اعلیٰ اور عمیق مطالب روشن ہو جائیں گے۔ دنیا میں موجودہ جنگ سے زیادہ کوئی خون ریز جنگ نہیں ہوئی۔ لیکن مظالم، بے رحمیاں اور ناانصافیاں جس حد تک واقعہ کربلا میں ہوئیں ان کا عشر عشیر بھی کسی معرکہ میں نہیں ہوا۔ یہ ہوتا رہا ہے کہ آدمی زیادہ مارے گئے ہیں۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ خون زیادہ بہا ہے لیکن یہ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ دل اور روح کے پاک اور عزیز ترین جذبات کے ساتھ ایسی بے رحمی جیسی کہ کربلا میں ہوئی واقع ہوئی ہو۔ ہٹ دھرمی ناانصافی جور وظلم اور ہر طرح کی سختی جو اس میدان میں مظلوموں کے ساتھ برتی گئی اس کی دوسری مثال کہیں نہیں ملتی۔ آج قوموں اور ملکوں کے تشدد اور ظلم کا رونا رویا جاتا ہے۔ آج توپ وتلوار سے بہادروں کی قسمت کا فیصلہ ہونے والا ہے اور آج دنیا بہت جلد دیکھنے والی ہے کہ کون حق پر ہے۔ ایسی حالت میں انصاف سفارش کر رہا ہے کہ مظلومین کربلا کی بہادری اور حق پرستی کو پہلے دیکھ لے اور تب اس کے بعد کوئی فیصلہ کرے۔ اچھا آؤ ہم دیکھیں کہ واقعہ کربلا سے ہمیں کیا سبق حاصل ہوتا ہے سب سے بڑا سبق یہ ہے کہ فاتحان کربلا کو خدا کا کامل یقین تھا اور وہ اپنی آنکھوں سے اس دنیا سے اچھی دنیا دیکھ رہے تھے۔ اس کے علاوہ قومی غیرت اور حمیت کا بہترین سبق ملتا ہے جو کسی اور تاریخ سے نہیں ملتا اور ایک نتیجہ بھی

حاصل ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ جب دنیا میں معصیت اور غضب وغیرہ بہت ہو جاتا ہے تو خدا کا قانون قربانی مانگتا ہے اس کے بعد تمام راہیں صاف ہو جاتی ہیں۔غرض مورخ جرمن نے اس مسئلہ پر عجیب وغریب فلسفیانہ بحث کی ہے۔اگر ناظرین پسند کریں گے تو ہم آئندہ بھی اس کے اقتباسات سے فائدہ پہنچانے کی کوشش کریں گے''۔

(۱۰) مشہور مورخ اڈورڈ گبن نے اپنی تاریخ روم میں اور مسٹر جان ڈیون پورٹ نے اپنی کتاب اپولوجی فور محمدؐ اینڈ قرآن میں واقعہ کربلا کے متعلق جو رائے لکھی ہے اس کا اقتباس یہ ہے:''تھوڑے عرصہ کے بعد ۶۷۹ء میں معاویہ نے وفات پائی اور اس کا بیٹا یزید جانشین ہوا۔ سلسلہ ہاشمی کی حقداری اور رسول عربی کی فرزندیت کی عظمت حسینؑ کی ذات مجمع صفات میں مجتمع ہوگئی تھی اور وہ ہر طرح مستحق تھے کہ اپنے استحقاق کے لیے بمقابلہ یزید ایسے شریر النفس اور جابر وظالم حاکم دمشق جس کی بدکاریوں کو وہ نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور جس کی خلافت کو وہ ہرگز کبھی خیال میں بھی نہ لائے۔سعی فرماتے۔

یزید نے اپنی بدکاری اور فسق و فجور سے نہ صرف اپنی رعایا ہی کو ستایا بلکہ علی العموم مسلمانوں کو ایسا بیزار کیا کہ ابھی اس کو دمشق میں خلیفہ بنے بہت زمانہ نہیں گزرا تھا کہ کوفہ سے حسینؑ کے پاس ایک لاکھ چالیس ہزار ایسے مسلمانوں کی جو حسینؑ کی طرف داری کا دم بھرتے تھے درخواست پہنچی کہ وہ ان کو اس رتبہ پر تسلیم کرنا چاہتے ہیں جس کا استحقاق ان کو اولادِ رسولؐ ہونے سے وراثت حاصل تھا۔ان درخواستوں میں یہ اظہار شوق تھا کہ وہ اس امر کے لیے بے چین ہیں کہ ادھر حسینؑ دریائے فرات کے کنارے پہنچیں اور وہ تلوار کھینچ کر ان کی حمایت پر آمادہ ہو جائیں۔باوجود اپنے عقل مند دوستوں کی نصیحتوں کے حسینؑ نے اس درخواست کو قبول کرلیا اور قصد مصمم کرلیا کہ اپنی ذات اور اہلبیت کو ان بے وفاؤں کے ایمان پر چھوڑ دیں۔

وہ ایک بہت ہی قلیل جماعت مستورات اور اطفال کے ساتھ صحرانوردی کرتے ہوئے جب حدود عراق کے قریب پہنچے تو اُس حصہ ملک کی بھیانک بلکہ عداوت بھری صورت سے مشتبہ ہوئے اور گمان کیا کہ ان کے طرفدار یا تو ان سے پھر گئے یا ہلاک کردیئے گئے۔بدقسمتی سے ان

کے اندیشے درست تھے۔ عبیداللہ حاکم کوفہ نے کوفیوں کے حملہ کی پہلی ہی چنگاری کو خاموش کر دیا تھا۔ ادھر حسین کربلا (علاوہ پیادوں کے) پانچ ہزار سواروں میں محصور ہو گئے جنہوں نے شہر اور دیار کی راہیں اُن پر مسدود کر دیں۔ حسینؑ کو اب بھی موقع تھا کہ اُس صحرائی قلعہ میں جا کر پناہ لیتے جس پر اگلے زمانہ میں قیصران روم اور خسروان فارس کا کچھ قابو نہ چلا تھا یا یہ ہو سکتا تھا کہ اگر قبیلہ بنی طے کی وفاداری پر بھروسہ کرتے تو وہ لوگ رسول کے نواسے کی حمایت دس ہزار مسلح مردان جنگی سے کر سکتے تھے۔ لیکن ان تدبیروں سے کسی ایک کو بھی اختیار کرنے کی بجائے حسینؑ نے دشمنوں کے سردار فوج سے ایک ملاقات کر کے تین باتیں پیش کیں اور خواہش کی کہ اُن میں سے کسی ایک پر عمل کرنے کا اُن کو موقع دیا جائے (1) مدینہ کی واپسی (2) سرحدی فوج میں بمقابلہ ترک سکوت (3) یزید کی ملاقات۔ لیکن خلیفہ یا اُس کے نائب کے احکام سخت اور قطعی تھے اس لیے حسینؑ کو اطلاع دی گئی کہ یا تو وہ اسیر و مجرم بن کر اپنے آپ کو لشکر خلیفہ کے حوالہ کر دیں یا اپنی مخالفت کی پاداش کے منتظر رہیں۔ حسینؑ نے جواب دیا کہ ''کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ مجھے موت سے ڈرا دو گے۔'' ایک شب کی مختصر مہلت ملی جس میں حسین صبر و سکون بھری رضا کے ساتھ مقدر شدہ مصیبت کا مقابلہ کرنے کے لیے مستعد ہو گئے۔

حسینؑ نے اپنی بہن فاطمہؑ (زینبؑ) سے جو اس خاندان کی آنے والی تباہی پر زار زار رو رہی تھیں گریہ و زاری سے باز رہنے کی تاکید کی اور کہا کہ توکلت علی اللہ (ہم صرف خدا پر تکیہ کرتے ہیں) تمام چیزیں خواہ وہ آسمان میں ہوں یا زمین میں ضرور فنا ہونے والی ہیں اور اپنے خالق کی طرف عود کر جائیں گی۔ میرے پدر بزرگوار میری والدہ محترمہ اور میرے بھائی سب مجھ سے افضل تھے اور ہر مسلمان کے لیے رسولؐ کی عمدہ ترین نظیر موجود ہے۔ پھر اپنے رفیقوں سے اصرار کیا کہ اپنی اپنی جانوں کو بہ حفاظت لے کر کسی طرف نکل جائیں لیکن اُن لوگوں نے ایک زبان ہو کر اپنے پیارے مولا کی ترک رفاقت کرنے یا اُس کے بعد زندہ رہنے سے صاف انکار کیا اور ان کی جراتیں حسینؑ کی ایک پر جوش اور موثر دعا اور حتمی وعدہ فردوس سے بڑھ گئیں۔

روز ہلاکت کی صبح کو حسینؑ ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں قرآن لیے ہوئے

گھوڑے پر سوار ہوئے۔ اُن کے عالی حوصلہ اور بہادر جان نثاروں کی تعداد صرف 32 اور 40 پیادہ تھی لیکن ان کے اطراف اور جانب پشت خیمہ کی طنابوں اور ایک خندق سے جس میں حسب دستورِ عرب آگ روشن تھی محفوظ تھی۔

دشمن پس و پیش کرتے ہوئے آگے بڑھے اور ان کے سرداروں میں سے ایک سردار اپنے تیس یا چالیس ساتھیوں کے ساتھ اپنے لشکر کو چھوڑ کر شہید ہونے والوں میں جا ملا۔ ہر چند دست بدست یا فرداً فرداً لڑنے میں فاطمیوں کی مایوسانہ بہادری کسی طرح زیر نہیں ہوسکتی تھی۔ لیکن محاصرہ انبوہ کثیر دور سے ان پر پتھروں کا مینہ برسا رہا تھا اور سوار و پیادہ مسلسل مارے جا رہے تھے۔

نماز کے وقت تھوڑی دیر کے لیے جنگ ملتوی کی گئی اور آخر کار حسینؓ کے آخر جاں نثاروں کی شہادت کے ساتھ جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔ حسینؓ یکہ و تنہا اور بے یار و مددگار خستہ و پریشان اور زخمی ہو کر اپنے خیمہ کے در پر جا بیٹھے۔

پھر غلبۂ پیاس نے بے چین کیا اور ادھر پانی منہ تک پہنچا ادھر تیر سے دونوں لب زخمی ہوئے اور اُن کا بیٹا اور بھتیجا دو خوبصورت بچے ان کی گود میں مارے گئے حسینؓ نے اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کیا اور درآنحالیکہ دونوں خون سے بھرے ہوئے تھے اور دیکھا کہ اُن ہاتھوں سے ایسے پیارے اور لختِ جگر عزیزوں کے خون کی بھاپ اُٹھ رہی تھی۔ اسی صورت سے انہوں نے زندہ اور مردہ دونوں کی نماز جنازہ ادا کی۔ اور اُن کی بہن ناامیدی سے ازخود رفتہ ہو کر خیمہ سے باہر نکل آئیں اور کوفیوں کے سپہ سالار کو قسمیہ غیرت دلائی کہ حسینؓ کو اپنی آنکھوں کے سامنے قتل ہوتے دیکھتا ہے۔ اس بے قراری پر عمر سعد بھی رو دیا۔ اور اُس کی لمبی داڑھی پر آنسو بہہ نکلے اور جب اس زندگی سے سیر شجاع نے حملہ کیا اور اپنے کو اُن کے درمیان میں ڈالا تو جری سے جری سپاہی بھی ہر طرف پسپا ہو گئے مگر شمر ستمگر نے جس کے نام پر مومنین ہمیشہ لعنت کرتے ہیں ان کے بودے پن پر ملامت کی اور اُنہوں نے رسول اللہ کے نواسے پر ازسرِنو بے رحمی اور بیدردی سے حملہ کیا اور وہ 335 زخموں سے تلوار اور نیزوں کے چور اور بے دم ہو کر اُن کے درمیان گر پڑے۔ شہید حسینؓ کی لاش کو پامال کرنے کے بعد دشمن اُن کا سر کاٹ کر کوفہ کی طرف لے گئے۔ وہاں شقی القلب عبید اللہ نے ان کے دہن مبارک پر

بید مارا۔ ایک مسن شخص نے جو یہ نامردانہ حرکت دیکھی تو چیخا کہ ہائے ان ہونٹوں پر میں نے بہت دفعہ لبہائے رسولؐ خدا دیکھے تھے۔ حسینؑ کے احوال میں کہا جا سکتا ہے کہ ان کو صفات توکل واطمینان قلبی نے بہت ممتاز کیا تھا جیسا کہ اُن کے آباؤ اجداد کو صفِ شجاعت نے مشرف کیا تھا۔ بہن ان کی با آواز بلند آہ وزاری کرتی تھیں اور زار زار روتی تھیں اور چیختی تھیں۔ ''کاش کہ خدا میں کل ہی مر گئی ہوتی نہ کہ آج کے لیے زندہ رہتی۔ میری ماں فاطمہؑ میرے باپ علیؑ میرے بھائی حسنؑ سب مر گئے تباہی اس تباہی پر جو واقع ہو چکی اور افسوس اُس باقی تباہی پر جو ہونے والی ہے۔''

حسینؑ نے جواب دیا: ''اے میری پیاری بہن خدا پر بھروسہ کرو اور جانو کہ ہر شے ہلاک ہو گی سوائے وجود اُس خدا کے جس نے سب چیزوں کو خلق کیا اور جو اپنی قدرت کاملہ سے ان سب کو اپنے پاس روز حشر راجع کرے گا۔ میرے باپ علیؑ اور میرے بھائی حسنؑ مجھ سے بہتر تھے اور ہم سب کی تاسی کے لیے خود رسول خداؐ کی نظیر موجود ہے۔''

حسینؑ افسردہ طبع اور محزون المزاج تھے گویا اپنی مرگ بے گناہ کی ان کو پہلے سے آگاہی تھی اور مثل اپنے باپ کے دینداری میں بے نظیر تھے اور اہل سیر کہتے ہیں کہ وہ ہر روز ہزار مرتبہ عبادت حق تعالیٰ کی کرتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے اپنے باپ سے پوچھا کہ آیا وہ ان سے محبت رکھتے ہیں۔'' علیؑ نے جواب دیا کہ ''وہ ان کو بکمال شفقت چاہتے ہیں۔'' پھر انہوں نے پوچھا کہ ''خدا سے بھی آپ کو محبت ہے۔'' علی نے کہا ''ہاں'' اس پر حسین نے کہا کہ ''سچی دو محبتیں باہم ایک دل میں نہیں رہ سکتیں۔'' اس کلام سے علیؑ ایسا متاثر ہوئے کہ آنسو ٹپک پڑے۔ حسینؑ نے ان کی تشفی کے لیے کہا ''آپ کو کافر بننا اچھا معلوم ہوتا ہے کہ میرا مرتے دیکھنا۔'' علی نے جواب دیا کہ ''میں اپنے پیارے بیٹے کو پہلے حوالہ موت کے کر دوں نہ یہ کہ اپنا دین چھوڑ دوں۔'' تب پھر حسین نے کہا کہ ''اس امتحان سے آپؐ کے معلوم ہوا کہ آپ کو میری محبت ایک الفت طبع ہے اور آپ جو خدا سے محبت رکھتے ہیں وہ سچی محبت ہے اور آپ کی اصل محبت دل سے ہے۔''

اب جہاں لاش حسینؑ کی دفن ہوئی تھی وہاں ایک عالیشان روضہ تعمیر ہوا اور اس مقام کا نام مشہد حسینؑ ہے اور اس دن تک وہاں زوار بہت جایا کرتے ہیں۔

ہمیشہ ہر عہد اور ہر خطہ ملک میں حسینؑ کی شہادت کا یہ حسرت انگیز واقعہ پتھر سے پتھر دل میں بھی ہمدردی پیدا کردے گا۔''

(11) لندن کے ایک ہفتہ وار رسالہ موسومہ ''جرنل آف دی رائل سوسائٹی آف آرٹس کی اشاعت نمبری 22،23 مورخہ 21 اکتوبر 1910ء میں ایک مضمون ''محرم بمبئی'' کے عنوان سے سر جارج پر ڈاوُڈ کے سی۔ آئی۔ ایس۔ ایم ڈی۔ ایل۔ ڈی کے قلم سے نکلا ہے۔ اس مضمون میں فاضل نامہ نگار نی تین جداگانہ فصلیں قائم کی ہیں۔ (1) بنائے شیعیت (2) واقعہ کربلا (93 محرم بمبئی۔

ہم یہاں صرف واقعہ کربلا کا ترجمہ پیش کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو یہ شہادت فرزند رسول خداؐ ایسی عظیم شہادت ہے کہ جس پر اقوام غیر بھی آج دور دراز مقامات سے رو رہے ہیں۔ اور تحریرات کے ذریعہ سے اُس کا علاج ساری دنیا پر کررہی ہیں فاضل مذکور نے لکھا ہے۔

واقعہ صحرائے کربلا

یزید کے خلیفہ ہونے کے تھوڑے ہی دنوں بعد حسینؑ کے پاس خفیہ خطوط اہالیان کوفہ کی جانب سے مکہ میں اس التجا کے ساتھ آئے کہ اس نواح کے مسلمین کو یہاں آکر اپنی بیعت میں لیجیے لیکن یزید کو اس مخالفت کی پوری اطلاع تھی اور قبل اس کے کہ حسینؑ کوفہ پہنچیں وہاں کا بے شرم حاکم معزول کردیا گیا اور بجائے اس کے عبیداللہ بن زیاد حاکم بصرہ کوفہ میں مقرر کیا گیا۔ اس نے فوری تدابیر عمل میں لاکر سازش کرنے والوں کی کل تجاویز کو تہ و بالا کردیا اور ان کے سردار (یہ غلط ہے کیونکہ حضرت مسلم سے جنگ ہوئی اور وہ شہید کیے گئے ۱۲ مترجم) مسلم کو قید کرلیا۔ مسلم نے اس تباہی پر نگاہ کرکے جو حسینؑ پر آنے والی تھی اپنے قید ہونے پر بہت گریہ کیا۔ ان کا سر قلم کرکے یزید کے پاس بھیجا گیا۔ حسین جب سرزمین عراق میں پہنچے تو جس کو عبیداللہ نے معہ ایک دستہ سواران کا راہ روکنے کے واسطے مامور کیا تھا۔ آکر پہنچا حسینؑ نے ان لوگوں سے مخاطب ہوکر اپنا استحقاق

خلافت ظاہر کیا اور حق کی طرف اُن کو دعوت دی۔ حُر نے جواب دیا کہ ہم کو حکم ہے کہ جہاں آپ ہم کو ملیں ہم آپ کو براہِ راست عبید اللہ بن زیاد کے پاس لے جائیں۔ اس کے جواب میں حسینؑ نے کہا کہ مجھ کو اس کے مقابلہ میں مر جانا گوارا ہے۔ یہ کہہ کر اپنے ہمراہیوں کو آگے بڑھنے کا حکم دیا لیکن حر نے اُسی وقت گھوم کر راستہ روک دیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ مجھے آپ سے جنگ کرنے کا حکم نہیں ہے۔ لیکن یہ حکم ہے کہ آپ سے جدا نہ ہوں۔ جب تک کہ آپ کو کوفہ نہ پہنچا دوں۔ کوفہ جانے کا آپ کوئی راستہ اختیار کیجیے بشرطیکہ وہ راہ مکہ کو نہ جاتی ہو۔ آپ یزید یا عبید اللہ کو لکھیے میں بھی عبید اللہ کو لکھتا ہوں۔ شاید خدا کوئی ایسی صورت نکال دے کہ میں آپ کے ساتھ کسی قسم کی سختی کرنے سے بچ جاؤں۔ یہ کہہ کر اُس نے اپنی فوج کو راستہ سے ہٹا یا لیا کہ حسینؑ کوفہ کی جانب روانہ ہوں۔ حسینؑ نے وہ راہ اختیار کی جو قادسیہ سے ہو کر گزرتی ہے۔ یہ واقعہ یکم محرم (جو اسلامی سال کا پہلا مہینہ ہے) **61** ہجری مطابق **680**ء کا ہے۔

رات ہو جانے پر بھی حسینؑ قطع مسافت کرتے رہے۔ اثنائے راہ میں تھوڑی دیر آپ نے آرام کیا اور بیدار ہو گئے اور فرمایا: ''لوگ شب میں سفر کرتے ہیں۔ اور اُن کی قسمتیں اُن کی جانب چل رہی ہیں اس کو میں پیغام موت سمجھتا ہوں۔'' صبح کو بعد فراغت نماز پھر رہ روی شروع کی اور جب کچھ حصہ مسافت کا طے ہو چکا تو ایک سوار آیا جس نے حسینؑ کی طرف کچھ توجہ نہ کی بلکہ ان کے پاس سے گذرتا ہوا حر کے پاس پہنچا اور ایک خط دیا جس میں عبید اللہ کی طرف سے اس کو حکم تھا کہ حسینؑ اور ان کے ہمراہیوں کو فلاں مقام پر لے جائے جہاں نہ کوئی ایسی آبادی ہے نہ حصار اور وہاں ان کو چھوڑ دے تاکہ افواج شام آکر اُن کو گھیر لے۔ یہ واقعہ جمعہ کے دن **2** محرم کو پیش آیا۔

دوسرے دن عمر بن سعد مع چار ہزار سپاہ کے جو مہم دیلم کے واسطے تیار تھی آ گیا یہ لوگ بیرون شہر پناہ کوفہ میں خیمہ زن تھے۔ جب عبید اللہ نے حسینؑ کے آمد کی خبر سنی تو اُس نے عمر کو حکم دیا کہ دیلم کی عزیمت کو ملتوی کر کے حسینؑ کے مقابلے کو جائے۔ لیکن ہر شخص نے اُس کو منع کیا اور سمجھایا کہ خبردار حسینؑ کے مقابلے کو مت جانا خدا سے بغاوت مت کر اور اس طرح اس کے رحم کو اپنے لیے منقطع مت کر کیونکہ تیرا تمام دنیا کی سلطنت سے محروم ہو جانا بہتر ہے بمقابلہ اس کے

کہ اپنے خالق کے سامنے اس صورت میں حاضر ہو کہ تیرے ہاتھ خون حسینؑ سے رنگین ہوں۔ قریب تھا کہ عمر اس نصیحت کو مان لے لیکن عبید اللہ نے دوبارہ یہی حکم تہدید کے ساتھ اس کو دیا لہٰذا وہ مع فوج روانہ ہو کر جیسا کہ ابھی ذکر ہو چکا 3 محرم ہفتہ کے دن حسینؑ کے مقابلہ میں پہنچ گیا۔

عمر نے حسینؑ سے دریافت کرایا کہ آپ یہاں کیوں آئے ہیں انہوں نے جواب میں کہلا بھیجا کہ اہل کوفہ نے خط بھیج کر مجھ کو بلایا تھا مگر چونکہ اب وہ مجھ سے پھر گئے لہٰذا میں مکہ واپس جانا چاہتا ہوں عمر یہ سن کر بہت خوش ہوا اور کہنے لگا کہ خدا سے امید ہے کہ مجھے ان سے جنگ نہ کرنی ہو گی۔ اس کی اطلاع اُس نے عبید اللہ کو کی لیکن اُس نے تاکیدی حکم بھیجا کہ تو حسینؑ اور دریا کے درمیان حائل ہو جا عمر نے اس حکم کی تعمیل کی اور اُس مقام کا نام جہاں اس نے حسینؑ کو فرات سے جدا کیا کربلا تھا۔ حسینؑ نے عمر سے ملاقات کی اور اس ملاقات میں آپ نے یزید کے پاس جانے مکہ جانے یا (جیسا کہ بعض کا قول ہے اور بعض اس سے انکار کرتے ہیں) ترکوں سے جنگ کرنے کی شرط پیش کی۔

عبید اللہ ان شرائط کو منظور کرنے کو تھا کہ شمر اُٹھ کھڑا ہوا اور قسم کھائی کہ حسینؑ کی کوئی شرط منظور نہ کی جائے گی۔ اور اس کے ساتھ ہی اشارۃً یہ بھی کہا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ حسینؑ اور عمر کے درمیان بہت دیر تک صحبت رہی ہے۔ اس پر عبید اللہ نے شمر کو عمر کے پاس اس حکم کے ساتھ روانہ کیا کہ اگر حسین بلا کسی شرط کے اپنے تئیں حوالہ کر دیں تو بہتر ورنہ عمر کو لازم ہے کہ ان پر اور ان کے ہمراہیوں پر حملہ کر کے ان کو قتل کر ڈالے اور ایسا کرنے میں عمر کو کچھ پس و پیش ہو تو شمر کو چاہیے کہ اس کا سر تن سے جدا کر کے خود حسینؑ سے مقابلہ کرے۔ اس طریق پر یکشنبہ، دوشنبہ، سہ شنبہ، چہارشنبہ، پنجشنبہ و جمعہ یعنی 9,8,7,6,5,4 محرم کے دن گزرے 9 کی شام کو عمر نے اپنی افواج کو خیمہ گاہ حسینؑ کے قریب صف بستہ کیا اور خود گھوڑا بڑھا کر حسینؑ کے پاس گیا جو اُس وقت نماز شام سے فراغت کر کے در خیمہ پر کرسی نشین تھے اور عبید اللہ کے شرائط ان پر ظاہر کیے۔ حسینؑ نے اس کے جواب کے واسطے ایک رات کی مہلت مانگی۔ شب میں آپ کی خواہر آپ کے بستر استراحت کے قریب گریہ کناں آئیں اور آپ کو بیدار کر کے با نالہ و بکا عرض کیا ''ہائے

اس خاندان کی تباہی و بربادی پر علیؑ و حسنؑ یہ سب تو رحلت کر چکے واویلا اس تباہی پر جو گزر چکی اور اس تباہی پر جو آنے والی ہے۔" حسینؑ نے فرمایا: "خواہر خدا پر نظر رکھو اور انسان مرنے کے واسطے پیدا ہوا ہے یہ افلاک بھی باقی نہ رہیں گے۔ خدا کی ذات واحد کے سوا جس نے اپنی قدرت کاملہ سے ہر شئے خلق کی اور اپنی قدرت سے اُن کو فنا کرے گا کچھ باقی نہ رہے گا۔ میرے پدر عالی مقدار مجھ سے بہتر تھے۔ میری مادر گرامی اور میرے بھائی حسنؑ مجھ سے بہتر تھے اور وہ اور ہم اور کل مسلمین سب کے واسطے ذات جناب رسالت مآبؐ اعلیٰ مثال تھی۔"

اب آپ نے ہمراہیوں سے فرمایا کہ عبیداللہ کو میری ذات سے غرض ہے لہٰذا تم لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے جاؤ۔ لیکن ان لوگوں نے اس کے جواب میں عرض کیا کہ خدا ہمیں اس ساعت کے واسطے زندہ نہ رکھے کہ جس میں ہم آپ کو اس حالت میں چھوڑ کر چلے جائیں۔ اس پر آپ نے حکم دیا کہ سب خیمے ایک دوسرے سے منسلک کر دیئے جائیں تا کہ سواران غنیم خیمہ گاہ میں نہ گھس سکیں اور خندق پشت خیمہ گاہ پر کھدوا کر اس میں آگ روشن کرا دی تا کہ صرف سامنے کی جانب سے حملہ ہو سکے۔ بقیہ رات آپ نے تسبیح و تہلیل عجز و الحاح میں بسر کی اور فوج شام خیمہ گاہ کے گرد حصار کیے رہی۔

صبح کو ہر دو جانب سے سامان قتال ہونے لگا حسینؑ نے پہلے غسل کیا اور مشک سے حنوط کیا اور خاص خاص ہمراہیوں نے بھی ایسا ہی کیا اور ایک کے دریافت کرنے پر حسینؑ نے بشاشت سے جواب دیا کہ "ہمارے اور سیاہ چشم حوران بہشت کے درمیان کوئی شئے حائل نہیں ہے بجز اس کے کہ یہ فوج ہم پر حملہ آور ہو اور ہم کو قتل کر ڈالے۔" یہ کہہ کر آپ گھوڑے پر سوار ہوئے اور قرآن سامنے رکھ کر درگاہ احدیت میں بعجز عرض کیا کہ "باری تعالیٰ! تجھ ہی پر ہر مصیبت میں میری نظر ہے اور رنج میں تجھ ہی سے میری امیدیں وابستہ ہیں۔" بعد اس کے اس کتاب پاک کے کھلے ہوئے صفحوں پر اپنے ہمراہیوں سے اپنی بے گناہی کا تصفیہ چاہا اس پر آپ کی بہنوں اور بیٹیوں نے بیتاب ہو کر رونا شروع کیا اور یہ دیکھ کر حالت رنج و غم میں آپ کی زبان سے یہ کلمہ نکلا کہ "خدا ابن عباس کو جزائے خیر دے۔" یہ اشارہ تھا اس فہمائش کی

طرف جو عبداللہ بن عباس نے عورت کو مکہ میں چھوڑ جانے کے متعلق آپ کو کی تھی۔ اس وقت چند سوار فوج مخالف سے گھوڑے بھگاتے ہوئے حسینؑ کے پاس آئے۔ جن کی نسبت یہ خیال ہوا کہ یہ لوگ لڑنے کی غرض سے آ رہے ہیں لیکن یہ حُر اور اُس کے ہمراہی تھے جو فوج شام سے نکل کر حسینؑ کے ساتھ شہید ہونے اور انسان اور خدا کے سامنے اپنی توبہ کا ثبوت دینے آئے تھے۔ مگر جب قریب خیمہ گاہ پہنچا تو مڑ کر فوج شام کو کہا کہ ''وائے ہو تم پر'' اس پر عمر نے نشان کھول دینے کا حکم دیا جب نشان فوج کے سامنے علم ہو چکے تو شمر نے خیمہ گاہ کی طرف ایک تیر چلایا اور کہا کہ شاید رہنا کہ پہلا تیر میں نے چلایا ہے اس کے بعد جنگ شروع ہو گئی۔ یہ لڑائی فرداً فرداً سلسلہ وار دوپہر تک جاری رہی تا آنکہ جب دونوں طرف لوگ نماز میں مشغول ہوئے حسینؑ نے اس موقع پر علاوہ معمولی نماز کے نماز خوف ادا کی جو انتہائی مجبوری کی حالت میں ادا کی جاتی ہے۔ تھوڑی دیر بعد پھر لڑائی شروع ہوئی اور حسینؑ کے سر پر تلوار کا زخم پہنچا خون کے بہہ جانے سے کمزور ہو کر آپ اپنے خیمہ کے قریب بیٹھ گئے اور اپنی گود میں اپنے صغیر السن صاحبزادے کو اُٹھا لیا جو اسی وقت تیر سے شہید ہو گئے۔ یہ متبرک نعش آپ نے زمین پر رکھ دی اور رو کر فرمایا

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بار خدایا ان امتحانات کے تحمل کی قوت مجھ میں عطا فرما۔ پیاس کی شدت میں آپ فرات کی طرف دوڑ گئے اور جوں ہی جھک کر پانی پینا چاہا کہ ایک تیر آپ کے منہ پر لگا اس حالت میں بھی کہ خون آپ کے ہونٹوں سے جاری تھا۔ آپ نے پھر درگاہ خدا میں دعا کی۔ آپ کا ایک نہایت حسین بھتیجا آپ سے بغلگیر ہونے کے واسطے پہنچا اور اسی مقام پر اس کے وہ چھوٹے چھوٹے نازک ہاتھ تلوار سے قلم ہو گئے اس پر حسینؑ رو دیئے اور فرمایا اے معصوم بچے تیری جزا تیرے بزرگوں کے ساتھ ان کے غیر فانی مقام اور برکات ایزدی میں ہے۔

اب افواج شام نے بسر کردگی شمر حسینؑ کو ہر چہار سمت سے گھیر لیا لیکن آپ نے ان کی کچھ پروا نہ کر کے ان پر مثل شیر ژیاں حملہ پر حملہ ہر جانب سے شروع کیا۔ دوران جنگ میں

آپ کی بہن آپ کے اور آپ کے قاتلوں کے درمیان آ گئیں اور عمر سے خطاب کیا کہ ''وائے ہو تجھ پر تو کھڑا دیکھ رہا ہے اور حسینؓ قتل ہو رہے ہیں۔'' عمر نے یہ سن کر اپنا منہ پھیر لیا اور درحالیکہ آنسو داڑھی سے ٹپک رہے تھے لیکن باوجود اس کے شمر نے اپنی فوج کی دھمکیاں دے کر اور ملامت کر کے پھر حملہ کر دیا آخر کار ایک شخص نے حسینؑ کے ہاتھ پر زخم شدید پہنچایا۔ دوسرے نے گردن اور ایک تیسرے نے سینہ پر ایسا نیزہ لگایا کہ پشت کو توڑ کر باہر نکل گیا۔ جوں ہی آپ زمین پر تشریف لائے ویسے ہی مردود شمر چند سوار اپنے ساتھ لے کر ان کو آپ کی نعش پر سے دوڑا لے گیا اور بار باریوں ہی اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر دوڑاتا ہوا یہاں کہ اس مقام پر سوائے خاک آلودہ گوشت اور خون کے ڈھیر کے اوپر کچھ نظر نہ آتا تھا۔ اس طرح اپنے بھائی حسنؑ کی شہادت سے بارہ برس بعد حسینؑ بن علی خونین میدان کربلا میں 10 محرم 61 ہجری مطابق 680ء کو فائز بہ شہادت ہوئے یہی شہادت حسینؑ ہے۔ جو ہر سال اول عشرہ محرم میں منائی جاتی ہے۔ ہندوستان اور ایران کے شیعوں میں اور اس جوش کے ساتھ جو سنیوں کے مقابلہ میں اس زخم کو تازہ کر دیتا ہے جو ابتداءً زائد از ایک ہزار سال کا زمانہ ہوا کہ لگایا گیا تھا اور امام حسینؑ کے آخری زمانہ کے ان حالات کا منظر ایسے پیرایہ میں دکھلایا جاتا ہے کہ یہ دردناک واقعہ اپنی اصلی حیثیت میں پیش نظر ہو جاتا ہے۔''

(12) اوکلی نے اپنی تاریخ ہسٹری آف سارا سنس میں (13) سر لیوس پیلے نے ڈراماٹک پلے آف حسینؑ میں (14) اوسلیمون نے تاریخ اسلام میں (15) ڈاکٹر اومن نے آتھیسٹن برہمنس اینڈ محمڈنس آف انڈیا میں (16) کوسن لی پریول نے اپنی کتاب میں (17) ویلاسٹن نے اپنی کتاب میں (18) ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ میں (19) مکولے نے اپنے لارڈ کلویو پر ایسے ہیں (20) آرتھر گلمن نے دی سارا سنس میں اور اسی طرح بکثرت مورخین نے اپنی اپنی کتابوں میں شہادت امام حسینؑ کو بڑی عظمت سے لکھا ہے۔ میں بیس کتابوں کے نام گنوا چکی اب کہاں تک بکتی رہوں۔ ان انگریزی کتابوں کا نام لینے سے میں گھبراتی ہوں۔ تم جانتے ہو کہ میں نے انگریزی نہیں پڑھی اردو رسالوں یا کتابوں میں کچھ نام

چھپ گئے ہیں انہیں کو میں نے جمع کر لیا تھا۔

مولوی صاحب: مگر تمہارا دماغ تو پورا کتب خانہ ہے۔ انگریزی نہیں جانتی ہو اُس پر تو بیس کتابوں اور اُن کے لکھنے والوں کا نام بتا دیا۔ اگر پڑھی ہوتیں تو کیا کرتیں۔

حسینی بیگم: اچھا اب ماموں صاحب کا خط دو گے بھی یا ہضم ہی کر ڈالنے کا ارادہ ہے؟

مولوی صاحب: نہیں ہضم کیوں کرنے کا۔ یہ کہہ کر خط دے دیا۔

حسینی بیگم نے خط پڑھا تو اس کے آخر میں بہت سے یوروپین مصنفین اور ان کی کتابوں کے نام جو شہادت حسینؑ اور واقعہ کربلا کے متعلق ہیں انگریزی میں لکھے ہوئے تھے۔

حسینی بیگم: تو آپ کچھ انگریزی بھی پڑھ لیتے ہیں۔ دیکھو اس کاغذ میں کن لوگوں اور کن کتابوں کے نام لکھے ہیں۔

مولوی صاحب: (خط لے کر) ہاں اس میں تو دس آدمیوں کے نام اور ان کی کتابیں بھی لکھی ہیں اور یہ سب غالباً سابق بیس مصنفین کے علاوہ ہیں۔

حسینی بیگم: لو پھر تو میرے قول کے موافق تیس یورپ کے مورخین کی عبارتیں بھی مل گئیں۔ مگر افسوس یہ سب انگریزی فرانسیسی اور جرمنی زبانوں میں ہیں جن کو میں سمجھ نہیں سکتی۔ (مسٹر ابوالخیر نے اپنے خط میں حسب ذیل کتابوں اور ان کے مصنفین کے نام لکھ کر بھیجے تھے)۔

مولوی صاحب: مگر میری تشفی ہو گئی۔ تم نے عربی فارسی انگریزی ہر کتاب سے ثابت کر دیا کہ شہادت حضرت حسینؑ کا واقعہ اسلام کا سب سے زیادہ یقینی اور مشہور واقعہ ہے جو شخص اس سے انکار کرے وہ گویا وجود آفتاب کا منکر ہے۔

❁❁❁❁❁

تئیسواں باب

قاتلانِ حسینؑ کون؟

مولوی عبدالغفار صاحب وعظ کہنے میں روز بروز زیادہ مشہور ہوتے جاتے تھے۔ دور دور کے لوگ بھی ان کو لے جاتے یا طلب کرتے۔ ایک دفعہ شہر کانپور کے مشہور تاجر حاجی محمد عثمان صاحب الہ آباد آئے اور مولوی صاحب سے وعظ کہنے کے لیے کانپور چلنے کو کہا۔ یہ راضی ہو گئے۔ جب اسٹیشن پر پہنچے تو جس ڈبے میں سوار ہوئے اس میں مسٹر بنرجی ایم۔اے پروفیسر اور مسٹر محمد عمر وکیل بنارس بھی تھے۔ مسٹر محمد عمر اور حاجی محمد عثمان میں پہلے سے ملاقات تھی۔ گاڑی میں ان کے سوار ہوتے ہی وکیل صاحب السلام علیکم کہتے ہوئے بڑھے اور حاجی صاحب سے ہاتھ ملا کر اپنی بغل میں جگہ دے دی۔ جب کچھ دیر تک مزاج پرسی وغیرہ ہو چکی تو وکیل صاحب نے مسٹر بنرجی اور حاجی صاحب میں تعارف کرایا اس طرح چاروں حضرات ایک دوسرے سے دل بہلانے لگے۔ مسٹر بنرجی بنارس میں رہنے کی وجہ سے کچھ اردو بول لیتے تھے اور اسلامی تاریخ سے بھی بالکل بے خبر نہیں تھے۔ جب الہ آباد اسٹیشن سے گاڑی چل پڑی تو اس کے کچھ دیر کے بعد اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

مسٹر بنرجی: وکیل صاحب! آپ حاجی صاحب کا نام کیا بولا۔

مسٹر محمد عمر: حاجی محمد عثمان صاحب

مسٹر بنرجی: یہ تو آپ لوگوں کا خلیفہ لوگ کا نام ہے؟

مسٹر محمد عمر: خلیفہ لوگ کا نام نہیں صرف تیسرے خلیفہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام تھا۔ کسی اور خلیفہ کا نام نہیں تھا۔

مسٹر بنرجی: ہاں ہاں ٹھیک۔ اور آپ کا پہلا خلیفہ لوگ حضرت ابوبکر اور دوسرا خلیفہ لوگ کا نام

حضرت عمر تھا نہ؟

مسٹر محمد عمر: ہاں۔

مسٹر نبرجی: اور آپ کا چوتھا خلیفہ لوگ کا نام کیا تھا؟

مسٹر محمد عمر: حضرت علیؓ۔

مسٹر نبرجی: او بابا۔ علی ٹھیک۔ آپ ہم کو معاف کرنا ہم بھی جانتا ہے باقی اس وقت خیال نہیں رہا۔ اور پانچواں خلیفہ لوگ کا نام کیا تھا؟

مسٹر محمد عمر: معاویہ

مسٹر نبرجی: اور چھٹا خلیفہ لوگ کا نام؟

مسٹر محمد عمر: یزید

مسٹر نبرجی: او۔ ہاں ہاں۔ وہی نا جس نے امام حسینؓ کو قتل کیا؟

مسٹر محمد عمر: نہیں یہ غلط ہے۔ یزید نے قتل نہیں کیا۔

مسٹر نبرجی: آپ لوگ تو یہی بولتا ہے۔

مسٹر محمد عمر: کلکتہ یونیورسٹی کے پروفیسر مسٹر صلاح الدین خدا بخش نے **31**ء کے اخبار اسٹیٹسمین میں بہت زبردست مضمون لکھ کر ثابت کر دیا ہے کہ یہ غلط مشہور ہے یزید نے امام حسینؓ کو قتل نہیں کیا۔

مسٹر نبرجی: تو پھر مسلمان لوگ اپنا نام یزید کیوں نہیں رکھتا۔ عمر نام رکھتا ہے، عثمان نام رکھتا ہے۔ علیؓ نام رکھتا ہے معاویہ اور یزید نام کیوں نہیں رکھتا؟

اس سوال کا جواب مسٹر محمد عمر کے ذہن میں نہیں آیا۔ وہ چپ ہو کر رہ گئے۔ اتنے میں مولوی عبدالغفار صاحب بولے۔

مولوی صاحب: جناب وکیل صاحب! یہ آپ نے کیا فرمایا؟ مسٹر صلاح الدین کہاں ہیں اور کب پیدا ہوئے۔ انہوں نے کیسے ثابت کر دیا کہ یزید نے حسینؓ کو قتل نہیں کیا؟ کیا اسلام کی کل تاریخ اور حدیث کی کتابیں جھوٹی ہو گئیں اور وہ چشم دیدہ گواہ آج ظاہر ہوئے؟

مسٹر محمد عمر: ان باتوں کا جواب میں کیا دوں۔ آپ تو انگریزی نہیں جانتے کہ اصل مضمون پڑھ سکیں مگر ہاں اس کا اُردو ترجمہ کلکتہ کے روزانہ اخبار ''جمہور'' میں چھپا تھا اسے منگوا کر ملاحظہ فرمالیجئے۔

مولوی صاحب: کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ غالباً کس تاریخ کے اخبار میں وہ مضمون ملے گا۔

مسٹر محمد عمر: یہ تو مجھے بھی یاد نہیں مگر ہاں 31ء میں جو محرم پڑا تھا اسی کی کسی تاریخ میں اسٹیٹسمین نے وہ مضمون شائع کیا تھا اور اُس کے چند دنوں بعد اُردو ترجمہ چھپا۔

اس کے بعد دوسری باتیں چھڑ گئیں مگر مولوی صاحب کو اُس مضمون کے دیکھنے کی شدید فکر لاحق ہوئی۔ جب کانپور پہنچے تو وہیں سے ایک کارڈ کلکتہ میں اپنے دوست مولوی خلیل الحق صاحب کو لکھا ہے 31ء میں جو محرم پڑا تھا اس کی کسی تاریخ کو (انگریزی اخبار اسٹیٹسمین نے مسٹر صلاح الدین خدا بخش کا ایک مضمون شائع کیا تھا کہ یزید نے حضرت حسینؓ کو قتل نہیں کیا۔ اس کا اُردو ترجمہ اخبار ''جمہور'' میں چھپا تھا۔ براہِ کرم ''جمہور'' کا وہ پرچہ کسی طرح حاصل کر کے مجھے الہ آباد کے پتے سے بھیج دیجئے بہت ممنون ہوں گا اس کی شدید ضرورت ہے۔''

مولوی صاحب کانپور سے دو روز کے بعد واپس آئے اور اب برابر اخبار جمہور کا انتظار کرنے لگے۔ کوئی 16 روز کے بعد ڈاک سے ان کے پاس اخبار جمہور مورخہ 18 جون 31ء پہنچ گیا جسے مولوی خلیل الحق صاحب نے بھیج دیا تھا۔ جلدی سے اسے کھول کر پڑھنے لگے تو ''معرکہ کربلا'' کی سرخی سے بہت بڑا مضمون تھا۔ ایک دفعہ پڑھ جانے کے بعد انہوں نے کچھ دیر تک آنکھیں بند رکھیں۔ پھر دوبارہ اس مضمون کو بہت غور سے پڑھ گئے۔ جب شب کو اخبار لیے ہوئے مکان پر پہنچے اور حسینی بیگم بھی کھانے اور گھر کے تمام کاموں سے فارغ ہو کر آ گئیں تو اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

مولوی صاحب: میں نے تم سے بیان کیا تھا کہ مسٹر محمد عمر صاحب وکیل نے اخبار جمہور کا پتا دیا تھا آج وہ اخبار آ گیا مضمون تو واقعا بہت زوردار ہے۔ اور مسٹر صلاح الدین خدا بخش بڑی جرات سے کام لے کر اصلی بات ظاہر کر دی۔

حسینی بیگم: ذرا میں بھی تو دیکھوں۔ یہ کہہ کر اخبار جمہور کا وہ مضمون پڑھنے لگیں۔ جب پورا مضمون پڑھ گئیں تو کہا: ''یہ تو مرزا حیرت کے شاگرد نکلے۔ یہ کون سا بڑا کام ہے۔کل کوئی پروفیسر صاحب کہہ دیں گے کہ حضرت عمر کو ابولولوء نے قتل نہیں کیا بلکہ وہ جنگ روم میں لڑتے ہوئے شہید ہوئے اور روم ہی میں دفن کیے گئے تو کیا تم مان لوگے؟''

مولوی صاحب: مگر مسٹر صلاح الدین تو صاف لکھتے ہیں کہ ''جو کچھ بھی عمر بن سعد بن ابی وقاص کا اخلاقی جرم اس معاملہ میں رہا ہو لیکن ہم معتبر روایت کے ذریعہ سے یزید کو عزت کے ساتھ اس جرم سے بری کرتے ہیں۔''

حسینی بیگم: بس تو فیصلہ آسان ہے۔ وہ معتبر روایت کیا اور کس کی ہے؟ جس کے ذریعہ سے یزید اس جرم سے بری ہو سکتا ہے۔''

مولوی صاحب: یہ تو اس میں نہیں لکھا ہے!

حسینی بیگم: پھر اس کو چانڈو خانہ کی گپ نہ کہی جائے تو کیا خطاب دیا جائے میرا دعویٰ ہے اور اس دعویٰ پر میں دنیا بھر سے مقابلہ کر سکتی ہوں کہ جس قدر اسلامی تاریخیں لکھی گئیں کسی ایک میں بھی معتبر کیا غیر معتبر روایت بھی اس مضمون کی نہیں ہے کہ یزید اس جرم سے بری تھا یا بری ہو سکتا ہے۔ اب حسب ذیل تاریخی گواہوں کا بیان سنو۔

(۱) علامہ جمال الدین محدث نے لکھا ہے کہ

''یزید از استماع این اخبار در غضب رفته نامه بولید نوشت مضمونش آن که دست در طلب عبدالله بن زبیر بازدارد که بهر کجا باشد اثر سخط بابا و خواهد رسید و سر حسین بن علی را مصحوب جواب نامه بفرستد

یعنی ان خبروں کے سننے سے یزید غضبناک ہوا اور ولید حاکم مدینہ کو اس مضمون کا حکم لکھا کہ عبداللہ بن زبیر کی تلاش چھوڑ دو وہ میرے غضب سے کہاں بھاگ سکیں گے۔ اور حسینؑ فرزند علی کا سر جواب خط کے ساتھ روانہ کر دو۔'' (روضۃ الاحباب نسخہ قلمی)

(2) مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب شاگرد رشید مولانا عبدالعزیز دہلوی نے لکھا ہے۔

دریں شکے نیست کہ یزید پلید آمر وراضی و مستبشر از قتل حسین علیہ السلام بودہ ہمین ست مذہب مختار جمہور اہل سنت و جماعت چنانچہ در کتب معتمدہ مثل مفتاح النجاۃ مرزا محمد بدخشی و مناقب السادات ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی و شرح عقائد نسفی ملا سعد الدین تفتازانی وتکمیل الایمان شیخ عبدالحق محدث دہلوی و غیرآں ازا سفار معتبرہ باشواہد و دلائل مذکورہ سطورست

یعنی اس میں تو شک ہی نہیں ہے کہ یزید پلید نے امام حسین علیہ السلام کے قتل کا حکم دیا۔ اس فعل پر راضی ہوا اور اس واقعہ سے خوش ہوا۔ جمہور اہل سنت و جماعت کا مختار مذہب یہی ہے جیسا کہ معتمد کتابوں میں لکھا ہے۔ مثلاً علامہ مرزا محمد بدخشی کی کتاب مفتاح النجاۃ ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی کی کتاب مناقب السادات۔ علامہ تفتازانی کی شرح عقائد نسفی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تکمیل الایمان وغیرہ بہت سی معتبر کتابوں میں لکھا ہے (تحریر الشہادتین مطبوعہ لکھنو **78**)

پھر لکھتے ہیں:

''یزید علیہ الستحقہ چوں از قتل حسینؑ دل خوش کرد یعنی یزید اس پر وہی (لعنت) نازل ہو جس کا وہ مستحق تھا جب حسینؑ کو قتل کر کے خوش ہو گیا۔ (تحریر الشہادتین ص **101**)

(3) علامہ شبرادی لکھتے ہیں:

لا ریب ان اللہ سبحانہ قضی علی یزید بالشقاء فقد تعرض لال البیت الشریف بالاذی فارسل جندہ لقتل الحسین وقتلہ وسبی حریمہ داولادہ وھم اکرم اھل الارض۔

''یعنی کوئی شک نہیں کہ یزید پر بدبختی سوار تھی کہ اس نے اہل بیت پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھادیے۔ اپنا لشکر امام حسینؑ کے قتل کو بھیجا۔ امام حسینؑ کو قتل کیا اور آپ کے اہل وعیال کو جو زمین پر سب سے زیادہ عزت وشرف والے تھے قیدی بنایا۔

(کتاب الاتحاف: ص 18)

(14) اور علامہ قسطلانی نے لکھا ہے:

اللعن علی یزید لما انہ کفر حین امر یقل الحسین۔

''یعنی یزید پر لعن جائز ہے کیونکہ جب اس نے امام حسینؑ کو قتل کا حکم دیا تب ہی کافر ہو گیا۔''

والحق ان رضا یزید بقتل الحسین واستبشارہ بذالک واھانتہ اہل بیت النبی مما تواتر معناہ۔ (شرح صحیح بخاری، جلد 5 ص 85)

''یعنی حق یہ ہے کہ قتل حسینؑ پر یزید کا راضی ہونا اور اس سے بہت خوش ہونا اور اہل بیت نبی صلعم کی اہانت کرنا متواتر واقعات سے ہے۔

بالکل یہی عبارت علامہ تفتازانی کی شرح عقائد النسفی ص 18 میں بھی ہے۔

(6) علامہ جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے:

فکتب یزید الی والیہ بالعراق عبیداللہ بن زیاد بقتالہ۔

''یعنی پھر یزید نے اپنے حاکم عراق عبیداللہ بن زیاد کو لکھا کہ امام حسینؑ سے قتال کرو۔

(تاریخ الخلفاء: ص 140)

اور یہ مسلم ہے کہ قتال میں ہر فریق دوسرے کو قتل کرنا چاہتا ہے تو یزید ہی نے ابن زیاد کو حکم دیا کہ امام حسینؑ سے لڑ کر ان کو قتل کردو۔

(7) علامہ جلیل اور مورخ اعظم مسعودی اپنی بے مثل ونظیر تاریخ میں لکھتے ہیں: جب بنی عباس نے بنی اُمیہ کو تباہ وبرباد کر کے اُن سے سلطنت چھین لی ہے تو بنی عباس کے ایک سردار نے خلفائے بنی اُمیہ کے آخری بادشاہ مروان کی بیٹیوں کو گرفتار کر کے بنی عباس کے خلیفہ سفاح

کے چچا صالح بن علی کے پاس بھیجا ہے جب وہ دربار میں داخل ہوئیں تو بڑی لڑکی نے صالح بن علی سے کہا کہ اے خلیفہ وقت کے چچا! خدا آپ کو سلامت رکھے۔ ہم سب بھی حضور ہی کی بیٹیاں ہیں تو آپ ہم لوگوں پر رحم فرمائیں۔ اور ہمیں آزاد کردیں۔ صالح بن علی نے جواب دیا کہ یہ نہیں ہوسکتا میں آج نہ کسی مرد کو زندہ چھوڑوں گا نہ کسی عورت کو۔ کیا تمہارے باپ دادا نے آج سے پہلے میرے بھتیجے ابراہیم بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کو قید خانہ میں قتل نہیں کیا۔ کیا تمہارا دادا ہشام بن عبدالملک نے حضرت امام زین العابدین علیہا السلام کے فرزند زید کو قتل نہیں کیا اور پھر اُن کی لاش کو کوفہ کے محلّہ کناسہ میں سولی پر نہیں چڑھادیا؟ اور پھر اُن کی بیوی کو بھی مقام حیرہ میں نہیں قتل کرادیا تھا؟ کیا میں تمہارے دادا ولید بن یزید نے اُنہیں حضرت زید کے صاحبزادے حضرت یحییٰ خراسان میں قتل کرا کے سولی پر نہیں چڑھایا؟

الم يقتل عبيدالله بن زياد الداعي مسلم بن عقيل بن ابي طالب بالكوفة الم يقتل يزيد بن معاوية الحسين بن علي على يدي عمر بن سعد مع من قتل بين يديه من اهل بيته۔ الم يخرج بحرم رسول الله صلى الله عليه وآله وآله وسلم سبا ياحتى وردبهم على يزيد بن معاويه و قبل مقدمهم بعث اليه براس الحسينؑ ابن علي قد نصب دماغه على راس رمح يطاف به كور الشام ومدائنها حتى قدموا به على يزيد بدمشق كانما نعث اليه براس رجل من اهل الشرك ثم وقف حرم رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم موقف السبي يتصفحهن جنود اهل الشام الجفاة الطغام ويطلبون منه ان يهب لهم حرم رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم استخفا فابحقه صلى الله عليه وآله وسلم وجرأة على الله عزوجل و كفرالا نعمة۔

''یعنی کیا عبید اللہ بن زیاد نے جناب مسلم بن عقیل کو قتل نہیں کیا؟ کیا یزید بن معاویہ نے امام حسین کو حضرت کے بکثرت عزیزوں اور ساتھیوں کے ہمراہ قتل نہیں کیا؟ کیا یزید کے حکم سے عمر بن سعد رسول خدا صلعم کے حرم کو قید کر کے یزید کے پاس نہیں لایا اور ان مخدرات عصمت وطہارت کے لانے کے پہلے حضرت امام حسینؑ کے سر مبارک کو شام کے دیہاتوں اور شہروں میں نہیں پھرایا؟ اس شان سے کہ حضرت کا سر مبارک ایک نیزہ کی نوک پر نصب کرا دیا گیا تھا یہاں تک کہ اسی طرح لوگ اس سر کو یزید کے پاس دمشق میں لائے۔ معلوم ہوتا تھا کہ کسی مشرک کا سر لایا گیا ہے۔ پھر حضرت رسول خدا صلعم کے حرم کو اسی طرح قیدی بنا کر وہاں کھڑا کر دیا کہ اہل شام کے بدمعاش شیطان لشکر والے ان مخدرات عصمت و طہارت کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تکتے اور گھورتے تھے اور یزید سے سوال کرتے تھے کہ حرم رسولؐ کی لڑکیاں ان کو دے دے تاکہ وہ لونڈی بنائیں۔ یہ سب کاروائی حضرت رسول خدا صلعم کو ذلیل اور رسوا کرنے کے لیے اور خدا سے ڈھٹائی اور اس کی نعمتوں سے کفران کر کے انجام دی گئی۔''

(مروج الذہب برحاشیہ تاریخ کامل مطبوعہ مصر جلد 8 ص 21)

دیکھو خود ہی بنی عباس کے خلیفہ سفاح کے چچا صالح بن علی نے مروان کی بیٹیوں سے کہا کہ یزید ہی نے امام حسینؑ کو قتل کرایا اور حرم رسول خداؐ کو قیدی بنا کر در بدر پھرایا۔ اس سے بھی بڑھ کر کوئی گواہی اور ہو سکتی ہے؟ یہ واقعہ **132** ہجری یعنی واقعہ کربلا سے صرف **71** سال کے بعد کا ہے۔ جب اس کے جاننے والے لاکھوں آدمی دنیا میں موجود تھے۔

(8) یہی علامہ مسعودی دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

ولما شمل الناس جور یزید وعماله وعمهم ظلمه وماظهر من فسقه من قتله ابن بنت رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم وانصاره وما ظهر من شرب الخمور وسیرة فرعون بل کان فرعون اعدل منه في رعیته وانصف منه لخاصته وعامته اخرج

اهل المدینة عامله علیهم

''یعنی جب لوگوں کو یزید اور اس کے عمال کے جور و ستم نے گھیر لیا اور اس کا ظلم عام ہو گیا اور اس کا فسق کھل گیا کہ اُس نے حضرت رسولؐ خدا کے نواسے اور آپ کی انصار کو قتل کر دیا اور اس کی شراب خواری اور فرعونی روش کے واقعات ظاہر ہو گئے۔ بلکہ فرعون تو اپنی رعیت میں بمقابلہ یزید کے کہیں زیادہ عادل اور مصنف مزاج تھا۔ تب مدینہ والوں نے یزید کے عامل مدینہ کو اپنے وہاں سے نکال دیا۔ (مروج الذہب برحاشیہ تاریخ کامل جلد 6 ص 148)

(9) یہی علامہ مسعودی پھر لکھتے ہیں:

ولیزید وغیرہ اخبار عجیبة و مثالب کثیرہ من شرب الخمر وقتل ابن الرسول ولعن الوصی وھدم البیت واحراقه وسفك الدماء والفسق والفجور وغیر ذلك مما وردفیه الوعید بالیاس من غفرانه کوروده فیمن جحد توحیده و خالف رسله

''یعنی یزید وغیرہ کے لیے عجیب خبریں اور بڑی برائیاں ہیں کہ شراب پیتا تھا۔ فرزند رسول کو قتل کر دیا۔ حضرت علیؑ پر لعنت کیا کرتا تھا۔ خانہ کعبہ کو شہید کر دیا اور اس میں آگ لگا دی لوگوں کے خون بہا دیئے اور دوسرے فسق و فجور اس کثرت سے کئے جس کے متعلق خدا کا یہ وعدہ ہو چکا ہے کہ ان گناہوں کو نہیں بخشے گا۔ جس طرح خدا یہی وعدہ اُن لوگوں کے بارے میں بھی ہو چکا ہے جو خدا کی توحید کا انکار کریں اور اس کے رسولوں کی مخالفت کریں۔ (غرض یزید اور کفار سب برابر ہیں)۔ (مروج الذہب جلد 6 ص 152)

یہ بھی ملاحظہ ہو کہ مورخ مسعودی فن تاریخ کا امام ہے۔ اسلام میں آج تک اس کے برابر کوئی وسیع النظر مورخ پیدا نہیں ہوا۔ اس کی تمام تاریخی کتابیں ملتیں تو کسی اور تصنیف کی حاجت نہ ہوتی۔ (الفاروق ص 8)

(10) علامہ احمد بن داؤد ابوحنیفہ دینوری المتوفی 261 ہجری نے لکھا ہے کہ جب یزید کے مرنے پر ابن زیاد عراق سے بھاگا ہے تو اس کے ساتھی نے کہا کہ شائد تم اس بات میں پریشان ہو کہ کیوں امام حسینؑ کو قتل کیا تو ابن زیاد نے جواب دیا:

ما قتل الحسین فانه خرج علی امام وامة مجتمعة و کتب الی الامام یا مرنی بقتله فان کان ذلك خطاء کان لا زما لیزید۔

''یعنی میں نے جو امام حسینؑ کو قتل کیا تو انہوں نے ایک بادشاہ (یزید اور اس کی رعایا پر خروج کیا۔ اور اس بادشاہ (یزید) نے مجھے حکم لکھ بھیجا کہ امام حسینؑ کو قتل کر دوں۔ اب اگر یہ بات خطا تھی تو اس کا الزام یزید پر ہے۔ (اخبار الطوال مطبوعہ مصر 279)

(11) علامہ ابن اثیر جزری بھی مذکورہ بالا واقعہ کو لکھتے ہیں جس میں ابن زیاد نے کہا:

اما قتل الحسین فانه اشار الی یزید بقتله او قتل فاخترت قتله

''یعنی میں نے امام حسینؑ کو قتل کیا تو اس وجہ سے کہ یزید نے مجھ کو اشارہ کیا کہ حضرت کو قتل کر دوں کیونکہ اگر حضرت کو قتل نہیں کروں گا تو یزید مجھ ہی کو قتل کر دے گا۔ لہٰذا میں نے امام حسینؑ ہی کا قتل اختیار کیا۔ (تاریخ کامل مطبوعہ مصر جلد 4 ص 55)

(12) خود یزید نے اپنے اشعار میں اقرار کیا ہے کہ میں نے امام حسینؑ کو قتل کیا وہ سر امام حسینؑ کو سامنے رکھے ہوئے دانتوں کو چھڑی سے مار رہا تھا اور یہ اشعار پڑھ رہا تھا۔

لیت اشیاخی ببدر شهدوا
جزع الخروج من دقع الاسل
لاهلو واستهلوا فرحا
ثم قالوا یایزید لا تشل
قد قتلنا القرن من ساداتهم
وعدلنا قتل بدر فاعتدل
لست من عتبة ان لم انتقم

من بنی احمد ما کان فعل

لعبت هاشم بالملك فلا

ملك جاء ولا وحی نزل

''یعنی کاش آج میرے وہ بزرگ جو جنگ بدر میں مارے گئے موجود ہوتے تو خوش ہوکر مجھ کو داد دیتے کہ میں نے رسولؐ کے خاندان سے ان کا کیسا اچھا بدلہ لیا میں نے اُن کے چنے ہوئے بزرگوں کو قتل کیا اور جنگ بدر کا عوض لیا تو عوض پورا ہو گیا اگر میں رسول خداؐ کی اولاد سے اس قدر انتقام نہ لیتا تو عتبہ کے خاندان میں شمار ہی نہیں ہوتا۔ درحقیقت بنو ہاشم نے ملک گیری کے ڈھکو سلے نکالے تھے۔ ورنہ واقعہ تو یہ ہے کہ اُن کے پاس نہ کبھی کوئی فرشتہ آیا نہ وحی نازل ہوئی۔ (وسیلۃ النجاۃ مطبوعہ لکھنو، ص 299 الاتحاف مطبوعہ مصر ص 18)

(13) حضرت رسول خدا صلعم فرما گئے تھے کہ یزید ہی حسینؓ کو قتل کرے گا۔ جناب مولوی وحید الزماں خاں صاحب حیدرابادی لکھتے ہیں:

اوہ لفراخ محمد من خليفة يستخلف عتريف مترف يقتل خلفي وخلف الخلف

ہائے افسوس اُس خلیفہ پر جو حاکم بنایا جائے گا وہ محمدؐ کے بچوں کو قتل کرے گا وہ کم بخت خلیفہ ظالم بدکار خبیث۔ عیش پسند ہوگا میرے جانشین کو قتل کرے گا اور پھر جانشین کے جانشین کو اس حدیث میں صریح معجزہ ہے۔ آنحضرتؐ کا آپ نے یزید مردود ملعون کی خبر دی کہ وہ پہلے امام حسنؓ کو ہلاک کرائے گا جو آنحضرت کے سچے خلیفہ اور قائم مقام اور امام برحق تھے۔ پھر اُن کے جانشین یعنی امام حسینؓ کو قتل کرائے گا ایسا ہی ہوا۔ اس یزید پلید خبیث ناپاک ملعون نے پہلے امام حسنؓ کی بیوی جعدہ کو ملا کر آپ کو زہر دلایا۔ پھر اُس پر بھی قناعت نہ کی۔ امام حسینؓ کو مع اولاد اور اعزہ اور رفقاء بڑے ظلم سے اور سختی سے تشنہ اور پیاسا رکھ کر قتل کروایا۔ لعنت خدا کی ایسے خلیفہ پر۔ (انوار اللغۃ پارہ، 18 ص 16)

(14) جب واقعہ کربلا کے بعد ابن زبیر نے لوگوں سے اپنی بیعت لینی شروع کی اور جناب عبداللہ بن عباس نے اس کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انکار کردیا جس کی خبر یزید کو بھی ہوگئی اور اس نے خیال کیا کہ ابن عباس نے ان کی بیعت اس وجہ سے نہیں کی کہ وہ (ابن عباس) اسی (یزید) کی بیعت پر ہیں اور اسی کو خلیفہ جانتے ہیں تو اس نے بڑی خوشی میں ایک خط جناب عبداللہ بن عباس کو بھیجا ہے جس میں لکھا ہے:

اما بعد فقد بلغني ان الملحد بن الزبير دعاك الى بيعته وانك اعتصمت ببيعتنا دفاء منك لنا فجزاك الله من ذي رحم خير ما يجزي المواصلين لارحاسهم الموفين بعهودهم فما انسى من الاشياء فلست بناس برك وتعجيل صلتك بالذي انت له اهل فانظر من طلع عليك من الآفاق ممن سحرهم ابن الزبير بلسانه فاعلمهم بحاله فانهم نك اسمع الناس ولك اطوع منهم للمحل

یعنی امابعد مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس ملحد عبداللہ بن زبیر نے تم سے اپنی بیعت کی فرمائش کی مگر تم اپنی وفاداری کی وجہ سے میری بیعت پر قائم رہے اور اس کی بیعت سے انکار کردیا صلہ رحم کرنے والو۔ اپنی قرابت کا لحاظ رکھنے والو۔ اور اپنے عہد پر باقی رہنے والوں کو خدا جو جزا عطا کرے گا اس سے بھی بہتر جزا تم کو عطا فرمائے کہ تم نے اپنی قرابت کا خوب پاس کیا۔ اب دنیا کی اور باتوں کو میں بھول بھی جاؤں گا مگر تمہاری اس مہربانی کے انعام کو تو میں کبھی نہیں بھول سکتا بلکہ تمہارے اس صلہ رحم کا خاطر خواہ اور تمہاری شان کے لائق بدلہ بہت جلد تم کو دوں گا۔ (یعنی تم پر احسان عظیم کروں گا۔ جاگیر عہد حکومت سب ہی عطا کروں گا)۔ اس وقت دیکھو وہاں دور دور سے جو لوگ آئیں جن پر ابن زبیر نے اپنی زبان سے جادو کردیا ہو ان سب کو اس کے کچے چٹھے کی خبر کردو کیونکہ وہ لوگ تمہاری بات سب سے زیادہ سنیں گے اور اس موقع و محل پر تمہاری ہی اطاعت سب سے زیادہ کریں گے۔

اس کے جواب میں جناب عبداللہ بن عباس نے یزید کو خط لکھا:

اما بعد فقد جاء نی کتابك فاماتر کی بیعة الزبیر فوالله ما ارجوبذالك برك ولا حمدك ولكن الله بالذی انوی علیم۔ وزعمت انك لست بناس بری فاجلس ایها الانسان برك عنی حابس عنك بری۔ وسالت ان احبب الناس الیك وابغضهم واخذلهم لابن الزبیر فلا ولا سرور اولا کرامة کیف وقد قتلت حسینا وفلیتان عبدالمطلب مصابیح الهدی ونجوم الاعلام غادرتهم خیولك بامرك فی صعید واحد مرملین بالدماء مسلوبین بالعراء مقتولین بالظماء لا مکفنین ولا مسودین۔ تسفی علیهم الریاح وینشی بهم عرج البطاح حتی اتاح الله بقوم لم لیشر کوافی دمائهم کفنوهم واجنوهم وبی وبهم لو عزرت وجلست مجلسك الذی جلست فما انسی من الاشیاء فلست بناس اطرادك حسینا من حرم رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم الی حرم الله وتسییرك الخیول الیه فما زلت بذلك حتی اشخصته الی العراق فخرج خائفا یترقب فنزلت به خیلك عداوة منك الله ولرسوله ولا هل بیت الذین اذهب الله عنهم الرجس وطهرهم تطهیرا فطلب الیکوالموادعة وسالکم الرجعة فاغتنمتم قلة انصاره واستیصال اهل بیته وتعاونتم علیه کانکم قتلتم اهل بیت من الترك والکفر فلا شیء اعجب عندی من طلبتك ودّی وقد قتلت ولدابی وسیفك یقطر من دمی وانت احد ثادی ولا یعجبك ان ظفرت نباالیوم فلنظفرن بك یوما والسلام

یعنی امابعد واضح ہو کہ مجھے تیرا خط ملا۔ میں نے عبداللہ بن زبیر کی بیعت سے جو انکار کیا تو خدا کی قسم اس وجہ سے نہیں کہ اس ذریعہ سے تیری مہربانی اور انعام کی اُمید رکھوں یا تو میرا شکریہ ادا کرے بلکہ اس سے جو میری غرض ہے اُس کو خدا ہی خوب جانتا ہے۔ تو نے مجھے لکھا ہے کہ ''تمہاری اس مہربانی کے انعام کو تو میں کبھی نہیں بھول سکتا۔'' اس کا جواب یہ ہے کہ اے مردک تو اپنے انعام سے مجھے معاف رکھ میں خود بھی اپنی مہربانی تجھ سے روکے رہوں گا۔ تو نے مجھ سے خواہش کی ہے کہ میں لوگوں کو تیرا دوست اور ابن زبیر کا دشمن بنادوں اور ان کو ابن زبیر سے الگ کر دوں کہ پھر وہ ان کا ساتھ نہ دیں۔ مگر یہ نہیں ہونے کا ہے۔ نہ اس کو میں پسند کرتا ہوں۔ نہ یہ شریفوں کا کام ہے۔ اور تو کس عقل سے مجھ سے ان باتوں کی امید رکھتا ہے۔ حالانکہ تو نے ہی امام حسین علیہ السلام اور خاندان بنی ہاشم کے جوانوں کو قتل کر ڈالا جو ہدایت کے روشن چراغ اور ارکان دین وایمان کے چمکتے ہوئے ستارے تھے۔ تیرے ہی حکم سے تیری فوج نے ان سب کو ایک ہی زمین پر ذبح کر کے چھوڑ دیا کہ وہ سب اپنے خون میں لتھڑے ہوئے پڑے رہے۔ پھر ان سب کے سب لباس بھی لٹوائے اور ان کی برہنہ لاشیں اسی طرح چٹیل میدان میں چھڑوا دیں۔ ہائے وہ حضرات پیاسے ہی مار ڈالے گئے اور پھر نہ ان کو کفن دیا گیا نہ دفن کیا گیا۔ میدان کی گرم ہوائیں ان کے بدن کو جھلساتی رہیں اور پتھریلی زمین کے موڑ ان پر گردوغبار کے جھونکے چلاتے رہے۔ یہاں تک کہ خدا نے ایک ایسی قوم کو مقرر کر دیا جو ان حضرات کی خونریزی میں شریک نہیں ہوئی تھی۔ اُنہوں نے ان کو کفن پہنا کر دفن کر دیا۔ میں اپنی اور ان بزرگوں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر میرا بس چلے اور کسی طرح تیرے تخت پر بیٹھنے کا موقع مجھ کو مل جائے تو دنیا کی اور باتوں کو میں بھول جاؤں مگر تیرے اس ظلم کو کبھی نہیں بھول سکتا کہ تو نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو حضرت رسول خدا صلعم کے روضہ سے آوارہ وطن کیا اور وہاں سے نکال کر خانہ کعبہ میں پہنچایا۔ یا پھر برابر تو اپنے سواروں کو اُن کی طرف بھیجتا گیا اور اُن کے پیچھے پڑا رہا۔ یہاں تک کہ اُن کو مکہ معظمہ سے بھی نکلوا کر عراق کی طرف روانہ کر دیا۔ حضرت خانہ کعبہ سے ڈرتے ڈرتے جدا ہوئے کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ

تیرے دل میں خدا اور رسولؐ اور حضرتؑ کے اُن اہل بیت کی جن سے خدا نے ہر برائی کو دور رکھا ہے اور جن کو اس طرح پاکیزہ کر دیا ہے جس سے زیادہ پاکیزگی ہو نہیں سکتی۔ جو دشمنی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے اُس کی وجہ سے حضرت پر تیری وہ فوجیں ٹوٹ پڑیں۔ لیکن اب بھی حضرت تم لوگوں سے صلح و آشتی ہی سے پیش آتے رہے اور اپنے امکان بھر تم لوگوں کو جنگ و خونریزی سے بچانا ہی چاہا مگر تم لوگوں نے حضرت کے انصار کی تعداد کی کمی سے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور حضرت کو آپ کے اہل بیتؑ کے ساتھ مٹا کر ہی چھوڑا اور اس طرح سے اُن حضرات کے درپے ہو گئے کہ معلوم ہوتا تھا تم لوگوں نے اُن حضرات کو ترک اور دوسری کا فرقوم میں سمجھ لیا تھا۔ ایسی حالت میں میرے لیے اس سے زیادہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہو سکتی کہ یہ سب کرنے کے بعد بھی تو میری دوستی کا خواہاں ہے درصورتیکہ تو نے ہی میرے خاندان والوں کا خاتمہ کر دیا اور ابھی تک تیری تلوار سے ہم لوگوں کا خوں ٹپک رہا ہے۔ یاد رکھ میں تو اس فکر میں ہوں کہ موقع ملے تو تیرا خون بھی پی ڈالوں یہ بھی سمجھ رکھ کہ اگر آج تو ہم لوگوں پر غالب آ گیا تو اس پر مغرور نہ ہو۔ کیونکہ ان شاء اللہ دوسرے روز (قیامت) میں ہم ہی لوگ تجھ پر غالب آئیں گے۔ (تاریخ کامل مطبوعہ مصر جلد 4 ص 50)

اس زمانہ میں یزید کے جو بعض طرفدار کہنے لگے ہیں کہ یزید نے امام حسینؑ کو قتل نہیں کیا بلکہ ابن زیاد نے اپنی خودرائی سے قتل کیا وہ حضرات آنکھ کھول کر دیکھیں کہ یزید کا امام حسینؑ کو قتل کرنا ایسا بدیہی واقعہ تھا کہ حضرت عبداللہ بن عباس ایسے صحابی نے ابن زیاد کا نام تک نہیں لیا اور پورا الزام یزید کو دیا کہ تم ہی نے حضرت امام حسینؑ کو مدینہ سے نکالا۔ مکہ معظمہ سے ہٹایا اور اپنی فوجیں بھیج کر حضرتؑ کو قتل کیا اور اس کی وجہ بھی ظاہر کر دی کہ یزید کے دل میں خدا و رسولؐ اور اہل بیتؑ کی جو عداوت مدت دراز سے بھری تھی اسی سبب سے اُس نے ایسا کیا۔

(5) خاندان بنی عباس کے مشہور خلیفہ معتضد باللہ نے بھی یزید ہی کو حضرت کا قاتل کہا ہے چنانچہ لکھا:

من اغلظ ما انتهك و اعظم ما اخترم سفكه دم الحسين بن
عليؑ وابن فاطمة بنت رسول الله......فكانما يقتل بدوباهل بيته
قوما من كفار اهل الترك والديلم

''یعنی پھر یزید نے سب سے زیادہ اسلام سوز اور دین کش ظلم یہ کیا کہ حضرت رسولؐ خدا کے فرزند اور حضرت فاطمہؑ کے پارہ جگر امام حسینؑ کو شہید کیا۔ وہ اس بے دردی سے ان لوگوں کو قتل کرتا رہا کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی مسلمان کو نہیں بلکہ ترک و دیلم کے کفار کو قتل کر رہا ہے۔ (تاریخ طبری جلد 11 ص 358)

مولوی صاحب: یہ تو بالکل یقینی گواہی ہے کہ اتنے بڑے خلیفہ نے حضرت حسینؑ کا قتل صاف صاف یزید ہی کو لکھا اور پھر تاریخ طبری میں یہ واقعہ موجود ہے جو اسلامی تاریخ کی سب سے زیادہ معتبر کتاب ہے۔

حسینی بیگم: نہیں! خاندان بنی امیہ کے خلیفہ بلکہ خود یزید کے بیٹے کی گواہی بھی سنو (16) جناب مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب شاگرد حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی نے لکھا ہے کہ جب یزید کا بیٹا معاویہ ثانی خلیفہ ہوا تو اس نے خطبہ میں کہا

جدمن معاويه ازراه خلافت يا عليؑ مرتضیٰ كه احق واليق
بخلافت بود نزاع و جدال كرد بعد اوپدرم كه ہیچ گونه
اہلیت و استحقاق نداشت برتخت سلطنت نشست و
برائے استحکام حکومت خود ہم چو حسینؑ بن علی فرزند
رسول را کشت

یعنی میرا دادا معاویہ حضرت علیؑ سے جو خلافت کے سب سے زیادہ اہل اور مستحق تھے لڑتا رہا اُس کے بعد میرا باپ جو کسی قسم کی قابلیت نہیں رکھتا تھا تخت سلطنت پر بیٹھا اور اپنی حکومت مضبوط کرنے کے لیے حضرت حسینؑ بن علیؑ کو قتل کر ڈالا۔

(17) علامہ ابن حجر مکی نے بھی لکھا ہے کہ یزید کے بیٹے معاویہ نے کہا:

ان جدی معاویه نازع الامر اهله ومن هو احق بدمنه علی بن ابی طالب ورکب بکم ما تعلمون حتی اتتد منیته فصار فی قبره رهینا بذنوبه ثم قلدابی الامر وکان غیر اهله ونازع ابن بنت رسول الله وقد قتل عترة رسول الله

یعنی میرے دادا معاویہ نے خلافت کے بارے میں حضرت علیؑ سے جنگ کی جو اُس سے کہیں زیادہ خلافت کے اہل و مستحق تھے اور تم لوگوں کو اُس نے جس قدر گنہگار کیا سب جانتے ہو۔ جب وہ مرگیا اور اپنے گناہوں میں گرفتار ہو کر قبر کے قید خانہ میں پہنچ گیا تو امر خلافت کا طوق میرے باپ (یزید) کی گردن میں ڈال گیا جو بالکل نااہل تھا۔ اس نے فرزند رسولؐ سے اس بارے میں جنگ کی...... اور آخر عترت رسول کو قتل کر کے رہا۔ (صواعق محرقہ 134) اور سب سے زیادہ قابل غور اس کے خطبہ کی وہ عبارت ہے جو علامہ دمیری نے اپنی کتاب حیوۃ الحیوان میں لکھی ہے مگر وہ کچھ طولانی ہے اس وجہ سے ترک کرتی ہوں۔

مولوی صاحب: نہیں نہیں اس کو بھی ضرور سنادو۔

حسینی بیگم: (18) علامہ دمیری نے لکھا ہے:

ثم قام بالامر بعد لاابنه معاویة و کان خیر امن ابیه فیه دین و عقل بویع له بالخلافة یوم موت ابیه فاقام فیها اربعین یوما وقیل اقام فیها خمسة اشهر وایاما وخلع نفسه و ذکر غیر واحد ان معویة من یزید لما خلع نفسه صعد المنبر فجلس طویلا ثم حمدالله واثنی علیه بابلغ ما یکون من الحمد ولثناء ثم ذکر النبی باحسن ما یذکر به ثم قال ایها الناس ما انا بالراغب فی الائتماء وعلیکم لعظیم ما اکرهه منکم وانی الاعلم انکم تکرهوننا ایضا لا نابلینا بکم وبلیتم نبا الا ان جدی معاویة قد نازع فی هذا الامر من کان اولی به منه ومن

غیره لقرابته من رسول الله وعظم فضله وسابقته۔ اعظم المهاجرین قدرا۔ واشجعهم قلبا واکثرهم علما واولهم ایمانا واشرفهم منزلة۔ واقدمهم صحبت۔ ابن عم رسول الله وصهره واخوه۔ زوجه انبته فاطمة وجعله لها بعلا باختیاره لها وجعلها لله زوجة باختیارها له۔ ابوسبطیه سیدی شباب اهل الجنة۔ وافضل هذه الامة تربیة الرسول وابنی فاطمة البتول۔ من الشجرة الطیبة الطاهرة الزکیة۔ فرکب جدی معه ما تعلمون ورکبتم معه مالا تجهلون حتی انتظمت لجدی الامور۔ فلما جاء لا القدر المحتوم۔ واختر متدایدی المنون بقی مرتهنا بعمله فریدا فی قبره۔ ووجد ما قدمت یداه۔ ورای ما ارتکبه واعتداه۔ ثم انتقلت الخلافة الی یزید ابی۔ فتقلد امرکم لهوی کان ابوه فیه۔ ولقد کان ابی یزید بسوء فعله واسرافه علی نفسه غیرَ خلیق بالخلافة علی امة محمدؐ۔ فرکب هواه واستحسن خطاه۔ واقدم علی ما اقدم من جراته علی الله وبغیه علی من استحل حرمة من اولاد رسول اللهؐ۔ فقلت مدتد وانقطع اثره وضاجع عمله و صار حلیف حفرته۔ رهین خطیئته۔ وبقیت او زاره وتبعاته۔ حصل علی ما قدم وندم حیث لا ینفعه الندم وشغلنا الحزن له عن الحزن علیه۔ فلیت شعری ما ذا قال وما ذا قیل له۔ هل عوقب باساء ته وجودی بعمل۔ وکذالك ظنی۔ ثم اختنقته العبرة فبکی طویلا وعلانجیبه۔ ثم قال وصرت انا ثالث القوم الساخط علی الکثر من الراضی وما کنت لا تحمل آثامکم ولا یرانی

اللہ جلت قدرتہ متقلدا اوزارکم والقاہ بتبعاتکم فشانکم امرکم فخذوہ ومن رضیتم بہ علیکم فولوہ فلقد خلعت بیعتی من اعناقکم والسلام فقال لہ مروان بن الحکم وکان تحت المنبر اسنتہ عمریۃ یا ابا لیلی۔ فقال اتخد عنی اعن دینی تخدعنی فواللہ ما ذقت حلاوۃ خلافتکم واتجرع مرادتھا ائتنی برجال مثل رجال عمر علی انہ ما کان من حین جعلھا شوری وصرفھا عمن لا یشک فی عدالت ظلوما۔ واللہ لئن کانت الخلافۃ مغنما لقد نال ابی منھا مغرما وما ثماولئن کان سوأ فحسبہ منھاما اصابہ۔ ثم نزل فدخل علیہ اقاربہ وامہ فوجدوہ یبکی۔ فقالت لہ امہ لتیک کنت حیضۃ ولم اسع یخبرک فیقال وددت واللہ ذلک۔ ثم قال ویلی ان لم یرحمنی دبی۔ ثم ان بنی امیہ قالوا لمودبہ عمر المقصوص انت علمتہ ھذا ولقنتہ ایاہ وصدد تدعن الخلافۃ وزینت لہ حب علی و اولادہ وحملتہ علی ما وسمنا بہ من الظلم وحسنت لہ ابلاع حتی نطق بما نطق وقال ما قال فقال واللہ ما فعلتہ ولکنہ مجول و مطبوع علی حب علی فلم یقبلوا منہ ذلک واخذوہ ودوفنوہ حیاحتی مات۔ (حیوۃ الحیوان، جلد **1** ص **55**، یہی مضمون تاریخ خمیس جلد **2** ص **332**) وغیرہ میں بھی ہے۔ میں چاہتی ہوں اس کا ترجمہ بھی کردوں۔

مولوی صاحب: نہیں ترجمہ کی کیا ضرورت ہے سب سمجھ گیا۔

حسینی بیگم: یہ تو ٹھیک ہے کہ آپ سب سمجھ گئے اور آپ کو ترجمہ کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے لیکن پہلے بھی جن عبارتوں کا میں نے ترجمہ پڑھا اور اب بھی جو ترجمہ پڑھنا چاہتی ہوں اس کی غرض

ہے کہ مجھے اس پر اطمینان نہیں ہوتا کہ جو مطلب میں سمجھی ہوں وہی صحیح ہے اس سبب سے آپ کو بتاتی ہوں کہ جو غلطی ہوگی اس کو درست کردو گے۔

مولوی صاحب: ہاں اس خیال سے ترجمہ کرسکتی ہو۔ اچھا بتاؤ۔

حسینی بیگم: یزید کا بیٹا معاویہ جو اپنے باپ سے کہیں بہتر تھا کیونکہ اس میں دین کی پابندی اور عقل بھی تھی اپنے باپ کے بعد خلیفہ بنایا اور تخت سلطنت پر بٹھایا گیا اور جس روز یزید مرا اُسی دن لوگوں نے اُس کو خلیفہ مان کر اس کی بعیت کی۔ اس نے چالیس روز اور بعض قول کے مطابق پانچ مہینہ چند دن خلافت کی اُس کے بعد خود اپنے کو خلافت سے علیحدہ کر دیا اور بہت سے لوگوں نے یہ بیان کیا ہے کہ معاویہ بن یزید نے جب اپنے کو خلافت سے الگ کرلیا تو منبر پر چڑھا اور وہاں دیر تک خاموش بیٹھا رہا۔ پھر اس طرح خطبہ شروع کیا کہ خدا کی حمد وثنا بہترین عنوان سے کی اور حضرت رسول خدا صلعم کا ذکر بہت خوبی سے کیا۔ اس کے بعد کہا لوگو! مجھے تم لوگوں پر حکومت کرنے کی خواہش نہیں ہے کیونکہ میں تم لوگوں کی جس بات (گمراہی اور بے ایمانی) کو ناپسند کرتا ہوں وہ معمولی درجہ کی نہیں بلکہ بہت بڑی ہے اور یہ بھی جانتا ہوں کہ تم لوگ بھی مجھ کو ناپسند کرتے ہو۔ اس لیے کہ میں تم لوگوں کی خلافت کی وجہ سے بڑے عذاب میں گرفتار ہوں اور تم لوگ میری حکومت کے سبب سے گمراہی کی سخت مصیبت میں پڑے ہو۔ سن لو کہ میرے دادا معاویہ نے اس خلافت کے لیے اس بزرگ سے جنگ و جدال کی جو اس خلافت کے لیے اس سے کہیں زیادہ سزاوار اور مستحق تھے اور وہ حضرت (علیؑ خلافت کے لیے) صرف معاویہ ہی سے نہیں بلکہ دوسرے لوگوں سے بھی بہت بہتر تھے۔ اس سبب سے کہ حضرتؑ کو حضرت رسول خدا صلعم سے قرابت قریبہ تھی۔ آپ کے فضائل بہت تھے۔ خدا کے ہاں آپ کو سب سے زیادہ تقرب حاصل تھا۔ آپ تمام صحابہ مہاجرین سے زیادہ عظیم القدر سب سے زیادہ بہادر سب سے زیادہ صاحب علم۔ سب سے پہلے ایمان لانے والے۔ سب سے اعلیٰ اور اشرف درجہ رکھنے والے اور سب سے پہلے حضرت رسول خدا صلعم کی صحبت کا فخر حاصل کرنے والے تھے۔ علاوہ ان فضائل و مناقب کے آپ جناب رسالت مآب صلعم کے چچازاد بھائی۔

حضرت کے داماد اور حضرتؐ کے دینی برادر تھے۔ آپ کا یہ درجہ تھا کہ حضرت رسول خدا صلعم نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہؑ کی شادی آپ ہی سے کی کہ حضرتؐ نے آپ ہی کو اپنی پسند سے اُن کا شوہر کیا اور اپنی بیٹی فاطمہؑ کو اپنی پسند سے آپ کی بیوی بنا دی۔ حضرت رسول خدا صلعم کے دونوں نواسے (حسنؑ وحسینؑ) جو جوانان اہل بہشت کے سردار اور اس امت میں سب سے افضل اور پروردہ رسولؐ اور فاطمہؑ بتول کے دولال یعنی پاک و پاکیزہ درخت (رسالت کے) پھول تھے ان کے پدر بزرگوار آپ ہی تھے۔ ایسے بزرگ سے میرا دادا جس طرح سرکشی پر آمادہ ہوا اس کو تم لوگ خوب جانتے ہو اور میرے دادا کی وجہ سے تم لوگ جس گمراہی میں پڑے اس سے بھی تم بے خبر نہیں ہو۔ یہاں تک کہ میرے دادا کو کامیابی ہوئی اور اس کی دنیا کے سب کام بن گئے۔ مگر جب اس کی اجل معلوم پہنچ گئی اور موت کے پنجوں نے اس کو اپنے شکنجے میں کس لیا تو وہ اپنے اعمال میں اس طرح گرفتار ہو کر رہ گیا کہ اپنی قبر میں اکیلا پڑا ہے اور جو ظلم کر چکا تھا ان سب کو اب اپنے سامنے پاتا اور جو شیطنت اور فرعونیت اس نے کی تھی ان سب کو اپنی آنکھ سے دیکھ رہا ہے۔ پھر یہ خلافت میرے باپ یزید کے سپرد ہوئی تو جس گمراہی میں میرا دادا تھا اسی گمراہی میں پڑ کر میرا باپ بھی خلیفہ بن بیٹھا اور تم لوگوں کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ حالانکہ میرا باپ یزید بھی اپنی اسلام سوز حرکتوں اور اپنی روسیاہیوں کی وجہ سے کسی طرح اس کا اہل نہیں تھا کہ حضرت رسولؐ خدا صلعم کی امت کا خلیفہ اور ان کا سردار بن سکے۔ مگر وہ اپنی نفس پرستی کی وجہ سے اس گمراہی پر آمادہ ہو گیا اور اپنے غلط کاموں کو اچھا سمجھا جس کے بعد اس نے دنیا میں جو اندھیرا کیا اس سے زمانہ واقف ہے کہ اللہ سے مقابلہ اور سرکشی کرنے پر آمادہ ہو گیا اور حضرت رسول خدا صلعم سے اتنی بغاوت کی کہ حضرتؐ کی اولاد کا خون بہانے پر کمر باندھ لی۔ مگر اس کی مدت کم رہی اور اس کا ظلم ختم ہو گیا۔ وہ اپنے اعمال کے مزے چکھ رہا ہے اور اپنے (قبر کے) گڈھے سے لپٹا ہوا اور اپنی گناہوں کی بلا میں پھنسا ہوا پڑا ہے۔ البتہ اس کی سفاکیوں کے نتیجے جاری ہیں اور اس کی خونریزیوں کے علامات باقی ہیں۔ اب وہ وہاں پہنچ گیا جہاں اپنے کرتوتوں کا ذخیرہ مہیا کیا تھا اور اپنے کیے پر نادم ہو رہا ہے۔ مگر کب؟ جب

کسی ندامت کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ وہ اس عذاب میں پڑ گیا کہ ہم لوگ اس کی موت کو بھول گئے اور اس کی جدائی پر ہمیں افسوس نہیں ہوتا بلکہ اس کا غم ہے کہ اب وہ کس آفت میں گرفتار ہے۔ ہائے کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ وہاں اس نے اپنے ظلموں کا کیا عذر بیان کیا اور پھر اس سے کیا کہا گیا کیا وہ اپنے گناہوں کے عذاب میں ڈال دیا گیا اور اپنے اعمال کی سزا بھگت رہا ہے۔ میرا گمان تو یہی ہے۔ اس کے بعد گریہ اس کے گلوگیر ہو گیا اور وہ دیر تک روتا اور زور زور سے چیختا رہا۔ پھر بولا اب میں اپنے ظالم گھر کا تیسرا خلیفہ بنایا گیا حالانکہ جو لوگ مجھ پر (میرے دادا باپ کے ظلموں کی وجہ سے) غضبناک ہیں ان کی تعداد ان لوگوں سے کہیں زیادہ ہے جو مجھ سے راضی ہیں۔ بھائیو! میں تم لوگوں کے گناہوں کا بوجھ اُٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا اور خدا وہ دن بھی مجھے نہ دکھائے کہ میں تمہاری گمراہیوں کا طوق پہنے ہوئے اور تمہاری برائیوں کے بارے سے دبا ہوا اس کی درگاہ میں پہنچوں۔ اب تم لوگوں کو اپنی حکومت کے بارے میں اختیار ہے مجھ سے لے لو اور جس کو پسند کرو اس کو اپنا بادشاہ بنا لو کہ میں نے تم لوگوں کی گردنوں سے اپنی بیعت اُٹھا لی والسلام۔ جس منبر پر معاویہ بن یزید یہ خطبہ بیان کرتا تھا اس کے نیچے مروان بن حکم بھی موجود تھا۔ خطبہ ختم ہونے پر وہ بولا کیوں ابولیلیٰ (معاویہ کی کنیت تھی) کیا حضرت عمر کی سنت جاری کرنے کا ارادہ ہے (کہ جس طرح انہوں نے اپنے بعد خلافت شوریٰ کے حوالہ کر دی تھی تم بھی خلافت کو شوریٰ کے سپرد کر دیتے ہو)۔ اس پر معاویہ بولا آپ میرے پاس سے تشریف لے جائیں۔ کیا آپ مجھے بھی میرے دین میں دھوکہ دینا چاہتے ہیں؟ خدا کی قسم میں نے تم لوگوں کی خلافت کا کوئی مزا نہیں پایا۔ البتہ اس کی تلخیاں برابر چکھ رہا ہوں (عمر کے شوریٰ کی جو مثال تم نے ذکر کی تو) جیسے لوگ عمر کے زمانہ میں تھے ویسے لوگوں کو میرے پاس بھی لاؤ۔ علاوہ بریں کیا جس تاریخ سے کہ انہوں نے اس خلافت کو شوریٰ کے سپرد کیا اور جس بزرگ کی عدالت میں کسی قسم کا شک وشبہہ کسی کو ہو ہی نہیں سکتا تھا ان سے (یعنی حضرت علیؑ سے) اس کو ہٹا دیا۔ اس وقت سے وہ حضرت عمر بھی ظالم نہیں سمجھ گئے؟ خدا کی قسم اگر خلافت کوئی نفع کی چیز ہے تو میرے باپ نے اس سے نقصان ہی اُٹھایا اور گناہ ہی کا ذخیرہ مہیا کیا۔ اور اگر خلافت

کوئی بری چیز ہے تو میرے باپ کو اس سے جس قدر برائی پہنچی وہی کافی ہے۔ یہ کہہ کر منبر سے اُتر آیا۔ پھر اس کی ماں اور رشتہ دار اس کے پاس گئے تو دیکھا کہ وہ رو رہا ہے۔ اس کی ماں نے کہا کاش تو حیض ہی میں ختم ہو گیا ہوتا اور میں نے تیرے پیدا ہونے کی خبر بھی نہیں سنی ہوتی۔ معاویہ بولا خدا کی قسم میں بھی یہی تمنا کرتا ہوں۔ پھر کہا اگر میرے رب نے مجھ پر رحم نہیں کیا تو میری نجات کسی طرح نہیں ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد بنی امیہ اس کے استاد عمر مقصوص سے کہنے لگے کہ تو ہی نے معاویہ کو یہ باتیں سکھائی ہیں اور اس کو خلافت سے الگ کیا اور علیؑ اور ان کی اولاد کی محبت اس کے دل میں ڈالی ہے۔ غرض اس نے ہم لوگوں کے جو مظالم بیان کیے اس کا باعث تو ہی ہے اور تو ہی نے ان بدعتوں کو اس کی نظر میں پسندیدہ قرار دیا ہے جس پر اس نے یہ خطبہ بیان کیا اور کہا جو کہا۔ عمر مقصوص نے جواب دیا کہ خدا کی قسم مجھ سے اس کو کوئی واسطہ نہیں ہے بلکہ معاویہ فطرۃً ہی حضرت علیؑ کی محبت پر پیدا ہوا ہے مگر ان لوگوں نے اس کا کوئی عذر نہیں سنا اور اس کو زندہ دفن کر دیا جس سے وہ مر گیا۔

مولوی صاحب: ہاں مطلب یہی ہے۔ اگر چہ ایک زبان کی عبارت کا ترجمہ دوسری زبان میں کرنا بہت مشکل ہے کیونکہ کل باتیں آ نہیں سکتیں۔ مگر تم نے تو مسٹر صلاح الدین خدا بخش کے مضمون کی دھجیاں اُڑا دیں۔ کس کس کتاب سے نکال کر دکھایا کہ یزید ہی نے حضرت حسینؑ کو شہید کیا اور وہی حضرت کا قاتل ہے۔

حسینی بیگم: نہیں ابھی تو سینکڑوں کتابوں کی عبارتیں باقی ہیں۔

✿✿✿✿✿

کیا قاتلانِ امام حسینؑ شیعہ تھے؟

مولوی صاحب: اور یہ بھی تم نے سنا ہے کہ مولوی عبدالشکور صاحب اڈیٹر النجم پاٹا نالہ لکھنؤ نے دعویٰ کیا ہے کہ قاتلان حضرت حسینؑ سنی نہیں بلکہ شیعہ تھے۔

حسینی بیگم: ہاں میں نے بھی سنا ہے وہ بہت دنوں تک مرزا حیرت صاحب سے پڑھتے تھے یا اور کوئی کام کرتے تھے مگر دونوں نکلے ایک ہی فیشن کے کہ مرزا حیرت صاحب نے یہ دعویٰ کر دیا کہ امام حسینؑ شہید ہی نہیں ہوئے اور مولوی عبدالشکور صاحب نے یہ دعویٰ کر دیا کہ امام حسینؑ شہید ہوئے مگر دوسروں کے ہاتھ سے نہیں بلکہ شیعوں کے ہاتھ سے۔ اب کل کوئی صاحب پیدا ہوں گے جو دعویٰ کر دیں گے امام حسینؑ دنیا میں آئے ہی نہیں اور اس نام کے کوئی بزرگ دنیا میں یا اسلام میں ہوئے ہی نہیں۔ تم ہی بتاؤ کہ آج کوئی شخص کہہ دے کہ حضرت رسول خدا صلعم کو مکہ معظمہ سے کفار نے نہیں بلکہ مسلمانوں نے نکالا یا جنگ احد میں حضرت رسول خداؐ کا دانت کفار نے نہیں بلکہ مسلمانوں نے توڑا۔ یا حضرت حمزہ کو کافروں نے نہیں بلکہ مسلمانوں نے شہید کیا تو کوئی ایسا لکھنے والوں کا قلم پکڑ لے گا یا اس کی دوات کو توڑ دے گا یا اس کے کاغذ کو پھاڑ سکتا ہے؟ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہی دعویٰ کر بیٹھے کہ حضرت عیسیٰ زندہ نہیں بلکہ مر چکے ہیں تو کسی نے کیا بنالیا؟ خدا ہی سے لوگ انکار کر جاتے ہیں تو کوئی کیا کر لیتا ہے؟ اور سنو مرزا حیرت صاحب اور مولوی عبدالشکور صاحب اڈیٹر النجم لکھنوی کی طرح ضلع گیا (صوبہ بہار) میں ایک صاحب محمد یحییٰ خاں صاحب ہوئے ہیں انہوں نے تو عین اللہ (یعنی وہی خدا ہیں) ہونے کا دعویٰ کیا اور اپنی کتاب بھی چھپوا دی ہے۔ جس کا نام رکھا ہے۔ فرمان۔ مولوی عبدالشکور صاحب اور ان کے مذاق والوں کو چاہیے کہ یہ کتاب ضرور دیکھیں۔ اس کتاب کے

پہلے صفحہ کی عبارت سنو ''لا الہ الا اللہ لا یحیٰ عین اللہ فرمان ۔ جناب اعلیٰ حضرت احدیت مآب فرمان روا سید محمد یحیٰ دورانِ نائب اللہ علی العالمین ۔ دی لینڈ لارڈ آف موضع ، یحیٰ پرگنہ ارول ضلع گیا صوبہ بہار نے بہ حکم جناب حضرت رب العالمین جل جلالہ وعم نوالہ سنٹرل پرنٹنگ ورکس لاہور میں چھپوایا۔'' اور پھر پوری کتاب میں جو **824** صفحہ کی ہے اسی کو ثابت کیا ہے کہ وہ خود ہی خدا ہیں ۔ پس جب ہر شخص کو قلم کی آزادی ہے اور جو چاہتا ہے دعویٰ کر بیٹھتا ہے اور اس پر پوری کتاب لکھ ڈالتا ہے تو مولوی عبدالشکور صاحب اڈیٹر النجم کے اس دعویٰ پر کہ قاتلان امام حسینؑ شیعہ تھے کیا تعجب ہو سکتا ہے۔

مولوی صاحب: مگر مولوی عبدالشکور صاحب کی دلیل تو بڑی زبردست ہے

حسینی بیگم: ذرہ میں بھی تو سنوں ۔

مولوی صاحب: وہ کہتے ہیں کہ امام حسینؑ کو قتل کرنے والے سب کوفہ کے تھے اور کوفہ کے رہنے والے سب شیعہ تھے ۔

حسینی بیگم: یہ ٹھیک ہے کہ حضرتؑ کے قاتل سب کوفہ کے تھے۔ مگر یہ کس نے کہا کہ کوفہ کے رہنے والے سب شیعہ تھے؟

مولوی صاحب: چونکہ حضرت علیؑ کوفہ میں رہتے تھے اس وجہ سے وہاں کے باشندے شیعہ ہو گئے تھے ۔

حسینی بیگم: اے سبحان اللہ! قربان جاؤں مولوی عبدالشکور صاحب کی عقل اور تمہاری فہم کے ۔ اگر کہیں کسی کے رہنے ہی سے وہاں والے اس کے مذہب والے ہو جائیں تو حضرت رسول خدا صلعم نے مکہ معظمہ سے ہجرت کیوں کی؟ حضرت تو وہیں رہتے تھے ۔ اگر سب مکہ والے مسلمان ہو گئے ہوتے تو حضرت وہاں سے ہجرت کیوں فرماتے ؟ جب حضرت رسول خدا صلعم کے مکہ معظّمہ میں رہنے سے مکہ والے مسلمان نہیں ہوئے تو حضرت علیؑ کے کوفہ میں رہنے کی وجہ سے کوفہ والے کیوں شیعہ ہو جائیں گے؟

مولوی صاحب: تو کوفہ والے کس مذہب کے تھے؟

حسینی بیگم: عام مسلمان تھے سواء چند شیعوں کے جیسے مدینہ شریف میں سب سنی ہیں سوائے چند شیعوں کے۔

مولوی صاحب: اچھا تو 60 ہجری میں جو لوگ کوفہ میں رہتے تھے ان کے عام مسلمان ہونے کی کوئی دلیل تم دے سکتی ہو۔

حسینی بیگم: آفتاب بھی کسی دلیل کا محتاج ہوتا ہے؟ کوفہ کی تاریخ خود اس کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ دیکھو مولانا شبلی نعمانی نے تحریر فرمایا ہے، مدائن وغیرہ جب فتح ہو چکے تو سعد وقاص نے حضرت عمر کو خط لکھا کہ یہاں رہ کر اہل عرب کا رنگ روپ بالکل بدل گیا۔ حضرت عمر نے جواب میں لکھا کہ...... ایسی جگہ تلاش کرنی چاہیے جو بری و بحری دونوں حیثیت رکھتی ہو۔ چنانچہ سلمان وحذیفہ نے...... کوفہ کی زمین انتخاب کی۔ اس کا نام کوفہ رکھا گیا...... 17 ہجری میں اس کی بنیاد شروع ہوئی اور جیسا کہ حضرت عمر نے تصریح کے ساتھ لکھا تھا۔ 40 ہزار آدمیوں کی آبادی کے قابل مکانات بنائے...... شہر کی وضع اور ساخت کے متعلق خود حضرت عمر کی تحریری حکم آیا تھا...... جب آگ لگنے کا واقعہ پیش آیا تو حضرت عمر نے اجازت دی اور اینٹ گارے کی عمارتیں تیار ہوئیں...... حضرت عمر کا یہ عدل وانصاف تھا کہ مجوسی رعایا کو ان ستونوں کی قیمت ادا کی گئی...... چونکہ حضرت عمر کو ہر ہر جزئی واقعہ کی خبر پہنچتی تھی انہوں نے سعد کو لکھا کہ ایوان حکومت مسجد سے ملا دیا جائے...... یہ شہر حضرت عمر ہی کے زمانہ میں اس عظمت وشان کو پہنچا کہ حضرت عمر اس کو راس الاسلام فرماتے تھے اور درحقیقت وہ عرب کی طاقت کا اصل مرکز بن گیا۔'' (الفاروق، جلد 2 ص 88)

بتاؤ اس عبارت سے کچھ بھی پتا چلتا ہے کہ کوفہ میں کبھی بھی کوئی شیعہ ہوا۔ کیا حضرت عمر کے بنائے اور آباد کیے ہوئے شہر میں شیعوں کی اُمید کسی طرح مطابق عقل ہو سکتی ہے۔ اب دوسری مشہور کتاب جو شہروں کی مفصل تاریخ ہے علامہ یاقوت حموی کی کتاب معجم البلدان اس کی جلد 7 میں 295 صفحہ سے 300 تک کوفہ کے حالات لکھے۔ لو سب پڑھ جاؤ اور بتاؤ کہ اس میں اس کے آباد ہونے سے کئی صدی بعد تک کے حالات لکھے ہیں مگر کہیں بھی کسی شیعہ کا ذکر ہے۔

مولوی صاحب: (کتاب معجم البلدان کی پوری عبارت پڑھ کر) اس میں تو اس کی بو بھی نہیں ملتی کہ کوفہ میں کبھی کوئی رافضی رہا ہے۔

حسینی بیگم: حالانکہ یہ کتاب اُس زمانہ کے کل اسلامی شہروں کی نہایت معتبر اور موثق تاریخ ہے کہ ایسی کتاب پھر لکھی ہی نہیں گئی۔

مولوی صاحب: مگر مولوی عبدالشکور صاحب کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ کے ساتھ رافضی مدینہ سے یہاں چلے آئے تھے۔

حسینی بیگم: تو مدینہ ہی میں رافضی کتنے تھے؟ رافضی اُسی کو تو کہتے ہیں جو حضرت ابوبکر صدیق۔ حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کو خلیفہ نہ مانے اور حضرت علیؑ کو خلیفہ بلا فصل جانے؟

مولوی صاحب: ہاں رافضیوں کا عقیدہ تو یہی ہے۔

حسینی بیگم: تو بتاؤ کہ مدینہ میں ایسے عقائد والے کتنے تھے جو حضرت علیؑ کے ساتھ کوفہ میں آئے تو تمام کوفہ رافضی ہو گیا؟

مولوی صاحب: مدینہ میں تو شاید پچاس رافضی بھی نہ رہے ہوں۔

حسینی بیگم: تو اُن میں سے کتنے آئے ہوں گے۔

مولوی صاحب: ہاں بہت کم شاید بیس پچیس ہوں۔ مگر انہیں لوگوں نے اور کوفہ والوں کو رافضی بنا دیا گیا ہوگا۔

حسینی بیگم: کیا خوب۔ اگر کوفہ میں کچھ لوگ بھی رافضیوں کا مذہب قبول کرتے اور حضرت علیؑ کے جان نثار ہو جاتے تو حضرت علیؑ کوفہ والوں کی اتنی مذمت کیوں بیان کرتے۔ حضرت کے کلام سے تو معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ کے سب لوگ حضرتؑ کے دشمن ہیں اور ان میں پچاس ساٹھ فردوں کو بھی حضرت اپنا دوست نہیں جانتے۔ حضرتؑ کے کلام کے مجموعہ نہج البلاغہ مطبوعہ مصر کے 70،74،75،82،90،98، 128، 203، 232، 248، 250 اور 308، 356، 447 اور 497 میں پڑھو کہ جس قدر حضرت رسول خدا صلعم کو اپنے زمانہ کے منافقین

سے اذیت پہنچی اس سے زیادہ حضرت علیؑ اپنے کوفہ کے مسلمانوں سے کرب میں تھے پھر وہ کیونکر حضرت کے شیعہ کہے جا سکتے ہیں؟ اللہ اکبر حضرتؑ کوفہ والوں سے خطاب کر کے فرماتے ہیں: کنت امس امیرا فاصبحت الیوم مامورا و کنت امس ناھیا فاصبحت الیوم منھیا کل میں امیر تھا مگر آج تم ہی میرے حاکم اور میں تمہارا محکوم ہو گیا۔ کل تک میں تم کو منع کرتا تھا آج تم ہی مجھ کو منع کرتے ہو۔ (نہج البلاغہ، ص 448)

بتاؤ یہی شیعہ کی شان ہے؟ انہیں کوفہ والوں سے حضرت فرماتے ہیں: **ایھا الفرقة التی اذا امرت لم تطع و اذا دعوت لم تجب** یعنی اے وہ فرقہ جس کو میں کوئی حکم دیتا ہوں تو مانتا نہیں اور کسی بات کی طرف بلاتا ہوں تو آتا نہیں (ص 356) کیا یہی لوگ حضرت کے شیعہ کہے جا سکتے ہیں؟

مولوی صاحب: البتہ یہ باتیں مخالفین ہی سے کی جاتی ہیں۔

حسینی بیگم: بس بات یہی ہے کہ جو مسلمان حضرت کو چوتھا خلیفہ مانتے تھے اور جن لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے بعد حضرتؑ سے بیعت کی تھی وہی حضرت کے ساتھ کوفہ آئے اور انھیں کے مختلف حالات سے عاجز آ کر حضرت اس قسم کا کلام کرتے تھے ہاں یہ میں مانتی ہوں کہ کچھ شیعہ بھی آ گئے تھے مگر وہ انگلیوں پر گننے کے قابل تھے۔ اُن کی حضرت نے کوئی شکایت نہیں کی اور وہ برابر حضرتؑ کے فرمانبردار رہے مگر ہزاروں مسلمانوں میں ان اَنے گنے چند شیعوں سے بن ہی کیا سکتا تھا۔ اس وجہ سے حضرت عام مسلمانوں کے محتاج تھے جو حضرتؑ کی اطاعت نہیں کرتے اور حضرتؑ ان سے نالاں رہتے تھے۔ ایسے نالاں کہ ان سے برابر روتے ہی رہے چنانچہ فرماتے تھے:

قاتلکم اللہ لقد ملاتم قلبی قیحاوشحنتم صدری غیظاو جرعتمونی نغب التھام انفاسا وفسدتم علی رائی بالعصیان والخذلان

یعنی اے کوفہ والو! خدا تمہیں غارت کرے۔ تم نے تو میرے دل کو اس قدر زخمی کیا کہ

وہ پیپ سے بھر گیا اور میرے سینہ میں آگ لگا دی اور مجھے غم وغصہ کے عالم میں ڈال دیا اور میری مخالفت کر کے سب کام خراب کر دیئے۔" (نہج البلاغہ ص 78)

پھر ایک دفعہ فرمایا:

ملکتنی عینی وانا جالس فسخ لی رسول اللہ فقلت یا رسول اللہ ما ذالقیت من امتک من الاود واللدفقال ادع علیھم فقلت ابدلنی اللہ بھم خیرا منھم وابدلھم لی شرا منی

یعنی اے کوفہ والو ایک دفعہ بیٹھے بیٹھے میری آنکھ جھپک گئی تو خواب میں حضرت رسول خدا صلعم ظاہر ہوئے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ آپ کی اس امت (مسلمانوں) سے مجھے کس قدر پریشانی اور جھگڑے کا سامنا ہوا۔ حضرت نے فرمایا ان کے لیے بددعا کرو۔ میں نے اس طرح بددعا کی کہ اے اللہ مجھے ان لوگوں سے بہتر مسلمان مرحمت فرما اور ان کو مجھ سے بدتر حاکم دے۔" (ص 128)

ایک دفعہ اور فرمایا:

اما واللہ ما اتیتکم اختیارا ولکن جئت الیکم موقا ولکنی بلغنی انکم تقولون علی یکذب قاتلکم اللہ فعلی من الکذب

یعنی "خدا کی قسم میں تم لوگوں کے ہاں خوشی سے نہیں آیا بلکہ مجبوراً آنا پڑا لیکن میں نے سنا کہ تم کہتے ہو علیؓ جھوٹ بولتے ہیں۔ خدا تمہیں غارت کرے میں کس پر جھوٹ بولوں گا۔" (ص 129)

غرض حضرت نے ان کوفہ والے منافقین کی نہایت کثرت سے شکایت کی ہے کہ یہ کمبخت ہمیں پریشان کرتے ہیں اور جس طرح مدینہ کے منافقین بھی ہمیں چین نہیں لینے دیتے۔ پس ایسے لوگ حضرتؓ کے شیعہ کہے جاسکتے ہیں یا حضرتؓ کے شدید دشمن تھے؟

مولوی صاحب: مگر یہ بھی تو ممکن ہے کہ جو رافضی حضرت علیؓ کے ساتھ کوفہ گئے تھے وہی حضرت حسینؓ کے قتل کو گئے ہوں۔

حسینی بیگم: خیر سے یہ بھی نہیں ہے۔ حضرت علیؓ کے بعد شیعہ بھی چن چن کر فنا کر دیئے گئے تھے اور اِکّا دُکّا کے سوا کوئی بھی شیعہ وہاں نہیں رہا تھا۔ چنانچہ علامہ محمد بن عقیل نے لکھا ہے:

فاستعمل عليهم زياد بن سمية وضم اليه البصرة فكان يتبع الشيعة وهو بهم عارف لانه كان منهم ايام علی فقتلهم تحت كل حجر ومدد واخافهم وقطع الايدی والا رجل وسمل العيون وصلبهم علی جزوع النخل وطردهم وشردهم عن العراق فلم يبق بها معروف منهم

''یعنی معاویہ نے کوفہ والوں پر زیاد بن سمیہ کو حاکم مقرر کیا اور بصرہ کو بھی اس سے ملا دیا۔ زیاد چونکہ حضرت علیؓ کے زمانہ میں کوفہ میں رہ چکا تھا وہ یہاں کے شیعوں سے واقف تھا۔ اس نے ہر پتھر اور ڈھیلے کے نیچے سے شیعوں کو نکال کر قتل کیا ان کو دھمکیاں دیں۔ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے۔ ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھرا دیں۔ ان کو درختوں پر سولی دی۔ ان کو عراق سے نکال دیا اور آوارہ وطن کر دیا۔ یہاں تک کہ شیعوں کا کوئی معروف شخص عراق میں نہیں بچا۔'' (نصائح کافیہ، مطبوعہ بمبئی **70**)

مولوی صاحب: تم کہتی تھیں کہ کوفہ میں شیعہ بہت کم تھے مگر علامہ محمد بن عقیل کی عبارت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ میں رافضی بہت ہو گئے تھے۔

حسینی بیگم: ہاں عراق کے دوسرے شہروں میں جس قدر شیعہ تھے اس سے زیادہ کوفہ میں تھے۔ یعنی بصرہ میں موصل میں۔ بغداد میں اتنے شیعہ بھی نہیں تھے جتنے کوفہ میں تھے۔ یہ نہیں لکھا ہے کہ کوفہ والوں میں زیادہ تعداد شیعوں کی تھی۔

مولوی صاحب: ہاں یہ ٹھیک ہے۔ اور شیعوں کی تعداد زیادہ رہی بھی تو زیاد نے ان سب کو قتل کر کے ختم کر دیا تھا۔

حسینی بیگم: اب فیصلہ آسان ہے کہ جب معاویہ ہی کے زمانہ میں عراق میں کوئی معروف شیعہ نہیں بچا کیونکہ زیاد نے ہر شیعہ کو ایک گوشہ سے نکال کر قتل کر دیا تو پھر معاویہ کے مرتے ہی اتنے شیعہ کوفہ میں کہاں سے ہو گئے جن کو ابن زیاد نے امام حسینؑ کے قتل کے لیے کربلا بھیجا۔ ظاہر ہے کہ واقعہ کربلا سے پہلے کوفہ تقریباً کل شیعوں سے خالی ہو چکا تھا اور اب جو لوگ امام حسینؑ سے لڑنے گئے وہی عام مسلمان تھے جو حضرت علیؑ کے بھی دشمن معلوم ہوتے تھے۔ پھر وہ حضرت امام حسینؑ کو بھی کیوں نہ قتل کرتے۔

مولوی صاحب: البتہ جب زیاد نے کوفہ کے کل رافضیوں کو قتل کروا دیا تھا تو پھر وہاں شیعہ رہے کیونکر جو حضرت حسینؑ کو قتل کرتے۔

حسینی بیگم: اُس وقت کوفہ میں شیعوں کے نہ ہونے کی ایک دلیل سنو۔ جب حضرت امام حسینؑ نے مکہ سے کوفہ کی طرف آنے کا ارادہ کیا تو جناب عبداللہ بن عباس نے بھی آپ کو منع کیا۔ دوسری مرتبہ جب وہ حضرتؑ کے پاس آئے ہیں تو کہا:

یاابن عم انی اتصبرولا اصبرانی اتخوف علیك فی هذا الوجه الهلاك والاستیصال ان اهل العراق قوم غدد رفلاتقربتهم۔ اقم بهذا البلد فانك سید اهل الحجاز فان كان اهل العراق یریدونك كما زعموا فاكتب الیهم فلیفوا عدوهم ثم اقدم علیهم فان ابیت الا ان تخرج فسرالی الیمن فان بها حصونا وشعاباوهی ارض عریضة طویلت ولابیك بها شیعه وانت عن الناس فی عزلة

یعنی اے میرے بھائی! میں صبر کرنا چاہتا ہوں مگر کیا کروں یہ مصیبت ہی اتنی بڑی ہے کہ مجھ سے صبر ہو نہیں سکتا ہے۔ مجھے آپ کے اس سفر میں آپ کے ہلاک اور برباد ہونے کا خوف ہو رہا ہے۔ کیونکہ عراق والے دھوکہ فریب کی جماعت ہیں تو آپ ان کے قریب بھی نہ جائیں بلکہ اسی شہر (مکہ معظمہ) میں قیام کیے رہیں۔ کیونکہ آپ حجاز

والوں کے سردار ہیں۔اب اگر عراق والے واقعاً آپ کی خلافت چاہتے ہیں جیسا کہ وہ دعویٰ کرتے ہیں تو آپ انھیں لکھیں کہ وہ پہلے اپنے دشمن (یزید کے حاکم اور لشکر وغیرہ) کو اپنے ہاں سے نکال دیں اس کے بعد آپ اُن کے پاس جائیں۔لیکن اگر آپ کو یہاں سے جانے ہی پر اصرار ہو تو (عراق نہیں بلکہ) ملک یمن کو تشریف لے جائیے۔کہ وہاں بڑے بڑے قلعے اور پہاڑ کی گھاٹیاں ہیں اور وہاں آپ کے پدر بزرگوار کے شیعہ ہیں اور وہاں آپ ان لوگوں (بنی امیہ) سے کنارے رہیں گے۔
(تاریخ طبری، جلد۶ ص **217**)

اس میں حضرت ابن عباس ایسے تجربہ کار ہوشیار اور جہاں دیدہ بزرگ آپ سے فرماتے ہیں کہ عراق نہ جائیے وہاں کے لوگ دھوکہ فریب کے ہیں اور یمن جائیے کہ وہاں حضرت علیؑ کے شیعہ ہیں جس سے یقین ہوا کہ کوفہ میں شیعہ نہیں تھے ورنہ جناب ابن عباس یمن کی یہ خصوصیت نہ بیان کرتے۔حضرت ابن عباس کے ان الفاظ کو پھر خوب غور سے دیکھو کہ یمن کے بارے میں کہتے ہیں: **لابيك بها شيعة** یعنی حضرت ابن عباسؓ جناب امام حسینؑ کو یمن جانے کی رائے اس وجہ سے دیتے ہیں کہ وہاں حضرت علیؑ کے شیعہ تھے۔پس اگر اُس وقت کوفہ میں بھی شیعہ ہوتے تو جناب ابن عباس یہ کیوں کہتے کہ یمن جائیے کہ وہاں آپ کے والد کے شیعہ ہیں۔ہر شخص ان کا جواب دے دیتا کہ جس طرح یمن میں حضرت علیؑ کے شیعہ ہیں کوفہ میں بھی ہیں مگر چونکہ کوفہ میں حضرت کے شیعہ نہیں تھے اور یمن میں تھے۔اس وجہ سے اس جملہ کے کہنے کی ضرورت ہوئی۔اس کے ساتھ علامہ طبری کے اس بیان کو بھی پڑھو کہ جب ابن زیاد یزید کے حکم سے حضرت مسلمؑ کو قتل کرنے کے لیے کوفہ میں آیا ہے اور حضرت مسلمؑ کے میزبان جناب ہانیؓ کو گرفتار کرا کے اپنے ہاں بلایا:

فقال عبيدالله ياهانى اماتعلم ان ابى قدم هذا البلد فلم يترك احدا من هذه الشيعة الاقتله غيرابيك وغير حجر و كان من حجر ما قد علمت

''یعنی تب عبیداللہ ابن زیاد نے جناب ہانیؒ سے کہا کہ اے ہانیؒ! کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ میرا باپ (زیاد) اس شہر کا حاکم ہوکر آیا تھا تو جتنے شیعہ ملے سب کو قتل کر دیا سوا تمہارے باپ اور حجر کے کسی کو نہیں چھوڑا۔ پھر حجر بھی جس طرح قتل کئے گئے تم کو معلوم ہے۔ (تاریخ طبری مطبوعہ مصر جلد 6 ص 202 واقعات 60 ہجری)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ امام حسینؑ کو کوفہ سے جن لوگوں نے بلایا ان میں کوئی شیعہ نہیں تھا سب غیر ہی غیر تھے اس لیے کہ کل شیعوں کو تو زیاد نے اس سے بہت پہلے ہی قتل کر دیا تھا تو کیا مقتول اور مردہ شیعوں نے امام حسینؑ کو خطوط لکھ کر حضرت کو وہاں طلب کیا تھا؟ اور زیاد 50 ہجری میں کوفہ کا حاکم ہوکر یہاں آیا تھا۔ چنانچہ یہی مؤرخ لکھتا ہے: **کان زیاد علی البصرۃ و اعمالھا الی سنہ 50 فمات المغیرۃ بن شعبہ بالکوفہ و ھو امیرھا فکتب معاویۃ الی زیاد بعھدہ علی الکوفہ و البصرۃ** یعنی زیاد صوبہ بصرہ کا حاکم 50 ہجری تک رہا پھر مغیرہ حاکم کوفہ مر گیا تو معاویہ نے زیاد ہی کو حاکم بصرہ وکوفہ بنا دیا۔ (تاریخ طبری، جلد 6، 131)

مولوی صاحب: یہ سب تو صحیح ہے مگر رافضیوں کی کتاب سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ قاتلان حسینؑ شیعہ تھے۔

حسینی بیگم: شیعوں کی بہت کتابیں میں نے بھی دیکھی ہیں۔ مجھے تو ایسی کوئی کتاب نہیں ملی۔ آپ کسی کتاب کا نام مجھے بھی بتائیں۔

مولوی صاحب: ان کے ایک بہت بڑے مجتہد قاضی نوراللہ شوستری تھے جو قتل کیے گئے اور ان کی قبر آگرہ میں ہے۔ انھیں قاضی صاحب کی کتاب مجالس المومنین میں ہی بالجملہ تشیع اہل کوفہ حاجت باقامتہ دلیل ندارد وسنی بودن کوفی الاصل خلاف اصل ومحتاج بدلیل است یعنی مختصر یہ کہ کوفہ والوں کا شیعہ ہونا کسی دلیل قائم کرنے کا محتاج نہیں ہے اور اصلی کوفی کا سنی ہونا خلاف اصل اور دلیل کا محتاج ہے۔ (مجالس المومنین ص 12)

حسینی بیگم: تو اس سے یہ کیونکر معلوم ہوا کہ قاتلان امام حسینؑ شیعہ تھے۔

مولوی صاحب: اس لیے کہ کوفہ والوں نے حضرت حسینؑ کو قتل کیا اور وہ شیعہ تھے۔

حسینی بیگم: سبحان اللہ! قاضی صاحب نے یہ عبارت کس زمانہ کے لوگوں کے بارے میں لکھی ہے۔

مولوی صاحب: یہ تو اس کتاب میں نہیں ہے۔

حسینی بیگم: خیر یہ بتاؤ کہ واقعہ کربلا کس سال ہوا اور کتاب مجالس المومنین کس سال میں لکھی گئی۔

مولوی صاحب: حضرت حسینؑ 61 ہجری میں شہید کئے گئے اور قاضی صاحب نے 109ھ میں انتقال کیا۔ اس سے دس بارہ سال قبل لکھی ہوگی۔

حسینی بیگم: اچھا مان لو کہ کتاب مجالس المومنین 1000 ہجری میں لکھی گئی تو واقعہ کربلا کے کتنے عرصہ کے بعد لکھی گئی؟

مولوی صاحب: 940 سال کے بعد

حسینی بیگم: اور قاضی صاحب 61 ہجری کے متعلق وہ عبارت نہیں لکھتے ہیں تو کیا 940 سال میں سب کوفہ والوں کا شیعہ ہو جانا نہیں ممکن ہے۔ اس ہندوستان ہی میں دیکھ لو کہ دوسو برس پہلے کتنے مقام تھے جہاں ایک مسلمان نہیں تھا اور اب وہاں مسلمان ہی مسلمان نظر آتے ہیں۔ خیر اسے جانے دو۔ یہ بتاؤ کہ 11 ہجری میں جب حضرت رسول خداصلعم نے انتقال فرمایا مدینہ میں مسلمان تھے یا نہیں۔

مولوی صاحب: کتابوں سے تو معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً سب ہی مسلمان ہو گئے تھے۔

حسینی بیگم: اور گیارہ برس پہلے؟ یعنی جب حضرت مدینہ میں نہیں تشریف لے گئے تب مدینہ میں کتنے مسلمان تھے؟

مولوی صاحب: اُس وقت کون تھا اور کہاں سے آتا۔

حسینی بیگم: یعنی جس مدینہ میں 11 ہجری میں سب مسلمان ہی نظر آتے تھے اسی مدینہ میں گیارہ سال پہلے کافر ہی کافر تھے تو پھر کوفہ میں اگر 61 ہجری میں کوئی شیعہ نہیں تھا اور اس کے

چند سال کے بعد شیعہ بڑھتے گئے اور سب شیعہ ہو گئے تو اس میں کیوں تعجب ہوتا ہے۔

مولوی صاحب: مگر واقعہ کربلا کے بعد کیوں وہاں اس قدر شیعہ ہو جائیں گے۔

حسینی بیگم: یہ تو بالکل واضح بات ہے کہ **61** ہجری میں کوفہ کے مسلمانوں نے یزید کی سختی اور ابن زیاد کے ظلم سے مجبور ہو کر امام حسین علیہ السلام کو قتل کیا اُس کے بعد اس پر نادم ہوئے۔ توبہ کی حضرت حسینؑ کو امام ماننے لگے اور اس کے ساتھ خلفاء ثلثہ کا اعتقاد اُٹھا کر اور ان سے بیزاری ظاہر کر کے شیعہ ہو گئے۔ تم جانتے ہو کہ دہلی ہمارے بادشاہوں کا دارالسلطنت تھا۔ وہاں کوئی رافضی ایک دن کو بھی کوئی سانس لے سکتا تھا؟ مگر جب ان بادشاہوں کا زور کم ہوا تو دفعتاً شیعہ تمام پھیل گئے۔ چنانچہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمۃ اللہ نے اپنی مشہور کتاب تحفہ اثناء عشریہ لکھنے کی وجہ سے یہ تحریر فرمائی ہے کہ ''غرض تحریر اس رسالے اور تسوید اس مقالے سے یہ ہمارے زمانہ اور شہروں بالفعل مذہب شیعہ یہاں تک مروج ہو گیا اور پھیل گیا ہے کہ بہت کم گھر ہوں گے جن میں دو ایک آدمی شیعہ مذہب کے نہ ہو گئے ہوں اور اس عقیدے کی طرف راغب نہ ہوں۔'' (ہدیہ مجیدیہ ترجمہ تحفۂ اثناعشریہ ص **3**)

اب آپ ہی انصاف کریں کہ شاہ صاحب نے **1239** ہجری میں انتقال فرمایا۔ **1225** ہجری میں کتاب تحفہ اثناءعشریہ لکھی ہو گی۔ اس وقت مغل بادشاہ موجود تھے۔ صرف ان کی طاقت کم ہو گئی تھی۔ جس کی وجہ سے چند ہی سالوں میں شیعہ گھر گھر پھیل گئے۔ پھر **61** ہجری کے بعد جب یزید اور ابن زیاد کا ظلم کوفہ والوں سے اُٹھ گیا۔ وہاں شیعوں کی تعداد کیوں نہ بڑھتی؟

مولوی صاحب: مگر جب حضرت حسینؑ مدینہ سے مکہ تشریف لے گئے تو وہاں کوفہ والوں نے اپنے کو شیعہ ہی لکھا اور خود شیعوں کے بڑے مجتہد ملا محمد باقر مجلسی نے لکھا ہے کہ شیعیان کوفہ کا خط اس عبارت سے حضرتؑ کے پاس گیا ''ایں نامہ ایست بسوئے حسینؑ ابن علیؑ از جانب سلیمان بن صرد خزاعی و میسب بن نجبہ و رفاعہ بن شداد بجلی و حبیب بن مظاہر و سائر شیعیان او۔'' یعنی یہ خط ہے حسینؑ بن علیؑ کی طرف سلیمان بن صرد خزاعی۔ میسب بن نجبہ۔ رفاعہ بن شداد بجلی۔

حبیب بن مظاہر اور باقی حضرت کے کل شیعوں کی جانب سے۔ (جلاء العیون ص 170)
اس سے ثابت ہوا کہ حضرت حسینؑ کو شیعوں ہی نے بلایا اور حضرتؑ نے جو جواب بھیجا ہے وہ بھی شیعوں ہی کی طرف چنانچہ لکھا ''از حسینؑ بن علیؑ بسوئے گروہ مومنان وشیعان۔'' یعنی یہ خط ہے حسینؑ بن علیؑ کا مومنوں اور شیعوں کی طرف (جلا العیون ص 17)

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت حسینؑ کو شیعوں ہی نے کوفہ میں بلایا اور پھر انھیں قتل کیا۔

حسینی بیگم: یہ صحیح ہے کہ بعض شیعوں نے حضرت امام حسینؑ کو خطوط بھیجے مگر یہ کیسے معلوم ہوا کہ انھیں نے قتل بھی کیا۔

مولوی صاحب: پس جس نے بلایا اُسی نے قتل کیا۔

حسینی بیگم: کیا خوب آج کسی مذہبی جلسہ کے لیے ہم مسلمان کسی عالم کو بلائیں اور یہاں کے غیر مسلم لوگ ان عالم کو گرفتار کرادیں تو کیا یہ کہا جائے گا کہ مسلمانوں نے ان کو گرفتار کیا یا کرایا؟ یہ تو معمولی عقل والے بھی کہہ دیں گے کہ چوبیس پچیس شیعہ کوفہ میں چھپے چھپائے بچ گئے تھے۔ انہوں نے امام حسینؑ کو خط لکھا۔ حضرتؑ نے ان کو جواب دیا اور اس کے مطابق چلے بھی۔ مگر یزید کو خبر ہوگئی اس نے ابن زیاد کو وہاں کے حاکم مقرر کر دیا۔ جس نے ناکہ بندی کر دی۔ اور حضرت امام حسینؑ کو کوفہ میں آنے نہیں دیا۔ بلکہ باہر ہی اپنی فوجیں بھیج کر حضرتؑ کو قتل کرا دیا۔ ایسی حالت میں بیچارے بلانے والے وہ بیس پچیس شیعہ کیا کر سکتے تھے؟ اور پھر بھی بہت لوگوں کو راہیں مل گئیں تو وہ کوفہ سے نکل کر حضرتؑ کی خدمت میں پہنچ گئے اور آپ کے ساتھ جہاد کر کے اپنے امکان بھر حضرتؑ کی حفاظت کی اور پھر خود شہید ہو گئے۔ غرض جن شیعوں نے حضرت امام حسینؑ کو خطوط بھیجے ان میں سے ایک شخص بھی یزید یا ابن زیاد کی طرف سے لڑنے کو نہیں نکلا۔ بلکہ وہ سب یا تو کوفہ میں ہاتھ پاؤں مار کر رہ گئے کہ کیونکہ حضرتؑ کی خدمت میں پہنچیں۔ اور یا حضرتؑ کے پاس پہنچ کر اپنی جاں نثار کر دی جیسے حبیب بن مظاہر وغیرہ۔ مختصر یہ ہے کہ کوفہ میں چوبیس پچیس مخفی یا ذی اثر شیعہ باقی رہ گئے تھے انہوں نے امام حسینؑ کو بلایا۔ حضرتؑ نے ان شیعوں کو جواب بھیجا اور اُدھر روانہ ہوگئے مگر کوفہ پہنچنے سے پہلے ابنِ زیاد یہاں آ گیا۔ اس نے

تمام راہوں کو بند کرا دیا۔ نہ کسی کو باہر سے کوفہ میں آنے دیتا تھا اور نہ کسی کو کوفہ سے باہر جانے دیتا تھا۔ جب اس کو حضرتؑ کے قریب پہنچنے کی خبر ملی تو خود کوفہ سے باہر جا کر مقام نخیلہ میں قیام کیا اور کوفیوں کو حضرتؑ سے لڑنے کے لیے روانہ کرتا رہا۔ مگر کسی کتاب سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ حضرتؑ سے لڑنے کے لیے کوفہ کا ایک شیعہ بھی گیا۔ بلکہ صرف وہ مسلمان گئے جو یزید کو خلیفہ مان کر بیعت کر چکے تھے لیکن جو شیعہ تھے وہ تڑپتے رہے کہ کیونکہ حضرتؑ کی مدد کو جائیں۔ چنانچہ علامہ طبری نے لکھا ہے:

لما قتل الحسين بن علي ورجع ابن زياد من معكره بالتخيله فدخل الكوفة تلاقت الشيعة بالتلاوم والتندم ورألتا نها قدا خطأت خطأ كبيرا بدعائهم الحسين الى النصرة وتركهم اجابه۔ ومقتله الى جانبهم لم ينصروه

یعنی جب امام حسینؑ قتل ہو گئے اور ابن زیاد اپنے لشکر گاہ نخیلہ سے کوفہ میں واپس آیا تو شیعہ ایک دوسرے کو ملامت اور آپس میں ندامت کرنے لگے اور انہوں نے خیال کیا کہ ان سے بڑی غلطی ہوئی کہ انہوں نے امام حسینؑ کو مدد کے وعدہ پر بلایا اور پھر حضرتؑ کے پاس نہ پہنچ سکے۔ یہاں تک کہ حضرت شہید ہی ہو گئے۔

(تاریخ طبری جلد 7 ص 47)

یہ عبارت پکار کر کہتی ہے کہ قاتلان امام حسینؑ میں ایک شخص بھی شیعہ نہیں تھا بلکہ جب کوفہ میں ابن زیاد واپس آیا اور امام حسینؑ کے قتل کی خبر پھیلی تو ان چند شیعوں نے جنہوں نے حضرت امام حسینؑ کو بلایا تھا مگر حضرتؑ کے پاس نہ پہنچ سکے افسوس کیا کہ ہائے ہم لوگ حضرتؑ کی مدد سے مجبور رہ گئے۔ کاش حضرتؑ کو بلایا ہی نہ ہوتا۔ پس جو واقعہ ہے وہ صرف اس قدر کہ ابن زیاد کی ناکہ بندی کی وجہ سے جو شیعہ کوفہ سے نکل نہیں سکے وہ بعد کو غم کھاتے رہے کہ حضرتؑ کی مدد نہیں کی جس کو امام حسین علیہ السلام نے خود بھی فرمایا کہ شیعیان مادست از یاری ابر داشتند یعنی میرے شیعوں نے میری مدد نہیں کی۔ **(جلاء العیون ص 186)**

اور یہ بالکل صحیح تھا کیونکہ اُن میں پچیس شیعوں سے ابن زیاد کی خونخوار تلوار کے مقابلہ میں ہو کیا سکتا تھا مکہ معظمہ میں تو بہت سے مسلمان ہو گئے تھے مگر وہ کفار مکہ کے ظلم و جور سے نہ اپنی حفاظت کر سکے اور نہ حضرت رسول خدا صلعم کو مدد پہنچا سکے۔ چنانچہ بہت سے مسلمان بھی مکہ معظمہ سے ہجرت کرتے رہے اور پھر حضرت رسول خدا صلعم نے بھی ہجرت کی۔ پس جس طرح مکہ معظمہ کے کچھ مسلمان کفارِ مکہ کے مقابلے میں آنحضرتؐ کی مدد نہیں کر سکے اسی طرح کوفہ کے چند شیعہ بھی یزید اور ابن زیاد کے مقابلہ میں حضرت امام حسینؑ کی مدد سے مجبور رہے۔ اگر چہ کئی بہادران سختیوں میں بھی نکل پڑے اور جا کر حضرت پر اپنی جان نثار کی مگر جو نہیں نکل سکے اور ہر طرح کی مدد سے مجبور رہے اُن پر اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ خدا نے فرمایا ہے: **لا یکلف الله نفسا الا وسعها** یعنی خدا کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ حکم دیتا ہی نہیں ہے۔ اُس وقت کوفہ کے ان چند شیعوں کی طاقت بھی نہیں تھی کہ امام حسینؑ کی مدد میں ابن زیاد ایسے قہار کا مقابلہ کر سکیں۔ ہاں جو مسلمان حضرت کے قتل کو جاتے تھے ان کے اختیار میں تھا کہ کوفہ سے روانہ ہونے کے بعد ابن زیاد کے حکم کی مخالفت کرتے اور حضرتؑ کے پاس پہنچ جاتے مگر سواء حضرت حُر بن یزید ریاحی اور چند اور لوگوں کے کوئی ایسا ایماندار نہیں نکلا۔ حالانکہ حضرتؑ برابر مسلمانوں سے استغاثہ کرتے رہے۔

مولوی صاحب: مولوی عبدالشکور صاحب اڈیٹر النجم نے اپنے رسالہ میں کئی برس تک اس مضمون کو خوب خوب لکھا اور شائع کیا کہ قاتلان حسینؑ شیعہ تھے اور اس کے لیے مستقل کتاب لکھی اور کتنے صفحہ سیاہ کر دیئے مگر تم نے تو چند ہی منٹ میں ان کی کل کوششوں پر پانی پھیر دیا اور سب دلیلوں کا ایسا تشفی بخش جواب دے دیا کہ کسی شخص کو اس کے ماننے میں عذر ہو ہی نہیں سکتا۔ میں بہت غور کر رہا ہوں کہ کسی طرح مولوی عبدالشکور صاحب کی جماعت میں کچھ بولوں لیکن اب کوئی بات ملتی ہی نہیں ہے۔

حسینی بیگم: حق کے مقابلہ میں باطل کا فریب کتنا ہی پھیلایا جائے مگر اس کو استقلال نہیں ہوسکتا ہے اور مکڑی کے جالے سے زیادہ طاقت ہو ہی نہیں سکتی ہے۔ مکانوں میں دیکھتے ہو کہ ایک

مکڑی کتنے لمبے جال پھیلا دیتی ہے کہ اس کی حکمت وتدبیر پر انسان کو حیرت ہونے لگتی ہے۔ مگر ان تمام جالوں کی حقیقت اتنی ہی ہوتی ہے کہ دو برس کا بچہ بھی ذرہ برابر تنکا اُٹھا کر اس کو چھیڑ دیتا ہے تو سب جالے درہم برہم ہو جاتے اور اس مکڑی کی کتنے دنوں کی محنت آن واحد میں ہباء منثورا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح مولوی عبدالشکور صاحب کی دلیلیں بالکل بے حقیقت ہوتی ہیں۔

مولوی صاحب: اب تم زیادہ تعلّی نہ کرو۔ بات یہ ہے کہ مولوی عبدالشکور صاحب نے مرزا حیرت صاحب دہلوی کی طرح بالکل ایجاد بندہ کیا کہ کہنے لگے قاتلان حسینؑ شیعہ تھے جس کا غلط ہونا ایسا ہی ہے جیسا رات کو آفتاب کا نکلنا اس وجہ سے آپ کو اتنا جواب دینے کا موقع ملا۔

حسینی بیگم: مگر مولوی عبدالشکور صاحب نے یزید۔ ابن زیاد۔ عمر بن سعد کے بارے میں کیا لکھا ہے؟ کیا یہ لوگ بھی شیعہ تھے؟ کیونکہ یزید کا قاتل امام حسینؑ ہونا میں پہلے ثابت کر چکی ہوں۔ اور اس نے خود بھی اپنے اس جرم کا بار بار اعتراف کیا ہے۔ مورخ طبری نے لکھا ہے:

لما قتل عبیدالله بن زیاد الحسین بن علی و بنی ابید بعث بروسهم الی یزید بن ل یلیث الا قلیلا حتی ندم علی قتل الحسین۔

''یعنی جب ابن زیاد نے امام حسینؑ کو قتل کیا تو پہلے یزید ان لوگوں کے قتل سے بہت خوش ہوا اور اس وجہ سے ابن زیاد کا درجہ بھی اس کے ہاں بڑھ گیا مگر پھر یزید نادم ہوا کہ اس نے کیوں امام حسینؑ کو قتل کیا۔ (تاریخ طبری، جلد 7 ص 17)

اور یزید برابر کہتا ہے:

فبغضمنی بقتله الی المسلمین وزاع فی قلوبهم العداوة فبغضنی البروالفاجر بما استطعظم الناس من قتلی حسینا

''یعنی ابن زیاد نے امام حسینؑ کو قتل کر کے مسلمانوں کی نظروں میں مجھے مبغوض کر دیا اور ان کے دلوں میں میری عداوت پیدا کر دی۔ جس کی وجہ سے اچھے اور برے سب ہی میرے دشمن ہو گئے کیونکہ میں نے امام حسینؑ کو قتل کیا تو لوگوں نے اس کو میرا بڑا

جرم سمجھا۔(تاریخ طبری، جلد 7 ص 19)

اور ابن زیاد کہتا ہے:

اما قتلی الحسین فانه خرج علی امام وامته مجتمعة و کتب الی الامام یامرنی بقتله فان کان ذلک خطاء کان لا زما لیزید

''یعنی میں نے جو امام حسینؑ کو قتل کیا تو اس سبب سے کہ انہوں نے ہمارے امام (یزید) پر خروج کیا اور مجھے اس امام (یزید) نے حکم بھیجا کہ امام حسینؑ کو قتل کر دو۔ اب اگر حضرتؑ کا قتل جرم ہے تو اس کا الزام یزید ہی پر ہے۔''(اخبار طوال ص 279)

وہ یہ بھی کہتا ہے:

اما قتلی الحسین فانه اشارائی یزید بقتله او قتلی فاخترف قتله۔

''یعنی میں نے جو امام حسینؑ کو قتل کیا تو اس سبب سے کہ یزید نے مجھے اشارہ کیا کہ حضرتؑ کو قتل کر دوں ورنہ وہ خود مجھے قتل کر دے گا۔ تو میں نے حضرت کا قتل اختیار کر لیا۔(تاریخ کامل، جلد 4 ص 55)

ان عبارتوں سے صاف معلوم ہوا کہ امام حسینؑ کے قتل کا حکم یزید اور ابن زیاد نے دیا۔ اب اس حکم کی تعمیل ان لوگوں نے کی جو ابن زیاد کو اپنا حاکم اور یزید کو اپنا خلیفہ جانتے تھے۔ یہ بتاؤ کہ حضرت ابوبکر صدیق نے اپنی خلافت میں جن لوگوں سے لڑنے کو اپنی فوجیں بھیجیں وہ فوجیں حضرت ابوبکر کو خلیفہ مانتی تھیں یا کسی اور کو۔

مولوی صاحب: یہ بھی کچھ پوچھنے کی بات ہے۔ اگر اس فوج کا کوئی شخص حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ نہیں مانتا بلکہ کسی اور شخص کی خلافت کا قائل ہوتا تو پہلے اسی سے جنگ کی جاتی۔

حسینی بیگم: اور حضرت عمر فاروق نے عراق شام، ایران میں اپنی فوجیں بھیجیں وہ حضرت عمر کو خلیفہ جانتی تھیں یا کسی اور کو

مولوی صاحب: واہ حضرت عمر کی فوج میں کس کی مجال تھی کہ ان کو خلیفہ نہ مانتا۔ پھر تو حضرت اسی سے اپنی تلوار یا درہ ہی سے باتیں کرتے۔ اور فوج تو صرف انھیں لوگوں کی رکھی جاتی ہے

جو اپنے خاص ماننے والے ہوں اور جن پر پورا بھروسہ ہو کہ یہ کسی اور کو نہیں مانیں گے۔ نہ کسی خیال میں اپنے افسر کا ساتھ چھوڑیں گے۔

حسینی بیگم: اور حضرت علیؑ اور معاویہ میں جو لڑائی ہوئی اس میں دونوں صاحبوں کی فوجیں کس کو خلیفہ جانتی تھیں۔

مولوی صاحب: معاویہ والے ان کو اور حضرت علیؑ والے ان کو خلیفہ جانتے تھے۔ تو معلوم ہو گیا کہ ہر شخص اپنے دشمن سے لڑنے کے لیے اپنے ماننے والے ہی کو بھیجتا ہے اپنے دشمن کے ماننے والوں کو نہیں بھیجتا۔

مولوی صاحب: ہاں یہ تو بدیہی بات ہے۔

حسینی بیگم: پھر یزید نے امام حسینؑ سے لڑنے کے لیے جن فوجوں کو بھیجا وہ یزید کو خلیفہ مانتی تھیں یا امام حسینؑ کو؟

مولوی صاحب: واہ وہ تو حضرت حسینؑ کو قتل کرتی تھیں۔ حضرتؑ کو خلیفہ کیسے مانتیں جس طرح معاویہ والے حضرت علیؑ سے لڑتے تھے اور حضرت علیؑ کو نہیں بلکہ معاویہ کو خلیفہ مانتے تھے۔ اسی طرح یزید کی فوج بھی امام حسینؑ کو قتل کرتی تھی اور حضرتؑ کو نہیں بلکہ یزید کو خلیفہ جانتی تھی۔ اور اسی یزید کی تو سب نے بیعت کر لی تھی کسی اور کو وہ خلیفہ جانتی کیسے؟

حسینی بیگم: تو کیا کوئی شیعہ بھی یزید کو خلیفہ مان سکتا ہے؟

مولوی صاحب: نہیں بلکہ وہ لوگ تو اس سے حد درجہ بیزار رہتے اور اس کو بدترین ناس سمجھتے ہیں بلکہ جو لوگ اس کو خلیفہ مانتے ہیں ان کو گمراہ کہتے ہیں۔

حسینی بیگم: پھر یہ کہنا کہ قاتلان امام حسینؑ شیعہ تھے کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے۔

مولوی صاحب: بیشک قاتلان حسینؑ کو شیعہ کہنا ایسا ہی ہے جیسا کوئی کہے حضرت رسول خدا صلعم کو مکہ شریف سے مسلمانوں نے نکالا۔ غزوہ اُحد میں حضرت حمزہ کو مسلمانوں نے شہید کیا۔ اور حضرت رسول خدا صلعم کے دندان مبارک کو صحابہ کرام نے توڑا۔

حسینی بیگم: یزیدی فوج جو یزید ہی کو اپنا خلیفہ جانتی تھی حضرت امام حسینؑ کی ایسی دشمن تھی کہ

حضرتؑ کوسلام تک نہیں کرتی تھی کیا کسی شیعہ سے ممکن ہے کہ ابن زیاد کے نوکر کو سلام کرے اور حضرتؑ کو نہ کرے؟ (تاریخ طبری جلد 6 ص 232)

خود قاتلان حسینؑ نے اپنے کوئی بار کہا ہے کہ ہم یزید کے پیرو ہیں۔ ہمیں حسینؑ سے کوئی مطلب نہیں ہے۔ مثلاً ایک قاتل کا یہ شعر دیکھو

فـــابـــلـــغ عبيـــدالـــلـــه امـــا الـــقية

بـــانـــی مـــطيـــع لـــلـــخـــليـــفة

"یعنی اگر تم ابن زیاد سے ملو تو اس سے کہہ دو کہ میں خلیفہ یزید ہی کا فرمانبردار اور اس کا حکم بجالانے والا ہوں۔ (طبری جلد 6 ص 248)

✿✿✿✿✿

کیا امام حسینؑ نے یزید سے بغاوت کی؟
کیا حضرتؑ اپنے ناناؐ کی تلوار سے قتل کیے گئے؟

مولوی صاحب: یہ تو صحیح ہے کہ حضرت حسینؑ کو یزید نے قتل کرایا اور انھیں لوگوں نے قتل کیا جو یزید کو خلیفہ مانتے تھے مگر یہ ضرور مانو گی کہ ایسا کرنے میں یہ لوگ بے قصور تھے کیونکہ یزید کے خلیفہ ماننے والے اپنے خلیفہ اور پیشوا کے حکم سے مجبور تھے اور یزید اپنی سلطنت کی حفاظت کے سبب سے مجبور تھا۔ اگر حسینؑ اس سے بغاوت نہ کرتے اور اس کی بعیت کر کے سلطنت اسلام میں امن قائم رکھتے تو نہ یزید حضرت کو قتل کراتا اور نہ اس کے خلیفہ ماننے والے حضرتؑ کو قتل کرتے۔

حسینی بیگم: ہاں یہ بہت ضروری بحث آپ نے چھیڑی۔ ایسی ہی باتوں کی تحقیق میں جی لگتا ہے مگر اس کے متعلق میں خود کیوں کچھ کہوں۔ اہل حدیث بھائیوں کے امام اعظم جناب مولانا وحید الزماں خاں صاحب حیدرآبادی سے دریافت کروں کہ حضرت امام حسینؑ نے بغاوت کی یا نہیں۔ ان کے قول کو تو آپ زیادہ مانیں گے۔

مولوی صاحب: بیشک وہ ہمارے بلکہ تمام مسلمانوں کے بڑے پیشوا تھے اور انہوں نے صحاح ستہ کے ترجمہ وغیرہ کی بے مثل خدمات انجام دی ہیں۔

حسینی بیگم: ممدوح تحریر فرماتے ہیں: ''برخلاف معاویہ کے وہ تو مرتے دم تک اہلبیت علیہم السلام کے دشمن اور مخالف رہے اور حضرت علیؑ کو گالیاں دینے کے لیے تمام خطیبوں کو حکم دیا اور اپنی آخری عمر میں مکر و فریب اور پولیٹیکل چالوں سے یزید کے سے نالائق فرزند کو خلیفہ بنایا۔ حالانکہ امام حسینؑ کے ہوتے ہوئے یزید ان کے پاخانہ کا لوٹا اُٹھانے کے بھی لائق نہ

تھا۔ اور اوپر گذر چکا کہ حضرت علیؓ نے معاویہ کو شیطان رویہ فرمایا اور حق بھی یہی ہے۔'' (انوار اللغۃ پارہ 14 ص 10)

پھر لکھتے ہیں:

فاضربوا عنق الآخر

جب ایک امام سے حسب وصیت ایک امام کے یا بہ صلاح ومشورہ اور باتفاق اکثر ارباب حل وعقد بیعت ہو جائے۔ اب دوسرا کوئی شخص امام بننا چاہے تو اس کی گردن مارو کوئی بھی ہو کیونکہ وہ مسلمانوں میں نا اتفاقی اور لڑائی کرانا چاہتا ہے اور امام وقت کی مخالفت اور بغاوت کرتا ہے اس حدیث کے بموجب جب حضرت علیؓ معاویہ اور ان کے طرفداروں سے لڑے۔ چونکہ وہ باغی تھے حضرت علیؓ کی خلافت بہ صلاح ومشورہ واتفاق اکثر ارباب حل وعقد ہوئی تھی اور ان کی امامت صحیح اور برحق تھی لیکن معاویہ اور ان کے حامیوں نے خلاف کیا اس وجہ سے باغی قرار پائے۔ اب اگر کوئی کہے کہ یزید کی بیعت پر بھی اکثر لوگوں نے اتفاق کر لیا تھا۔ پس جناب امام حسینؓ کو اس سے مخالفت کرنا کیونکر روا ہوا تو اُس کا جواب یہ ہے کہ یزید کی بیعت بہ صلاح ومشورہ نہیں ہوئی تھی بلکہ صرف معاویہ کی دھینگامشتی اور زورزبردستی سے ورنہ کوئی شخص دل سے اس کو پسند نہیں کرتا تھا۔ دوسرے اس کی بیعت خلافت معاہدہ تھی۔ معاویہ نے جناب امام حسنؓ سے عہد کیا تھا کہ میرے بعد پھر خلافت اپنے مستحق کی طرف رجوع کرے گی۔ اس بناء پر معاویہ کو لازم تھا کہ اپنے مرتے وقت امام حسینؓ کو جو سب سے زیادہ خلافت کے مستحق تھے خلیفہ بناتے۔ مگر دنیا کی طمع نے ان پر ایسا زور کیا تھا کہ نہ معاہدہ کا خیال رہا۔ نہ دینداری اور خدا ترسی کا۔ اپنے ظالم، نابکار شرابخوار بیٹے کو خلیفہ بنایا۔ وہ بھی لوگوں کو ڈرا دھمکا کر۔ گردنوں پر تلوار رکھ کر۔ مال وزر ملک ودولت کی طمع دے کر۔ بھلا ایسی خلافت کب تک صحیح ہو سکتی ہے۔ اس لیے جناب امام حسینؓ نے اس سے بیعت نہیں کی۔ کیونکہ اُس سے بیعت کر لینے میں دین کی خرابی متصور تھی اور جان دینا گوارا کیا رضی اللہ عنہ وعن اتباعہ واحبابہ۔ اگر کوئی کہے کہ یزید کی خلافت حسب وصیت امام وقت یعنی معاویہ کی طرف سے ہوئی تھی اس لیے اُس کی خلافت صحیح

ہوگئی۔گو اہل حل وعقد کا اُس پر اتفاق نہ ہوا ہو۔جیسے حضرت عمر کی خلافت حسب وصیت ابوبکر صدیقؓ درست اور صحیح تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ خود معاویہ کی خلافت صحیح نہ تھی تو یزید کی خلافت کیونکر صحیح ہوگی۔وہ تو بنائے فاسد علی الفاسد ہے۔جیسے ایک ڈاکو دوسرے ڈاکو کو اپنی جگہ بٹھا جائے۔(انوار اللغتہ پارہ 15 ص 19)

پھر یہ بھی لکھا ہے: ''اگر قریشی خلیفہ بھی فسق وفجور اختیار کرے۔احکام شرعی کو بدل دے۔ نماز ترک کردے۔اس کی حکومت سے دین میں خلل آنے کا ڈر ہو یا استبداد اختیار کرے یعنی خود رائی علماء وفضلاء سے مشورہ لینا چھوڑ دے۔تو اُس سے لڑنا اور اُس کو معزول کرنا درست بلکہ باعث اجر اور ثواب ہے۔امام حسین علیہ السلام نے اول تو یزید پلید سے بیعت نہیں کی تھی دوسرے مردود نے استبداد برانہ اختیار کیا تھا۔یعنی شخصی حکومت۔تیسرے اس مردود نے فسق وفجور شرب خمر زنا وغیرہ اختیار کیا تھا۔چوتھے اموال بیت المال کو اپنی ذاتی خواہشات میں اُڑا رہا تھا۔پانچویں اُس نے خلافت معاہدہ جو اُس کے باپ کے ساتھ ہوا تھا گیا، مستحق خلافت کا حق تلف کر کے خود خلیفہ بن بیٹھا۔چھٹے امام حسن علیہ السلام کو ان کی بیوی سے سازش کر کے ناحق زہر دلوایا اس ڈر سے کہ معاویہ کے بعد از روئے معاہدہ ان کی طرف خلافت جانے والی تھی۔بھلا ایسا نالائق کیسے خلیفہ شرعی اور امیر المومنین ہوسکتا ہے۔اسی لیے امام از روئے قواعد اسلام دین کی حفاظت کے لیے اس کے مخالف ہوئے اور شہادت کا درجہ حاصل کیا۔اب جو کوئی امام حسین علیہ السلام کو باغی اور طاغی قرار دیتا ہے اُس کا حشر یزید پلید ہی کے ساتھ ہوگا اور ہم منتظر ہیں کہ وہ قیامت کے دن آنحضرتؐ کو اپنا منہ کیسی دکھلائے گا۔''(پارہ 5 ص 19)

اگر خلافت ان کی صحیح مانی جائے تو امام حسین علیہ السلام باغی ٹھہرتے ہیں نعوذ باللہ من ہذا الاعتقاد حالانکہ یزید اور عبدالملک اور ہشام اُس کا بیٹا سب قریشی بھی تھے مگر چونکہ اُس کی حکومت جابرانہ تھی اہل حل وعقد کے مشورے سے نہ تھی اس لیے وہ خلیفہ نہیں ہوسکتے اور اسی لیے امام ابوحنیفہ نے ہشام بن عبدالملک کے برخلاف حضرت زید بن علی کو امداد پر لوگوں کو برانگیختہ کیا اور ہشام کو چور متغلب قرار دیا۔(پارہ 11 ص 3)

''یا اللہ ہم گنہگاروں کو بھی ان کا طفیلی بنا کر حوض کوثر سے سیراب کر دیجیو جس وقت آنحضرتؐ اور حضرت علیؑ دونوں صاحب حوض کوثر پر کھڑے ہوں گے اُس وقت معلوم نہیں وہ لوگ اپنا منہ کیسے دکھائیں گے جو دنیا میں حدیث شریف کو چھوڑ کر دوسری الفتوں کے قول، فعل، قیاس پر چلتے رہے یا حضرت علی اور دونوں شہزادوں (امام حسین اور امام حسین علیہما السلام) سے بغض اور عداوت رکھتے رہے۔ کہتے رہے یزید خلیفہ برحق تھا اور امام حسینؑ اُس سے ناحق لڑے بعض مردود آپ کو باغی قرار دیتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ہم اہل حدیث تو دنیا اور آخرت دونوں میں حضرت علی اور حسین علیہما السلام کے ساتھ ہیں۔ اور جو ان کا دشمن ہے اُس سے لڑنے اور مرنے کو طیار ہیں۔ یا اللہ ہمارا حشر اہل بیت کے غلاموں اور کفش برداروں میں کر اور یزیدیوں سے ہم کو دور رکھ۔ آمین یا رب العالمین۔

(انوار اللغۃ پارہ 9 ص 31)

ممدوح نے اپنی کتاب میں اس مسئلہ پر بہت تفصیل سے کئی جگہ روشنی ڈالی ہے اور انصاف کا حق ادا کیا ہے۔ بس دو جگہ کی عبارت اور سن لو۔'' ہائے افسوس اُس خلیفہ پر جو حاکم بنایا جائے گا وہ محمدؐ کے بچوں کو قتل کرے گا۔ وہ کمبخت خلیفہ ظالم، بدکار، خبیث، عیش پسند ہوگا۔ میرے جانشین کو قتل کرے گا۔ پھر جانشین کے جانشین کو۔ اس حدیث میں صریح معجزہ ہے آنحضرتؐ کا۔ آپ نے یزید مردود ملعون کی خبر دی کہ وہ پہلے امام حسنؑ کو ہلاک کرائے گا جو آنحضرتؐ کے سچے خلیفہ اور قائم مقام اور امام برحق تھے۔ پھر ان کے جانشین یعنی امام حسینؑ کو قتل کرائے گا۔ ایسا ہی ہوا اس یزید پلید۔ خبیث، ناپاک، ملعون نے پہلے امام حسنؑ کی بیوی جعدہ کو ملا کر آپ کو زہر دلایا پھر اُس پر بھی قناعت نہ کی امام حسینؑ کو مع اولاد اور اعزہ اور رفقاء بڑے ظلم اور سختی سے تشنہ اور پیاسا رکھ کر قتل کرایا۔

لعنت خدا کی ایسے خلیفہ پر مترجم کہتا ہے جو لوگ معاویہ کی خلافت کو صحیح جانتے ہیں اس وجہ سے کہ امام حسنؑ نے اپنے تئیں معزول کر کے خلافت اُن کے تفویض کر دی تھی۔ ان کو یزید کی بھی خلافت صحیح ماننا ہوگی اس لیے کہ معاویہ جب خلیفہ برحق ہوئے تو معاویہ نے جس کو خلیفہ

بنایا اس کی بھی خلافت ہوگی۔ جیسے حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو خلیفہ بنایا تو حضرت عمر کی خلافت صحیح ہوئی کیونکہ خلیفہ برحق نے اُن کو خلیفہ بنایا اور جب یزید خلیفہ برحق ہوا تو لامحالہ امام حسینؓ کو معاذ اللہ باغی قرار دینا ہوگا نہ شہید فی سبیل اللہ۔ اس سے بڑھ کر کیا گمراہی ہوگی۔ ہم اہل حدیث لوگ کہتے ہیں کہ یہ معاویہ کی خلافت صحیح تھی نہ یزید کی دونوں ظلمی اور جبری حکومتیں تھیں۔ یزید کی تو ظاہر ہے کہ ایک فاسق و فاجر۔ دنیا کے تعیشات کا دلدادہ۔ رنڈی باز شراب خوار۔ کبوتر باز، مرغ باز، زبردستی حاکم بن بیٹھا اور معاویہ کی خلافت اس وجہ سے صحیح نہ تھی کہ امام حسنؓ نے خوشی کے ساتھ ان کو مستحق سمجھ کر خلافت اُن کے سپرد نہیں کی تھی بلکہ مجبوری سے مصلحت وقت سمجھ کر۔ کیونکہ معاویہ جنگ پر مستعد تھے اور امام حسنؓ کو اپنی فوج کی وفاداری پر اعتماد نہیں رہا تھا۔ آپ نے یہ خیال کیا اگر اس وقت میں معاویہ سے جنگ کرتا ہوں تو مسلمانوں کی خرابی اور اسلام کی بربادی کے سوا اور کوئی نتیجہ نہ ہوگا۔ اس کے علاوہ میری جان بھی محفوظ نہ رہے گی۔ اور آنحضرتؐ کی اولاد تباہ ہوگی۔ قطع نظر اس کے معاویہ کو خلافت کا بالکل استحقاق نہ تھا جب وہ امام برحق سے باغی ہو چکے تھے۔ وہ تو از روئے تحقیق کورٹ مارشل کے لائق تھے۔ نہ وہ مہاجرین میں تھے۔ نہ انصار میں سے۔ بلکہ طلقاء میں سے اور اُس وقت عشرہ مبشرہ میں سے سعد بن ابی وقاص زندہ تھے۔ اُن کے مقابلہ میں فرمایئے معاویہ کو جو باغی اور طاغی اور مجرم سنگین تھے خلافت کا کیا استحقاق تھا اور اسی لیے سعد نے معاویہ کو جب سلام کیا تو کہا السلام علیک ایھا الملک اور یہ نہیں کہا السلام علیک یا امیر المومنین اس کے علاوہ جو معاہدہ معاویہ سے ہوا تھا معاویہ نے نقض عہد کر کے اس پر عمل نہیں کیا بلکہ یزید کو خلیفہ بنانے اور امام حسنؓ کے جان لینے کی فکر کی۔ اس لیے اگر اُن کی خلافت بالفرض ابتداءً صحیح بھی مانی جائے تو انتہاء باطل ٹھہرتی ہے۔ خطابی نے کہا حدیث میں میرے جانشین سے امام حسینؓ اور آپ کی اولاد مراد ہیں جو آپ کے ساتھ شہید ہوئے اور جانشین کے جانشین سے مہاجرین اور انصار مراد ہیں جو یوم الحرہ شہید ہوئے۔ غرض یزید پلید نے نہ آنحضرت کے جگر گوشوں کا لحاظ کیا نہ آپ کی اولاد کو چھوڑا۔ نہ دوسرے مہاجرین اور انصار کو جنہوں نے آنحضرتؐ پر سے اپنا جان

اور مال تصدق کیا۔ اور انھیں کے جوتیوں کے طفیل سے یزید اور یزید کے باپ کو اتنی بڑی حکومت اور بادشاہت ملی ورنہ جنگل میں سور چراتا پھرتا اونٹ کا دودھ اور موت اور گوڑ پھوڑ کا گوشت کھاتا رہتا۔ اس محسن کشی اور کورنمکی کا کوئی ٹھکانا ہے۔ (انوار اللغتہ پارہ **18** ص **17**)

''دیکھو اگر مسلمان یزید پلید کو تخت سے اُتار دیتے اور امام حسین علیہ السلام کو جو اُس وقت کے موجودہ لوگوں میں سب سے اعلیٰ اور افضل اور سب سے زیادہ خلافت کے مستحق تھے۔ تخت پر بٹھاتے تو یہ خرابی اور بربادی دین کی اور اہل بیت رسول مقبولؐ کی کیوں ہوتی جس پر مخالفین اسلام یہود اور نصاریٰ تک تعجب کر رہے ہیں اور سب سے زیادہ عجیب یہ ہے کہ ایسے ظالموں اور بدکاروں کو مسلمان خلفاء رسولؐ میں شمار کرتے ہیں بلکہ بعض جاہل تو یزید کو پیغمبر سمجھتے تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (انوار اللغتہ پارہ **26** ص **100**)

مولوی صاحب: بعض جاہل کیا علماء تک یہی اعتقاد رکھتے تھے گو زبان سے نہ کہیں کیونکہ اسی وجہ سے تو انہوں نے کہا حضرت حسینؑ اپنے نانا کی تلوار سے قتل کیے گئے۔ یعنی جس طرح حضرت رسولؐ خدا پیغمبر تھے۔ اسی طرح یزید بھی پیغمبر تھا تو یزید کی تلوار بالکل حضرت رسول خدا صلعم کی تلوار ہوئی لہٰذا اس نے جو حضرت حسینؑ کو قتل کیا۔ درحقیقت حضرت رسولؐ خدا ہی کی تلوار سے قتل کیا۔ علامہ شیخ ابن حجر نے لکھا ہے کہ امام شیخ ابوبکر ابن عبری مالکی الرحمہ کہتے تھے کہ **لم یقتل یزید الحسین الا بسیف جدہ** یعنی یزید نے حسینؑ کو ان کے نانا کی تلوار سے قتل کیا۔ پھر اس کا مطلب یہ بھی واضح کر دیا ہے **وقول بعضھم لا ملام علی قتلہ الحسین لانھم انما قتلوہ بسیف جدہ الامر بسلہ علی البغاۃ وقتالھم** یعنی اے مسلمانو! ان لوگوں کی برائی اور ملامت نہ کرو جنہوں نے حسینؑ کو قتل کر دیا۔ اس لیے کہ حسینؑ کو لوگوں نے ان کے نانا ہی کی تلوار سے قتل کیا ہے کیونکہ آپ کے نانا حضرت رسول خدا صلعم ہی نے تو حکم دیا تھا کہ جو بادشاہ وقت سے بغاوت اور جنگ کرے وہی قتل کر دیا جائے۔ (فتح مکیہ مطبوعہ مصر ص **223**)

حسینی بیگم: مگر مولانا وحید الزماں خان صاحب کی مذکورہ بالا عبارتوں سے تو ثابت ہو چکا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے بغاوت کی ہی نہیں اس لیے کہ یزید خلیفہ ہی نہ تھا تو اس کی

مخالفت بغاوت کیسے کہی جائے گی۔ مولانا ممدوح نے اس قول کو بھی ذکر کیا ہے۔ چنانچہ تحریر فرمایاہے:ان ابنی هذا اسید یہ میرا بیٹا (امام حسنؑ کی طرف اشارہ کیا) سردار ہے (یعنی بڑا شریف النفس کریم الطبع۔ ہمت والا۔ دنیا پر لات مارنے والا) اللہ تعالیٰ اُس کی وجہ سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کو ملا دے گا (ان میں صلح ہو جائے گی لاکھوں آدمیوں کی جان اُس کی وجہ سے بچ جائے گی) اس حدیث کا ظہور ہوا امام علیہ السلام نے کی حکومت اور دولت پر لات ماری اور معاویہ کو دے دی مگر افسوس معاویہ نے اپنا عہد پورا نہ کیا اور امام حسنؑ کی جان لینے کے درپے ہوا۔ اور اپنے بیٹے یزید پلید سے بیعت کرنے کے لیے سب کو مجبور کیا۔ حالانکہ یزید کا کوئی حق نہ تھا کہ اس کو مسلمانوں پر حکومت ملے بھلا (جب فرشتے موجود ہوں تو کوئی شیطان کی حکومت منظور کرے گا۔ مگر معلوم نہیں کہ اہل شام کس قبیل کے مسلمان تھے۔ امام حسینؑ کی کفش برداری کی یزید لیاقت نہیں رکھتا تھا۔

چہ نسبت خاک رابا عالم پاک

کجا عیسیٰ کجاد جال ناپاک

مگر امام علیہ السلام کے موجود ہوتے ہوئے بھلے مانسوں نے یزید سے بیعت کر لی۔ اور اُس پر بھی اکتفا نہ کی۔ امام صاحب کی جان کے درپے ہو گئے۔ آخر کس ظلم اور شقاوۃ سے آپ کو بچوں اور عزیزوں سمیت قتل کرایا۔ اگر اسلام ہمیں۔

ست کہ اینہا دارند

وائے گر درپے امروز بود فردائے

پھر لطف یہ کہ اب تک ان اہل شام کے چیلے چاپڑوں سے جہاں پاک نہیں ہوتا۔ کوئی تو یزید کو پیغمبری تک پہنچا دیتا ہے کوئی اس کو خلیفہ برحق کہتا ہے۔ امام علیہ السلام کو باغی قرار دیتا ہے۔ کوئی کہتا ہے اگر یزید امام علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرتا تب بھی میں اُس پر لعنت نہ کرتا۔ کیونکر وہ اولالامر میں سے تھا۔ کوئی کہتا ہے امام حسینؑ اسی تلوار سے مارے گئے جو اُن کے نانا کی تھی۔ اللہ اُن لوگوں سے پوچھے۔ معلوم نہیں کہ قیامت کے دن آنحضرتؐ کے سامنے

یہ لوگ اپنا منہ کیسے دکھائیں گے۔ ہم تو یزید کو مع اُس کے معاونین جیسے شمر لعین۔ ابن زیاد، عمر ابن سعد، خولی و سنان وغیر کو ملعون اور مطرود اور اشقی الخلق والخلیقۃ جانتے ہیں۔ یزید سے بیعت تو کجا اگر ہم اُس کو پالیں تو اس کے گوشت پوست کے ٹکڑے کر کے چیل کوؤں کو کھلائیں اُس وقت ہمارے دل کی کچھ تشفی ہوگی اور ہمارا غیظ قلب کسی قدر کم ہوگا۔ الف الف لعنت یزید پر اور الف الف یزید کے طرفداروں اور حامیوں اور تعریف کرنے والوں پر جو اس کو خلیفہ یا اولی الامر میں سے سمجھتے ہیں اُن لوگوں کو اتنا وقوف نہیں کہ خلافت شرعی کوئی خالہ جی کا گھر ہے کہ جو زبردست ہو اُس نے دبالیا اور خلیفہ بن بیٹھا ارے یارو خلافت صلحاء اور عمائدین اور علماء اور فضلائے امت کے اتفاق اور مشورے سے منعقد ہوتی ہے یعنی یہ لوگ جس کو اہل قریش میں سے اس منصب عظمی کے لائق پاتے ہیں اپنی خوشی سے نہ جبر و اکراہ سے اس کو خلیفہ مقرر کرتے ہیں۔ پھر اگر وہ شریعت کے خلاف عمل کرنے لگے یا عمائدین امت سے مشورہ لینا چھوڑ دے۔ خودرائی واستبداد اختیار کرے تو اسی وقت اُس کو معزول کر دیتے ہیں ایسا شخص جو قریشی ہو اور باتفاق وصلاح ومشورۂ عمائدین اور صلحائے امت مقرر ہوا ہو اُس کو خلیفہ کہہ سکتے ہیں نہ ہر ایرے غیرے نتھو خیرے پنج کلیاں قاچار یا مغل افغان کو یہ لوگ کبھی خلیفہ شرعی نہیں ہو سکتے بلکہ قزل ارسلان کی طرح اگر شریعت کے تابع ہوں تو بادشاہ اسلام اور دنیاوی بادشاہ کہلائے جا سکتے ہیں۔ (انوار اللغۃ پارہ 12 ص 154)

مولوی صاحب: مولانا وحید الزماں خاں صاحب نے تو بغاوت کے مسئلہ کی پوری تحقیق کر دی۔

حسینی بیگم: اور یہ بھی تم نے سنا کہ ابن عربی صاحب کو خود بڑے بڑے علماء نے کافر کہا ہے۔ بلکہ تمہارے مولانا ابن تیمیہ بھی ابن عربی صاحب کو کافر کہتے ہیں۔ جناب مولانا نواب صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی نے تحریر فرمایا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ تکفیر ابن عربی می کند یعنی شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ صاحب ابن عربی کو کافر کہتے تھے۔ (دلیل الطالب ص 159)

اور حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی مصنف تحفہ اثناء عشریہ نے تحریر فرمایا ہے۔

سوال: باوصف صحت حدیث خلافت الخلافت بعد ثلثون سنت و ترک خلافت حضرت

امام حسنؓ بہ جہت استماع ہمیں حدیث پس حضرت امام حسینؓ بہ کدام دعوے از مکہ معظمہ برآمدہ درکربلا شہید شدند۔ وعلاوہ حدیث متواتر اور مشکوٰۃ وغیرہ موجود است کہ اکثر بادشاہان ظالم خواہند بود وبسیار ظلم خواہند کرد صحابہ عرض نمودند کہ درآں وقت مسلمانان تعرض از بادشاہان نہ خواہند کرد۔ حضرت علیہ السلام فرمودند کہ مسلمانان رانمی رسد کہ از بادشاہ وقت کہ بہ تسلط سلطنت گرفتہ باشد تعرض نمایند ورنہ آں مسلمانان خود ظالم وباغی خواہند گردید۔ پس حضرت امام حسینؓ چرا مقابلہ کردند وسلطنت یزید از روئے تسلط ظاہر وثابت است۔

جواب: خروج حضرت امام حسین علیہ السلام بنابر دعوے خلافت راشدہ پیغامبر کہ بمروری سال منقضی گشت بنود بلکہ بنابر تخلیص رعایا از دست ظالم بود۔ واعانۃ المظلوم علی الظالم من الواجبات۔ وانچہ در مشکوٰۃ ثابت است کہ حضرتؐ از بغی وخروج بر بادشاہ وقت اگرچہ ظالم باشد منع فرمودہ اند پس درآں وقت است کہ آں بادشاہ ظالم بلا منازع ومزاحم تسلط تام پیدا کردہ باشد۔ وہنوز اہل مدینہ واہل کوفہ بہ تسلط یزید پلید راضی نہ شدہ بودند ومثل حضرت امام حسینؓ وعبداللہ بن عباس وعبداللہ بن عمر وعبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم فہم بیعت نہ کردہ۔ بالجملہ خروج حضرت امام حسینؓ برائے دفع تسلط وابود نہ برائے رفع تسلط وانچہ در حدیث ممنوع است آں خروج است کہ برائے رفع تسلط سلطان جائر باشد والفرق بین الدفع والرفع ظاہر مشہور فی المسائل الفقہیۃ۔ اس کا ترجمہ یہ ہے:

سوال: باوجودے کہ آنحضرت صلعم کی یہ حدیث کہ میرے بعد خلافت صرف تیس سال رہے گی۔ صحیح ہے اور باوجودیکہ حضرت امام حسنؓ نے اسی حدیث کو سن کر خلافت کو ترک کر دیا تھا۔ پھر حضرت امام حسینؓ کس دعویٰ کی بناء پر مکہ معظمہ سے تشریف لا کر کربلا میں شہید ہو گئے۔ اور علاوہ حدیث متواتر کے مشکوٰۃ شریف وغیرہ میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اکثر بادشاہ ظالم ہی ہوں گے اور وہ بہت ظلم کرتے رہیں گے۔ اس پر صحابہ نے عرض کی کہ اُس وقت کے مسلمان اُن بادشاہوں سے مقابلہ یا ان کی مخالفت کریں یا نہیں؟ حضرت صلعم نے فرمایا کہ مسلمانوں کو مناسب نہیں ہے کہ اس بادشاہ سے جس نے اپنے تسلط سے سلطنت کو

حاصل کرلیا ہو مقابلہ یا اس کی مخالفت کریں۔ اگر اس وقت کے مسلمان ان ظالم بادشاہوں سے مقابلہ کریں گے تو خود ہی ظالم اور باغی ہو جائیں گے۔ پس باوجود اس حدیث کے حضرت امام حسینؑ نے کیوں مقابلہ کیا اس لیے کہ یزید کی سلطنت تو اس کے تسلط کی وجہ سے قائم اور ثابت ہو چکی تھی۔

جواب: حضرت امام حسینؑ نے خلافت راشدہ کے دعوے کے مطابق یزید سے مقابلہ نہیں کیا کیونکہ خلافت راشدہ تو آنحضرتؐ کی حدیث کے مطابق تیس سال گزرنے پر ختم ہو چکی۔ بلکہ حضرت نے یزید کی مخالفت اس غرض سے کی کہ مسلمان رعایا کو ظالم (یزید) کے پنجہ سے نجات دلائیں اور یہ معلوم ہے کہ مظلوم کو ظالم کے ظلم سے بچانا اور اس میں مظلوم کی ہر طرح مدد کرنا واجب ہے اور مشکوۃ شریف میں جو یہ حدیث ہے کہ آنحضرت صلعم نے ہر بادشاہ وقت سے اگرچہ وہ ظالم ہو مقابلہ یا بغاوت اور مخالفت کرنے کو منع فرمایا ہے تو یہ اس وقت کے لیے ہے جب وہ بادشاہ بغیر کسی روکنے یا اعتراض یا مقابلہ کرنے والے کی مخالفت کیے ہوئے پورا تسلط پیدا کر لے مگر یزید پلید کو تو ایسا تسلط ہوا نہیں تھا کیونکہ ابھی مدینہ مکہ اور کوفہ والے اس کے تسلط سے راضی نہیں تھے اور حضرت امام حسینؑ وعبداللہ بن عباس وعبداللہ بن عمر وعبداللہ بن زبیرؓ ایسے لوگوں نے اس کی بیعت نہیں کی تھی۔ مختصر یہ کہ حضرت امام حسینؑ نے جو یزید سے مقابلہ اور اس کی مخالفت کی وہ صرف اس لیے کہ ظالم یزید کو تسلط نہ ہونے دیں نہ اس لیے کہ اس کا تسلط ہو چکا تھا اس کے اُٹھانے کے لیے حضرت آمادہ ہوئے اور حدیث میں جو بات منع کی گئی ہے وہ یہی ہے کہ جس بادشاہ ظالم کا تسلط ہو چکا ہو اس کو نہ اُٹھاؤ۔ نہ منع نہیں ہے کہ کسی ظالم کا تسلط ہی نہ ہونے دو۔ اور اس بات میں کہ کسی ظالم اس کو بادشاہ کا تسلط ہونے ہی نہ دیا جائے اور اس میں کہ اس کا جو تسلط ہو چکا اس کو اٹھا دیا جائے بہت فرق ہے جو فقہ کے مسائل میں مشہور ہے۔ (فتاوی عزیزی، جلد 1 ص 21)

مولوی صاحب: واہ، واہ، واہ۔ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی علیہ الرحمہ نے کیسی باریک بات پیدا کی ہے۔

حسینی بیگم: بے شک ان کا کیا کہنا ہے۔ اس سے حضرت نے بالکل واضح کر دیا کہ حضرت امام

حسین علیہ السلام پر واجب تھا کہ یزید سے مقابلہ اور اُس سے مخالفت کریں تاکہ مسلمان اسکے ظلمسے بچیں اور حضرت علامہ جناب مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی لکھنوی رحمتہ اللہ نے بھی اس بات کو سمجھا کر لکھا ہے۔ چنانچہ تحریر فرمایا ہے: ''بعضے درشان دے براہ افراط و مولاۃ رفتہ می گویند کہ وے بعد ازاں کہ بہ اتفاق مسلمانان امیر شد اطاعتش برامام حسین واجب شد۔ ونہ دانستند کہ وے باوجود امام حسین امیر شود؟ اتفاق مسلمانان کے شد؟ جماعتے از صحابہ واولاد صحابہ خارج از اطاعت او بودند۔ کہ حلقہ اطاعت او بہ گردن انداختند چوں حال او از شرب خمر و ترک صلوۃ وزنا واستحلال محارم معانیہ کردند بمدینہ منورہ باز آمدند و خلع بیعت کردند یعنی بعض لوگ یزید کے بارے میں افراط اور محبت کی راہ سے کہتے ہیں کہ جب یزید مسلمانوں کے اتفاق سے امیر ہو گیا تو امام حسینؑ پر بھی اس کی اطاعت واجب ہوئی حالانکہ وہ نہیں سمجھتے کہ امام حسینؑ کے رہتے ہوئے کیا یزید خلیفہ ہو بھی سکتا تھا؟ اس پر مسلمانوں کا اتفاق کب ہوا؟ صحابہ اور اولاد صحابہ سے ایک جماعت اس کی اطاعت سے تو خارج ہی تھی۔ اور کچھ لوگوں نے جو اس کی بیعت کر لی تھی جب اس کی شرابخواری۔ نماز چھوڑے رہنے۔ زنا کرنے ماں بہنوں سے منہ کالا کرنے کو دیکھا تو مدینہ منورہ میں واپس آئے اور اس کی بیعت اپنی اپنی گردن سے نکال دی۔ (مجموعہ فتاویٰ، جلد 3 ص 7)

اب آپ ہی بتائیں کہ جب یزید حاکم ہی نہ تھا تو پھر کوئی شخص اس کے خلاف ہو کر اور اس کا مقابلہ کر کے اس کا باغی کیونکر کہا جا سکتا ہے؟ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر حضرت امام حسینؑ باغی ہوتے تو خود حضرت رسول خداصلعم کی روح آپ سے ناراض ہوتی اور آپ کے قتل کو آپ کی بغاوت کی سزا سمجھتی مگر تمام کتابوں میں بھرا ہوا ہے کہ حضرتؑ کی شہادت کے بعد جناب ام سلمہؓ اور جناب ابن عباسؓ نے جناب رسول خداؐ کو خواب میں دیکھا کہ بہت مصیبت زدہ اور غمناک ہیں۔ جب ان لوگوں نے اس کی وجہ دریافت کی تو حضرتؐ نے فرمایا کہ ابھی میرا حسین قتل کیا گیا۔ بلکہ اگر حضرت باغی ہوتے تو خدا بھی حضرتؑ کے قاتلین سے غضبناک نہیں ہوتا حالانکہ اس کے غضب کے ذکر سے کتابیں بھری ہیں۔ (دیکھو سر الشہادتین وصواعق محرقہ)

چھبیسواں باب

یزید کے فضائل کی بحث، یزید کی نبوت

مولوی صاحب: مولانا وحید الزماں خان صاحب اور مولانا عبدالحی صاحب وغیرہ یزید میں ہر برائی دکھاتے ہیں مگر حضرت علامہ مولانا ابن تیمیہ علیہ الرحمہ نے تو یزید کی فضیلت لکھی ہے۔ ذرہ منہاج السنۃ نکال لاؤ۔ (ان کے یہ کہنے پر حسینی بیگم نے منہاج السنۃ لا کر دے دی تو مولوی صاحب نے کہا) دیکھو اس میں تحریر فرمایا ہے:

الناس فی یزید طرفان ووسط قوم یعتقد وان انه من الصحابه
او من الخلفاء الراشدین المهدیین او من الانبیاء

''یعنی یزید کے بارے میں مسلمانوں کے تین گروہ ہیں۔ بہت سے مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ وہ صحابہ سے تھا بلکہ خلفاء راشدین میں داخل تھا بلکہ پیغمبر تھا۔ (منہاج جلد 2 ص 238ص 246)

حسینی بیگم: جی ہاں! ایسے ایمان والے بھی تھے جو معاذ اللہ یزید کو نبی اور پیغمبر جانتے تھے۔ علامہ ممدوح نے اپنی ایک دوسری کتاب میں بھی لکھا ہے۔

اقوام یعتقدون انه کان اماما عادلاها دیا مهدیا وانه کان من
الصحابة واکابر الصحابة وانه کان من اولیاء الله تعالیٰ ودبما
اعتقد بعضهم انه کان من الانبیاء وانه کان من اولیاء الله
ویقولون من وقف فی یزید وقفه الله علی نارجهنم

''یعنی مسلمانوں کی بہت سی قوموں کا اعتقاد ہے کہ یزید امام۔ عادل، ہادی، مہدی تھا وہ صحابہ بلکہ صحابہ کرام سے تھا۔ اور یہ بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ یزید اولیاء اللہ سے تھا

اور بہت سے لوگوں کا اعتقاد ہے کہ یزید نبی تھا اور اولیاء خدا سے تھا اور یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ جو شخص یزید کو خدا کا ولی اور پیغمبر نہ مانے گا اس کو اللہ جہنم کی آگ میں جھونک دے گا۔ (روصیۃ کبریٰ از غلام ابن تیمیہ مطبوعہ، مصر 300)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ یزید کی نسبت مسلمانوں کا یہ اعتقاد بہ وجہ جلالت دربار نہیں تھا اور نہ بوجہ اس کی ظاہری شان وشوکت کے بلکہ اس کے مرنے کے بہت مدت کے بعد مسلمانوں میں یہ اعتقاد پیدا ہوا جو برابر قائم رہا اور اس اعتقاد کے مسلمان حضرت مولانا ابن تیمیہ کے زمانہ تک کثرت سے تمام پھیلے ہوئے تھے۔

مولوی صاحب: سخت تعجب ہے کہ مسلمانوں نے یزید کا درجہ حضرت رسول خدا صلعم کے برابر کر دیا اور اس کو حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق سے بھی بڑھا دیا۔

حسینی بیگم: اگر حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہم امام حسینؓ کو قتل کئے ہوتے تو ان کا درجہ بھی زیادہ بڑھا دیا گیا ہوتا۔

مولوی صاحب: مگر مولانا ابن تیمیہ نے یزید کی فضیلت کی ایک ایسی بات لکھی ہے جس سے مولانا وحید الزمان خاں صاحب اور مولانا عبدالحی صاحب کی بیان کردہ برائیاں جو اس کی لکھی ہیں حرف غلط ثابت ہو جاتی ہیں۔

حسینی بیگم: ذرہ پڑھو وہ کون سی بات ہے۔

مولوی صاحب: دیکھو لکھتے ہیں:

کان الصحابة رضی الله عنهم یغزون مع یزید وغیره فانه غزا القسطنطنیة فی حیاة ابیه معاویة وکان معه فی الجیش ابوایوب الانصاری رضی الله عنه وذلك الجیش اول جیش غزا القسطنطنیة وفی صحیح البخاری عن ابن عمر رضی الله عنهما عن النبی انه قال اول جیش یغزو القسطنطنیة مغفور لهم

''یعنی صحابہ رضی اللہ عنہما یزید کی ماتحتی میں جا کر جہاد کرتے تھے۔ چنانچہ معاویہ کی زندگی میں یزید نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا تو جو لشکر اس کی ماتحتی میں تھا اسمیں حضرت ابو ایوب انصاری بھی تھے۔ اور یہی وہ پہلا لشکر ہے جس نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا تھا۔ اور صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر بیان کرتے تھے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے ارشاد فرمایا کہ قسطنطنیہ پر جو لشکر پہلے پہلے حملہ کرے گا اور اس کو بخش دے گا۔

(منہاج السنۃ جلد ص 245 و 252 وغیرہ)

اب تم ہی بتاؤ کہ جب حضرت رسول خدا صلعم نے ہی یزید کی مغفرت کی پیشین گوئی کر دی تھی تو وہ جو چاہے کرے خدا اس کو ضرور بہشت میں داخل کرے گا۔ اس لیے کہ حضرت رسول خدا صلعم کی پیشین گوئی تو غلط نہیں ہو سکتی ہے۔

حسینی بیگم: ہاں یہ تو محال ہے کہ حضرت صلعم کی خبر غلط ہو جائے۔ مگر صحیح بخاری شریف میں یزید کا ذکر کہاں ہے جس سے ثابت ہو سکے۔ مجھے تو یہ بھی یاد نہیں پڑتا کہ بخاری شریف میں قسطنطنیہ کا ذکر ہو۔ آپ تو اس کتاب سے بہت کام لیتے ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا۔ بتاؤ تو قسطنطنیہ کا ذکر کس پارے یا کس باب میں ہے۔

مولوی صاحب: مجھے بھی یاد پڑتا کہ یہ لفظ بخاری شریف میں آیا ہے۔ مگر ممکن ہے کہ اس میں ہو اور ہم لوگوں کو خیال نہ ہو۔

حسینی بیگم: اگر بخاری شریف میں یہ لفظ نہیں ہے تو مولانا ابن تیمیہ سے سخت تعجب ہے کہ ایسی جرأت کر دی کہ جس چیز کا نام ہی صحیح بخاری میں نہ ہو اس کے بارے میں ایک مستقل روایت وضع کر دیں اور اُس پر عالی شان عمارت قائم کر لیں۔

مولوی صاحب: ہاں یہ بات تو نہایت درجہ قابل نفرت ہے۔

حسینی بیگم: مجھے صحیح بخاری شریف کی جو حدیث خیال پڑتی ہے یہ ہے:

قال النبی اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفورلھم

''یعنی فرمایا حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ اول جیش (پہلا لشکر)

میری امت کا جو قیصر کے شہر پر چڑھائی کرے گا وہ مغفور ہے۔ (صحیح بخاری جلد اول
کتاب الجہاد باب ماقیل فی قتال روم ص **410** مطبوعہ دہلی)
اس حدیث میں قسطنطنیہ کا ذکر نہیں بلکہ قیصر کے شہر کا ذکر ہے۔

مولوی صاحب: تو یہی شہر قسطنطنیہ ہوگا۔

حسینی بیگم: نہیں یہ ضروری نہیں کہ قیصر کا ہر شہر قسطنطنیہ ہی ہو جائے۔ (اس کی سلطنت کا ہر شہر اسی کا شہر کہا جائے گا۔ میں اس حدیث کے متعلق جو سمجھی ہوں اس کو بیان کرلوں تب آپ تم میری غلطی کو بتا دینا۔

مولوی صاحب: اچھا بیان کرو۔

حسینی بیگم: سب سے پہلا شخص جس نے اس حدیث سے فضیلت یزید پر استدلال کیا مہلب ہے جو معاویہ کے وقت سے عبدالملک کے زمانہ تک عراق وغیرہ کا گورنر رہا ہے اور حجاج کے مخصوص مصاحبین میں سے تھا۔ پھر اس شخص کی محبت بنی امیہ اور ہوا خواہی وطرفداری یزید کا کیا کہنا ہے مگر الحمدللہ کہ ہمارے علماء مثلاً علامہ ابن حجر عسقلانی وعلامہ عینی وعلامہ قسطلانی وغیرہ ہم نے شروح بخاری مثلاً فتح الباری وعمدۃ القاری وارشاد الساری وغیرہ میں اس حدیث کی شرح میں مہلب کا قول اور ابن التین اور ابن المنیر کے جوابوں کو نقل کیا اور خود بھی اس کی رد کی اور جوابات دیئے ہیں جو یہ ہے:

لا یلزم من دخوله فی ذلك العموم انه لا یخرج بدلیل خاص اذلا یختلف اهل العلم ان قوله مغفورلهم مشروط بان یکون من اهل المغفرة حتی لو ارتدواحد من غزاها بعد ذلك لم یدخل فی ذلك العموم اتفاقا فدل علی ان المراد مغفور لمن وجد شرط المغفرة فیه منهم (فتح الباری جلد **11** ص **92** قسطلانی جلد **5** ص **94** وعینی جلد **6** ص **649**)

''یعنی اس عام حکم میں یزید کے داخل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ کسی دلیل خاص

سے بھی اس حکم سے خارج نہ ہو کیونکہ باتفاق اہلِ علم یہ مغفوریت مشروط ہے۔ اس امر کے ساتھ کہ اس شخص میں مغفور ہونے کی صلاحیت اور اہلیت بھی موجود ہو۔ یہاں تک کہ اگر ان غازیوں سے کوئی شخص بعد میں مرتد ہو جائے تو وہ باتفاق اس حکم عموم میں داخل نہ ہوگا۔ پس ثابت ہوا کہ مغفوریت اس کے لیے ہوگی جس میں شرط مغفوریت پائی جائے۔ انتہی۔

مطلب یہ ہے کہ جب یہ معلوم ہو گیا تو اس حدیث کی رو سے یزید کا مغفور ہونا لازم نہیں آ سکتا کیونکہ وہ مغفرت کا اہل ہی نہ تھا اور اس میں شرط مغفوریت وصلاحیت مغفرت موجود ہی نہیں تھی۔ پس وہ اس عموم حکم سے خاص اور اس سے خارج ہے اور اس کا اس حکم سے خارج ہونا اور اس میں داخل نہ ہونا۔ بہ دلائل کثیرہ ثابت ہے نجملہ ان کے قتل امام حسینؑ ہے جس کی تصریح قسطلانی نے بھی کر دی۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

وقد اطلق بعضهم فی ما نقله المولی سعد الدین اللعن علی یزید لما انه کفر حسین امر بقتل الحسینؓ واتفقوا علی جواز اللعن علی من قتله او امر به اواجازه او رضی به والحق ان رضا یزید بقتل الحسینؓ واستبشاره بذلک واهانته اهل بیت النبیؐ مما تواتر معناه وان کان تفاصیلها احادا

"یعنی بعضوں نے مطلقاً کہا ہے جیسا کہ مولی سعد الدین تفتازانی بعض محققین سے نقل کرتے ہیں کہ یزید اسی وقت کافر ہو گیا جب اس نے قتل امام حسینؑ کا حکم دیا۔ اور علمائے اہلسنت کا اتفاق ہے اس امر پر کہ جس شخص نے امام حسینؑ کو قتل کیا اور اس کا حکم دیا یا اس کی اجازت دی یا اس سے راضی ہوا ان سب پر لعنت کرنا جائز ہے۔

اب علامہ قسطلانی فرماتے ہیں کہ حق یہ ہے کہ یزید کا قتل امام حسینؑ سے راضی اور خوش و مسرور ہونا اور اہل بیت نبوی صلعم کی اہانت کرنا بتواتر معنوی ثابت ہے اگرچہ اس کی تفاصیل احادیث سے ملی ہیں۔ انتہی۔

زیادہ تحقیق وتفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔ علامہ ابن تیمیہ یزید کی بخشش کی دلیل یہی دیتے ہیں کہ ''معلوم ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے جس فوج نے قسطنطنیہ پر لڑائی کی اس کا سپہ سالار یزید ہی تھا۔'' تو آؤ تاریخِ اسلام سے دریافت کریں کہ جس فوج نے قسطنطنیہ پر لڑائی کی اُس کا سپہ سالار کون تھا۔ اسلام کی سب سے بڑی اور مشہور جامع تاریخ کامل ابن اثیر کی ہے اس کی جلد 3 ص 181 مطبوعہ مصر میں یہ عبارت ہے:

فی هذه السنة وقیل سنة خمسین سیر معاویة جیشا کثیفا الی بلاد الروم للغزاة وجعل علیهم سفیان ابن عوف

اور تاریخ ابن خلدون مطبوعہ مصر جلد 3 ص 9 میں ہے۔

ثم بعث معاویة سنة خمسین جیشا کثیفا الی بلاد الروم مع سفیان بن عوف

یعنی معاویہ نے 50 ہجری میں ایک فوج کثیر ملک روم کی طرف سفیان بن عوف کی سرداری میں روانہ کی۔ ان عبارتوں سے ثابت ہوا کہ اس لشکر کا سردار یزید نہیں بلکہ سفیان بن عوف تھا۔ لہٰذا ابن تیمیہ صاحب کی عمارت پوری منہدم ہوگئی۔ ہاں ان کتابوں میں یہ ضرور ہے کہ معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کو بھی اس فوج کے ساتھ جانے کو کہا تو یزید ٹال مٹول کرنے لگا۔ معاویہ نے چھوڑ دیا زیادہ اصرار نہیں کیا۔ پھر جب فوج کی پریشان حالی کی خبر مشہور ہوئی اور معاویہ کو معلوم ہوا کہ یزید نے اس بارے میں چند شعر بھی کہے ہیں تو اس نے قسم کھائی کہ ضرور یزید کو وہاں جا کر اس فوج سے ملنا ہوگا۔ تب یزید دوسری فوج کے ساتھ جن کو معاویہ نے بعد کو جمع کیا تھا روانہ ہوا۔ اس میں حضرت ابن عباس اور ابن عمر و ابن زبیر و ابوایوب انصاری بھی تھے۔ اور علامہ عینی عمدۃ القاری جلد 6 ص 49 میں اس لشکر کے متعلق لکھتے ہیں کہ غالبًا یہ صحابہ کرام (ابن عباس وغیرہ) اصل لشکر میں سفیان بن عوف کے ساتھ تھے نہ یزید پلید کے ہمراہ کیونکہ وہ نالائق اس کا اہل نہ تھا کہ یہ جلیل القدر اصحاب اس کے ماتحت ہوں۔ ان تمام عبارتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ یزید نہ تو اصل لشکر کا امیر جیش تھا نہ افسر نہ سپہ سالار بلکہ وہ تو اس اول جیش میں شریک بھی نہیں ہوا۔ پھر

دوسری مرتبہ معاویہ نے زبردستی قسمیں دے کر بجبر داکراہ ادھر روانہ کیا۔ ایسی صورت میں وہ کیونکر مغفور ہوسکتا ہے اور اول لشکر میں اس کا شمول کس طرح ہوگا۔ کیونکہ سب سے پہلی فوج تو وہ تھی جس کے سپہ سالار سفیان بن عوف تھے اور اس میں یزید گیا ہی نہیں۔ الفاظ حدیث کو پھر پڑھو۔ ''سب سے پہلے قسطنطیہ پر جو فوج لڑے گی اس کی بخشش ہوگی۔'' اس سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلی فوج کے بعد جو فوج لڑے گی اس کی بخشش کا ذکر نہیں ہے اور تاریخ کامل وابن خلدون سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلی فوج سفیان بن عوف کے ساتھ گئی اور لڑی اور یزید کو معاویہ نے جانے کو کہا مگر وہ نہیں گیا۔ بعد کو دوسری فوج معاویہ نے بھیجی تب گیا۔ لہٰذا بخشش کا وعدہ جو کچھ ہے وہ پہلی فوج والوں کے لیے۔ اور یزید اس فوج میں گیا ہی نہیں تو اس کی بخشش کا وعدہ بھی نہیں ہوا۔ گویا قدرت نے یزید کو پہلی فوج کے ساتھ جانے سے روک لیا تاکہ حدیث صحیح بخاری کے مطابق وہ مغفور نہ ہو جائے اور تاریخ ابوالفدا سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یزید قسطنطیہ گیا ہی نہیں۔ نہ پہلی فوج کے ساتھ نہ دوسری فوج کے ہمراہ۔ چنانچہ جلد **1** ص **186** میں ہے:

سیر معاویۃ جیشا کثیفا مع سفیان بن عوف الی القسطنطنیۃ فاوغلوا فی بلادالروم وحاصروا القسطنطنیہ وکان فی ذلک الجیش ابن عباس وعمرو ابن الزبیر وابوایوب الانصاری وتوفی فی مدۃ الحصار ابوایوب الانصاری۔

''یعنی معاویہ نے قسطنطیہ کی طرف ایک بڑی فوج سفیان بن عوف کے ساتھ بھیجی وہ روم کے شہروں میں گھس گئے اور قسطنطیہ کا محاصرہ کرلیا۔ اور اس فوج میں ابن عباس ابن زبیر ابوایوب انصاری بھی تھے اور زمانہ محاصرہ میں ابوایوب انصاری نے وہیں وفات پائی۔ انتہیٰ۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس برات کا سامان ابن تیمیہ صاحب کر رہے ہیں اس کے نوشاہ (یزید) کا پتہ ہی نہیں ہے۔

ایک اور بات خیال کرنے کی ہے کہ یزید کی محبت میں ابن تیمیہ صاحب نے حدیث صحیح بخاری کے الفاظ میں تحریف کر دی ہے جس سے مطلب کچھ کا کچھ ہو گیا۔ اصل حدیث صحیح بخاری مطبوعہ دہلی کتاب الجہاد ص **410** میں یوں ہے:

قال النبی اول جیش من امتی یغزون مدینة قیصر مغفور لھم

"یعنی رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ میری امت سے سب سے پہلی فوج جو قیصر کے شہر پر حملہ کرے گی بخشی جائے گی۔"

اس حدیث میں کہیں قسطنطنیہ کا لفظ نہیں ہے نہ معاویہ کا نہ یزید کا۔ بلکہ صرف اس فوج کا ذکر ہے جو سب سے پہلے قیصر کے شہر پر چڑھائی کرے گی۔ پس اس کی تحقیق کر لینے سے کہ آنحضرت صلعم کی امت سے سب سے پہلی کس فوج نے قیصر کے شہر پر چڑھائی کی اس حدیث کا فیصلہ ہو جائے گا۔ اگر چہ ہمارے بعض علماء اس کے متعلق لکھتے ہیں: "کہ قرینہ غالب ہے کہ اس سے مراد شہر حمص ہو اس لیے کہ شام میں قیصر کا دارالسلطنت وہیں تھا۔ چنانچہ رسول خدا صلعم کا نامہ مبارک بھی ایلیاء میں ملا تھا اس کے بعد وہ حمص میں مقیم ہوا اور وہیں اس کی فوج اور علماء روم بھی رہتے تھے جیسا کہ صحیح بخاری سے خود یہ ظاہر ہے اور یہ شہر حمص اور ایلیا وغیرہ **14** میں بزمانہ خلافت شیخین فتح ہوا تھا۔ اس وقت یزید رحم مادر میں بھی نہ تھا پھر کہاں کا غزوہ اور کس کی مغفرت۔" چنانچہ فتح الباری جلد **11** ص **92** میں ہے۔

وجوز بعضھم ان المراد بمدینة قیصر المدینة التی کان بھا یوم قال النبی تلک المقالت وھی حمص و کانت دار مملکت اذ ذاک

یعنی بعضوں نے کہا ہے کہ قیصر کے شہر سے مراد اس کا وہ شہر ہے جس میں وہ اُس وقت تھا جب آنحضرت صلعم نے یہ حدیث بیان فرمائی تھی اور وہ شہر حمص ہے کیونکہ یہی اس وقت اس کا دارالسلطنت تھا۔ اور شیخ الاسلام شرح فارسی صحیح بخاری میں فرماتے ہیں۔ "وبعضے تجویز کنند کہ مراد بمدینہ قیصر مدینہ باشد کہ قیصر در آں جا بود روزے کہ فرمود این حدیث را آنحضرت صلعم

وآں حمص است کہ درآں وقت دارالمملکت او بود۔'' (حاشیہ تیسیر القاری جلد 4 ص 669)

اس سے یہ تو صاف ہو گیا کہ اول جیش سے مراد وہ لشکر نہیں ہے جس نے قسطنطنیہ پر چڑھائی کی تھی اور نہ اس حدیث سے یزید کی مغفرت ثابت ہوتی ہے لیکن پھر بھی ہمارے علماء کو ذرہ اشتباہ رہ گیا کیونکہ وہ حضرات مدینۃ قیصر سے خاص اس کا دارالسلطنت مراد لیتے ہیں جس سے کوئی قسطنطنیہ سمجھتا ہے اور کوئی حمص۔ لیکن الفاظ حدیث میں نہ دارالسلطنت کا ذکر ہے اور نہ دارالمملکۃ کا بلکہ صرف مدینۃ قیصر ہے اور اس سے ہر وہ شہر مراد ہے جو قیصر کی بادشاہت میں ہو لہٰذا اس کی تعیین اس لشکر سے ہو گی جو سب سے پہلے قیصر کے شہر میں گیا اور یہ وہ لشکر ہے جو 7 ہجری میں غزوہ موتہ کے لیے گیا ہے کیونکہ وہ حضرتؐ کی امت کا لشکر تھا اور سب سے پہلا لشکر تھا جو قیصر کے شہر کی طرف نکلا ہے۔ زمانہ حال کے مشہور مورخ وعلامہ اہل سنت مولوی شبلی صاحب اپنی کتاب سیرۃ النبیؐ جلد اول ص 370 میں لکھتے ہیں ''موتہ شام میں ایک مقام کا نام ہے جو بلقا سے اس طرف ہے سلاطین اور روساء کو دعوت اسلام کے جو خطوط بھیجے گئے ان میں ایک خط شرحبیل بن عمرو کے نام تھا جو بصریٰ (حوران) کا بادشاہ اور قیصر کا ماتحت تھا۔ یہ عربی خاندان ایک مدت سے عیسائی تھا اور شام کے سرحدی مقامات میں حکمراں تھا۔ یہ خط حارث بن عمیر لے کر گئے تھے۔ شرحبیل نے ان کو قتل کر دیا اس کے قصاص کے لیے آنحضرت صلعم نے تین ہزار فوج تیار کر کے شام کی طرف روانہ کی۔ زید بن حارثہ کو جو آنحضرتؐ کے آزاد کردہ غلام تھے سپہ سالاری ملی۔'' اس سے معلوم ہوا کہ موتہ قیصر کی سلطنت کا شہر تھا اور آنحضرتؐ نے وہاں زید بن حارثہ کی ماتحتی میں فوج بھیجی لہٰذا اگر اس سے پہلے کوئی فوج آپ کی امت کی ملک شام میں نہیں گئی تو اس حدیث صحیح بخاری کا مصداق یہی غزوہ موتہ ہو گا۔ اور تمام تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے اس غزوہ سے پہلے کوئی فوج مسلمانوں کی شام میں چڑھائی کے لیے نہیں گئی۔ چنانچہ تاریخ ابوالفداء جلد اول مطبوعہ مصر ص 142 میں ہے:

ثم کانت غزوۃ موتۃ وھی اول الغزوات بین المسلمین والروم

یعنی پھر غزوہ موتہ ہوا اور مسلمانوں اور رومیوں (قیصر والوں) کے درمیان یہی پہلا

غزوہ تھا۔ لہٰذا قطعاً پہلی فوج قیصر کے شہر پر چڑھائی کرنے والی اسی غزوہ موتہ کی تھی نہ کوئی اور۔ اس کو مختصر لفظوں میں یوں سمجھو کہ عدن انگریزوں کا شہر ہے کوئی شخص کسی عرب سے پوچھے کہ یہ کس کا شہر ہے تو فوراً کہہ دے گا کہ ''ھذہ مدینۃ انگلس یہ انگریزوں کا شہر ہے۔'' اور جدہ کو پوچھے تو فوراً کہہ دے گا۔ ''ھدہ مدینۃ العرب'' یہ عربوں کا شہر ہے۔'' جس کا مطلب یہی ہوگا کہ عدن انگریزوں کے قبضہ کا اور جدہ عربوں کے قبضہ کا شہر ہے۔ اس کا مطلب کوئی شخص نہیں سمجھے گا کہ عدن انگریزوں کا دارالسلطنت اور جدہ عربوں کا پایہ تخت ہے۔ اسی طرح حضرت کی حدیث میں مدینۃ قیصر کا مطلب یہ ہے کہ وہ شہر جو قیصر کے قبضہ میں ہو نہ وہ شہر جس میں وہ رہتا ہو۔ اگر پایۂ تخت یا دارالسلطنت کہنا ہوتا تو آنحضرتؐ مدینۃ قیصر نہیں فرماتے بلکہ دار ملک قیصر یا دار مملکۃ قیصر یا دارالامارۃ الروم یا دار ملک الروم فرماتے۔ چنانچہ علامہ علی بہجت وکیل دارالآثار العربیۃ کی کتاب قاموس الامکنۃ والبقاع مطبوعہ مصر ص 167 میں ہے۔

القسطنطنیۃ اسمہا بیزنطیۃ فغزاھا قسطنطنین الاکبر وبنی علیہا سورا وسماھا باسمہ وصارت دار ملک الروم

''یعنی شہر قسطنطنیہ میں قسطنطنین اکبر نے قیام کیا تو اس کو اپنے نام سے موسوم کیا اور وہ رومیوں کا دارالسلطنت ہوگیا۔''

دیکھا آپ نے قسطنطنیہ کو مدینۃ قیصر نہیں کہتے بلکہ دار ملک الروم کہتے تھے۔ اسی طرح 180 میں مدائن کے متعلق صارت الامارۃ یعنی مدائن حکومت کی جگہ ہوگیا۔'' غرض کسی طرح مدینۃ قیصر سے مراد اس کا پایہ تخت نہیں ہے بلکہ اس کا معنی صرف ''قیصر کا شہر'' ہے، اور پہلا لشکر جو قیصر کے شہر میں گیا وہ غزوہ موتہ کے مجاہدین تھے جو زید بن حارثہ اور جناب جعفر ابن ابی طالبؓ کے ہمراہ گئے تھے لہٰذا اس حدیث سے یزید کی مغفرت پر کسی طرح استدلال صحیح نہیں ہو سکتا وہ اس وقت پیدا بھی نہیں ہوا تھا۔

مولوی صاحب: تم نے تو ایسی توضیح سے اس مسئلہ کی تحقیق کی کہ اس کے متعلق میں کچھ بول ہی نہیں سکتا ہوں۔

حسینی بیگم: اب یزید کی مذمت بھی دیکھو کہ حضرت رسول خداصلعم نے کس طرح فرمائی تھی۔
علامہ عینی محدث حنفی نے تحریر فرمایا ہے:

واى منقبة كانت ليزيد وحاله مشهود

یعنی یزید کی کون سی فضیلت ہوسکتی ہے جب کہ اُس کا حال (فسق و فجور، ظلم وستم، اہانت، اہل بیتؑ قتل سید الشہداء استحلال مدینہ و بے حرمتی حرمین شریفین وغیرہ) مشہور اور تمام جہان پر روشن ہے۔ (عمدۃ القاری جلد 6 ص 649)

اور مولانا سیوطیؒ نے تحریر فرمایا ہے:

عن ابى ذر سمعت رسول اللهؐ يقول اول من يبدل سنتى رجل من بنى امية قال البيهقى يشبه ان يكون هو يزيد بن معاوية

"یعنی جناب ابوذر صحابی بیان کرتے تھے کہ میں نے حضرت رسول خداصلعم سے سنا کہ فرماتے تھے پہلا آدمی جو میری سنت کو بدل دے گا وہ بنی امیہ کا ایک شخص ہوگا۔ امام بیہقی نے کہا کہ غالباً وہ شخص یزید بن معاویہ تھا۔ (خصائص کبریٰ جلد 2 ص 138)

پیغمبر اسلامؐ نے یہ بھی فرمایا:

كانى انظر الى اكلب ابقع يلغ فى دماء اهل بيتى-

"یعنی گویا میں اس چتکبرے کتے کو دیکھ رہا ہوں جو میرے اہل بیت کے خون کو چاٹے گا۔
(کنز العمال، جلد 7 ص 110)

یہ بھی فرمایا:

يزيد لا بارك الله فى يزيد الطعان اللعان اما انه نعى الى حبيبى وسخيلى حسين اتيت بترتبه ورايت قاتله اما انه لا يقتل بين ظهرانى قوم فلا ينصرونه الا عمهم الله بعقاب

"یعنی یزید، خدا یزید کے بارے میں اپنی برکت کو نہ استعمال کرے جو دین اسلام کو اس

طرح زخمی کر دے گا جس طرح نیزوں کی مار سے جانور مجروح ہو جاتے ہیں جو ہم لوگوں تک پر لعنت کرے گا۔ سنو۔ مجھے خبر دی گئی کہ میرا پیارا اور میری جان حسینؑ۔ (اسی یزید کے حکم سے) قتل کیا جائے گا میرے پاس اس کے قتل گاہ کی مٹی بھی لائی گئی اور مجھے اس کا قاتل بھی دکھایا گیا۔ سن رکھو جس قوم کے درمیان میں وہ قتل کیا جائے گا اس قوم کے جو لوگ اس (حسینؑ) کی مدد نہیں کریں گے اُن سب پر خدا کا عذاب نازل ہوگا۔ (کنزل العمال جلد 6 ص 223)

اور علامہ ابن حجر مکی نے تحریر فرمایا ہے:

قال رسول الله لا یزال امرامتی قائما بالقسط حتی یکون اول من یثلم رجل من بنی أمیه یقال له یزید

''یعنی حضرت رسول خداؐ فرمایا کرتے تھے کہ میری امت کا حال اُس وقت تک درست رہے گا کہ بنی امیہ سے ایک شخص جس کا نام یزید ہوگا ظاہر ہوگا اور وہ اس دین کو برباد کر دے گا۔''

عن ابی الدرداء قال سمعت النبی یقول اول من یبدل سنتی رجل من بنی امیة یقال له یزید۔

''جناب ابو درداء نے سنا کہ حضرت رسول خداؐ فرماتے تھے پہلے جو شخص میری سنت کو بدل دے گا وہ بنی امیہ کا ایک آدمی یزید ہوگا۔''

وکان مع ابی ہریرة علم من النبی بما مرعنه فی یزید فانه کان یدعو اللھم انی اعوذبك من راس التین و امرة الصبیان فاستجاب الله له فتوفاه سنة تسع واربعین وکانت وفاة معاویة وولایة ابنه ستة سنین فعلم ابوہریرة بولایة یزید فی ھذه السبنعة فاستعاذمتها لما علمه من قبیح احواله بواسطة اعلام الصادق المصدوق

یعنی حضرت رسول خدا صلعم نے یزید کی مذمت میں جو حدیثیں فرمائی تھیں ان سے حضرت ابو ہریرہ کو یزید کے فسادات کا یقین ہو گیا تھا اسی وجہ سے وہ یہ دعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ میں 60 ہجری اور اُن لونڈوں کی حکومت سے پناہ مانگتا ہوں تو خدا نے ان کی دعا قبول کر لی اور ان کو 49 ہجری میں ہی دنیا سے اُٹھا لیا اور معاویہ کی موت اور اس کے بیٹے یزید کی خلافت 60 ہجری میں شروع ہوئی۔ غرض حضرت ابو ہریرہ کو معلوم ہو گیا تھا کہ 60 ہجری میں یزید کی حکومت شروع ہو گی اس وجہ سے وہ اس سال ہی سے پناہ مانگا کرتے تھے کیونکہ حضرت مخبر صادق کی خبروں سے جناب ابو ہریرہ کو یزید کے برے حالات اور خرابیوں کا پورا یقین ہو چکا تھا۔

وقال نوفل بن ابی الفرات کنت عند عمر بن عبدالعزیز فذکر رجل یزید فقال قال امیرالمومنین یزید بن معاویۃ فقال تقول امیر المومنین فامر بہ فضرب عشرین سوطا

"یعنی نوفل بیان کرتے تھے کہ میں خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک شخص نے کہا کہ امیر المومنین یزید نے یہ بات کہی تھی۔ اس پر خلیفہ عمر بن عبدالعزیز بگڑ گئے اور اس سے کہا تو یزید کو امیر المومنین کہتا ہے! پھر حکم دیا کہ اس کو بیس کوڑے مارے جائیں کہ اس نے یزید کو امیر المومنین کیوں کہا۔ (صواعق محرقہ ص 132)

اور علامہ جلال الدین سیوطی نے تحریر فرمایا ہے:

ان عبداللہ بن حنظلہ بن الغسیل قال واللہ ما خرجنا علی یزید حتی خفنا ان نرمی بالحجارۃ من السماء ان رجلا ینکح امہات الاولاد والبنات والاخوات ویشرب الخمر ویدع الصلوۃ

"یعنی عبداللہ بن حنظلہ بن غسیل بیان کرتے تھے کہ خدا کی قسم ہم نے یزید پر اس وقت خروج کیا جب ڈرے کہ اب چپ رہنے میں ہم لوگوں پر آسمان سے عذاب کے پتھر پھینکے جائیں گے۔ اللہ اکبر یہ شخص یزید ایسا تھا کہ اپنی ماؤں اور بیٹیوں اور بہنوں سے

جماع کرتا۔شراب پیتااورنماز چھوڑے رہتا تھا۔(تاریخ الخلفاء ص **142**)

مولوی صاحب: ہاں یزید کی مذمت کہاں تک بیان کردگی بہت ہے۔مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب نے یہ بھی لکھا ہے

ازانجملہ است حلت واباحت منہیات شرعیہ از قبیل زنا ولواطت و شرب خمروتزویج برادر یا خواہر

یعنی منجملہ ان برائیوں کے یہ ہے کہ اس نے خدا کی حرام کی ہوئی باتوں جیسے زنا۔لواطہ۔شراب پینے اور بھائی کو بہن سے بیاہنے کوحلال کردیا۔(تحریر الشہادتین،ص **102**)

✿✿✿✿✿

ستائیسواں باب

یزید کے کفر اور خلافت کی بحث
اس پر لعنت کرنا جائز ہے یا نہیں

حسینی بیگم: اسی وجہ سے علماء اعلام نے یزید کو کافر کہا ہے۔
مولوی صاحب: مگر یہ تو بڑی زیادتی ہے یزید خلیفہ کا فرزند تھا۔ خود خلیفہ تھا۔ مسلمانوں کا حاکم تھا وہ کافر کیسے ہو سکتا ہے۔ تم جانتی ہو کہ ہم لوگ اس کو خلیفہ مانتے ہیں۔ اگر اس کو خلیفہ نہ مانیں تو خلافت کا سلسلہ ہی نہیں ٹھیک ہوگا۔ اسی وجہ سے مولانا جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں یزید کو بھی خلیفہ لکھا ہے اور اس کے حالات درج کیے ہیں۔ پس اگر وہ خلیفہ نہیں ہوتا تو مولانا ممدوح اپنی کتاب میں اس کا ذکر نہیں کرتے۔ اور جو خلیفہ ہو اس کو مسلمان ماننا ضروری ہے۔
حسینی بیگم: ہاں لوگ تو یزید کو خلیفہ ضرور مانتے ہیں۔ حضرت رسول خدا صلعم نے جو فرمایا تھا کہ میرے بعد 12 خلیفہ ہوں گے ان بارہ کی فہرست پوری کرنے کے لیے علماء نے جن خلفاء کا نام ذکر کیا وہ یہ ہیں: (1) حضرت ابوبکر صدیق، (2) حضرت عمر فاروق، (3) حضرت عثمان غنی، (4) حضرت علی امیر المومنین، (5) معاویہ، (6) یزید، (7) عبدالملک، (8) ولید، (9) سلیمان، (10) یزید بن الملک، (11) ہشام، (12) ولید بن یزید بن عبدالملک۔ (کتاب شفاء از مولانا قاضی عیاض)، فتح الباری از علامہ ابن حجر عسقلانی جلد 7 ص 629 تاریخ الخلفاء ص 7 شرح فقہ اکبر ازالۃ الخلفاء ص 30 وغیرہ)
مولوی صاحب: پھر یزید کو کافر کیسے کہہ سکتے ہیں؟
حسینی بیگم: آپ ہی انصاف کریں اور عقل سے بتائیں کہ حضرت رسول خدا صلعم کی بات مانو

گے یا علماء کی۔

مولوی صاحب: حضرت رسول خداصلعم کے مقابلہ میں صحابہ اور خلفاء تو کوئی چیز ہی نہیں ہو سکتے۔علماء محدثین کی کیا حقیقت ہے۔

حسینی بیگم: تو حضرت رسول خداصلعم نے یزید کے بارے میں جو فرمایا پہلے بیان کر چکی کہ یزید دین اسلام کو تباہ و برباد کردے گا۔اب آپ ہی بتائیں کہ خدا رسولؐ کے دین کو تباہ و برباد کرنا رسولِ خداؐ کے خلیفہ کا کام ہوسکتا ہے یا کافروں کا؟

مولوی صاحب: چپ ہو گئے کچھ جواب نہیں دے سکے۔کچھ دیر تک انتظار کرنے کے بعد حسینی بیگمؒ نے پوچھا۔

حسینی بیگم: کچھ کہتے نہیں کہ جو شخص خدا اور رسولؐ کا دین ہی مٹانا چاہے وہ مسلمان رہ سکتا ہے۔

مولوی صاحب: نہیں میری عقل تو نہیں کہتی۔

حسینی بیگم: پھر جن لوگوں نے یزید کو خلیفہ رسولؐ مانا اور انہوں نے خدا اور رسول کو جھٹلایا یا نہیں؟

مولوی صاحب: مگر علمائے کرام تو اس کو خلیفہ لکھتے ہیں۔

حسینی بیگم: پھر علمائے کرام تو اس کو نبی بھی لکھتے ہیں۔پھر نبی بھی مان لوگے؟

مولوی صاحب: لاحول ولاقوۃ۔ایسا شیطان نبی کیسے ہوسکتا ہے۔

حسینی بیگم: (زور سے قہقہہ لگا کر) ہاں اور ایسا شیطان خلیفہ رسولؐ ہوسکتا ہے!

مولوی صاحب: مگر یزید کو کافر کسی نے کہا بھی ہے؟

حسینی بیگم: بہت سے انصاف پسند علمائے محققین نے لکھا ہے۔چنانچہ جناب مولانا شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواروی نے تحریر فرمایا ہے۔

''اکثر اکابر محدثین و بزرگان دین مثل امام احمد بن حنبل و علامہ ابن جوزی و جلال الدین سیوطی و علامہ سعد الدین تفتازانی وسید آلوسی وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ یزید کے کفر کے قائل ہیں اور سرے سے اُسے مسلمان ہی نہیں جانتے...... پس جب یہ ثابت ہوگیا کہ یزید بے شک قاتل حسینؑ و مہین اہل بیتؑ اور دشمن آل نبیؐ ہے تو یہی بڑی دلیل اس کے کفر کی ہے۔اہل بیتؑ

اطہار کی اہانت و بے حرمتی۔ اُن کو ستانا اور سید شباب اہل الجنۃ لخت دل مصطفٰی، جگر گوشۂ مرتضٰی۔

راحت جانِ زھراؑ، محبوب خالق ارض و سما

لقول جده علیه الصلوة و السلام اللهم انی احبه فاحبه شاه کونین

سیدنا و مولانا حضرت امام ہمام جناب امام حسین صلوات اللہ وسلامہ علی جدہ وابیہ وامہ واخیہ وعلیہ وعلی محبیہ ومتبعیہ اجمعین الی یوم الدین کو اس ظلم و جفا اور اس بے حرمتی سے قتل کرنا خود کفر ہے۔ حسینؑ رسول خداؐ کے لاڈلے نواسے تھے ان کے ذرا سا رونے سے آنحضرت کو روحی تکلیف ہوتی تھی۔ اب غور کیا جا سکتا ہے کہ حسینؑ مظلوم کے اس بے کسی و مصیبت میں ایسی بے رحمی سے قتل کیے جانے سے روح رسول کو کیسی کچھ اذیت پہنچی ہوگی۔ جس کا ایک کرشمہ ابن عباس وام سلمہ کا خواب ہے۔ پس حسینؑ کی ایذادہی و بے حرمتی و اہانت اور ان کے اہلبیت پر ظلم عین رسولؐ خدا پر ظلم و جفا اور آپ کی اہانت و ایذادہی ہے۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ رسول خدا کی دشمنی و ایذا رسانی و اہانت بہت ہی بڑا کفر و بے دینی نہیں ہے؟ نعوذ باللہ من ذلک۔ اسی لیے اکثر محققین کہتے ہیں کہ

انه كفر حسين امر بقتل الحسين

یعنی یزید ''بے شک اُسی وقت کافر ہو گیا جب کہ اس نے امام حسینؑ کے قتل کا حکم دیا......

صاحبانِ فکر!

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مسلمانو! میں دو بڑی چیزیں چھوڑ جاتا ہوں میرے بعد انھیں کے ساتھ تمسک کرنا۔ اگر تم ان کا خیال رکھو گے۔ قدر کرو گے اور ان کے ساتھ متمسک رہو گے تو گمراہی وضالت سے بچو گے'' وہ دو چیزیں کیا ہیں۔ **کلام اللہ وعترتی** قرآن پاک اور میری عترت واولاد اطہار۔ گویا آپ نے تمسک وعظمت کے لیے قرآن واہلبیت کو برابر کیا تھا۔ تو اگر کوئی قرآن کی توہین کرے۔ اُسے پامال کرے۔ اُس کے اوراق کی بے حرمتی کرے، اس کی تذلیل کے لیے منتشر کرے اور خوب جان بوجھ کر علانیہ اس

کی اہانت کرے۔ یا ان امور پر وہ راضی وخوش ہوتو وہ مسلمان رہ سکتا ہے؟ اور کیا کلام اللہ کی اہانت کفرنہیں ہے؟

ضرور ہے۔

بس اسی طرح سمجھو کہ اہل بیت اطہار قرآن ناطق شان نزول آیۂ تطہیر کی اہانت بھی بلا ریب کفر ہے۔اور جس نے اہل بیت اطہار خصوصاً سیدنا امام حسین کی بےحرمتی کی۔ان کی نعش کو پامال کیا۔اُن کو حد سے زیادہ ستایا۔اور جو ان کی بےحرمتی وقتل سے خوش وراضی یا اس میں شریک ہوا یا اُسے گوارا کیا وہ ہرگز مسلمان نہیں ہے بلکہ فی الدرك الاسفل من النار......
صاحب تفسیر روح المعانی یہ لکھ کر فرماتے ہیں کہ علماء کی ایک جماعت نے یزید کے کفر کا یقین کیا اور علامہ تفتازانی کہتے ہیں کہ ہم لوگ اس پر لعنت کرنے کے بارے میں بلکہ اس کے کفر کے بارے میں بھی کچھ توقف نہیں کرتے......سید آلوسی بغدادی نے اس کے بعد تاریخ ابن وردی وکتاب الوافی بالوفیات سے نقل کیا ہے کہ جب اسیران اہل بیت دمشق سے قریب ہوئے اور مقام جیرون کے ٹیلے پر چڑھے تو شہیدوں کے سر بلند ہوئے اور کوے دیکھ کر ٹائیں ٹائیں کرنے لگے اُس وقت یزید نے دو شعر پڑھے جس کا آخری مصرع یہ ہے کہ ع

فقد اقتضت من الرسول دیونی

''یعنی میں نے رسولؐ سے اپنا بدلہ لیا۔(روح المعانی جلد ہشتم ص **126**)

پھر اُن اشعار کا ذکر کیا ہے جو اتحاف لحب الاشراف ووسیلۃ النجاۃ ومفتاح النجاۃ وغیرہ دیگر کتب میں بھی منقول ہیں کہ لیت اشیاخی ببدر الخ جس کا یہ مطلب ہے کہ رسول خدا نے جنگ بدر میں میرے آباء کو قتل کیا تھا اس کا بدلہ ہم نے آج ان کی اولاد کو قتل کیا اور خوب ہی بدلہ لیا۔کاش میرے وہ اشیاخ جو بدر میں قتل کیے گئے زندہ ہوتے۔اور دیکھتے کہ ہم نے کیسا بدلہ لیا اور آخر پر یہ دو شعر اور بھی ہیں جو اتحاف ص **57** وغیرہ میں منقول ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ محمد صاحب کے پاس نہ کوئی وحی نازل ہوئی نہ فرشتہ آیا۔سب بنی ہاشم نے ملک گیری کے ڈھونگ نکالے تھے۔یہ پر از کفر اشعار اگر اس کی زبان سے نکلے جیسا کہ علماء نے لکھا ہے تو بے شک اس

کے کافر مردہ ہونے میں ذرہ برابر بھی کوئی ادنیٰ شبہ باقی نہیں رہتا جیسا کہ صاحب روح المعانی و صاحب اتحاف لحب الاشراف و صاحب تاریخ بن وردی و صاحب کتاب الوافی بالوقیات وغیرہم من العلماء نے فرمایا ہے۔ اپنی تفسیر جلد **8** ص **126** میں علامہ سید آلوسی رحمتہ اللہ علیہ اُس کے بارے میں علماء کا اختلاف بیان فرما کر فرماتے ہیں کہ میرے گمان غالب میں بھی یہی ہے کہ وہ خبیث ہرگز مسلمان ومصدق رسالۃ نہ تھا جبکہ اُس کے تمام افعال وحرکات پر نظر کرتے ہیں اور دیگر قرائن ودلائل سے واضح ہوتا ہے۔ (رسالہ شہادۃ حسین از ص **54** تا **60**)

مولوی صاحب: یہ تو بہت بڑے علماء کی فہرست ہوگئی جو یزید کو کافر کہتے ہیں۔

حسینی بیگم: اور ہمارے تمہارے عقائد کی کس قدر مشہور کتاب شرح عقائد نسفی ہے جو کُل عربی مدرسوں میں ہمارے فاضل طلباء کو پڑھائی جاتی ہے۔ اس میں بھی یزید کے ذکر میں صاف لکھا ہے: انه كفر حين بقتل الحسين۔ یعنی یقیناً یزید اُسی وقت کافر ہوگیا جب اُس نے امام حسینؑ کے قتل کا حکم دیا (شرح عقائد نسفی مطبوعہ مصر ص **181**) یہ بھی لکھا ہے فنحن لا نتوقف فی شانه بل فی ایمانه یعنی ہم اس کے حال میں کوئی تردد بلکہ اس کے کافر ہونے میں کوئی شبہ نہیں کرتے۔ (ایضاً ص **181**) اور حضرات اہل حدیث کے بہت بڑے علامہ مولانا نواب صدیق حسن خان صاحب نے بھی لکھا ہے:

> مثل امام احمد وامثال ایشاں وابن جوزی لعن وے از سلف نقل نمودہ زیرا کہ وے وقت امر بقتل حسینؑ کافر شد
>
> یعنی امام احمد بن حنبل اور ان کے امثال اور ابن جوزی نے بزرگوں کے بارے میں نقل کیا ہے کہ وہ یزید پر لعنت کرتے تھے کیونکہ اس نے جس وقت امام حسینؑ کے قتل کا حکم دیا اُسی وقت کافر ہوگیا۔ (بغیۃ الرائد ص **98**)

اور جناب مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی لکھنوی کے بارے میں مولانا شاہ محمد سلیمان صاحب نے تحریر فرمایا ہے۔ ”حضرت مولانا عبدالحی رحمتہ اللہ علیہ فرنگی محلی کے مجموعہ فتاویٰ میں بھی موجود ہے۔ جناب مولانا نے پاسداران یزید کی خوب خبر لی ہے اور صاف لکھ دیا ہے کہ

ازروئے تحقیق وانصاف کفریت وملعونیت سے بھی اُس خبیث مردود کا درجہ بڑھا چڑھا ہے۔فتاویٰ جلد سوم ص 7 فرماتے ہیں...... وبعضے گویند کہ وے امر بقتل امام حسینؓ نکردہ ونہ بدان راضی بودنہ بعدازقتل وے واہل بیتؓ وے مستبشر شد۔واین سخن۔نیز باطل است قال **العلامة التفتازانی فی شرح العقائد انسفیة والحق ان رضا یزید بقتل الحسینؓ الی قوله مما تواتر معناه وان کان تفاصیله احاد** اوبعضے دیگر گوید کہ قتل امام حسینؓ گناہ کبیراست نہ کفر۔ولعنت مخصوص بکفاراست ونازم برفطانت ایشاں نہ وانستند کہ کفریک طرف خودایذائے رسول الثقلین چہ ثمرہ دارو **قال اللہ تعالیٰ ان الذین یوذون اللہ ورسوله لعنهم اللہ فی الدنیا والاخرہ الایة**

یعنی بعض کہتے ہیں کہ یزید نے امام حسینؓ کے قتل کا حکم نہیں دیا اور نہ اس پر راضی ہوا اور حضرت کے اور آپ کے اہل بیت کے قتل سے خوش ہوا مگر یہ بات بھی بالکل غلط اور باطل ہے چنانچہ علامہ تفتازانی نے شرح عقائد نسفی میں کہا ہے کہ حق یہ ہے کہ یزید کا امام حسینؓ کے قتل سے راضی ہونا اور اُس پر دلی خوشی کا اظہار کرنا اور حضرت رسولؐ خدا کے اہل بیت کی اہانت کرنا ان باتوں سے ہے جو متواتر ہیں۔اگرچہ اس کی تفصیلیں احاد ہیں۔کچھ اور لوگ کہتے ہیں کہ امام حسینؓ کا قتل گناہ کبیرہ تو ہے مگر کفر نہیں ہے اور لعنت کافروں کے لیے خاص ہے ان لوگوں کی عقل وفہم پر قربان ہو جاؤں۔ان کو یہ بھی خبر نہیں کہ یزید کا کفر تو الگ رہا خود حضرت رسول خداؐ کو اذیت پہنچانے کا کیا نتیجہ ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے کہ جولوگ اللہ اور اس کے رسول کو اذیت پہنچاتے ہیں خدا اُن پر دنیا وآخرت میں لعنت کرتا رہے گا۔'' (رسالہ شہادۃ حسینؓ ص 52)

مولوی صاحب: مگر یزید پر لعنت تو نہیں کرنا چاہیے۔حضرت مولانا غزالی علیہ الرحمہ نے بھی احیاء العلوم میں اس سے منع کیا ہے اور شاید یزید نے توبہ بھی کرلی ہو۔

حسینی بیگم: جناب مولانا عبدالحی صاحب نے اس کے متعلق بھی تحریر فرمایا ہے لکھتے ہیں۔''مخفی مباد کہ احتمال توبہ ورجوع از معاصی احتمالے است والا آں بے سعادت دریں امت کردہ ہیچ کس نہ کردہ باشد وپسرش معاویہ برسر منبر زشتی حال پدر خود بیان کرد وبعضے بیباکانہ بلعن آں شقی

تجویز می سازند از سلف و اعلام امت امام احمد و امثال ایشان بروے لعنت کردہ اند۔ و ابن جوزی کہ کمال عصبیت در حفظ سنت و شریعت میں دارد در کتاب وے را از سلف منقول کردہ علامہ تفتازانی کمال جوش و خروش بروے و بر انصار و اعوان وے لعنت کردہ اند۔ یعنی پوشیدہ نہ رہے کہ یزید کے توبہ اور اپنے گناہوں سے رجوع کرنے کا خیال محض احتمال ہی احتمال ہے ورنہ اس کمبخت نے اس امت میں جو کیا کسی نے بھی نہ کیا ہوگا۔ اور اس کے بیٹے معاویہ نے برسرِ منبر اپنے باپ کی برائیاں بیان کی ہیں اور بعض تو بہت بیباکی سے اس شقی پر لعنت کو تجویز کرتے ہیں۔ سابق بزرگوں اور امت کے ارکان و اعلام مثلاً امام احمد بن حنبل اور ان کے امثال نے اس پر برابر لعنت کی ہے اور علامہ ابن جوزی نے جو سنت و شریعت اسلام کی حفاظت میں نہایت متعصب واقع ہوئے ہیں اپنی کتاب میں ان علماء و محدثین کا ذکر کیا ہے جو یزید پر لعنت کیا کرتے تھے۔ اور علامہ تفتازانی نے کمال جوش خروش سے یزید اور اس کے اعوان و انصار پر لعنت کی ہے۔'' (مجموعہ فتاوی جلد 3 ص 7)

اور جناب مولانا شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواری نے لکھا ہے: ''یزید کی لعنت کی بحث بالتفصیل تفسیر روح المعانی جلد ہشتم و صواعق محرقہ و وسیلۃ النجاۃ و اتحاف لحب الاشراف و شرح عقائد نسفی وغیرہ وغیرہ میں دیکھنا چاہیے۔ ہم یہاں پر یزید پر لعنت بھیجنے کی مختصر بحث لکھتے ہیں... واضح ہو کہ بلا تخصیص اسم۔ قاتلین امام حسینؑ پر یا جس نے اُن کے قتل کا حکم دیا یا اس امر سے راضی ہوا اس پر لعنت بھیجنے کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں۔ چنانچہ اتحاف لحب الاشراف ص ۶۳ میں ہے:

قال السيدى السمهودى فى جواہر العقدين اتفق العلماء على جواز لعن من قتل الحسين اوامر بقتله اواجازه ورضى به من غير تعيين

یعنی سمہودی جواہر العقدین میں فرماتے ہیں کہ علماء کا اتفاق ہے اس شخص پر کہ لعنت بھیجنے کے جواز میں جس نے حسینؑ کو قتل کیا یا اُن کے قتل کا حکم دیا یا اس کو جائز رکھا۔ یا اس سے

راضی ہوا بلا کسی کے نام کی تعیین کے اور ایسا ہی علامہ تفتازانی شرح عقائد نسفی ص 117 میں فرماتے ہیں: واتفقوا علی جواز اللعن علی من قتله اوامر به واجازه او رضی بــه کہ لوگوں کا اس پر لعنت بھیجنے میں جس نے حسینؓ کو قتل کیا یا اس کا حکم دیا یا اسے جائز رکھا یا اس کی اجازت دی یا اس سے راضی ہوا اتفاق ہے۔ اب اختلاف اس میں ہے کہ آیا خاص کر یزید کا نام لے کر اس پر لعنت بھیجنا درست ہے یا نہیں۔ اس پر بہ تخصیص اسم لعنت بھیجنے میں کوئی کلام نہیں۔ لیکن اکثر علماء کا خیال ہے کہ وہ مسلم ہے مگر فاسق ہے اور کوئی صریح دلیل اس کے کفر کی معلوم نہیں اور کسی مسلمان پر۔ اگر چہ وہ فاسق و فاجر ہو لعنت کرنا درست نہیں لہذا یزید پر بہ تخصیص اسم لعنت بھیجنا درست ہے۔ اور بعض لوگوں کا گمان ہے کہ یزید کا امام حسینؓ کا قاتل ہونا قطعی و یقینی سے ثابت نہیں۔ لہذا اس پر لعنت کرنا روا نہیں۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ بات مسلم اور پایہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے اور بتواتر ثابت ہے کہ یزید ہی نے امام حسینؓ کو شہید کرایا۔ اسی نے ابن زیادہ وغیرہ کو اس کا حکم دیا اور آپ کی شہادت اُس کا عین مطلوب تھا۔ اور آپ کے قتل سے اُسے کمال مسرت و خوشی حاصل ہوئی جس پر عامہ کتب شاہد ہیں۔ اتحاف میں ہے و لا شك عاقل ان يزيد بن معاويه هو القاتل للحسين لانه الذى تدب عبيدالله بن زياد لقتل الحسين۔ (اتحاف لحب الاشراف ص 66) کہ کوئی عاقل اس میں شک نہ کرے گا کہ یزید بن معاویہ ہی قاتل حسینؓ ہے کیونکہ اسی نے ابن زیاد کو آپ کے قتل کا حکم دیا اور اس پر مستعد کیا اور ایسا ہی سید آلوسی بغدادی تفسیر روح المعانی جلد ششم ص 125 میں فرماتے ہیں کہ۔

ورضاه لقتل الحسين على جده وعليه الصلوٰة والسلام واستبشاره بذالك واهنته لاهل بيته ممتواتر معناه وان كانت تفاصيله احادا۔

(ترجمہ وہی ہے جو اوپر گذرا)۔

اب ناظرین خود انصاف فرمائیں کہ یزید اور یزیدیوں پر لعنت بھیجنا جائز ہے یا ناجائز جب ایمان ہی ندارد ہے تو پھر لعنت کیوں ناجائز ہوگی؟ بزرگان و علماء متورعین و اسلاف نے

یزید پراور یزیدیوں پرلعنت بھیجی اوراس کومطابق حکم خدااوررسولؐ فرمایااورقرآن وحدیث سے اس پراستدلال کیا ہے۔تفسیر روح المعانی جلدہشتم ص**152** میں زیرتفسیرآیہ:**فھل عسیتم ان تفسدوا الآیہ** ہے۔

واستدل بها ایضا علی جواز لعن یزید علیه من الله تعالی ما یستحقه۔ نقل البرزنجی فی اشاعته والهیثمی فی الصواعق ان الامام احمد لما ساله ولده عبدالله عن لعن یزید قال کیف لا یلعن من لعنه الله تعالی فی کتابه فقال عبدالله قد قرات کتاب الله عزوجل فلم اجد فیه لعن یزید فقال الامام ان الله تعالیٰ یقول فهل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم اولئك الذین لعنهم الله الآیة وای فسادو قطیعة اشد مما فعله یزید انتهی۔

(تفسیر روح المعانی سیدالآلوسی البغدادیؒ)

خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں لعن یزید پراستدلال کیا گیا ہے۔ برزنجی نے اشاعتیں اورابن حجرہیثمی مکی نےصواعق محرقہ میں نقل کیا ہے کہ امام احمد سے ان کے صاحبزادےعبداللہ نے پوچھا یزید پرلعنت کرنے کے بارے میں ۔تو امام احمد نے فرمایاجس پر خدا نےقرآن میں لعنت کی ہو اُس پر کیونکر نہ لعنت کی جائے گی۔ عبداللہ نے کہا کہ میں نے قرآن میں یزید کی لعنت نہیں پائی ۔آپ نے فرمایا خدائے تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے:**فھل عسیتم الایة** یعنی کیااگرتم پیٹھ پھیرو (میں کہتی ہوں کہ رسالہ شہادۃ حسینؑ میں اسی طرح لکھاہےمگر یہ ترجمہ غلط ہے کوئی شخص پیٹھ پھیر کرکیسےفساد پھیلائے گا۔صحیح ترجمہ یہ ہے کہ اگر حاکم اور بادشاہ ہوگےتو زمین پرفساد پھیلاؤ گے (۱۲منہا) گےتو زمین پرفساد پھیلاؤ گے(معاصی وکفرسے)اورقطع رحمی کروگے یہی لوگ ہیں جن پرخدا نےلعنت کی ہےاورکون سافساداورقطع رحم اس سے بڑھ کر ہے کہ جوکہ یزید نے کیا۔ اورصواعق محرقہ **195** چھاپہ مصر میں ابن حجر فرماتے ہیں......یعنی یزید کے فاسق ہونے پر

اتفاق علماء ہونے کے بعد اختلاف اس پر بہ تخصیص لعنت کرنے میں ہوا تو ایک گروہ نے اس کو جائز بتایا۔ ان مجوزین میں سے ایک ابن جوزی ہیں۔ انہوں نے جواز لعن کو امام احمد وغیرہ سے نقل کیا ہے اور اپنی کتاب میں فرماتے ہیں کہ مجھ سے کسی نے جواز لعن یزید کے متعلق سوال کیا۔ میں نے کہا یزید پر لعنت کرنے کو علماء متورعین نے جائز رکھا ہے۔ ان میں سے امام احمد بھی ہیں۔ انہوں نے یزید کے حق میں لعنت سے بڑھ کر کہا ہے اور ایسا ہی اتحاف وغیرہ میں بھی مذکور ہے۔ اور الاتحاف لحب الاشراف ص63، 64 میں ہے کہ علامہ ابن جوزیؒ نے قاضی ابویعلی سے بالا سناد روایت ہے کہ صالح بن امام احمد نے فرمایا: میں نے والد ماجد سے لعن یزید کے متعلق پوچھا۔ تو فرمایا: جس پر خدا نے لعنت کی ہو اس پر کیونکر نہ لعنت کی جائے''۔ دیکھو خدائے عزوجل نے فرمایا ہے: **فھل عسیتم الآیۃ**..... پس (جان پدر) قتل حسینؑ سے بڑھ کر روئے زمین پر کون سا فساد ہوگا اور اس سے زیادہ کیا قطع رحم ہوگا۔ اور خدا نے فرمایا ہے:

ان الذین یوذون اللہ و رسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والآخرۃ

''یعنی جو لوگ خدا اور رسول کو ایذا دیتے ہیں بے شک ان پر خدا نے دونوں جہان میں لعنت کی ہے اور حسینؑ جگر گوشۂ رسول قرۃ عین بتولؑ کے قتل سے بڑھ کر رسول خداؐ کی کون سی ایذا رسانی ہے۔ تفسیر روح المعانی کے اُسی صفحہ میں ہے..... یعنی بنابریں قول لعن یزید میں کوئی توقف نہیں۔ بسبب اس کے کثرت اوصاف خبیثہ اور ارتکاب کبائر کے اور اس کی لعنت کے لیے کافی ہیں وہ مظالم جو اُس نے اپنے غلبہ کے زمانہ میں اہل مکہ و اہل مدینہ پر کیے۔ کیونکہ طبرانی نے بہ سند حسن روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خدایا! جو اہل مدینہ پر ظلم کرے اور اُن کو خوف زدہ کرے اور اس کو تو خوف زدہ کر اور اُس پر خدا کی اور ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔ اور اس شخص سے نہ صرف اور نہ عدل (کوئی نیکی) قبول نہ ہوگی۔ اور بڑی قیامت اُس نے یہ برپا کی کہ اہل بیت کے ساتھ سخت سے سخت ظلم و ستم سے پیش آیا (اور اُنھیں ایذا دی اور سیدنا امام حسینؑ کو قتل کیا جو بتواتر معنوی ثابت ہے) اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ چھ شخص ہیں جن پر میں نے لعنت کی اور ایک روایت میں ہے کہ ان پر خدا نے

لعنت کی اور ہر نبی مستجاب الدعوات نے۔ وہ چھ شخص یہ ہیں خدا کی کتاب میں تحریف اور اس میں کمی بیشی کرنے والا۔ اور قضا وقدر کا منکر و مکذب اور وہ شخص جو لوگوں پر مسلط ہو۔ اس لیے کہ جسے خدا نے ذلت دی ہے اُسے وہ عزت دے اور جس کو خدا نے عزت دی ہے اُس کو وہ ذلیل کرے اور میری عترت واولاد کی بےحرمتی کرنے والا۔ اور خدا کے حرم کی بےحرمتی کرنے والا اور میری روش کو چھوڑ دینے والا (یہ دو حدیثیں یزید پر لعنت بھیجنے کی پوری مؤید ہیں کیونکہ اہل مدینہ پر اُس نے سخت ظلم کیا اور خوف زدہ کیا اور وہ متسلط بالجبروت بھی تھا۔ خدا کے معزز بندوں کو ذلیل اور ذلیلوں کو معزز بنایا اور حرم بلکہ حرمین کی سخت بےحرمتی واہانت کی اور کرائی اور اہل بیت وعترت رسولؐ کی بھی سخت سے سخت توہین و بےحرمتی کی **فعلیہ لعنۃ اللہ و النبیین والملائکۃ و الناس اجمعین**)..... اور اس کو بالفرض تسلیم بھی کرلیا جائے کہ وہ کافر نہیں ہوا تو اس میں کوئی شبہ اور اختلاف نہیں ہوسکتا کہ وہ ایک ایسا مسلم ہے جس نے بےشمار فواحش اور کبائر غیر محیط کو جمع کیا ہے اور ایسا ہی علامہ ابن حجر صواعق محرقہ میں فرماتے ہیں۔

ملاحظہ ہو صواعق ۱۹۴ **اوعلی القول بانہ مسلم فھو فاسق شریر سکیر جائر** یعنی اس قول کی رد سے کہ وہ مسلم ہے۔ شریر، سکیر، بدمعاش نشہ باز ظالم ہے پھر سید آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ ہم اس کی لعنت کے جواز میں تامل نہیں کرتے۔ اور نیز ابن زیاد وابن سعد اور اس کی جماعت پر لعنت کرنے میں ہمیں توقف نہیں۔ یہ لوگ بھی یزید سے ملحق ہیں۔

فلعنۃ اللہ عزوجل علیھم اجمعین وعلی انصارھم وواعوانھم و شیعتھم ومن مال الیھم الی یوم الدین۔ ما دمعت عین علی ابی عبداللہ الحسین

''یعنی خدا کی لعنت ہو یزید وابن زیاد وابن سعد اور اس کی جماعت پر اور اُن لوگوں کے اعوان وانصار اور ان کے پاس داروں اور جو اُن لوگوں کی طرف مائل ہو قیامت تک جب تک کہ آنکھیں امام حسینؑ کو روئیں۔''

اور آخر میں لکھتے ہیں کہ جو اس طرح یزید اور یزیدیوں پر بوجہ احتیاط لعنت کرنے میں

مضائقہ کرے وہ یوں کہے کہ خدا اس شخص پر لعنت کرے جو قتل امام حسینؓ سے راضی ہوا۔ اور جس نے اہل بیت رسول کو ایذا دی، ستایا، بلا قصور اور جس نے ان کا حق غصب کر لیا اس پر لعنت کرے کیونکہ اس طرح لعنت کرنے کا کوئی بھی مخالف نہیں ہے سوائے ابن عربی مالکی اور دو ہم خیالوں کے کیونکہ ان کے خیال میں شاید اس شخص پر لعنت کرنا بھی جو قتل حسینؓ سے راضی و خوش ہوا ہو جائز نہیں ہے۔

وذلك لعمری ھو الضلال البعيد الذی يكاد يزيد علی ضلال يزيد (تفسیر روح المعانی جلد ۸ ص ۱۳۹)

اور واللہ یہ سخت ضلال بعید ہے جو یزید مرید کی ضلالت سے بھی بڑھا چڑھا ہے۔ اب ناظرین انصاف فرمادیں کہ کتنے بڑے بڑے علماء اسلاف وائمہ نے یزید پر لعنت کی ہے...... سب سے پہلے...... حضرت ام المومنین ام سلمہؓ ہوئیں کیونکہ اوپر مسند امام احمد کی یہ صحیح حدیث مذکور ہو چکی کہ اُم سلمہؓ نے قاتلین امام حسینؓ پر لعنت بھیجی ہے

کہ **قتلوہ قتلھم اللّٰہ غروہ و ذلوہ لعنھم اللّٰہ** ان کے بعد حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور حضرت امام مالک بروایت۔ اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ بروایت اور علامہ کیا ہراسی ثانی غزالی اور قاضی ابویعلی اور علامہ ابن جوزی اور علامہ سفارینی اور سید سمہودی اور علامہ سعد الدین تفتازانی اور علامہ جلال الدین سیوطی اور علامہ سید آلوسی وغیرہم وغیرہم من العلماء المحققین والمتورعین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ (رسالہ شہادت حسینؓ ص ۶۱)

مولوی صاحب: اب کہاں تک اس کے حوالے دیتی جاؤ گی میں بھی مانتا ہوں کہ ہمارے ہزاروں علماء اور پیشوایان دین نے یزید پر لعنت کی ہے اور اس کا حکم دیا ہے مگر ہمارے بہت بڑے امام علامہ ابن تیمیہ رحمتہ اللہ نے تحریر فرمایا ہے: "لیکن کسی فاسق کو معین کر کے لعنت کرنا سنت نبوی میں موجود نہیں۔ البتہ عام وارد ہے۔ مثلاً نبی صلعم نے فرمایا چور پر خدا کی لعنت کہ ایک انڈے پر اپنا ہاتھ کٹوا دیتا ہے۔ یا فرمایا جو بدعت نکالے یا بدعتی کو پناہ دے اس پر خدا کی لعنت۔ (منہاج السنۃ جلد ۲ ص ۲۵۱)

حسینی بیگم: نہ معلوم علامہ ابن تیمیہ صاحب کیا لکھتے ہیں اور کس اصول سے لکھتے ہیں میں اوپر اُن کی غلطی بتا چکی کہ حدیث میں تو مدینہ قیصر لکھا تھا جس کو علامہ موصوف نے قسطنطنیہ بنا دیا۔ اب یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ کسی فاسق کو معین کر کے لعنت کرنا سنت نبوی میں موجود نہیں'' بہت اچھا علامہ موصوف تو اب موجود ہیں نہیں۔ البتہ آپ ان کے قول کی سچائی جانچو۔ حضرت امام بخاریؒ نے لکھا ہے قول النبیؐ لعن اللہ الیھود یعنی آنحضرتؐ کا ارشاد کہ خدا یہودیوں پر لعنت کرے۔ (صحیح بخاری پارہ۲ ص ۱۲۶۰)

اور معلوم ہے کہ یہود ایک معین فرقہ ہے۔ ایک دفعہ حضرتؐ نے فرمایا کہ اے اللہ اپنے اوپر عمرو بن ہشام اور عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ اور امیہ بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط اور عمارہ بن ولید کی ہلاکی کو لازم فرمالے۔ پھر یہ لوگ کنوئیں میں ڈال دیئے گئے تو حضرتؐ نے فرمایا اس کنوئیں والوں پر لعنت کی گئی ہے۔ (صحیح بخاری پارہ۲ ص ۲۹۵) دیکھو اس کنوئیں میں وہی معین لوگ تھے جن پر آنحضرتؐ پہلے بد دعا کرتے تھے۔ جب وہ معین لوگ اس میں بھر دیئے گئے تو آنحضرتؐ نے ان پر لعنت کی۔ حضرتؐ نے ایک موقع پر یہ بھی فرمایا:

> اللھم العن شیبہ بن ربیعہ وعتبہ بن ربیعہ وامیہ بن خلف
> ''یعنی اے اللہ! تو لعنت کرتا رہ شیبہ بن ربیعہ۔ عتبہ بن ربیعہ اور امیہ بن خلف پر۔''
> (صحیح بخاری پارہ۷ ص ۲۳۷)

نام کی تعیین کے ساتھ لعنت کرنا کیا اس سے زیادہ ممکن ہے؟ اچھا اور سنو علامہ سیوطی نے لکھا ہے:

> قال رسول اللہ یوم احد اللھم العن باسفیان اللھم العن سھیل بن عمرو اللھم العن صفوان بن امیہ
> ''یعنی حضرت رسولؐ خدا غزوۂ احد میں فرماتے تھے اے خدا! تو ابوسفیان حرث بن ہشام، سہیل بن عمرو اور صفوان بن امیہ پر لعنت نازل کرتے رہنا۔ (تفسیر در منشور جلد۲ ص ۷۱)

کہو آنحضرتؐ نے نام لے کر اور شخص کی تعیین کر کے لعنت بھیجی یا نہیں؟

اور سنو علامہ ابن حجر لکھتے ہیں:

انہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم لعن لحکم وما یخرج من صلبہ کہ حضرت رسول خداصلعم نے حکم پر اور اس کی کل اولاد (بنی امیہ) پر لعنت کی ہے۔ (تطہیر الجنان ص ۶۴) اور جناب امام حسنؑ خلافت سے علیحدہ ہو گئے تو ایک موقع پر جہاں حضرتؑ بھی تھے اور معاویہ بھی تھا عمرو عاص نے حضرت علیؑ کو برا کہا۔ پھر مغیرہ نے بھی ویسا ہی کیا۔ اس کے بعد امام حسنؑ سے کہا گیا کہ آپ منبر پر جا کر ان دونوں کا جواب دیجئے تو حضرتؑ نے جا کر فرمایا: اے عمرو عاص اور مغیرہ! بتاؤ کہ حضرت رسول خداؐ نے ابوسفیان اور معاویہ پر لعنت نہیں کی تھی؟ دونوں نے کہا ہاں لعنت کی ہے۔ (تطہیر الجنان ص ۲۰ و نصائح کافیہ ص ۹ وغیرہ)۔

اب بولتے کیوں نہیں۔ بتاؤ کہ تمہارے امام ابن تیمیہ صاحب نے صحیح لکھا یا غلط۔

مولوی صاحب: کیا کہوں کچھ کہا نہیں جاتا تم نے تو علامہ موصوف کا پورا جواب دے دیا۔

حسینی بیگم: حضرت رسول خداصلعم کے بعد حضرتؐ کے صحابہ کرام بھی معین لوگوں پر ان کا نام لے کر لعنت کرتے تھے جن کے ہزاروں واقعات ہیں۔ صرف ایک واقعہ بیان کرتی ہوں۔ علامہ ابن اثیر جوزی نے لکھا ہے:

ثم عزلہ معاویۃ فقال سمرۃ لعن اللہ معاویۃ واللہ لواطعت اللہ کما اطعتہ ما عذبنی ابدا۔

''یعنی جب معاویہ نے سمرہ کو بصرہ کی گورنری سے معزول کر دیا تو اس نے کہا خدا معاویہ پر لعنت کرے اگر میں خدا کی اطاعت اس قدر کیے ہوتا جتنی معاویہ کی کی ہے تو وہ مجھ پر کبھی عذاب نہیں کرتا۔ (تاریخ کامل، جلد ۳ ص ۱۹۵)

مولوی صاحب: علامہ ابن تیمیہ نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ ''دو باتیں ثابت کرنی چاہئیں اول یہ کہ یزید ایسے فاسقوں اور ظالموں سے تھا جن پر لعنت کرنا مباح ہے اور اپنی اس حالت پر موت تک قائم رہا۔ دوسرے یہ کہ ایسے ظالموں فاسقوں میں سے کسی ایک کو معین کر کے لعنت

کرنا جائز ہے۔'' (منہاج السنۃ جلد۲ص۲۵۲)

حسینی بیگم: مگر میرے سابق بیانات سے دونوں باتیں ثابت ہوگئی ہیں۔ یزید کا اپنی حالت پر موت تک قائم رہنا سب علمائے کرام لکھتے آئے ہیں۔ اسی وجہ سے آج تک لوگ اس پر لعنت کرتے ہیں۔ اگر اس نے کبھی توبہ کی ہو تو کوئی صاحب ثبوت دیں ورنہ اصل جرم ثابت رہے گا۔ اور وہ کافر ہی سمجھا جائے گا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اگر علامہ ابن تیمیہ صاحب آج زندہ ہوتے تو کل مسلمانوں کو حکم دیتے کہ جس قدر کافر مرا کریں وہ ان سب پر نماز پڑھا کریں اور جب کوئی مسلمان پوچھتا کہ مولانا یہ تو کافر ہے۔ ان سب پر نماز کیسے پڑھیں تو غالباً وہ یہی جواب دیتے کہ ''ثابت کرو کہ یہ کافر اپنی اس حالت پر موت تک قائم رہا'' مگر آپ معاف کرنا اگر میں کہوں کہ ہمارے یا تمہارے دوسرے علماء و پیشوایان دین جناب ابن تیمیہ کے خیال کے نہیں ہیں وہ تو جب تک یزید کی توبہ کا ثبوت نہیں پالیں گے اس وقت تک اس کو کافر ہی سمجھتے اور اس پر لعنت ہی کرتے رہیں گے۔ ہمارے مشہور پیشوا مولانا شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی بھی جو یزید سے تقریباً ہزار سال کے بعد ہوئے یزید پر لعنت کرتے تھے۔ چنانچہ تحریر فرمایا ہے۔

وحی براسه فی طشت حتی وضع بین یدی ابن زیاد لعن الله قاتله وابن زیاد مه ویزید ایضاً

''یعنی امام حسینؑ کا سر مبارک ایک طشت میں ابن زیاد کے سامنے رکھا گیا۔ خدا حضرتؑ کے قاتل اور ابن زیاد اور یزید پر لعنت کرے۔'' (کتاب ماثبت بالسنۃ ص۱۵)

مولانا عبدالحق صاحب کا کیا ذکر ہے خود حضرت عائشہ بھی ایک طرح یزید پر لعنت ہی کرتی تھیں، چنانچہ اسی کتاب میں لکھا ہے۔ **عن عائشه یزید لا بارك الله فی یزید الطعان اللعان**

یعنی عائشہ فرماتی تھیں کہ خدا یزید کے کسی کام میں برکت نہ دے جو طعان لعان تھا۔ (ماثبت بالسنۃ ص۱۲)

رہا یزید کو معین کر کے اس پر لعنت کرنا تو اس کو میں ابھی ثابت کر چکی ہوں اور مولانا

عبدالحی صاحب فرنگی محلی کی عبارت بھی سنا چکی ہوں جنہوں نے لکھا ہے کہ اس کے توبہ کا بار بس احتمال ہی احتمال ہے۔ ورنہ اس کے واقعات کفر سے زمانہ واقف ہے۔

مولوی صاحب: علامہ ابن تیمیہ نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے''اگر لعنت کا دروازہ اس طرح کھول دیا جائے تو مسلمانوں کے اکثر مردے لعنت کا شکار ہو جائیں گے حالانکہ اللہ تعالیٰ ... مردہ پر نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے نہ لعنت کرنے کا..... (نہاج السنۃ جلد۲ص۲۵۲)

حسینی بیگم: اب آپ ہی فیصلہ کریں کہ علامہ ممدوح کے ارشاد پر عمل کیا جائے یا قرآن شریف کے بیان پر جو مرنے کے بعد لعنت کرنے کا ذکر ہے آخرت اور قیامت میں بھی لوگوں پر لعنت کرتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

ان الذین یرمون المحصنات الغافلات المومنات لعنوا فی الدنیا والاخرۃ

''یعنی جولوگ پارسا مومنہ عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت دونوں میں لعنت کی جاتی ہے۔''(سورہ نور)

یہ بھی فرمایا:

ان الذین یوذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاخرۃ۔

''یعنی جولوگ اللہ اور اس کے رسول کو اذیت پہنچاتے ہیں ان پر اللہ دنیا اور آخرت دونوں جگہ لعنت کرتا ہے۔(سورہ احزاب)

اور پہلے میں بیان کر چکی ہوں کہ شہادت امام حسینؑ سے خدا اور رسولؐ کو خاص اذیت ہوئی لہٰذا اس اذیت پہنچانے والوں پر خدا اور رسولؐ کی برابر لعنت ہوتی رہے گی۔

یہ بھی فرمایا ہے:

ومن یقتل مومنا معتمداً فجزائہ جھنم خالدا فیھا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعدلہ عذاباً عظیما

''یعنی جو شخص کسی مومن کو عمداً قتل کرے اس کی جزاء جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا

اور خدا اس پر غضبناک رہے گا اور اس پر لعنت بھی کرتا رہے گا اور اس کے لیے عذاب عظیم بھی مہیا رکھے گا۔ (سورۂ نساء)

اور علامہ ابن حجر مکی نے لکھا ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے ارشاد فرمایا:

من اذانی فی عترتی فعلیه لعنة الله

''یعنی جو شخص مجھے میری عترت کے بارے میں اذیت پہنچائے اس پر خدا کی لعنت ہے۔ (صواعق محرقہ، ص۱۴۳)

اور پہلے تفصیل سے کہہ چکی ہوں کہ حضرت رسولِ خدا صلعم اور دوسرے بزرگان دین مستحق لعنت پر برابر لعنت کرتے رہے ہیں بلکہ جو لعنت کا مستحق ہو اس پر لعنت کرنا اس قدر مناسب ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے آخر وقت تک اس کو نہیں چھوڑا۔ جب حضرت نے اسامہ کی ماتحتی میں اپنے صحابہ کو بھیجا اور ان لوگوں نے جانے میں پہلوتہی کی تو حضرت نے غضبناک ہو کر فرمایا:

لعن الله من تخلف عن جیش اسامه

''یعنی جو شخص اسامہ کے لشکر میں نہ جائے اُس پر خدا کی لعنت ہے۔ (ملل ونحل شہر ستانی مطبوعہ مصر جلد ا ص۲۰)

❁❁❁❁❁

قاتلانِ حسینؑ کا عذاب

مولوی صاحب: علامہ ابن تیمیہ نے ان لوگوں کی بھی خبر لی ہے جو حضرت امام حسینؑ کے قاتلوں کا عجیب وغریب عذاب بیان کرتے ہیں۔

حسینی بیگم: علامہ صاحب نے کیا لکھا ہے، ذرہ مجھے بھی سنادو۔

مولوی صاحب: ممدوح نے تحریر فرمایا ہے کہ ''وہ حدیث جو قاتلانِ حسینؑ کے حق میں روایت کی جاتی ہے کہ رسول صلعم نے فرمایا: ''حسینؑ کا قاتل آگ کے تابوت میں ہوگا۔ اس اکیلے پر آدھی دوزخ کا عذاب کیا جائے گا''۔ تو یہ حدیث بالکل جھوٹی ہے۔ کہاں آدھی دوزخ اور کہاں ایک حقیر آدمی۔

فرعون اور دوسرے کفار ومنافقین قاتلینِ انبیاء اور قاتلین مومنین اولین کا عذاب قاتلینِ حسینؑ سے کہیں زیادہ سخت ہوگا، بلکہ حضرت عثمان کے قاتلوں کا گناہ بھی حسینؑ کے قاتلوں سے زیادہ ہے۔'' (منہاج السنۃ جلد۲ ص ۲۵۶)

حسینی بیگم: قلم اور کاغذ اُن کے اختیار میں تھا جو چاہتے لکھ دیتے۔ جس حدیث کو چاہیں جھوٹی کہہ دیں اور جس کو پسند کریں موضوع بنا دیں۔ میں تو ان کے بارے میں کچھ بول نہیں سکتی، مگر ہمارے علماء وائمہ دین نے جو فرمایا اس کو عرض کرسکتی ہوں۔ علامہ آمدی نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ کا علم تو اچھا مگر عقل کم تھی۔ اور علامہ صفوی نے لکھا ہے:

عقله ناقص يورطه في المهالك ويوقعه في المضايق

''یعنی ابن تیمیہ کی عقل ناقص تھی جو انھیں مہلکوں میں مبتلا کرتی اور پریشانیوں میں پھنساتی تھی۔''

علامہ ابن حجر نے ''درر کامنہ'' میں لکھا ہے کہ علامہ ابن تیمیہ نے احادیث موجودہ کو رد کر دیا اور موضوع کہا، بہت سی مستند و معتمد حدیثوں کو غلط بتایا۔ اور علامہ زرقانی نے شرح مواہب لدنیہ میں لکھا ہے کہ ابن تیمیہ نے ایک نیا مذہب ایجاد کیا۔ ان کی یہ حالت ہے کہ جب ان سے کسی بات کا جواب نہیں پڑتا تو کہہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث ہی جھوٹی یا موضوع ہے۔ علامہ ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامہ میں لکھا ہے کہ ابن تیمیہ کی عقل میں فتور ہے۔ ایک جمعہ کو انہوں نے وعظ میں بیان کیا کہ خدا عرش سے آسمانِ دنیا پر اس طرح اُترتا ہے جیسے ہم اُترتے ہیں یہ کہہ کر اوپر کے زینے سے اُتر کر دوسرے زینے پر چلے آئے۔ اسی طرح اُن کے بارے میں بہت سی باتیں لکھی ہیں۔ کوئی صاحب کہتے ہیں کہ وہ تو جسمیت خدا کے قائل تھے۔ کوئی صاحب فرماتے ہیں کہ وہ زندیق تھے، کسی کا خیال ہے کہ منافق تھے، اور مولانا عبدالحلیم صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ ابن تیمیہ اگرچہ حنبلی فرقہ سے تھے مگر خدا کی جہت اور جسمیت کے قائل ہوئے اور بہت سی بیہودہ سرائیاں کیں۔ انھیں بُرے عقائد کی وجہ سے بار بار وہ قید کیے گئے اور آخر کار قید ہی میں مرے۔ ان کی تحقیقات پر تم کب تک ناز کرو گے۔ معاف کرنا انہوں نے خدا ہی کو اپنے ایسا بنا دیا تو اور باتوں کو کیا کچھ نہ لکھا ہوگا۔

مولوی صاحب: خیر ان کے بارے میں جو لکھا ہو مگر انہوں نے قاتلانِ حسینؑ کے عذاب کے متعلق جو لکھا وہ صحیح ہے۔

حسینی بیگم: میری سمجھ میں تو نہیں آتا، کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ اگر خدا قاتلان حسینؑ پر سب سے زیادہ عذاب کرے تو خلاف عقل و نقل کس طرح ہو سکتا ہے۔ خدا نے حضرت رسول خداؐ صلعم سے فرمایا ہے: **لولاك لما خلقت الافلاك**

''اے رسولؐ اگر تم نہ ہوتے تو میں افلاک تک کو پیدا نہ کرتا''۔

اور آنحضرتؐ نے فرمایا: **حسینٌ منی انا من الحسینؑ** ''کہ حسینؑ مجھ سے ہیں اور میں حسینؑ سے ہوں''۔ (صواعق محرقہ ص ۱۱۴)

لہٰذا امام حسینؑ کا قتل بعینہ حضرت رسول خداؐ کا قتل ہے۔ تو جو عذاب آنحضرت صلعم کے

قاتل کو ہوتا وہی امام حسین کے قاتل کو ہوگا۔ دنیا ہی میں قاتلانِ امام حسین کے اس عذاب کو خدا نے دکھا دیا جو نہ فرعون کو ہوا نہ ہامان کو نہ قاتلان انبیاء و قاتلان حضرت عثمانؓ کو۔ آپ ہی زحمت کریں اگر کسی کافر یا ملحد یا قاتل انبیاء کو ایسا عذاب ہوا ہو تو مجھے بتا دو۔ علامہ عبداللہ شبراوی نے لکھا ہے:

''جو لوگ امام حسین کے قتل میں شریک تھے ان سے ایک شخص نے کہا کہ اہل عراق بھی کس قدر جھوٹے ہیں جو کہتے ہیں کہ امام حسین کے قتل میں جو بھی شریک ہوا اس پر کوئی عذاب ضرور نازل ہوا۔ خود میں آپ کے قتل میں شریک تھا مگر کوئی عذاب نہیں ہوا۔ یہ کہنے کے بعد وہ شخص چراغ درست کرنے کو اُٹھا تو اس کے بدن میں اس چراغ کی لو لگ گئی اور مشتعل ہوگئی۔ لوگوں نے اس کے بجھانے میں بڑی کوشش کی مگر بیکار رہی۔ وہ شخص اسی سے جل کر مر گیا اور دنیا میں بھی جلنے کا عذاب پالیا۔'' (کتاب الاتحاف مطبوعہ مصر ص ۲۴)

بتاؤ دنیا میں کسی اور کو ایسا عذاب ملا ہے؟ اور سنو علامہ ابوبکر بن شہاب الدین نے لکھا ہے:

''علامہ سبط ابن الجوزی نے واقدی سے بیان کیا ہے کہ کوفہ میں ایک نابینا شخص تھا جو قتل امام حسین میں شریک تھا۔ ہم نے اس سے نابینا ہونے کی وجہ پوچھی۔ اس نے کہا میں صرف لشکر یزید میں موجود تھا۔ اس کے سوا کوئی کام نہیں کیا۔ نہ کوئی تلوار ماری نہ نیزہ لگایا۔ پھر حضرت کے شہید ہو جانے کے بعد صحیح و سالم اپنے مکان پر آیا تو شب کو خواب میں دیکھا کہ ایک شخص نے کہا رسول خداصلعم کے پاس چل۔ میں حضرت کے پاس حاضر ہوا، اور سلام کیا تو حضرت نے فرمایا: اے دشمن خدا! او ملعون! تجھ پر کبھی سلامتی نہ ہو۔ اور نہ خدا تجھے خوش رکھے تو نے میرے حق کا کوئی خیال نہیں کیا اور میری ہتک حرمت کی؟ میں نے عرض کیا: یا حضرتؐ! میں لڑا تو نہیں تھا۔ فرمایا: ہاں لیکن تو نے لشکر یزید کی تعداد تو بڑھا دی تھی! ناگاہ حضرت کے داہنی طرف ایک طشت دکھائی دیا جس میں امام حسینؓ کا خون بھرا تھا۔ حضرت رسول خداصلعم نے ایک سلائی لے کر اور

گرم کر کے میری آنکھ میں پھیر دی، پھر جاگا تو اپنے کو اندھا پایا اور جب سے اسی حال میں ہوں۔" (رشفۃ الصادی ص ۱۶۳)

فرمایئے، قاتلین انبیاء اور قاتلین حضرت عثمان کے لیے بھی ایسا کوئی عذاب آپ بتا سکتے ہیں؟ ایک اور بوڑھا شخص لشکر یزید میں تھا اس نے بھی نہ کسی کو قتل کیا نہ اور کوئی کام کیا مگر صرف وہاں رہنے کی یہ سزا ملی کہ اندھا ہو گیا۔ لوگوں نے اس سے پوچھا کہ کیا ہوا۔ اس نے کہا، میں نے خواب میں حضرت رسول خداؐ کو دیکھا کہ مارے غصہ کے اپنی آستینیں اُلٹے ہوئے اور ہاتھ میں تلوار لیے ہوئے ہیں۔ حضرتؐ کے سامنے ایک چمڑے کا بچھونا پڑا ہے۔ اُس پر دس آدمی جنہوں نے امام حسینؑ کو شہید کیا تھا ذبح کیے ہوئے پڑے ہیں۔ پھر حضرتؐ نے مجھ پر لعنت کی۔ مجھے برا کہا اور ایک سلائی جس میں امام حسینؑ کا خون لگا تھا میری آنکھوں پر پھیر دی۔ صبح کو میں اُٹھا تو بالکل اندھا تھا۔ جب سے اسی طرح اندھا ہوں۔ (اسعاف الراغبین ص ۱۴۵)

ہمارے بہت بڑے عالم زہری علیہ الرحمہ فرماتے تھے: کہ لوگ امام حسینؑ سے لڑنے گئے تھے۔ اُن سے ہر شخص نے قیامت کے پہلے دنیا میں بھی اپنی سزا ضرور پائی۔ بغیر سزا کوئی نہیں بچا۔ یا تو وہ بُری طرح قتل کیا گیا، یا اس کے منہ میں ایسی سیاہی لگا دی گئی کہ وہ ہمیشہ کے لیے روسیاہ ہو گیا۔ یا اس کا بدن اور کسی طرح خراب ہو گیا یا اس کی بادشاہت تھوڑے دنوں میں مٹ گئی۔ ایک شخص نے حضرتؑ کے سر مبارک کو گھوڑے کی گردن میں لٹکا دیا تھا۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ اس کا چہرہ کوئلہ سے بھی زیادہ سیاہ ہو گیا تھا۔ لوگوں کو اس سے بڑا تعجب ہوا۔ اس سے پوچھا کہ تم عرب میں بڑے گورے اور چمکتے چہرے والے تھے۔ اب سیاہ آبنوس کیسے ہو گئے۔

اس نے کہا: جب سے میں نے امام حسینؑ کے سر کو اپنے گھوڑے کی گردن میں لٹکایا کوئی رات ایسی نہیں ہوتی جس میں دو فرشتے خواب میں آ کر میرے دونوں بازو پکڑتے اور آگ میں لے جا کر نہ ڈال دیتے ہوں جو خوب بھڑکتی رہتی ہے۔ میں اس سے بھاگتا ہوں مگر وہ میرا چہرہ سیاہ ہی کرتی جاتی ہے۔ اسی حال میں وہ شخص بُری موت مرا۔ (اسعاف الراغبین ص ۱۴۶)

رہا "قاتل امام حسینؑ پر آدھی دنیا کا عذاب ہوتا" تو علامہ سید علی ہمدانی نے بھی لکھا ہے:

''حضرت رسول خداؐ نے فرمایا:

''کہ قاتل حسینؑ آگ کے تابوت میں ہوگا اس پر آدھی دوزخ کا عذاب کیا جائے گا۔ اس کے ہاتھ پاؤں آگ کی زنجیروں سے جکڑے جائیں گے اور اس میں اتنی سخت بدبو ہوگی کہ دوزخی تک خدا سے پناہ مانگیں گے۔ وہ ہمیشہ دوزخ میں پڑا جلتا رہے گا اور کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا''۔ (کتاب مودۃ القربی ص ۱۴۱ مطبوعہ بمبئی)

علامہ صبان نے بھی لکھا ہے:

عن المصطفی انه قال قاتل الحسینؑ فی تابوت من نار علیه نصف عذاب اهل الدنیا

''یعنی حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا کہ حسینؑ کا قاتل آگ کے ایک تابوت میں رکھا جائے گا اس اکیلے پر آدھی دنیا والوں کا عذاب ہوگا''۔ (اسعاف الراغبین برحاشیہ مشارق الانوار مطبوعہ مصر، ص ۱۴۳)

اور خدا نے دنیا میں ایسا عذاب دکھا کر لوگوں کو سمجھا بھی دیا ہے کہ یہ کل حدیثیں ضرور صحیح ہیں۔ چنانچہ ترمذی شریف میں جو صحاح ستہ میں داخل ہے یہ واقعہ مرقوم ہے کہ جب ابن زیاد کا سر رحبہ کی مسجد میں لاکر رکھا گیا تو لوگ چیخے کہ آ گیا۔ آ گیا۔ ناگاہ ایک سانپ آیا ابن زیاد کی ناک میں گھسا اور پھر نکل گیا۔ اسی طرح کئی مرتبہ آیا، گھسا اور نکل گیا۔'' (جامع ترمذی مطبوعہ لکھنو، ص ۲۶۷ وغیرہ)

آپ خود ہی غور فرمائیں دنیا میں کسی اور شخص کی یہ ذلت خدا کی طرف سے کی گئی کہ اس کے مرنے کے بعد سانپ آکر اس کے نتھنوں کے دراز سے اس کے جسم میں گھستا اور نکلتا رہے۔ پھر قاتل امام حسینؑ پر تمام دنیا کا آدھا عذاب ہونے میں کیا عذر ہو سکتا ہے۔ جب خدا نے حضرت امام حسینؑ کے بدلے ایک لاکھ چالیس ہزار آدمیوں کے قتل کا وعدہ کیا تھا۔ (سر الشہادتین ص ۹۱ و کنز العمال جلد ۶ ص ۲۲ وغیرہ) تو پھر آخرت میں حضرتؑ کے قاتل کو تمام دنیا کا نصف عذاب دے تو کیوں حیرت ہوگی۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

وہ قدرتی آثار جو واقعۂ کربلا کے بعد ظاہر ہوئے

حسینی بیگم: بلکہ خدا کا غضب ان واقعات سے بھی ثابت ہے جو واقعہ کربلا کے بعد ظاہر ہوئے۔

مولوی صاحب: وہ کیا ہیں؟

حسینی بیگم: لو اور سنو۔ آپ تو سب باتیں جان کر بھی انجان بنتے رہتے ہیں۔ کیا آپ نے بھی کتابوں میں اُن واقعات کو نہیں پڑھا۔ جیسے علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے کہ واقعہ شہادت کربلا کے بعد دو تین مہینے تک طلوع آفتاب کے وقت سے کچھ دن چڑھے تک لوگوں کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا مکانوں کی دیواریں خون آلود ہو رہی ہیں۔ (تاریخ کامل جلد ۴ ص ۳۷)

اور حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلویؒ نے لکھا ہے:

لما قتل الحسين مطرت السماء دما فاصبحنا وحيابنا وجرادنا وكل شيء لنا ملان دما

''یعنی جب امام حسینؑ قتل ہوئے تو خدا نے آسمان سے خون برسایا اور لوگ صبح کو اُٹھے تو دیکھا کہ اُن کے مٹکوں اور برتنوں میں خون بھرا تھا۔''

يوم قتل الحسين لم يقلب حجر من احجار من بيت المقدس الا وجه تحته دم عبيط

''یعنی جب امام حسینؑ قتل کیے گئے تو بیت المقدس میں یہ حالت ہوئی کہ جو پتھر اُٹھایا جاتا اس کے نیچے سے تازہ خون جوش مارتا ہوا نکلتا تھا۔''

يوم قتل الحسين اظلمت الدنيا ثلاثاً ولم يمس منا احد من زعفرانهم شيئا يجعله على وجهه الا احترق

''یعنی جس روز امام حسینؓ شہید ہوئے اُس روز سے تین روز تک دنیا بالکل تاریک رہی اور جو شخص اپنے چہرے پر زعفران ملتا تھا اس کا چہرہ جل جاتا تھا۔

علی ابن مسھر قال حدثنی جدتی قالت کنت ایام قتل الحسین جاریة شبابة فکانت السماء ایاماتبکی له۔

''علی بن مسہر کی دادی کہتی تھیں کہ جب امام حسینؓ شہید ہوئے تو میں جوان لڑکی تھی کئی روز تک حضرتؓ پر آسمان روتا رہا۔''

اصابوا ابلا فی عسکر الحسینؑ یوم قتله فنحروها فصارت مثل العلقم فما استطاعوا ان یسیغوا منها شیئا

''یعنی جس روز امام حسینؓ شہید ہوئے لوگوں نے ایک اونٹ پکڑ کر ذبح کیا تو اس کا گوشت حنظل ایسا کڑوا ہو گیا کوئی شخص اس کو نہ کھا سکا۔ (سرالشہادتین در تحریر الشہادتین،ص ۹۵)

اور علامہ ابن حجر نے لکھا ہے: حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے روز جو عجائب وغرائب ظاہر ہوئے ان میں یہ ہے کہ آفتاب میں گہن لگ گیا اور دنیا اس قدر اندھیری ہو گئی کہ دن کو ستارے نظر آنے لگے اور جو پتھر اُٹھایا جاتا اس کے نیچے سے تازہ خون اُبلتا تھا۔ دشمنوں کے لشکر میں جو ماش کی دال تھی وہ راکھ ہو گئی۔ آسمان سُرخ ہو گیا۔ لوگ خیال کرنے لگے کہ اب قیامت آ گئی۔ اور عثمان بن ابی شیبہ بیان کرتے تھے کہ امام حسینؓ کی شہادت کے بعد سات روز تک آسمان کی یہ حالت رہی کہ دیواروں پر معلوم ہوتا تھا کہ سرخ چادریں پھیلا دی گئی ہیں۔ اور برابر ستارے ٹوٹتے رہے۔

اور علامہ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ دنیا تین روز تک اندھیری پڑی رہی پھر آسمان میں سرخی نمودار ہوئی اور آسمان سے خون برستا رہا جس کا اثر کپڑوں پر ایسا گہرا ہوا کہ کسی طرح نہیں چھوٹا یہاں تک کہ کپڑے پھٹ پھٹ گئے مگر وہ رنگ نہیں گیا۔ اور جب امام حسینؓ کا سر دربار ابن زیاد میں لایا گیا تو وہاں کی دیواروں سے خون بہنے لگا

اور ثعلبی بیان کرتے تھے کہ شہادت امام حسینؑ پر آسمان روتا رہا اور اس کا رونا وہ سرخی ہے جو اُس پر شام کو ظاہر ہوتی ہے۔ دوسرے علماء نے لکھا ہے کہ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد آسمان کے کنارے چھ مہینہ تک سرخ رہے اس کے بعد یہ سرخی آسمان پر مستقل ہوگئی جو شام کو دکھائی دیتی ہے

اور ابن سیرین کہتے تھے کہ شام کو آسمان پر جو سرخی دکھائی دیتی ہے یہ شہادت امام حسینؑ سے پہلے نہیں تھی اور علامہ ابن سعد نے بھی یہی لکھا ہے کہ آسمان کی سرخی (جو شام کو ہوتی ہے) شہادت امام حسینؑ سے پہلے نہیں تھی۔

علامہ ابن جوزی کہتے تھے کہ اس سرخی کی حکمت یہ ہے کہ ہم لوگوں کو غصہ ہوتا ہے تو ہمارا چہرہ سرخ ہو جاتا ہے مگر خدا کے تو چہرہ ہی نہیں ہے اس وجہ سے اس نے اپنے غصہ کو جو اس کو امام حسینؑ کے قتل سے ہوا اس طرح ظاہر کیا کہ آسمان کے کناروں کو سرخ کر دیا تا کہ دنیا والوں کو معلوم ہو جائے کہ واقعہ کربلا کس قدر عظیم الشان حادثہ گزرا ہے۔ اور علامہ بیہقی نے لکھا ہے کہ جس روز حضرت علیؑ شہید کیے گئے اس روز بیت المقدس میں جو پتھر اُٹھایا جاتا اس کے نیچے سے تازہ خون ابلتا تھا اور جس روز امام حسینؑ شہید ہوئے اُس روز بھی یہی حال رہا۔ ایک دفعہ کچھ لوگ ذکر کرتے تھے کہ جو شخص امام حسینؑ سے لڑنے گیا وہ کسی نہ کسی عذاب میں ضرور پڑا۔ ایک بڈھے نے کہا میں بھی تو گیا مگر کچھ نہیں ہوا۔ پھر وہ چراغ جلانے اُٹھا تو اس کو آگ لگ گئی وہ چیخنے لگا۔ آگ، آگ مگر کسی طرح نہیں بجھی پھر تو وہ فرات میں ڈوب گیا اس میں بھی وہ جلتا ہی مرگیا۔ اور کتنے ایسے تھے کہ پیاس کے عذاب میں مبتلا ہوئے۔ پانی پیتے جاتے تھے مگر کسی طرح سیر نہیں ہوتے تھے۔ (صواعق محرقہ، ص۱۱۶)

میں کہاں تک بیان کروں۔ ایسے ہزاروں واقعات ہیں۔ جن سب کے بیان کرنے کو ایک مدت دراز چاہیے۔

تیسواں باب

کیا امام حسنؑ نے معاویہ کی بیعت کی تھی؟
امام حسینؑ نے بھی یزید کی بیعت کیوں نہیں کی؟
حضرتؑ نے تقیہ کیوں نہیں کیا؟
لوگوں نے حضرت کو سمجھایا
اور
عراق جانے سے منع کیا تو آپ کیوں نہیں مانے؟

مولوی صاحب: البتہ ان سبھوں کا جرم ہی اتنا بڑا تھا کہ ان کو دنیا میں بھی جو سزا ملی وہ کم ہی تھی مگر جس طرح حضرت حسنؑ نے حضرت معاویہ کی بیعت کر لی تھی حضرت حسینؑ بھی یزید کی بیعت کر لیتے تو نہ خود وہ شہید ہوتے نہ اسلام میں اتنا بڑا حادثہ پیش آتا۔

حسینی بیگم: حضرت امام حسنؑ نے بھی تو معاویہ کی بیعت نہیں کی تھی۔ بلکہ صرف صلح کی تھی۔ تاریخ ابوالفدا جلد ا،ص ۱۸۲۔ تاریخ الخلفاء ص ۱۳۰۔ تاریخ کامل، جلد ۳، ص ۱۶۔ تاریخ طبری، جلد ۶، ص ۹۲ وغیرہ میں صلح کا ذکر ہے مگر بیعت کا کسی نے نام بھی نہیں لیا۔

مولوی صاحب: تاریخوں میں نہیں ہونے سے کیا ہوتا ہے۔ حدیث کی کتابوں میں ہوگا کہ حضرت حسنؑ نے معاویہ کی بیعت کی تھی

حسینی بیگم: حدیث کی کتابوں میں صحیح بخاری شریف سے بہتر کوئی کتاب نہیں ہے۔ اس کے (پارہ ۲۰، کتاب الصلح، مطبوعہ دہلی، ص ۵۸۱) میں صلح امام حسنؑ کی پوری تفصیل درج ہے۔ اس

میں تو کہیں بیعت کا ذکر نہیں ہے۔ جناب مرزا حیرت صاحب دہلوی نے صحیح بخاری شریف کا اُردو ترجمہ بھی چھپوادیا ہے۔ اس سے اس کا ترجمہ پڑھتی ہوں:

''حسن بصری کہتے ہیں کہ خدا کی قسم حسنؑ بن علیؑ معاویہ کے مقابلہ پر پہاڑوں کے مثل لشکر لے گئے تھے تو حضرت عمرو بن عاص نے حضرت معاویہ سے کہا میں حسنؑ بن علیؑ کے ہمراہ ایسے جنگی لشکر دیکھ رہا ہوں کہ وہ جب تک اپنے حریفوں کو قتل نہ کریں پیٹھ نہ پھیریں گے تو اُن سے حضرت معاویہ نے کہا اور خدا کی قسم وہ ان دونوں یعنی معاویہ اور عمرو بن عاص میں اچھے تھے کہ اے عمرو! اگر اُن لوگوں نے اِن لوگوں کو قتل کرڈالا اور ان لوگوں نے اُن لوگوں کو قتل کرڈالا تو پھر میرے پاس رعایا کا انتظام کرنے کا کون رہ جائے گا، اُن کی عورتوں کے انتظام کے لیے میرے پاس کون ہوگا، اُن کے مال کا انتظام کرنے کے لیے میرے پاس کون ہوگا۔

پھر حضرت معاویہ نے حضرت امام حسنؑ کے پاس دو قریشی مرد قبیلہ بنی عبد شمس کے یعنی عبدالرحمٰن بن سمرہ کو اور عبداللہ بن عامر کو بھیجا اُن سے کہا کہ اس شخص یعنی حضرت امام حسنؑ کے پاس جاؤ اور اس پر صلح کی بات چیت پیش کرو اور اُسے خوب اچھی طرح کہنا اور اُس کو صلح کی طرف بلانا۔

چنانچہ وہ دونوں حضرت امام حسنؑ کے پاس گئے اور اُن کے سامنے پہنچے اور دونوں نے ان سے گفتگو کی اور اُن سے کہا اور صلح کی طرف اُنھیں بلایا تو اُن سے حسنؑ بن علیؑ نے کہا کہ ہم عبدالمطلب کی اولاد ہیں، ہم نے بہت کچھ مال جنگ کی تیاری میں خرچ کیا ہے اور یہ لوگ اپنے خونوں میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ اب ہم اگر خلافت سے دست بردار ہو جائیں تو ان لوگوں کی عافیت میں خلل پڑ جائے گا۔ ان دونوں نے کہا کہ معاویہ تو آپ سے صلح چاہتے ہیں اور یہی آپ سے درخواست اور خواہش کرتے ہیں۔ حضرت امام حسنؑ نے کہا کہ پھر اس بات کا ذمہ دار کون ہوگا کہ ان لوگوں کی عافیت اور معاش کا انتظام عمدہ طور پر رہے۔ ان دونوں نے کہا کہ ہم آپ کے سامنے اس کے ذمہ دار ہیں۔ پس جو بات اُن سے حضرت امام حسنؑ نے کہی اُنہوں نے یہی جواب دیا کہ ہم اس کے ذمہ دار ہیں۔ لہٰذا حضرت امام حسنؑ نے حضرت معاویہ سے صلح کرلی۔ (ترجمہ صحیح بخاری از مرزا حیرت دہلوی جلد ا ص ۳۷۶)

اس پوری عبارت میں کہیں بھی بیعت کا ذکر ہے؟ بلکہ خود معاویہ نے دو آدمی بھیجے۔ درخواست کی خوشامد کی اور حضرت سے صلح کی حضرت امام حسنؑ حضرت رحمۃ للعالمین کے نواسے تھے اُن مسلمانوں پر بھی آپ کو رحم آ گیا اور صلح منظور کر لی۔ (بخاری شریف کی جلد ۳ ص ۲۴۲، ۳۱۶، ۳۴۸، ۳۹۴، ۳۹۷ اور جلد ۶ کے ص ۵۵ (۴۸۸، ۵۳۶ اور جلد ۷ ص ۵۵۱ وغیرہ میں بھی حضرت امام حسنؑ کا ذکر ہے مگر کہیں بیعت کا نام تک نہیں۔

مولوی صاحب: مگر صلح تو کر لی تھی۔ اس کی کیا ضرورت تھی معاویہ سے جنگ ہی کر لی ہوتی۔ **حسینی بیگم:** ہاں صلح کی وجہ یہ کہ حضرت رسولِ خدا صلعم نے پیشین گوئی کر دی تھی کہ میرا یہ بیٹا مسلمانوں کے دو بڑے گروہ میں صلح کرا دے گا۔ امام بخاری صاحب ہی نے لکھا ہے۔ ''حسن بصری کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکرہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول خداؐ کو منبر پر دیکھا اور حسنؑ بن علیؑ آپ کے پہلو میں تھے آپ کبھی لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے تھے اور کبھی ان کی طرف متوجہ ہوتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ میرا بیٹا سید ہے اور امید ہے کہ اللہ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے درمیان صلح کرا دے۔ (ترجمہ صحیح بخاری جلد ۱، ص ۳۷۶)

غرض حضرت امام حسنؑ اس کو کسی طرح پسند نہیں کر سکتے تھے کہ حضرت رسولِ خداؐ کے ارشاد کے خلاف کریں اور جب حضرتؑ سے صلح کی درخواست پیش کی جائے تو اس سے انکار کر دیں۔

مولوی صاحب: پھر حضرت حسینؑ نے بھی یزید سے صلح کیوں نہیں کر لی۔

حسینی بیگم: اس کی وجہ بھی کچھ پوچھنے کی ضرورت ہے؟ پہلے یہ کہ حضرتؑ سے صلح کی درخواست ہی نہیں کی گئی۔ حضرت تو مدینہ میں اپنے گھر کے اندر بیٹھے تھے وہاں آپؑ پر بیعت کے لیے دباؤ دیا گیا۔ دوسرے یہ کہ آپؑ کے بارے میں حضرت رسولِ خداؐ کی ایسی پیسین گوئی نہیں تھی جس کے مطابق حضرتؑ سے صلح کی درخواست کی بھی جاتی تو آپؑ اسے منظور کرنے کے پابند ہوتے۔ بلکہ جس طرح حضرت رسولِ خداؐ مکہ معظمہ میں کفار سے صلح و امن کے ساتھ نباہنے کے پابند تھے۔ اسی طرح آپ کے بڑے نواسے حضرت امام حسنؑ معاویہ والوں کے ساتھ صلح کرنے کے پابند تھے اور جس طرح وہی حضرت رسولِ خداؐ مدینہ میں آنے کے بعد انہیں مکہ

والوں سے جنگ کرنے کے لیے مامور ہوئے اسی طرح آپ کے چھوٹے نواسے یزید کی حکومت میں انہیں معاویہ والوں سے جنگ کرنے کے لیے مجبور ہوئے مختصر یہ کہ امام حسنؑ اور امام حسینؑ حضرت رسولِ خداصلعم کی دونوں (مکہ اور مدینہ) کی زندگی کے آئینہ تھے۔ جو وجہ اس کی قرار دی جاسکتی ہے کہ آنحضرتؐ نے مکہ میں کفار مکہ سے جنگ کیوں نہیں کی اور کیوں صلح وامن سے رہے وہی وجہ امام حسنؑ سے صلح کرنے کی قرار پائے گی اور جو وجہ اس کی قرار دی جا سکتی ہے کہ آنحضرتؐ نے مدینہ میں آ کر کفار مکہ سے کیوں جہاد کیا وہی وجہ امام حسینؑ کے یزید سے جہاد کرنے کی قرار پائے گی۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

مولوی صاحب: تو حضرت رسولِ خداؐ نے مکہ میں کیوں صلح وامن سے بسر کیا اور مدینہ میں کیوں جہاد کیا۔

حسینی بیگم: اتمام حجت کے لیے کہ پہلے ان لوگوں کو صلح کا موقع دیا گیا کہ شاید اس طرح ہدایت پر آ جائیں۔ جب اس تدبیر سے بھی لوگوں نے اپنی بے دینی نہیں چھوڑی اور ظلم کرتے رہے تو مجبوراً مدینہ میں آ کر حضرتؐ نے ان کے حملوں کا مقابلہ کیا۔ بالکل اسی طرح امام حسنؑ نے بھی اتمام حجت کے لیے معاویہ والوں سے صلح کی کہ شاید اس طرح یہ لوگ ہدایت پر آ جائیں اور دنیا میں فساد کو موقوف کریں۔ جب اس تدبیر سے بھی ان لوگوں نے اپنی بے دینی نہیں چھوڑی اور اسلام کو مٹاتے ہی رہے تو حضرت امام حسینؑ نے یزید والوں کے حملوں کا مقابلہ کر کے اُن سے جہاد کیا۔ مختصر یہ کہ حضرت رسولِ خداؐ نے خود جو کام پہلے صلح پھر جہاد کیا انھیں دونوں کاموں کو امام حسنؑ وامام حسینؑ نے مل کر کیا کہ پہلے نواسے نے صلح کی اور دوسرے نے جہاد۔ جس طرح سابق انبیاء کے زمانہ میں بھی ہوتا رہا کہ پہلے خدا کفار کو سمجھاتا اور فہمائش کرتا رہا جب وہ کسی طرح نہیں مانتے تھے تو اُن پر عذاب نازل کر دیتا تھا۔ خدا کا یہی اصول برابر رہا۔ حدیث میں یہ بھی ہے:

کان الحسن اشبه الناس به رسول الله ما بين الصدر الى الرأس۔
والحسين اشبه الناس بالنبیؐ ما كان اسفل من ذالك

''یعنی امام حسنؑ حضرت رسولِ خداؐ کے سر سے سینہ تک اور امام حسینؑ حضرتؐ کے سینہ

سے پاؤں تک بے حد مشابہ تھے۔ (استعاب، جلد ا ص ۴۴۳)

اس کی وجہ بھی شاید یہی ہو کہ امام حسنؑ سے وہ کام (صلح) ظاہر ہونے والا تھا جو (صلح) حضرت رسول خداؐ کی ابتدائی زندگی میں ہوا اور حضرت امام حسینؑ سے وہ کام (جہاد) ظاہر ہونے والا تھا جو (جہاد) حضرت رسولِ خداؐ کی آخری زندگی میں ہوا۔

مولوی صاحب: واہ یہ نکتہ تم نے بہت ہی قابل قدر پیدا کیا۔ پھڑکا دیا۔ البتہ ہوسکتا ہے کہ اسی مناسبت سے امام حسنؑ آنحضرتؐ کے سر سے سینہ تک اور امام حسینؑ حضرتؐ کے سینہ سے نیچے تک مشابہ ہوئے۔ یعنی حضرتؐ کی (مکہ کی) زندگی حضرت کے سر سے سینہ تک قرار دی گئی اور آخری (مدینہ کی) زندگی سینہ سے پاؤں تک قرار دی گئی۔ مگر پھر بھی امام حسینؑ سے یہ الزام تو نہیں اُٹھ سکتا کہ آپ کو آپ کے خاص اعزہ جناب محمد بن حنفیہ و حضرت عبداللہ بن عباس وغیرہ سمجھاتے رہے کہ عراق نہ جائیے مگر حضرت اپنی ضد سے باز نہیں آئے اور عراق جا کر ہی رہے جس سے قتل کیے گئے۔

حسینی بیگم: ضد تو اُس وقت کہی جاتی جب حضرت صرف اپنے دل سے یزید کی مخالفت پر آمادہ ہوتے اور ان اعزہ واحباب کے مشورے کو ٹھکرا دیتے۔ لیکن جب حضرت کو ایسی طاقت کا حکم ہو جس کی مخالفت کسی کو جائز نہیں ہے تو حضرت کیونکر اس حکم کی تعمیل نہیں کرتے۔

مولوی صاحب: وہ کون طاقت تھی جس نے حضرت حسینؑ کو حکم دیا تھا کہ یزید سے صلح نہ کریں۔ اس کے مطیع نہ ہوں اور اس کی بیعت نہ کرلیں۔

حسینی بیگم: خود حضرت رسولِ خداؐ کا حکم تھا۔

مولوی صاحب: واہ تم بھی کیا باتیں بناتی ہو جن کا نہ سر نہ پاؤں۔

حسینی بیگم: آپ قرآن وحدیث سب کو چھوڑ دیں تو کیا علاج ہے۔ جس طرح حضرت رسولِ خداؐ نے حضرت امام حسنؑ کے بارے میں پیشین گوئی کی تھی کہ خدا ان کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرا دے گا اسی طرح حضرت امام حسینؑ کے بارے میں پیشین گوئی فرمادی تھی کہ یہ مظلوم قتل کیے جائیں گے اور شہادت کے درجہ پر پہنچیں گے حضرت امام حسینؑ ان ارشادات نبوی سے واقف تھے۔ پھر کیونکر اعزہ کی بات مان کر حضرت کی پیشین گوئی کو جھوٹی ہونے

دیتے میں پہلے بہت سی حدیثوں کو بیان کر چکی ہوں ان کو غور کر لو (ملاحظہ ہو اس کتاب شیعت کی جیت کا باب ۱۲،۱۵) حضرتؑ سے تو ممکن ہی نہیں تھا کہ ان پیشین گوئیوں کو جھوٹی ہونے دیں۔ کیونکہ حضرت رسولِ خداؐ نے حضرت امام حسینؑ کی شہادت کو اسلام کے لیے اس قدر ضروری سمجھا تھا کہ اپنے صحابہ کرام کو بھی امام حسینؑ کے ساتھ عراق جا کر شہادت کا درجہ حاصل کرنے کی تاکید کی تھی چنانچہ جناب مولانا شیخ عبدالحق صاحب دہلوی نے لکھا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا تھا:

ان ابنی هذا یعنی الحسین یقتل بارض من ارض العراق یقال لها کربلا فمن شهد ذلك منکم فلینصروه

''یعنی میرا فرزند حسینؑ عراق کی زمین کربلا میں شہید کیا جائے گا۔ تم میں سے اس وقت جو لوگ موجود ہوں انہیں چاہیے کہ حسینؑ کی مدد کو ضرور جائیں۔''

(ما ثبت من السنۃ، ص ۱۱)

پھر حضرت امام حسینؑ اس موقع کو کیوں چھوڑ دیتے جس کے لیے آنحضرتؐ نے اس قدر اہتمام فرمایا تھا۔ اسی وجہ سے حضرت امام حسینؑ اس سے نہایت خوش ہوتے تھے کہ آنحضرتؐ کی کل باتیں درست اور صحیح ثابت ہو رہی ہیں۔ یہاں تک کہ جب حضرت ذبح ہو رہے تھے اس وقت بھی اس پر خوشی ظاہر فرمائی کہ حضرت رسولِ خداؐ کے قول کی تصدیق ہو گئی۔ چنانچہ

عن محمد بن عمر بن حسین قال کنا مع الحسین بنهر کربلاء فنظر الی شمر ذی الجوشن۔ فقال صدق الله ورسوله۔ قال رسول الله کانی انظر الی کلب ابقع یلغ فی دماء اهلبیتی و کان شمر ابرص

''یعنی محمد بن عمر بن حسین کہتے ہیں کہ ہم لوگ کربلا میں امام حسینؑ کے ساتھ تھے۔ آپ نے شمر ذی الجوشن کی طرف دیکھ کر فرمایا سچ فرمایا تھا اللہ اور اس کے رسولؐ نے حضرت رسول خداؐ نے فرما دیا تھا کہ میں ایک ابقع (جس کے جسم میں جابجا سفید داغ ہوں) کتے کو دیکھتا ہوں کہ وہ میرے اہلِ بیت کے خون میں منہ ڈالتا اور ان کا لہو چاٹتا

ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ شمر ابرص تھا اس کے جسم میں جا بجا سفید داغ تھے۔ پس بیشک حضرت رسولِ خداؐ کا یہ قول بہت صحیح ہوا۔ (کنزل العمال جلد ۷، ص ۱۱۱ وغیرہ)

مولوی صاحب: خیر حضرت امام حسینؑ یزید کی بیعت نہیں کرتے مگر مکہ شریف ہی میں بیٹھے رہتے جیسا حضرت ابن عباس وغیرہ ان سے اصرار کرتے تھے۔ غرض عراق نہ جاتے جس کی وجہ سے آپ شہید کیے گئے۔

حسینی بیگم: تاریخوں کو پڑھو جس سے خود معلوم ہو جائے گا کہ جس وقت حضرت امام حسینؑ روانہ ہونے لگے اور اغرہ نے آپ کو روکا تب بھی حضرت کو جناب رسولِ خداؐ نے یہی حکم دیا کہ عراق کی طرف ضرور جاؤ تا کہ تمہاری شہادت سے دین اسلام کی حفاظت کا سامان ہو جائے۔ چنانچہ علامہ ابن اثیر جزری ایسے مشہور مورخ نے لکھا ہے جب معاویہ کی وفات ہوئی تب بھی حضرت حسینؑ نے (یزید کی) بیعت نہیں کی اور مدینہ سے مکہ چلے گئے۔ مکہ ہی میں اہل کوفہ کے خطوط ان کے پاس پہنچے لہٰذا انہوں نے سفر کا سامان تیار کر لیا۔ بہت لوگوں نے انھیں منع کیا ان منع کرنے والوں میں ان کے بھائی محمد بن حنفیہ اور ابن عمر اور ابن عباس وغیرہ تھے مگر جب حسینؑ نے فرمایا کہ میں نے رسولِ خداؐ کو خواب میں دیکھا ہے۔ آپ نے مجھے جس بات کا حکم دیا ہے اس کو میں ضرور کروں گا۔ چنانچہ وہ عراق چلے گئے۔'' (ترجمہ اسد الغابہ، جلد ۳، ص ۲۷)

یہ مضمون بہت سی کتابوں میں ہے۔ چنانچہ تاریخ طبری و کامل میں اس طرح ہے:

قال انی رایت رویا رایت فیها رسول الله وامرت فیها بامر انا ماض له علی کان اولی فقال ما تلک الرؤیا۔ قال ما حدیث بها احداً وما انا محدث بها احداحتی القی ربی

''یعنی حضرت نے ان لوگوں کی نصیحت نہ قبول کرنے کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ میں نے حضرت رسولؐ خدا کو خواب میں دیکھا جس میں آپ نے مجھے اس بات کا حکم دیا ہے جس کو میں ترک نہیں کر سکتا۔ خواہ اس سے میرا نقصان ہو یا نفع۔ لوگوں نے پوچھا وہ خواب کیا ہے۔ آپ نے فرمایا میں نے اب تک یہ خواب کسی سے بیان نہیں کیا اور نہ

آئندہ بیان کروں گا یہاں تک کہ اپنے پروردگار کی خدمت میں پہنچ جاؤں۔''
(طبری جلد ۶، ص ۲۱۹، کامل جلد ۴، ص ۱۷)

آخری جملہ حتی القی ربی سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرتؑ نے خواب میں یہی دیکھا کہ اے حسین! دین اسلام مٹ رہا ہے اور وہ بغیر تمہارے شہید ہوئے بچ نہیں سکتا۔ تم یزید کی اطاعت نہ کرنا ورنہ ہماری سب ریاضت مٹی میں مل جائے گی۔ بلکہ عراق جاؤ اور لوگ تمہیں قتل کریں تو اس کو قبول کر کے اپنے پروردگار کی خدمت میں پہنچ جاؤ۔

مولوی صاحب: مگر خواب کی باتوں پر حضرت کو توجہ نہیں کرنا چاہیے تھی۔

حسینی بیگم: معاذ اللہ یہ کیا کہتے ہو۔ حضرت رسول خداؐ کو خواب میں دیکھنا ویسا ہی ہے جیسا جاگنے میں اور کسی شخص کو حضرتؐ خواب میں کوئی حکم دیں تو اس کی تعمیل ویسی ہی ضروری ہے جیسی حضرتؐ کے اس حکم کو جاگنے میں دیں۔ چنانچہ حضرتؐ نے خود فرمایا ہے:

من رانی فی المنام فقد رانی فان الشیطان لا یتمثل صورتی
''یعنی جو شخص مجھے خواب میں دیکھے گا وہ درحقیقت مجھ ہی کو دیکھے گا اس سبب سے کہ شیطان میری صورت نہیں اختیار کر سکتا۔'' (صحیح بخاری، پارہ ۲، ص ۶۱۳ مطبوعہ دہلی)

اس کے متعلق میں اس سے پہلے بھی بحث کر چکی ہوں۔ (ملاحظہ ہو اسی کتاب شعیت کی جیت کا باب ۲۰)

مولوی صاحب: ہاں سچ ہے اس مضمون کی حدیثیں بہت کثرت سے ہیں۔ واقعاً جو شخص حضرتؐ کو خواب میں دیکھے اور اس کو حضرتؐ کوئی حکم دیں تو اس کی تعمیل واجب ہے۔

حسینی بیگم: حضرت امام حسینؑ کو حضرت رسولِ خداؐ کی اس حدیث کی بھی خبر تھی کہ مکہ معظمہ میں ایک شخص قتل و خونریزی کا بازار گرم کر کے خانہ کعبہ کی حرمت زائل کرے گا۔ اس سبب سے حضرتؑ نے اپنے نانا کی اس حدیث کو سچ جان کر مکہ معظمہ چھوڑ دیا تاکہ آپ کی شہادت مکہ شریف میں نہ واقع ہو اور آپ اس حدیث کے مصداق نہ بنیں۔ چنانچہ حضرتؑ کے اعزہ و احباب نے مکہ معظمہ چھوڑنے سے آپ کو منع کیا ہے تو حضرتؑ نے فرمایا۔

ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ شمر ابرص تھا اس کے جسم میں جا بجا سفید داغ تھے۔ پس بیشک حضرت رسولِ خداؐ کا یہ قول بہت صحیح ہوا۔ (کنزل العمال جلد ۷، ص ۱۱۰ وغیرہ)

مولوی صاحب: خیر حضرت امام حسینؑ یزید کی بیعت نہیں کرتے مگر مکہ شریف ہی میں بیٹھے رہتے جیسا حضرت ابن عباس وغیرہ ان سے اصرار کرتے تھے۔ غرض عراق نہ جاتے جس کی وجہ سے آپ شہید کیے گئے۔

حسینی بیگم: تاریخوں کو پڑھو جس سے خود معلوم ہو جائے گا کہ جس وقت حضرت امام حسینؑ روانہ ہونے لگے اور اغرہ نے آپ کو روکا تب بھی حضرت کو جناب رسولِ خداؐ نے یہی حکم دیا کہ عراق کی طرف ضرور جاؤ تاکہ تمہاری شہادت سے دین اسلام کی حفاظت کا سامان ہو جائے۔ چنانچہ علامہ ابن اثیر جزری ایسے مشہور مورخ نے لکھا ہے جب معاویہ کی وفات ہوئی تب بھی حضرت حسینؑ نے (یزید کی) بیعت نہیں کی اور مدینہ سے مکہ چلے گئے۔ مکہ ہی میں اہل کوفہ کے خطوط ان کے پاس پہنچے لہٰذا انہوں نے سفر کا سامان تیار کر لیا۔ بہت لوگوں نے انھیں منع کیا ان منع کرنے والوں میں ان کے بھائی محمد بن حنفیہ اور ابن عمر اور ابن عباس وغیرہ تھے مگر جب حسینؑ نے فرمایا کہ میں نے رسولِ خداؐ کو خواب میں دیکھا ہے۔ آپ نے مجھے جس بات کا حکم دیا ہے اس کو میں ضرور کروں گا۔ چنانچہ وہ عراق چلے گئے۔'' (ترجمہ اسد الغابہ، جلد ۳، ص ۲۷)

یہ مضمون بہت سی کتابوں میں ہے۔ چنانچہ تاریخ طبری و کامل میں اس طرح ہے:

قال انی رایت رویا رایت فیھا رسول اللہ وامرت فیھا بامرانا ماض لہ علی کان اولی فقال ما تلک الرؤیا۔ قال ما حدیث بھا احداًوما انا محدث بھا احداحتی القی ربی

''یعنی حضرت نے ان لوگوں کی نصیحت نہ قبول کرنے کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ میں نے حضرت رسولؐ خدا کو خواب میں دیکھا جس میں آپ نے مجھے اس بات کا حکم دیا ہے جس کو میں ترک نہیں کر سکتا، خواہ اس سے میرا نقصان ہو یا نفع۔ لوگوں نے پوچھا وہ خواب کیا ہے۔ آپ نے فرمایا میں نے اب تک یہ خواب کسی سے بیان نہیں کیا اور نہ

ان ابی حدیثنی ان بھا کبشا یستحل حرمتھا فما احب ان اکون انا ذلك الکبش۔

''یعنی میرے جد بزرگوار نے مجھ سے فرمایا تھا کہ مکہ معظّمہ میں ایک مینڈھا ہوگا جو مکہ معظّمہ کی حرمت کو ضائع اور اس کی عزت کو مٹا دے گا۔ تو میں اس کو پسند نہیں کر سکتا کہ وہ مینڈھا میں بنوں۔ (تاریخ طبری، جلد ۶ ص ۲۱۷، و تاریخ کامل جلد ۴ ص ۱۶)

اسی خوف سے یہ بھی فرماتے ہیں:

واللہ لا ان اقتل خارجا منھا بشیر احب الی من اقتل داخلا منھا بشبر

''یعنی خدا کی قسم اگر مکہ معظّمہ سے ایک ہی بالشت باہر میں قتل کیا جاؤں تو مجھے یہ پسند ہو گا مگر یہ کسی طرح گوارا نہیں کہ مکہ معظّمہ کے اندر قتل کیا جاؤں اگر چہ وہ ایک ہی بالشت اندر ہو۔ (طبری جلد ۶ ص ۷ و کامل جلد ۴ ص ۱۶، مروج الذہب، جلد ۶ ص ۱۳۳)

مولوی صاحب: مگر حضرت مکہ معظّمہ میں رہ جاتے تو ممکن تھا کہ قتل ہی نہیں ہوتے لوگ اس شہر کے خیال سے آپ کو چھوڑ دیتے کیونکہ مکہ معظّمہ دار امن و امان ہے۔

حسینی بیگم: نہیں اس کا تو یقین تھا کہ لوگ حضرتؑ کو چھوڑیں گے نہیں اور حضرت امام حسین علیہ السلام بھی اس کو یقینی طور پر جانتے تھے۔ چنانچہ اسی موقع پر حضرتؑ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ:

وایم اللہ لو کنت فی حجر ھامة من ھذه الھوام لاستخرجونی حتی یقیضوا فی حاجتھم

''یعنی خدا کی قسم اگر میں ان چھوٹے چھوٹے حشرات الارض کے سوراخ میں جا چھپوں جب بھی یہ لوگ مجھے اس سے نکال کر قتل کر کے رہیں گے۔ (طبری، جلد ۶، ص ۲۱۷، و کامل جلد ۴، ص ۱۶)

اور یہ جو کہا کہ لوگ مکہ معظّمہ کے خیال سے حضرت کو چھوڑ دیتے تو حضرتؑ کی شہادت کے بعد جب اسی یزید کے لشکر سے حضرت عبداللہ بن زبیر کی لڑائی ہوئی تو ان کو لوگوں نے کیوں

انہیں چھوڑ دیا اور کیوں خاص مسجد کعبہ کے اندر ان کو قتل کر دیا۔

مولوی صاحب: مگر رافضی کہتے ہیں کہ انسان کو جب جان کا خطرہ ہو تو وہ تقیہ کرے۔ پھر امام حسینؑ نے بھی کیوں تقیہ نہیں کر لیا۔ جس سے آپ کی جان بچ جاتی۔

حسینی بیگم: تقیہ کا حکم شیعوں کے لیے خاص تو ہے نہیں بلکہ ہر شخص کے لیے ہے۔ قرآن مجید میں خدا نے فرمایا ہے:

الا ان تتقوا منهم تقية

''یعنی سوا اس صورت کے کہ تم ان لوگوں سے تقیہ کر کے بچ رہو۔'' (پارہ ۳، ع ۱۱)

اور علامہ سیوطی نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے:

عن ابن عباس فی قوله الا ان تتقوا منهم تقية فالتقية باللسان من حمل علی امر تیكلم به وهو معصية لله فيتكلم به مخافة الناس وقلبه مطمئن بالايمان فان ذلك لا يضره انما التقية باللسان

''یعنی حضرت ابن عباس آیہ الا ان تتقوا منھم تقیۃ کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ تقیہ صرف زبان سے ہے۔ جو شخص ایسی بات بولنے پر مجبور کیا جائے جو خدا کے نزدیک گناہ ہو اور وہ لوگوں کے ڈر سے وہ بات بول دے مگر اس کے دل میں پورا ایمان ہو تو اس کو زبان سے وہ گناہ کی بات کہہ دینے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ تقیہ کا حکم صرف زبان سے ہے۔'' (تفسیر در منثور جلد ۲، ص ۱۶)

خدا نے یہ بھی فرمایا ہے:

من كفر بالله من بعد ايمانه الا من اكره وقلبه مطمئن بالايمان۔ (پارہ ۱۴، ص ۲۰)

اس کا ترجمہ جناب مولانا نذیر احمد صاحب دہلوی نے اس طرح کیا ہے:

''جو شخص کفر پر مجبور کیا جائے مگر اس کا دل ایمان کی طرف سے مطمئن ہو اس سے کچھ

مواخذہ نہیں۔'' (حمائل مترجمہ: نذیر احمد صاحب دہلوی ص ۴۴۴)

اسی طرح بہت سی آیتیں اور حدیثیں ہیں۔ رہا یہ سوال کہ حضرت امام حسینؑ نے تقیہ کیوں نہیں کیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرتؑ اسلام کے زندہ کرنے اور ایمان کے محفوظ رکھنے کے لیے مقرر کیے گئے تھے۔ اگر آپ تقیہ کر لیتے تو یہ مقصود حاصل نہیں ہوتا۔ اسلام پائمال ہو جاتا۔ دین حق مٹ جاتا۔ کفر پھیل جاتا اور لوگ خدا کی سیدھی راہ کو بھول جاتے۔ غرض خدا نے حضرتؑ کے ذمہ جو فرض کیا تھا اور آنحضرتؐ نے آپ سے جس حفاظت اسلام کی اُمید کی تھی وہ سب ضائع و برباد ہو جاتی۔ آپ تقیہ کر کے یہی تو کرتے کہ یزید کی بیعت کریں۔ اس کا حکم مانیں اور اس کی ہر بات کو پسند کریں اور سب جانتے ہیں کہ وہ کل امور خلافت مرضی خدا و رسولؐ اور مخالف احکام دین و ایمان کرتا تھا تو حضرتؑ کے تقیہ کا نتیجہ یہی ہوتا کہ اسلام بالکل رخصت ہو جائے اور کفر پلٹ آئے۔ دینداری کا خاتمہ اور دنیا پرستی کا عہد شروع ہو جائے تو حضرت اس کو کیونکر پسند فرماتے۔ عوام کا حکم دوسرا ہے اور پیشوایان دین کے فرائض علیحدہ...... دیکھو جب کفار مکہ نے حضرت عمار صحابی پر ظلم کیا تو انہوں نے حضرت رسول خداؐ کو گالیاں دے دیں اور لات و عزیٰ کی تعریف کر دی۔ لوگوں نے آنحضرتؐ سے یہ واقعہ بیان کر دیا۔ حضرت نے جناب عمار سے پوچھا تم اپنا دل کیسا پاتے ہو۔ عرض کی میں دل میں تو ایمان کو پورا پورا پاتا ہوں تو حضرتؐ نے فرمایا پھر کوئی مضائقہ نہیں بلکہ اگر وہ پھر تم کو مجبور کر کے ایمان کے خلاف باتیں کہلائیں تو کہہ دینا۔ (تاریخ کامل، جلد ۲ ص ۴۴)

حضرتؐ نے جناب عمار کو اجازت دے دی مگر خود آنحضرتؐ نے تقیہ نہیں کیا نہ ان کفار کے موافق کوئی بات کہی جس سے ثابت ہوا کہ حضرت عمار کے لیے تقیہ جائز تھا مگر حضرت رسول خداؐ تقیہ نہیں کر سکتے تھے ورنہ دین اسلام ہی رخصت ہو جاتا۔ اسی طرح حضرت امام حسینؑ بھی تقیہ نہیں کر سکتے تھے ورنہ کفر پلٹ آتا اور دین اسلام ہمیشہ کے لیے رخصت ہو جاتا۔

امام حسینؑ کی شجاعت

مولوی صاحب: خیر تقیہ نہیں کیا تو مقابلہ کرنا چاہیے تھا۔ یہ کیا کہ ساتھیوں کو لڑنے کے لیے آگے کر دیا اور خود بیٹھ رہے۔

حسینی بیگم: معاذ اللہ! یہ کیا فضول اور بے خبری کا مظاہرہ کر رہے ہو۔

مولوی صاحب: دیکھو اسی اخبار جمہور میں مسٹر صلاح الدین خدا بخش پروفیسر کلکتہ نے یہ بھی لکھا ہے۔ ''حسینؑ کے انکار کر دینے پر عمر سعد نے حسینؑ کے خیموں کا محاصرہ کر لیا۔ حسینؑ کے ساتھیوں نے مقابلہ کیا لیکن حسینؑ نے خود اپنی جگہ سے قطعی جنبش نہ کی۔ حسینؑ کے ساتھیوں کے بعد خود حسینؑ سے مقابلہ ہوا اور بہت جلد زخمی ہو کر حسینؑ گر پڑے۔ حسینؑ نے کوئی بھی ایسا کام بہادری کا نہیں کیا جیسا کہ شیعہ ان کی جانب منسوب کرتے ہیں۔ ایک زبانی خبر جو یزید تک پہنچائی گئی وہ یہ تھی کہ حسینؑ کے قتل میں صرف اتنا ہی وقفہ گزرا جس قدر کہ ایک اونٹ کے ذبح کرنے یا پلک مارنے میں عرصہ گزرتا ہے۔'' (اخبار جمہور کلکتہ مورخہ ۱۸ جون ۱۹۳۱ء)

حسینی بیگم: مسٹر صلاح الدین بخش نے کسی کتاب کا حوالہ بھی دیا ہے۔

مولوی صاحب: نہیں حوالہ تو نہیں ہے۔

حسینی بیگم: پھر کیا کہا جائے۔ اب ان کی بات مانو گے یا اسلام کے مسلم الثبوت علماء و مؤرخین کی تحقیقات۔

مولوی صاحب: نہیں علماء کے مقابلہ میں مسٹر صلاح الدین کیا چیز ہو سکتے ہیں۔

حسینی بیگم: اب علماء اسلام کی تحقیقات سنو۔ (۱) جناب مولوی عطا محمد صاحب نے لکھا ہے:

''اب بر سر مصاف حسینؑ بن علی کی ذوالفقار ہوئی

......آثار قیامت نظر آئے امامؑ نے قبضہ پر ذوالفقار حیدر کرار کے ہاتھ رکھا

......بجلی کی طرح جا پڑے

گویا مثل حیدر کرار در خیبر پر جا پڑے

......تلوار بھی یا صاعقہ قہر خالق جبار تھی۔ خود سروں کے انبار، ہزاروں تن تنہا بے کار فگار ہوئے......

چار سو دس پیادے آنجناب کے ہاتھ سے مارے گئے۔'' (کتاب الشہادتین مطبوعہ گورکھ پور ص ۱۷۹)

(۲) جناب مولانا شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواری نے لکھا ہے:

''پھر امام بھی حملہ آور ہوئے اور لشکر مخالف کو درہم و برہم کرنے لگے......لڑتے لڑتے آپ کو پیاس کی شدت ہوئی تو فرات کی طرف قصد کیا۔ ظالمین بیچ میں آ گئے مگر آپ انھیں مارتے کاٹتے لب دریا پہنچ گئے......ظالموں نے دیکھا کہ امام بڑی بہادری سے لڑ رہے ہیں اور ہمارا لشکر تباہ ہوا جاتا ہے۔ (رسالہ غم حسینؑ، ص ۲۹)

(۳) جناب مولوی احسان اللہ صاحب گورکھ پوری نے لکھا ہے:

''امام حسینؑ کے ساتھیوں نے دکھا دیا کہ بنی ہاشم کے بازوؤں میں کتنی قوت تھی۔ امام حسینؑ کو تو کبھی لڑنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ آج ہی معلوم ہوا کہ الولد سر لابیہ۔ علی علیہ السلام کی طرح ان کی لڑائی بھی بہت سخت تھی۔ یہ جدھر پہنچ جاتے تھے میدان صاف کر دیتے تھے۔ (تاریخ اسلام)

(۴) صاحب روضۃ الشہداء نے لکھا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

''امرائے شام میں سے تمیم بن قحطبہ نے امام حسینؑ کے روبرو آ کر کہا کہ اے پسر علیؑ! تمہارے لڑکے، بھائی، عزیز، رفیق سب قتل ہو چکے اور تم تنہا رہ گئے۔ پھر بھی جنگ کا حوصلہ رکھتے ہو، بھلا تم اکیلے بیس ہزار جنگجو سپاہیوں کا مقابلہ کس طرح کر سکتے ہو؟

امام حسینؑ نے فرمایا: میں لڑنے نہیں آیا تم خود مجھ سے لڑتے ہو۔ اچھا اب لڑائی کے

جوہر دکھا۔ یہ کہہ کر امام حسینؓ نے ایسا نعرہ لگایا کہ اکثر سپاہیوں کے پتے پانی ہو گئے اور امام حسینؓ نے تلوار کھینچ کر ایسی ضرب لگائی کہ تمیم کا سر کٹ کر دور جا گرا۔ یہ حال دیکھ کر ابن سعد کے ہوش وحواس جاتے رہے۔ (روضۃ الشہداء قلمی)

(۵) محدث جمال الدین لکھتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے:

''پھر امام حسینؓ نے دریا کا قصد کیا۔ شمر نے لشکر کو پکار کر حکم دیا کہ دیکھو حسینؓ پانی نہ پینے پائیں۔ اگر وہ تھوڑا پانی بھی پی لیں گے تو تم میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے۔ یہ سنتے ہی لشکر یزید امام حسینؓ اور فرات کے درمیان حائل ہو گیا مگر امام حسینؓ نے گھوڑے کو جولاں کر کے ایسی شمشیر زنی فرمائی کہ تین چار بار صف اعدا کو درہم برہم کر دیا اور لب آب پہنچ گئے۔ گھوڑے کو دریا میں ڈال دیا۔'' (روضہ الاحباب نسخہ قلمی)

(۶) امام حسینؓ نے فرات سے خیمہ گاہ تک واپس آتے آتے بھی بہت سے آدمیوں کو قتل کر ڈالا۔ (روضۃ الشہداء)

(۷) امام حسینؓ پیاس کی شدت میں لب فرات پہنچ گئے اور ابن سعد کا اتنا بڑا لشکر حضرتؓ کو کچھ بھی نہیں روک سکا۔ (تاریخ کامل جلد ۴، ص ۳۲)

(۸) علامہ ابن حجر مکی نے لکھا ہے:

ولو ما كادوا به من انهم حالوا بينه و بين الماء لم يقدروا عليه وهو الشجاع القرم الذى لا يزول ولا يتحول

''یعنی اگر یزیدی لشکر یہ فریب نہ کرتا کہ امام حسینؓ اور نہر کے درمیان حائل ہو گیا تو کبھی امام حسینؓ پر قابو نہ پاتا کیونکہ آپ وہ بہادر اور دلاور سردار تھے جو نہ کبھی اپنی جگہ سے ہٹتے اور نہ ٹلتے تھے۔

فلما فنى اصحابه و بقى بمفرده حمل عليهم وقتل كثيرا من شجعانهم فحمل عليه كثيرون

''یعنی جب حضرتؓ کے ساتھی ختم ہو گئے اور آپ تنہا رہ گئے تو لشکر یزید پر اس زور کا

حملہ کیا کہ اس کے بہت سے بہادروں کو قتل کر ڈالا۔ تب بہت سی جماعتوں نے مل کر حضرتؑ پر حملہ کیا۔ (صواعق محرقہ مطبوعہ مصر ص۱۱۸)

(۹) اور علامہ مومن شبلنجی نے لکھا ہے:

فلما فنی اصحاب الحسین وقتلوا جمیعھم وبقی وحدہ حمل علیھم فقتل کثیرا من الرجال والابطال ورجع سالما الی موقفہ عند الحریم۔ ثم حمل علیھم حملة اخری واراد الکررا جعا الی موقفہ

''یعنی جب اصحاب امام حسینؑ سب قتل ہو گئے اور آپ تنہا رہ گئے تو لشکر یزید کے بہت سے آدمیوں اور بڑے بڑے بہادروں کو قتل کر ڈالا۔ پھر بالکل محفوظ اپنے خیمہ گاہ کے پاس واپس آ کر ٹھہرے پھر ان لوگوں پر دوبارہ حملہ کیا اور اس حملہ سے اپنی جگہ واپس آتے وقت بھی ان لوگوں پر تیسرا حملہ کرنا چاہا۔ (نور الابصار، ص۱۳۰)

(۱۰) علامہ ابن ابی الحدید معتزلی نے لکھا ہے:

قالوا یوم الطف مارایںا مکثورا قد افترق منہ اخوتہ واھلہ وانصارہ اشجع منہ کان کاللیث المجرب یحطم الفرسان حطما

''یعنی یزید کے لشکر والے کہتے تھے کہ ہم نے امام حسینؑ سے زیادہ بہادر کسی کو نہیں دیکھا کہ باوجود اس کے شکستہ خاطر اور زخمی تھے اور بھائی اور اصحاب سب قتل کیے گئے تھے لیکن جب حملہ فرماتے تو مثل تجربہ کار شیر کے لشکر شام پر ٹوٹ پڑے تھے۔ (شرح نہج البلاغہ از علامہ ابن ابی الحدید، جلد۳، ص۲۸۲)

(۱۱) علامہ قسطلانی شارح صحیح بخاری لکھتے ہیں:

قتل الحسینؑ من عسکر ابن زیاد قتلی کثیرہ

''یعنی خود حضرت امام حسینؑ نے ابن زیاد کے لشکر سے بکثرت بہادروں کو قتل کر ڈالا۔ (ارشاد الساری شرح صحیح بخاری، جلد۶، ص۱۲۹)

(۱۲) علامہ مسعودی نے لکھا ہے:

فلم يزل يقاتل حتى قتل رضوان الله عليه

''یعنی امام حسینؑ برابر لڑتے ہی رہے یہاں تک کہ آخر میں قتل ہو گئے۔ (مروج الذہب برحاشیہ تاریخ کامل، جلد ۱۴۰)

(۱۳) علامہ ابن اثیر خزری نے حضرت کی وہ حالت جو آخر وقت میں ہوگئی تھی لکھی ہے:

وقاتل راجلا قتال الفارس الشجاع يتقي الرمية ويفترص العورة ويشند على الخيل وهو يقول اعلى قتلى تجتمعون اما والله لا تقتلون بعدى عبدا من عباد الله اسخط عليكم تقتله منى

''یعنی حضرت امام حسینؑ پیدل ہو کر بھی بڑے بہادر سوار کی طرح لڑتے تھے اور تیروں کی بوچھار سے بچتے ہوئے اور خالی مقام میں گھس گھس کر سواروں پر بہت سخت حملے کرتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کیا تم میرے قتل پر اکٹھے ہو رہے ہو؟ خدا کی قسم میرے بعد کوئی بندۂ خدا ایسا نہیں ہوگا جس کے قتل پر خدا میرے قتل سے زیادہ غضبناک ہو۔ (تاریخ کامل، جلد ۴، ص ۳۲)

(۱۴) علامہ طبری اور علامہ ابن اثیر خزری نے لکھا ہے:

وحمل الناس عليه عن يمينه وشماله فحمل على الذين عن يمينه فتفرقوا ثم حمل على الذين عن يساره فتفرقوا فوالله ماروى مكثور قط قد قتل ولده واهل بيته واصحابه اربط جاشا منه ولا امضى جنانا منه ولا اجر مقدما والله مارايت قبله ولا بعده مثله والله ان كانت الرجالة لتنكشف عن يمينه وشماله انكشاف المعزى اذا شد فيها الذئب

''یعنی دشمن دونوں جانب سے امام حسینؑ پر حملہ کرنے لگے۔ تو امام حسینؑ بھی اُن پر ٹوٹ پڑے اب یہ حالت ہوگئی کہ جب آپ داہنی جانب والوں پر حملہ آور ہوتے تھے

تو اُن سب کو بدحواس کرڈالتے تھے۔''

راوی کہتا ہے کہ خدا کی قسم میں نے امام حسینؑ سے زیادہ ثابت قدم بہادر اور قوی دل کسی شخص کو بھی نہیں پایا اور نہ آگے بڑھنے میں آپ سے زیادہ جری دیکھا بلکہ خدا کی قسم میں نے تو آپ کا مثل بھی نہیں دیکھا نہ آپ سے پہلے کسی شخص کو اور نہ آپ کے بعد کسی بہادر کو۔ حالانکہ آپ ہر طرح سے مغلوب ہو چکے تھے۔ کیونکہ آپ کے بھائی بھتیجے، بیٹے، عزیز اور رفیق سب قتل ہو گئے تھے۔ بخدا یزید کی فوج آپ کے حملوں سے داہنے بائیں اس طرح بھاگتی تھی جس طرح ببر شیر کے حملہ کرنے سے بکریاں بدحواس ہو کر بھاگتی ہیں۔ (تاریخ طبری، جلد ۶، ص ۱۲۵۹، تاریخ کامل، جلد، ص ۲۲)

(۱۵) یورپین مورخ مسٹر جیمس کارکرن نے بھی حضرت کی بہادری کو جن زوردار الفاظ میں لکھا ہے پہلے بیان کر چکی ہوں۔ کیا ان عبارتوں کے بعد بھی کوئی شخص حضرت امام حسینؑ کی شجاعت کا اندازہ کر سکتا ہے۔ تم ہی بتاؤ اکیلے بھوکے پیاسے کا اس طرح جہاد کرنا کہ جس طرح بھیڑیے کے حملہ سے بکریاں بھاگتی ہیں۔ اسی طرح حضرتؑ کے حملہ سے ابن زیاد کے بیس تیس ہزار بہادر بھاگتے تھے کسی اور ملک اور قوم کی تاریخ میں بھی مل سکتا ہے؟

✪✪✪✪✪

یزیدی لشکر کی تعداد اور لشکر حسینؑ کی شجاعت

مولوی صاحب: بیس بیس ہزار بہادر کہنا تو صریح مبالغہ ہے۔ اتنی فوج کربلا میں کس غرض سے بھیجی جائے گی۔

حسینی بیگم: مبالغہ کی خوب کہی۔ تاریخوں میں دیکھو کہ ابن زیاد نے کوفہ سے کتنی فوجیں روانہ کی تھیں۔

(۱) مولانا محمد مبین صاحب فرنگی محلی نے تحریر فرمایا ہے:

وعبیداللہ بن زیاد از بصرہ آمد چہار ہزار کس کہ رئیس آنہا عمرو بن سعد را مقرر نمود بجانب کربلا رواں ساخت واز پس آنہا فوج دیگر فرستاد بست ودو ہزار ودر بعضے روایت سی ہزار رسیدہ ردر ہشتم محرم جنود بدبختاں بکربلا جمع شدند۔

یعنی عبیداللہ بن زیاد بصرہ سے آیا اور چار ہزار فوج کو جس کا سردار عمر بن سعد کو مقرر کیا تھا کربلا کی طرف روانہ کیا اور اس کے بعد دوسری فوج ۲۲ ہزار کی اور بعض روایت کے مطابق تیس ہزار کی روانہ کی۔ آٹھویں محرم کو یہ بدبخت لشکر کربلا میں جمع ہو گئے۔ (وسیلۃ النجاۃ، ص ۲۸۹)

(۲) علامہ ابن حجر مکی نے لکھا ہے:

و کان لما شارف الکوفه سمع به امیرها عبیدالله بن زیاد فجهز الیه عشر بن الف مقاتل

"یعنی جب حضرت امام حسینؑ کوفہ کے قریب پہنچے اور ابن زیاد کو حضرت کے آنے کی خبر ہوئی تو بیس ہزار لڑنے والوں کو حضرتؑ کے مقابلہ کے لیے روانہ کیا۔ (صواعق، محرقہ، ص ۱۷۳)

(۳) جامع التواریخ میں ہے روز دیگر عمر وسعد با چہار ہزار نفر یزم جنگ امام دراں جا فروز آمدد بعدہ بدفعات ابن زیاد بمدداد لشکر فرستار تا اینکہ حد دسپاہ بہ بست ودو ہزار رسید۔

یعنی دوسرے روز عمر سعد چار ہزار فوج کے ساتھ حضرت امام حسینؑ سے لڑنے کے لیے پہنچ گیا اور اس کے بعد بھی کئی دفعہ ابن زیاد نے اس کی مدد میں فوجیں روانہ کیں۔ یہاں تک کہ یزیدی فوج کی تعداد ۲۳ ہزار تک پہنچ گئی۔ (جامع التواریخ، مطبوعہ لکھنو، ص ۱۴۶)

اسی طرح یزیدی فوج کی تعداد جو کربلا میں آئی تھی مورخ اعثم کوفی نے ۲۰ ہزار۔ علامہ طلحہ شافعی نے مطالب السؤل میں اور علامہ یافعی نے ۲۲ ہزار ارصاحب شرح شافیہ نے ۵۰ ہزار اور ابومخنف نے اسی ہزار بتائی ہے اور حضرت امام حسینؑ کی طرف صرف ۲۲ سوار اور ۴۰ پیادے تھے مگر شجاعت کے وہ کارنامے چھوڑ گئے جو تاریخ میں اپنی نظیر نہیں رکھتے۔ علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے:

وقاتل اصحاب الحسین قتالا شدید اوھم اثنان وثلاثون فارسا فلم یحمل علی جانب من خیل الکوفة الا کشفته فلما رای ذلك عروة بن قیس وھو علی خیل الکوفة بعث الی عمر فقال الاتری ما تلقی خیلی ھذ الیوم من ھذہ العدة الیسیرة ابعث الیھم الرجال وارماة

''یعنی امام حسینؑ کے اصحاب میں کل ۳۲ سوار تھے مگر ان لوگوں نے ایسا سخت مقابلہ کیا کہ جدھر حملہ کیا اُدھر کی فوج کو بھگا دیا۔ آخر کار یزیدی فوج کے سردار عروہ بن قیس نے عمرو بن سعد کے پاس پیغام بھیجا کہ کیا تو نہیں دیکھتا کہ اس قلیل لشکر نے ہم لوگوں کا کیا حال کر دیا۔ اب جلد اور تیر اندازوں اور پیادوں کو بھیجو۔ (تاریخ کامل، جلد ۲۸)

پھر لکھا ہے:

وجاء عابس ابن ابی شبیب الشاکری وشوذب مولی شاکرالی الحسین فسلما علیه وتقدما فقاتلا فقتل شوذب واما عابس فطلب البراز فتحاماہ الناس لشجاعته فقال لھم

بالحجارة فرموه من كل جانب فلما رای ذلك القى ورعه ومغفره وحمل على الناس فهزمهم بين يديه

''یعنی پھر جناب عابس بن ابو شبیب شاکری اور شوذب جو شاکر کے آزاد کردہ تھے دونوں امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے پھر حضرت کو سلام کر کے جہاد کو روانہ ہو گئے اور لڑنا شروع کیا۔ جناب شوذب تو لڑتے لڑتے شہید کیے گئے مگر عابس کی شجاعت نے ابن زیاد کے لشکر کو ایسا بدحواس کیا کہ یہ اُن لوگوں کو اپنے مقابلہ پر لڑنے کو بلاتے تھے مگر کوئی بھی آپ کے سامنے آنے کی جرات نہیں کرتا تھا۔ آخر عمر بن سعد نے حکم دیا کہ ان پر پتھر برساؤ۔ پھر کیا تھا ہر طرف سے پتھر پڑنے لگے۔ جب اُنہوں نے یہ دیکھا تو اپنے بدن سے زرہ اور سر سے خود اُتار دیا اور یزیدی فوج پر حملہ کر دیا پھر کیا تھا سب بھاگ گئے۔'' (تاریخ کامل جلد ۴، ص ۳۰)

ایک اور بزرگ کا حال سن لو۔ علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے:

واما سويد بن المطاع فكان قد صرع فوقع بين القتلى مثخنا بالجراحات فسمعهم يقولون قتل الحسين فوجد خفة فوثب ومعه سكين و كان سيفه قد اخذ فقاتلهم بسكينه ساعة

''یعنی حضرت امام حسینؑ کے ساتھی سوید بن مطاع زخموں سے چور ہو کر شہداء میں پڑے تھے۔ انہوں نے سنا کہ لوگ کہتے ہیں کہ امام حسینؑ تو قتل کر دیئے گئے۔ یہ سنتے ہی ان میں پھر جوش پیدا ہو گیا اور وہ اس حالت میں بھی اچھل پڑے۔ مگر کرتے کیا۔ ان کی تلوار تو پہلے ہی چھن چکی تھی۔ البتہ ان کے پاس ایک چاقو بچارہ گیا تھا۔ اسی چاقو سے انہوں نے لڑنا شروع کیا اور ایک گھنٹہ تک اُن لوگوں کو مارتے رہے۔ (تاریخ کامل جلد ۴ ص ۳۲)

اب آپ ہی انصاف کریں کہ دنیا کسی اور جماعت کو پیش کر سکتی ہے جو زخمی ہو کر اور موت کے قریب پہنچنے کے بعد بھی شجاعت کے ایسے جوہر دکھائے؟

سید الشہداء کون؟

مولوی صاحب: ہاں ان تاریخی تحقیقات کو کون جھٹلا سکتا ہے۔ مگر لوگ امام حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں مبالغہ سے ضرور کام لیتے ہیں۔ حضرت حمزہ سید الشہداء ہیں جو جنگ احد میں شہید کیے گئے مگر اب جاہل امام حسینؑ کو سید الشہداء کہتے ہیں۔
حسینی بیگم: تو کیا برا کرتے ہیں۔ حضرت حمزہؓ اپنے زمانہ تک کے شہیدوں سے بڑھے ہوئے تھے اس وجہ سے وہی اُس وقت سید الشہداء تھے۔ مگر حضرت امام حسینؑ ان کے بعد خصوصیات شہادت میں حضرت حمزہؓ سے بھی بڑھ گئے تو اب حضرتؑ ہی سید الشہداء کہے جانے کے مستحق ہیں۔ اسی وجہ سے جاہلوں نے نہیں بلکہ علماء اسلام نے حضرتؑ کو سید الشہداء کہا اور بالکل بجا کہا۔
مولوی صاحب: حضرت حسینؑ کس وجہ سے حضرت حمزہؓ سے بڑھ جائیں گے۔ انہوں نے تو حضرت رسولِ خداؐ کے ساتھ۔ غزوہ احد میں جہاد کیا۔ شہید ہوئے۔ اس وجہ سے سید الشہداء کہے گئے۔ امام حسین علیہ السلام نے تو حضرت رسولِ خداؐ کے ساتھ جہاد نہیں کیا۔ نہ حضرت کے زمانہ میں شہید ہوئے۔ پھر ان کو سید الشہداء کہنا زبردستی نہیں تو کیا ہے؟
حسینی بیگم: اگر حضرت حمزہ اس وجہ سے سید الشہداء ہیں کہ آنحضرتؐ کے ساتھ لڑے اور قتل ہوئے تو یقیناً حضرت امام حسینؑ اُن سے بڑھ گئے۔
مولوی صاحب: کیا خوب۔ کس عقل سے تم ایسی باتیں کرتی ہو۔
حسینی بیگم: یہ بتاؤ کہ جس بزرگ کی شہادت سے حضرت رسولِ خداؐ کو درجہ شہادت حاصل ہو وہ افضل ہوں گے یا وہ جن کی شہادت سے حضرت رسولِ خداؐ کو کوئی درجہ نہ حاصل ہو۔
مولوی صاحب: یہ بھی کچھ پوچھنے کی بات ہے۔ جس کی شہادت سے آنحضرتؐ کو شہادت کا

درجہ حاصل ہوگا وہ ضرور افضل ہوں گے۔

حسینی بیگم: اچھا جس بزرگ کی شہادت کے بغیر حضرت رسولِ خداؐ کے کمالات ناقص رہیں اور جس کی شہادت سے حضرت رسولِ خداؐ کے کمالات پورے ہوجائیں وہ بہتر ہیں یا وہ بزرگ جن کی شہادت سے حضرت رسولِ خداؐ کے کمالات پر کوئی اثر نہ پڑے۔

مولوی صاحب: یقیناً وہی بزرگ بہتر ہیں جن کی شہادت سے آنحضرتؐ کے کمالات پورے ہوجائیں۔

حسینی بیگم: اب جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلویؒ کی وہ تحقیق دیکھو جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ حضرت امام حسینؑ کی شہادت سے آنحضرت کو درجہ شہادت حاصل ہوا۔ اور آپ کے کمالات نبوت پورے ہوگئے۔ (سر الشہادتین)

مولوی صاحب: ہاں اس کی عبارت تم پہلے سنا چکی ہو۔

حسینی بیگم: اب کیا کہتے ہو جس بزرگ کی شہادت کا یہ درجہ ہو کہ اس سے حضرت رسولِ خداؐ کو شہادت کا مرتبہ حاصل ہوگیا اور حضرت کے کمالات نبوت کی کمی زائل ہوگئی اور آپ کے فضائل پورے ہوگئے۔ وہ بزرگ سید الشہداء ہوسکتے ہیں۔ یا وہ جن کی شہادت سے اس قسم کی کوئی بات نہیں ہوئی۔

مولوی صاحب: مگر حضرت رسولِ خداؐ نے تو حضرت حمزہؓ کو سید الشہداء فرمایا ہے۔ تو ہم لوگوں کو چاہیے کہ یہ لفظ صرف جناب حمزہؓ کے لیے بولیں کہ وہی اس کے مستحق ہیں لہٰذا حضرت کے قول کے مطابق ہم لوگ دوسروں کو سید الشہداء کیسے کہہ سکتے ہیں۔

حسینی بیگم: پھر حضرت رسولِ خدا صلعم نے جو رجیس کو بھی سید الشہداء کہا ہے۔

مولوی صاحب: ارے یہ تم کیا کہنے لگیں۔ معاذ اللہ آنحضرتؐ نے حضرت حمزہ کے سوا اور کسی کو کب اس لقب سے سرفراز فرمایا ہے۔

حسینی بیگم: (اُٹھیں اور تفسیر درمنثور لا کر بولیں) دیکھو علامہ سیوطی نے کیا لکھا ہے:

اخرج احمد فی الزھد عن وھب بن مبنه قال نادی مناد من

السمـاء ان يحيـى بن زكـريـا سيـد من ولدت النسـاء ان جورجيس سيد الشهداء

''یعنی حضرت رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ آسمان سے ایک منادی نے پکار کر کہا کہ حضرت یحییٰ سب آدمیوں کے سردار اور جورجیس سید الشہداء ہیں۔'' (تفسیر در منشور، جلد۲ص۲۲)

مولوی صاحب: (نے حسینی بیگم کے ہاتھ سے کتاب لے لی اور کئی مرتبہ پڑھ کر کہا) تم نے تو عجیب بات دکھادی۔ اب اس سے کون انکار کرسکتا ہے۔

حسینی بیگم: انکار کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جورجیس اپنے زمانہ میں سید الشہداء تھے اور جناب حمزہ اپنے زمانہ میں مگر حضرت امام حسینؑ ابتدائے خلقت عالم سے قیامت تک شہیدوں کے سردار ہیں۔ اس وجہ سے اب حضرتؑ ہی سید الشہداء ہیں۔

مولوی صاحب: مگر حضرت محمدؐ نے تو امام حسینؑ کو سید الشہداء نہیں فرمایا۔

حسینی بیگم: آنحضرتؐ کے زمانہ میں امام حسینؑ شہید ہی نہیں ہوئے تو آنحضرتؐ فرماتے کیسے۔ ہاں حضرتؐ کے سامنے یہ واقعہ ہوتا تو ضرور فرمائے۔

مولوی صاحب: مگر آنحضرتؐ نے نہیں فرمایا تو ہم کیوں کہیں۔

حسینی بیگم: ہم لوگ حضرت رسولِ خداؐ کو سید الانبیاء والمرسلینؐ کیوں کہتے ہیں۔

مولوی صاحب: اس سبب سے کہ حضرتؐ نبی کل انبیاء ومرسلینؐ کے سردار تھے؟

حسینی بیگم: مگر آنحضرتؐ نے بھی کبھی اپنے کو سید المرسلینؐ فرمایا ہے۔

مولوی صاحب: (بہت دیر تک غور کرتے رہے۔ پندرہ بیس منٹ کے بعد بولے) نہیں مجھے تو کسی کتاب میں حضرت کا اپنے کو سید المرسلین فرمانا خیال نہیں پڑتا۔

حسینی بیگم: تو پھر حضرت کو بھی سید المرسلین نہیں کہنا چاہیے۔ بلکہ اوپر ہی کی عبارت میں تم نے سنا کہ آنحضرتؐ نے حضرت یحییٰ کو سید من ولدت النساء (یعنی عورتوں نے جن بچوں کو پیدا کیا ان سب کے سردار حضرت یحییٰ تھے) فرمایا۔ تو حضرت یحییٰ ہی کو سید المرسلین کہا کرو۔

مولوی صاحب: مگر آنحضرتؐ نے اپنے بارے میں یہ تو فرمایا ہے کہ **انا سید ولد آدم** یعنی میں کل بنی آدم کا سردار ہوں۔ (کنزل العمال، جلد ۶ ص ۱۵۷) اور بنی آدم میں مرسلین بھی ہیں۔

حسینی بیگم: تو آنحضرتؐ کے کس قول کو مانو گے۔ ایک جگہ حضرتؐ نے فرمایا کہ حضرت یحیٰ سب لوگوں کے سردار تھے اور ایک جگہ فرمایا کہ میں کل بنی آدم کا سردار ہوں۔

مولوی صاحب: مگر امام حسینؑ کے بارے میں تو کوئی بات نہیں فرمائی جس سے معلوم ہو کہ وہ سید الشہداء تھے۔

حسینی بیگم: نہیں حضرتؐ کی مشہور حدیث ہے: **الحسن والحسین سید اشباب اھل الجنۃ** پس جس طرح بنی آدم میں انبیاء ومرسلین بھی ہیں اسی طرح شباب اہل الجنہ میں شہداء بھی ہیں۔ کیونکہ جو شہدا بوڑھے ہوں گے وہ بھی بہشت میں جوان ہی ہو کر جائیں گے۔

مولوی صاحب: مگر تم کہتی ہو کہ صرف جاہل ہی ہیں علماء بھی امام حسینؑ کو سید الشہداء لکھتے اور کہتے ہیں۔ کیا تم کسی مستند عالم کا نام بتا سکتی ہو جس نے حضرت کو سید الشہداء لکھا ہے۔

حسینی بیگم: سینکڑوں ہیں (۱) مثلاً جناب استاذ العلماء مولانا محمد عبدالحق صاحب سہارنپوری نواسہ استاذ کل حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوریؒ نے اپنی کتاب تصدیق شہادت میں متعمد مقام پر سید الشہداء امام حسین علیہ السلام لکھا ہے اور (۲) جناب مولانا مولوی اختر شاہ صاحب مدرس مدرسہ امداد الاسلام میرٹھ نے بھی حضرت کو سید الشہداء لکھا ہے۔ (تصدیق شہادت، ص ۹۴)

(۳) جناب مولانا شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواری نے اپنی کتابوں میں ہر جگہ حضرت کو سید الشہداء لکھا ہے۔ (دیکھو رسالہ شہادت حسینؑ و رسالہ غم حسینؑ)

(۴) جناب مولانا ابوالکلام صاحب آزاد دہلوی بھی برابر حضرت کو سید الشہداء لکھتے ہیں۔ مثلاً دیکھو ان کا مضمون فلسفہ شہادت در اخبار حقیقت لکھنؤ ۱۵ و ۱۶ محرم ۱۳۵۱ ہجری۔

(۵) مولانا محمد مبین صاحب عالم جلیل فرنگی محل لکھنؤ نے حضرت کو اپنی کتاب میں سید الشہداء لکھا ہے۔ (دیکھو وسیلۃ النجاۃ مطبوعہ لکھنو)

میں کہاں تک کتابوں کا نام لوں۔ بس ایک ایسے بزرگ کا نام بتا دیتی ہوں جن کے بعد آپ کچھ بول ہی نہیں سکتے۔

مولوی صاحب: وہ کون

حسینی بیگم: حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلویؒ

مولوی صاحب: ہاں ہاں وہ تو ہزار علماء کے مقابلہ میں تنہا کافی ہیں۔ ان کے لکھنے کے بعد تو کسی شخص کو عذر ہو ہی نہیں سکتا ہے۔

حسینی بیگم: دیکھو ممدوح لکھتے ہیں "چوں حضرت امام حسینؑ سید الشہداء از دست اشقیاء شام و عراق منصب باشہادت یافت۔" یعنی حضرت امام حسین سید الشہداء نے دشمنوں کے ہاتھ سے شہادت کا درجہ پایا۔ (تحفہ اثنا عشریہ مطبوعہ فخر المطابع ۱۲۶۸ ہجری، ص ۶۸)

مولوی صاحب: بس اب کسی اور کا نام لینے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ یقیناً حضرت امام حسینؑ سید الشہداء تھے۔

حسینی بیگم: مختصر سمجھ لو کہ جس طرح حضرت رسولِ خداؐ نے رسالت کا کام سب رسولوں سے بہتر ادا کیا اس وجہ سے خدا نے تمام مسلمانوں کی زبان پر حضرتؐ کا نام سید المرسلین جاری کر دیا۔ اسی طرح حضرت امام حسینؑ نے شہادت کا درجہ سب شہداء سے بہتر حاصل کیا۔ اس وجہ سے خدا نے تمام مسلمانوں کی زبان پر حضرتؑ کا نام بھی سید الشہداء جاری کر دیا۔

کیا شہادت حسینؑ پر رونا منع یا مکروہ ہے

اور

کیا حضرت پر رونے سے خدا خوش نہیں ہوگا؟

مولوی صاحب: جولوگ مرجاتے ہیں یا راہ خدا میں شہید ہوتے ہیں ان پر رونے کو عقل بھی منع کرتی ہے اور شریعت بھی بلکہ صبر کرنا چاہیے کہ ہم لوگوں کو اسی طرح کا حکم ہے مگر لوگوں میں جہالت کتنی بڑھتی جاتی ہے کہ ادھر حضرت کا نام آیا اور لوگ رونا شروع کردیتے ہیں۔ حالانکہ رونا اور نوحہ و ماتم کرنا منع ہے۔ کیونکہ آپ کو رونا۔ آپ کے غم میں آنسو بہانا۔ آپ کے مصائب پر گریہ و بکا کرنا غایۃ صدمہ سے آہ یا ہائے وائے کرنا بے صبری اور حرام و ممنوع ہے۔

حسینی بیگم: اس جگہ میں پہلے جناب مولانا حسن میاں صاحب ابن جناب مولانا شاہ محمد سلیمان صاحب پھلواروی کے رسالہ گریہ و بکا مطبوعہ سے کچھ عبارتیں سناتی ہوں ممدوح تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت امام حسینؑ کے واقعہ کو یاد کر کے رونے اور اُن کے غم میں آنسو بہانے کو شاید آج تک کسی نے حرام و نا جائز نہیں بتایا تھا بلکہ علماء کرام و صوفیاء عظام و اکابر ملت و محققین اہل سنت برابر اس واقعہ پر روتے چلے آئے ہیں۔ اور اس کو سعادت و ثواب سمجھتے آئے ہیں۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ مظلوم سید الشہداء جگر گوشہ رسول الثقلین حضرت امام ہمام سیدنا امام حسین علی جدہ وعلیہ الصلوۃ والسلام کی مصیبت پر آنسو بہانا اُن کے غم میں گریہ و بکا کرنا یا دلی صدمہ کی وجہ سے ہائے وائے کرنا کیونکر اور کس وجہ سے حرام و ممنوع ہوگا۔ جب کہ اپنی بیوی اور بال بچوں کے لیے رونا اور بے قرار ہونا حرام و ممنوع نہیں ہے۔ یوسف و یعقوب علیہما السلام کا واقعہ ذرا قرآن میں

پڑھو۔ دیکھو حضرت یعقوبؑ مدت ہائے دراز تک یوسفؑ کی جدائی سے کیسا ہائے وائے کرتے رہے اور کیسا کچھ محزون و مغموم رہے۔ نورِ چشم کے فراق میں نور بصر بھی کھو بیٹھے تھے۔

وقال یا اسفا علی یوسف وابیضت عیناه من الحزن فهو کظیم قالوا تاالله تفتوتذ کر یوسف حتی تکون حرضا او تکون من الهالکین قال انما اشکوبثی وحزنی الی الله واعلم من الله مالا تعلمون

"یعنی حضرت یعقوبؑ جناب یوسفؑ کو یاد کر کے کہنے لگے ہائے یوسف اور ہر چند ضبط کرتے تھے مگر بارے غم کے ان کی دونوں آنکھیں سفید پڑ گئی تھیں اور وہ جی ہی جی میں گھٹا کرتے تھے۔ باپ کا یہ حال دیکھ کر بیٹے کہنے لگے کہ بخدا تم تو سدا یوسف ہی کی یادگاری میں لگے رہو گے یہاں تک کہ جھر جھر کر یا تو از کار رفتہ ہو جاؤ گے یا ہلاک ہی ہو جاؤ گے۔ یعقوب نے کہا میں تم سے تو کچھ کہتا نہیں جو پریشانی اور رنج مجھ کو ہے اس کی فریاد خدا ہی سے کرتا ہوں اور خدا ہی کی طرف سے مجھ کو وہ باتیں معلوم ہیں جو تم کو معلوم نہیں۔" (پارہ ۱۳، رکوع ۴)

اور بریرہ حضرت عائشہ کی لونڈی کا قصہ صحیح بخاری میں موجود ہے کہ انہوں نے اپنے آزاد ہونے پر حسب مسئلہ خیار اپنے زوج مغیث سے (جو غلام) تھے علیحدگی اختیار کی تو وہ مدینہ کی گلیوں میں بریرہ کے پیچھے پیچھے دوڑتا تھا اور اس قدر روتا تھا اور گریہ و بکا کرتا تھا کہ داڑھی آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھی۔ حضور انور رسول اللہ نے نہ اس کو منع کیا اور نہ اس کے اس گریہ وزاری پر نفرین کی نہ اس کو حرام و ناجائز و ممنوع بتایا بلکہ آپ کو اس حال پر افسوس ہوا اور بریرہ سے اس کی سفارش فرمائی۔ چنانچہ صحیح بخاری جلد ثانی ص ۷۹۵ ملاحظہ ہو۔

ان زوج بدیرة کان عبد ایقال له مغیث کانی انظر الیه یطوف خلفها یبکی ودموعه تسیل علی لحیته فقال النبیؐ یا عباس الا تعجب من حب مغیث و من بغض بریره مغیثا فقال النبی

ولو راجعته قالت یا رسول الله اتامرنی قال انما اشفع قالت فلا حاجته لی فیه

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اپنی بیویوں کے لیے رونا گریہ وبکا کرنا حرام و نادرست نہیں۔ پس جب یہ ممنوع نہیں تو مظلوم سبط رسول خدا سیدنا امام حسین شہید دشت کربلا کو رونا اُن کے غم میں آنسو بہانا گریہ وبکا کرنا کیوں حرام وممنوع و ناروا ہوگا؟ احادیث صحاح وسنن اور کتب سیر میں آنحضرتؐ رسول اللہ کی وفات شریف کے بعد اصحاب کرام واہلبیتؑ اطہارؑ کے گریہ وبکا روزاری کا حال دیکھو اگر یہ حرام وممنوع ہوتا تو صحابہ عظام واہل بیت کرام اس کے کیوں مرتکب ہوتے؟

مدارج النبوت ص ۸۸۸ ملاحظہ ہو

وبصحت رسیده چوں آنحضرتؐ رحلت کرد فاطمه زہراء ندبه کرد و زاری نمود و گفت یا ابتاه دعوت حق را اجابت فرمودی۔ وا ابتاه بجنت الفردوس نزول نمودی

(صحیح طریقہ سے ثابت ہے کہ جب حضرت رسول خداؐ نے انتقال فرمایا تو حضرت فاطمہ زہرا نوحہ و ماتم کرنے لگیں اور گریہ وبکا میں مشغول ہوئیں۔ کہتی تھیں ہائے بابا آپ نے دعوت حق کو قبول کرلیا ہائے بابا آپ جنت الفردوس میں تشریف لے گئے) ماثبت بالسنۃ میں ہے:

فعقدت تندب علی رسول الله وتقول یا ابتاه وارسول الله

"یعنی حضرت فاطمہؑ حضرت رسول خداؐ پر نوحہ وزاری کرنے لگیں اور کہتی تھیں اے بابا اے رسول اللہ"

اور صحیح بخاری وجلد ثانی ص ۶۴۱ ملاحظہ ہو۔

فلما مات قالت یا ابتاه من جنة الفردوس ماواه یا ابتاه الی جبریل ننعاه

(جب آنحضرت کا انتقال ہوگیا تو جناب سیدہ کہنے لگیں ہائے بابا جن کی منزل اب

جنت الفردوس میں ہے۔ ہائے بابا میں جبریل کو آپ کی موت کی خبر سناتی ہوں)۔ یـا ابتـاہ وابناہ کے ٹھیک معنی ہائے ہائے ابا۔ آہ اے پدر بزرگوار واے اے ابا ہیں۔ نہیں معلوم مضمون نگار۔ ہائے ہائے کرنے کو حرام وممنوع بتلا کر نعوذ باللہ کیسے کیسے بزرگان دین ومقبولان و مقربان بارگاہ حق کو حرام وممنوع کا مرتکب بنائے گا۔

شیخ الاسلام سیدی حضرت مولانا باوا فرید گنج شکرؒ قدس سرہ العزیز کے متعلق لکھا ہے کہ اس واقعہ شہادت کو یاد کر کے ہائے ہائے کرنے لگتے اور بے ہوش ہو جاتے تھے...... یہ غم و اندوزہ اور گریہ وبکا تمام صحابہ اور ہر کس وناکس کو تھا جیسا کہ کتب احادیث وسیر میں موجود ہے۔ کسی کے ہوش جاتے رہے۔ کسی کے حواس باختہ ہو گئے۔ کسی کو سکتہ ہو گیا وغیر ذلک دیکھو ماثبت بالسنۃ اور مدارج النبوت وغیرہ۔ اور ماثبت بالسنۃ ص ۱۴۵ میں حضرت ابوبکر کے گریہ وبکا کا حال یوں منقول ہے۔

عن عائشة ان ابا بکر دخل علی النبی بعد وفاته فوضع فاه بین عینیه ووضع یدیه علی صدغیه فقال وانبیاء واخلیلاه واصفیاه

''یعنی حضرت ابوبکر آنحضرتؐ کے انتقال کے بعد حضرتؐ کے پاس پہنچے اور اپنا منہ حضرت کی پیشانی پر اور اپنے دونوں ہاتھ حضرت کی کنپٹی پر رکھ کر فرمانے لگے۔ ہائے ہمارے نبی۔ ہائے ہمارے دوست۔ ہائے ہمارے صفی)۔

اور شواہد الحق، ص ۸۸ میں علامہ نبہانی لکھتے ہیں:

وفی روایة للامام احمد فقبل جبهته ثم قال وانبیاه

''یعنی ایک روایت میں امام احمد کے ہے کہ پھر حضرت ابوبکر نے حضرت رسول خداؐ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور کہنے لگے ہائے ہمارے نبی۔''

پس جس طرح سیدہ زہرا علیہا السلام حضرت رسولِ خداؐ کو ہاے اے پدر بزرگوار اور حضرت صدیق اکبرؓ ہائے اے نبی اور آہ اے رسول اللہ کہہ کے روتے تھے۔ اسی طرح اگر حضرت باوا فرید گنج شکرؒ سید الشہداؑ کو روئے اور اس غم میں ہائے ہائے کیا تو کیوں نادرست و

حرام ہوگا..... اور سنئے صحیح بخاری جلد اول ص ۴۲۹ میں مروی ہے:

عن ابن عباس انه قال یوم الخمیس وما یوم الخمیس ثم یکی حتی خضب دمعه الحصباء فقال اشتد برسول الله وجعه یوم الخمیس

یعنی حضرت ابن عباسؓ نے جمعرات کے دن کو یاد فرمایا کہ جمعرات کا دن (ہائے) کون سا دن ہے۔ پھر رونے لگے اور اس قدر روئے اور بکا کیا کہ زمین آنسوؤں سے تر ہوگئی۔ پھر فرمایا: جمعرات ہی کے دن رسول اللہ کا مرض (موت) شدید ہوا تھا انصاف شرط ہے کہ جس طرح حضرت ابن عباس جمعرات کو یاد کر کے گریہ و بکا کرتے تھے اگر اسی طرح باوا فرید گنج شکر یا کوئی شخص عاشورہ کے دن کو یاد کر کے سید الشہدا ؑ کی مصیبت اور ان کے غم میں آنسو بہائے، روئے اور گریہ و بکا کرے تو کیا قباحت ہے۔ ہم نے غم حسین میں ایک بزرگ کی حکایت جو باوا صاحبؒ سے منقول ہے نقل کی ہے کہ اُن کے سامنے واقعہ شہادت کا ذکر ہوا۔ وہ اس قدر روئے اور فرط غم میں اس قدر بے قرار ہوئے کہ زمین پر سر دے مارا۔ سر پھٹ گیا اور انتقال فرما گئے۔ مضمون نگار لکھتا ہے کہ یہ خودکشی ہوئی۔ نعوذ باللہ۔ ایک تو اضطراب و بے قراری و بے خودی کی حالت میں اور پھر اہل بیت اطہار علیہم السلام کی محبت میں جان بحق ہونا۔ خودکشی بتائی جاتی ہے۔ خودکشی تو جب ہوتی کہ وہ قصداً اپنے کو ہلاک کرتے۔ زہر کھا لیتے۔ دریا میں ڈوب مرتے یا اپنا گلا گھونٹ دیتے وغیرہ۔ بے قراری و بے خودی کی بات خودکشی کس طرح ہوئی۔ مع ہذا۔ آؤ میں بتلاؤں۔ کہ یہ خودکشی کا الزام اسی بزرگ پر نہیں ہے۔ بلکہ اصحاب رسول اللہؐ نے بھی آنحضرتؐ کی محبت اور حضور کے غم میں جان دے کر آپ کے خیال میں الٹا خودکش بن کر معاذ اللہ بہت بڑے مجرم ہوئے۔

مدارج النبوت ص ۸۸۹ ملاحظہ ہو۔ آوردہ اند کہ صحابہ بعد از فوت آنحضرت سراسیمہ و حیران گشتند الی قولہ و بعضے مریض و لاغر شدہ و کاہیدہ کاہیدہ از عالم رفتند و بعضے دعا کردند کہ خداوند عالم مارا کور ساز کہ طاقت نظر بروئے دیگراں نداریم

(یعنی راویوں نے بیان کیا ہے کہ حضرت رسول خداؐ کی وفات کے بعد صحابہ بدحواس

اور حیران ہو گئے ۔۔۔ اور بعض صحابہ بیمار اور دبلے ہو گئے اور گھلتے گھلتے دنیا سے انتقال کر گئے اور بعضے صحابہ نے دعا کی کہ اے خدا تو ہمیں اندھا کر دے کیونکہ ہم میں اس کی طاقت نہیں کہ ان آنکھوں سے دوسروں کے چہرے دیکھیں) اور ما ثبت بالسنۃ ،ص ۱۱۹ میں ہے۔

واضنی عبدالله بن انیس فما کمدا

''یعنی عبداللہ بن انیس گھلتے گئے یہاں تک کہ اسی حزن واندوہ میں مر گئے۔''

شاید یہ بھی مضمون نگار کے خیال میں خودکشی ہوگی۔نعوذ باللہ من ذلک۔اب میں ان خارجیوں کو جو ذکر امام حسینؑ اور ان کے غم میں رونے کو حرام وممنوع سمجھتے ہیں ایک حدیث سنا تا ہوں جس کے جواب میں ان کو سوائے ہائے وائے کرنے اور سر پیٹ کر رہ جانے کے اور کچھ نہ بن پڑے گی۔صحاح کی روایت ہے اور صحیح بخاری جلد ثانی ،ص ۷۵۰ میں بھی (نیز صحیح بخاری میں کئی جگہ) مروی ہے:

بنت معوذ قالت دخل علی النبی غداة بنی علی فجلس علی فراشی کمجسلك منی وجویریات یضر بن بالدف یند بن من قتل من آبائهن یوم بدرحتی قالت جاریة وفینا بنی یعلم ما فی غد فقال النبی لا تقولی هکذا وقولی ما کنت تقولین

ذرہ بذبہ کے معنی بھی ملاحظہ ہوں صراح میں ہے۔ برمردہ گریستن و برشمردن محاسن او۔ اور خود صحیح بخاری کے حاشیہ پر موجود ہے۔

قوله یند بن ای یذکرن باحسن اوصافهم بما یهیج البکاء والشوق

اب غور کرو انصار کی چھوکریوں نے خدا جانے کتنی مدت کے بعد حضور سیدنا ومولانا محمد رسول اللہؐ کے سامنے اپنے آباء کا جو بدر میں مقتول ہوئے تھے ندبہ کیا اور حضور بھی سنتے رہے۔ آپ نے ان کو منع نہ کیا۔ بلکہ ایک دوسرے امر پر ان کو روک کر فرمایا کہ تم جو پہلے کہہ رہی تھیں اسے کہو۔ پس جب انصار کی لڑکیوں کا اپنے مقتولوں کا ندبہ کرنا (اُن کو یاد کر کے ان کے محاسن و اوصاف ذکر کر کے اُن پر افسوس کرنا وقت آمیز جملے کہنا اور اُن کو رونا) منع نہیں بلکہ جائز و درست

ہوا تو پھر سید اشباب اہل الجنہ جگر گوشۂ نبی الرحمۃ سید الشہداء امام ہمام حضرت سیدنا جناب امام حسینؑ علی جدہ وعلیہ الصلوۃ والسلام کا ندبہ کرنا۔ اُن کو یاد کرکے رونا۔ اُن کے غم میں آنسو بہانا اور اُن کا مرثیہ سننا سنانا کیوں حرام و نادرست اور منع ہوگا؟ افسوس...... خدا جانے کیوں خاندان نبوت سے ایسی دلی کشیدگی پیدا ہوگئی ہے کہ اُن کا ذکر تک اُن لوگوں کو ناگوار گزرتا ہے اور ان کو رونا اُن کے غم میں آنسو بہانا اور ان کی مصیبت کو یاد کرنا تو ان لوگوں کے گمان فاسد میں بہت ہی بڑا گناہ ہے۔ خود مرزا حیرت نے بھی شہادت کے بعد ۱۹۰۵ء میں ایسا ہی لکھا تھا۔ امام حسینؑ کی مصیبت کو یاد کرکے آنسو بہانے اور اُن کے غم میں رونے کو ناجائز بتایا اور ثبوت میں مولانا اسمعیل شہید مرحوم یا اور کسی کی عبارت پیش کی تھی۔ بھلا ان روایات صحیحہ واحادیث معتبرہ کے مقابل میں (جو ہم نے اوپر بیان کیں) ہم ایسے لوگوں کے اقوال کب تسلیم کرسکتے ہیں۔ ان حدیثوں اور روایتوں کے موجود رہتے ہم متشددین کے قول کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ اگر کسی نے ایسا فتویٰ دیا ہے اور فی الواقع امام حسینؑ کی مصیبت کو یاد کرکے اُس پر رونے اور اُن کے غم میں آنسو بہانے کو منع کیا ہے تو اُس کا فتویٰ اُسی کو مبارک۔ کالائے بد بریش خاوندیش۔ ما بجوئے نمی خریم۔ جمہور علماء اہل سنت والجماعت نے کبھی ایسا فتویٰ نہیں دیا بلکہ وہ ہمیشہ اس مصیبت پر روتے اور رُلاتے رہے ہیں خود مرزا حیرت آج سے کئی سال پیشتر بڑے زور وشور سے امام حسینؑ کی شہادت کا مضمون لکھ چکے ہیں اور مظلوم سید الشہداءؑ کا بڑا ماتم کیا ہے۔ چنانچہ کرزن گزٹ جلد ۴، ۹ مورخہ ۱۵ اپریل ۱۹۰۳ء ملاحظہ ہو جس کی عبارت حسب ذیل ہے:

''تمام دنیا کی قوم میں صرف مسلمانوں کی قوم میں حضرت حسینؑ کی شہادت ہی ایک ایسا واقعہ ہے کہ صدیوں سے جس کا ماتم ہو رہا ہے اور مسلمانوں کا ہر گروہ کم وبیش اس مظلومانہ شہادت پر ہر سال ماتم کرتا ہے۔ ہر قوم میں نہ صرف بادشاہ یا سردار بلکہ پیغمبر اور رہنما نہایت بے بسی کی حالت میں قتل ہوئے۔ جلاوطن کیے گئے لیکن آج تک ان میں سے کسی کا ماتم کسی نے نہ کیا۔ بہت سے پیغمبروں کے قتل کی خبر قرآن شریف میں دی گئی ہے۔ کلام پاک کے علاوہ عیسائیوں اور یہودیوں کی الہامی کتابیں ان دردانگیز بیانوں سے پُر ہیں۔ تمام قومی مستند تاریخیں ایسے حالات سے بھری ہوئی ہیں مگر وہ اثر اور خونی اثر جو حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا

اسلامی دنیا پر ہوا آج تک کسی قوم پر اس کے رہنما کا نہیں پڑا۔ یہ ایک راز ہے جس کی تہ تک پہنچنا محال عقلی ہے۔ یہ ایک ایسا بھید ہے جو اب تک نہیں کھلا۔ اسلامی دنیا سے علیحدہ ہو کر اگر ہم یورپ کے مورخوں کے بیانات دیکھتے ہیں تو ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ ہمارے ماتم نے نہ صرف ہمیں ہی افسردہ کیا بلکہ نصرانیوں کی ٹھنڈی فطرت پر بھی ویسا ہی خونی اثر ڈالا۔ مورخ اعظم گبن نے سب سے پہلے حضرت امام حسینؑ کی شہادت کا ماتم کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ یہ مظلومانہ شہادت وطن سے دور ایک بے آب وگیاہ صحرا میں ایک سرد دل کو بھی رلا دیتی ہے۔ اس شہادت کے متعلق جو کچھ واقعات بیان ہوتے ہیں وہ ایسے عجیب و غریب ہیں کہ انھیں دیکھ کر آدمی یکا یک سناٹے میں رہ جاتا ہے۔ صدہا کتابیں شہادت کے بیان سے پُر ہیں۔ شیعہ اور سنی علماء متفق طور پر اس مظلومانہ شہادت پر آنسو بہاتے ہیں۔ طرفین کے علماء کی کتابیں بہت سے خونی بیان سے بھری ہیں۔ غرض دنیا میں ابھی تک اسلام کا کوئی فریق نہیں جس نے اس بے کسانہ شہادت پر ماتم نہ کیا ہو۔ الخ (مرزا حیرت دہلوی کا مضمون یہاں پر ختم کر دیا گیا)۔

غور کرو! کس زور شور سے اس مضمون میں امام حسینؑ کے ماتم کو لکھا گیا ہے۔ خصوصاً یہ آخری دو جملے (جو بخط جلی لکھے ہیں) صاف بتا رہے ہیں کہ سید الشہداء کی شہادت پر ماتم نہ کرنا اور اُن پر رونے اور ان کی مصیبت اور غم میں آنسو بہانے کو برا کہنا یا ناجائز بتانا اسلام کے جمہور علماء کے متفقہ امر سے اختلاف کرنا اور اسلام کے اندر مسلمانوں کے باہم تفرقہ ڈالنا اور اسلام میں ایک فرقہ پیدا کرنا ہے اور یہ جملہ کہ ''شیعی اور سنی علماء متفق طور پر اس مظلومانہ شہادت پر آنسو بہاتے ہیں۔'' صاف بتا رہا ہے کہ اس اتفاق کے خلاف کرنا من شذ شذ فی النار (جو اکیلا ہوگا وہ اکیلا جہنم میں رہے گا) کا مصداق بننا ہے...... اب میں خاتمہ پر جناب حضرت امام بوصیریؒ کے قصیدہ ہمزیہ کے چند اشعار نقل کرتا ہوں جہاں انہوں نے حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام اور ان کے بڑے بھائی امیر المومنین جناب امام حسن علیہ السلام کا ماتم کیا ہے اور حضرات حسنینؑ کو خود دل کھول کر روئے اور دوسروں کو رُلایا ہے امام ابوصیریؒ اکابر علماء دین سے گزرے ہیں اُن کے احوال جس کو دیکھنا ہوں وہ تتمہ ابن خلکان وغیرہ ملاحظہ کرے۔ آپ کا

قصیدہ ہمزیہ مدحیہ وہ اعلیٰ وابلغ قصیدہ ہے جس کی علماء نے بہتری شرحیں کی ہیں۔ چنانچہ دو شرحیں جن میں سے ایک علامہ ابن حجر مکیؒ کی ہے میرے ہاں کتب خانہ میں موجود ہیں۔ چنانچہ حضرت امام ابوصیریؒ فرماتے ہیں اور یوں حضرات حسنین علیہم السلام (اور خصوصاً سیدنا حسین علیہ السلام کو) روتے اور اُن کا ماتم کرتے ہیں۔

وبریحانتین طیبهما منك الذی اودعتهما الزهراء

اور میں (یارسول اللہؐ آپ کو) واسطہ دیتا ہوں (آپ کے) اُن دونوں صاحبزادوں کا جو باغ عالم میں آپ کے دو پھول تھے اور جن کی خوشبو آپ سے تھی جو حضرت زہراؑ کو تفویض ہوئے تھے:

کنت تؤوبهما الیك کما آوت من الخط نقطتیهما الیاء

آپ اُن دونوں کو اپنے سے لگائے رہتے تھے جیسے حرف یا رکا خط کشیدہ اپنے دونوں نقطوں کو پناہ میں رکھتا ہے۔

من شهیدین لیس یلنسینی الطف مصابیها ولما کربلاء

وہ دونوں ایسے شہید ہیں کہ طف اور کربلا اُن دونوں مصیبت زدوں کو مجھے بھولنے نہیں دیتے۔

ما رعیٰ فیهما ذما ملك مرؤ س وقد خان عهدك الروساء

آپ کے ذمہ داریوں کی رعایت۔ رعایا نے نہ کی اور (طرفہ یہ کہ) رئیسوں نے بھی آپ کے عہد میں خیانت کی۔

ابدلوا الودود الحفظة فی القر بی وابدت ضبابها النافقاء

(لوگوں نے) محبت اور حفظ وحمیت کو جو آپ کے قرابت مندوں کے لیے چاہئے تھی بدل دیا اور سوراخ نے اپنے سوسماروں کو ظاہر کر دیا۔

وقست منهم قلوب علی من بکت الارض فقدهم والسماء

اور لوگوں کے دل سخت ہو گئے۔ اُن لوگوں کے لیے جن کے کھو جانے پر زمین اور آسمان رویا۔

فابکھم ما استطعت ان قلیلا　　فی عظیم من المصائب بکاع

پس (اے لوگو!) روؤ اُن لوگوں کو جتنا ہو سکے کیونکہ (گریہ و) بکا ایسے عظیم الشان مصیبت زدوں کے لیے تھوڑا ہے۔

کل یوم و کل ارض لکربی　　منھم کربلاع وعاشوراء

ہر روز اور ہر زمین (ہر جگہ) ان کی مصیبت کی وجہ سے میرے لیے کربلاء و عاشوراء ہے۔

آل بیت النبی ان فوادی　　لیس یسلیه عنکم الباساء

اے اہل بیت رسول خدا میرے دل کو تمہاری مصیبتیں چین نہیں لینے دیتیں۔

غیرانی فوضت امری الی الله　　وتفویضی الاسور براع

بجز اس کے کہ میں نے اپنے امر کو خدا کے سپرد کیا اور اسی تفویض میں میری براءت ہے۔

رب ارض بکربلاء مسیئی　　خففت بعض و زرها الزوراء[1]

چند دن کربلا میں برے تھے جس کو بعض برائیوں کو زوراء نے ہلکا کر دیا۔

والاعادی کان کل طریح　　منھم الزق حل عندالوکاء

اور اُس دن دشمنان مرے پڑے تھے مشک کی طرح کہ جس کا منہ کھلا ہوا ہو۔

آل بیت النبی طبتم فطاب　　المدح لی فیکم وطاب الرثاء

اے اہل بیت رسول اللہ! تم لوگ پاک ہو۔ بدیں وجہ ہماری مدح سرائی بھی پاکیزہ اور میری مرثیہ خوانی بھی پاکیزہ۔

انا حسان مدحکم فاذا نحت　　علیکم فاننی الخنساء

میں تمہاری مدح میں مثل حسان کے ہوں اور پھر جب تمہارا ماتم کرتا ہوں تو خنساء ہوں۔

سدتم الناس بالتقی وسواکم　　سبودته البیضاء والصفراء

بوجہ تقویٰ و پرہیزگاری کے تم لوگ سب کے سید و سردار ہو اور تمہارے سوا اوروں کی

---

[1] زوراء ایک مقام کا نام ہے جہاں پر سفاح نے بہت سے دشمنان اہلبیت کو تہ تیغ کیا تھا جس کا ذکر آگے شعر میں ہے۔

سرداری بہ سبب سونا اور چاندی کے ہے۔

اللھم صل وسلم و بارك على سيدنا ومولانا محمد وآله

واهل بيته واصحابه وستبعيه اجمعين

راقم خاکسار حسن پھلواری غفراللہ (رسالہ گریہ وبکا کا بیان ختم ہوگیا)

مولوی صاحب: البتہ مولانا ممدوح نے تشفی بخش دلیلیں دی ہیں اور خصوصاً حضرت یعقوب کے حضرت یوسف پر رونے سے تو کسی طرح انکار نہیں ہوسکتا جو فعل نبی تھا۔

حسینی بیگم: ہم لوگوں کو حضرت یعقوب کے علاوہ حضرت رسولِ خداؐ کی سیرت بھی تو دیکھنی چاہیے کہ حضرت اپنی مصیبت پر روتے تھے یا نہیں اگر حضرت نہ روئے ہوں تو ہم لوگ بھی نہ روئیں لیکن اگر حضرت نے گریہ وبکا کیا ہو تو ہم لوگوں کو حضرت ہی کی پیروی کرنی چاہیے۔ بخاری شریف کی اس روایت کو غور سے سنو۔

فاخذ رسول الله ابراهيم فقبله وشمه ثم دخلنا عليه بعد ذلك وابراهيم يجود بنفسه فجعلت عينا رسول الله تذر فان فقال له عبدالرحمن بن عوف وانت يا رسول الله فقال يابن عوف انها رحمة ثم ابتعها باخرى فقال ان العين تدمع والقلب يحزن ولا نقول الاما يرضي ربنا وانا بفراقك يا ابراهيم لمحزون

یعنی پھر حضرت رسولِ خداؐ نے اپنے صاحبزادے ابراہیم کو لے کر بوسہ دیا اور سونگھا۔ پھر اس کے بعد ہم لوگ آنحضرتؐ کے پاس اس وقت پہنچے جب ابراہیم ختم ہوئے تھے اس وقت حضرت رسول خداؐ نے زاروقطار رونا شروع کیا۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے عرض کی کہ یارسول اللہ! آپ بھی روتے ہیں؟ حضرتؐ نے فرمایا: اے ابن عوف! یہ گریہ تو رحمت ہے۔ یہ فرما کر پھر رونے لگے اور فرمایا آنکھ روتی ہے اور دل غمگین ہے مگر ہم کہتے وہی ہیں جو مرضی خدا کے مطابق ہے اور اے ابراہیم ہم لوگ تمہاری جدائی سے غمگین ہیں۔" (صحیح بخاری، پارہ ۵، ص ۶۷۵)

یہ تو فرزند پر گریہ کا ثبوت ہوا۔ اب شہیدانِ راہ خدا پر گریہ کا اہتمام سنو کہ جب غزوہ احد میں جناب حمزہ شہید ہو گئے اور آنحضرتؐ مدینہ میں واپس آ گئے اس وقت کی حالت لکھی ہے۔

مر رسول اللہ بدور من دور الانصار فسمع البکاء والنوائح علی قتلاھم فذرفت عینا رسول اللہ ثم قال لکن حمزہ لا بواکی لہ

''یعنی آنحضرتؐ نے سنا کہ لوگ اپنے مقتولین پر نوحہ وزاری کر رہے ہیں تو فرمایا ہائے میرے چچا حمزہ پر کوئی نہیں روتا۔ یہ خبر مدینہ والوں کو ہو گئی تو ان لوگوں نے اپنی عورتوں کو حکم دیا کہ حضرت حمزہ پر جا کر رووٴ۔''

وہ نوحہ و ماتم کرنے لگیں:

فلما سمع رسول اللہ بکاء ھن علی حمزۃ خرج علیھم وھن علی باب مسجدہ یبکین علیہ فقال ارجعن رحمکن اللہ فقد واسیتن بانفسکن

یعنی جب حضرت نے سنا کہ انصار کی عورتیں جناب حمزہ پر رو رہی ہیں تو ان سب کے پاس جو آنحضرتؐ کی مسجد کے پاس ہی نوحہ و ماتم کرتی تھیں تشریف لے گئے اور فرمایا اب اپنے گھروں کو جاوٴ خدا تم پر رحم کرے کہ تم نے حق اخوت ادا کر دیا۔ (تاریخ کامل، جلد ۶ ص ۶۴ و تاریخ خمیس جلد ۱، ص ۴۹۹ وغیرہ)

اور بعض کتابوں میں ہے کہ ان سے فرمایا:

رضی اللہ تعالیٰ عنکن وعن اولاد کن واولاد اولاد کن۔

''یعنی خدا تم سے اور تمہاری اولاد کی اولاد سے بھی راضی رہے۔'' (مدارج النبوت، جلد ۲، ص ۱۶۶)

اب تو واضح ہو گیا کہ معزز شہید پر رونا اور نوحہ و ماتم کرنا اتنا ضروری ہے کہ آنحضرتؐ نے اس کے نہ ہونے پر افسوس کیا اور جن لوگوں نے اس ضروری کام کو انجام دیا انھیں دعا دی۔ کیا اب بھی کہو گے کہ شہید پر رونا ممنوع یا مکروہ ہے؟ خود حضرت رسولِ خداؐ بھی جناب حمزہ کو

روئے ہیں۔ جناب شیخ عبدالحق صاحب نے لکھا ہے۔

آخر صفیہ برسر حمزہ آمدووے وفاطمہؑ می گریستند
وبگریہ ایشاں آنحضرتؐ نیز بہ گریہ درآمد

یعنی آ کر جناب صفیہ جناب حمزہ کے سرہانے پہنچ گئیں اور وہ اور جناب فاطمہ ان پر روتی تھیں ان کے رونے سے حضرت رسول خداؐ صلعم بھی رونے لگے۔ (مدارج النبوت ،جلد۲ص ۱۵۲)

اور جنگ موتہ میں جب اہل اسلام اور کفار میں جنگ شروع ہوئی تو آنحضرتؐ مسجد مدینہ میں تشریف لائے آپ کے سامنے سے حجاب کے پردے ہٹا دیئے گئے تو حضرت جنگ کی حالت وہیں سے دیکھ کر فرماتے جاتے تھے کہ زید بن حارثہ، جعفر اور ابن رواحہ نے علم اُٹھایا اور شہید ہوئے۔ یہ فرماتے تھے اور روتے جاتے تھے۔ (مدارج النبوت ،جلد۲ص ۳۳۸ وغیرہ)

اس کے بعد کا بھی واقعہ سنو جناب جعفر طیار کی بیوی اسماء بنت عمیس بیان کرتی تھیں کہ جب آنحضرتؐ کو میرے شوہر جعفر کی شہادت معلوم ہوئی تو میرے گھر تشریف لائے۔ بچوں کو گود میں لے کر پیار کرنے لگے اور روتے جاتے تھے۔ میں نے کہا یا حضرت شاید جعفر شہید ہو گئے۔ فرمایا ہاں! یہ سن کر میں کھڑی ہو گئی اور نوحہ وفریاد کرنے لگی۔ میرے رونے پیٹنے سے عورتیں جمع ہو گئیں۔ آنحضرتؐ آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے جناب فاطمہؑ کے گھر تشریف لے گئے دیکھا کہ وہ یا عماہ یا عماہ کہہ کر رو رہی ہیں۔ اس وقت حضرت نے فرمایا:

علی مثل جعفر فلتبك البا کیه

"،یعنی جعفر ایسے شہید پر لوگوں کو ضرور گریہ و بکا کرنا چاہیے۔" (مدارج النبوۃ، جلد ۲،ص ۳۳۹)

اسی طرح جناب ابوطالب کا انتقال ہوا ہے تو اگرچہ آپ شہید نہیں ہوئے مگر حضرت رسول خداؐ بہت روئے۔

قال علی لما توفی ابوطالب اخبرت رسول الله فبکی بکاء شدیدا

یعنی حضرت علیؑ یہ سن کر بشدت روئے۔ تذکرہ خواص الامہ،ص ۶ وتاریخ خمیس جلد ا،

ص ۳۳۹) خود صحیح بخاری میں رسول خداؐ کا جناب جعفر پر رونا مرقوم ہے۔

عن انس بن مالك ان النبی لغی جعفر اورزید اقبل ان یحیی خبرهما وعیناه تذرفان

یعنی انس بیان کرتے تھے کہ رسول خداؐ نے قبل اس کے کہ حضرت جعفر اور زید بن حارثہ کی خبر لینے آئے ان کی شہادت کا واقعہ بیان کر دیا اور حضرت اس وقت روتے جاتے تھے۔ (صحیح بخاری، علامات النبوت فی الاسلام جلد ا، ص ۵۱۲ و جلد ۲، ص ۶۱۱ باب غزوۂ موتہ)

آپ کو تعجب ہوگا مگر یہ واقعہ ہے کہ حضرت رسول خداؐ شہیدوں پر صرف روتے ہی نہیں تھے بلکہ روتے روتے بے ہوش ہو جاتے تھے۔ جناب شاہ عبدالحق صاحب لکھتے ہیں:

و منقول است از ابن مسعود کہ گفت نہ دیدم ما آں حضرت را صلعم گریہ کنندہ تراز گریہ دے برحمزہ بن عبدالمطلب۔ ایستاد برجنازہ دے گریہ کردد برداشت آوازتابیہوش شدو فرمودیا حمزہ یا عم رسول اللہؐ یا اسد اللہ واسد رسولہ یا حمزہ یا فاعل الخیرات یا حمزہ یا کاشف الکربات یا حمزہ یاذاب عن وجہ رسول اللہ و ازیں جامعلوم می شود کہ درندبہ و بے طاقتی فریاد و آہ ونالہ نیز بوجوہ آمدہ است۔

یعنی جناب ابن مسعود سے منقول ہے وہ کہتے تھے کہ میں نے حضرت رسول خداؐ کو کبھی اتنا روتے نہیں دیکھا جس قدر حضرت رسول خداؐ اپنے چچا جناب حمزہؓ پر روتے تھے۔ حضرت ان کے جنازہ پر کھڑے ہوئے اور رونے لگے اور اس قدر چیخے کہ بے ہوش ہو گئے فرماتے تھے ہائے اے رسول خداؐ کے چچا۔ ہائے اے خدا کے شیر۔ اے رسول کے شیر ہائے۔ اے حمزہ۔ ہائے اے اچھے کاموں والے۔ ہائے اے حمزہ۔ اے مصیبتوں کو دفع کرنے والے اے رسول خدا سے دشمنوں کو ہٹانے والے!!! اور یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ گریہ وزاری اور نوحہ و ماتم اور بے طاقتی میں فریاد اور آہ و

نالہ وجود میں آیا ہے۔ (مدارج النبوت، جلد ۲، ص ۵۷۶ و سیرت حلبیہ، ص ۲۸۸)

یہ بھی لکھا ہے وچوں دید آنحضرت حمزہ را کشتہ شد و مثلہ کردہ شد صیحہ کرد۔

یعنی جب آنحضرتؐ نے جناب حمزہ کو مقتول اور مثلہ کیا ہوا پایا تو خوب زور سے چیخ مار کر رونے لگے۔ (ص ۵۷۵)

جنگ احد میں جب حضرت رسول خدا زخمی ہو گئے اور جناب سیدۃ کو خبر ہوگئی فاتت فاطمه و جعلت تعانقه و تبکی یعنی فاطمہ فوراً آنحضرتؐ کے پاس آئیں اور حضرت سے لپٹ کر رونے لگیں۔ (تاریخ کامل، جلد ۲ ص ۵۹)

صرف جناب سیدہ یا حضرت رسول خدا ہی مصیبتوں پر نہیں روئے ہیں بلکہ ہمارے دوسرے ارکان اسلام بھی برابر روتے رہے ہیں۔ حضرت عائشہ کا حال سنو۔

قالت فلما قبض وضعت راسه علی وسادة وقمت التدم مع النساء واضرب وجهي مع النساء۔

"فرماتی تھیں کہ جب آنحضرت کا انتقال ہو گیا تو میں نے حضرت کا سر تکیہ پر رکھ دیا اور عورتوں کے ساتھ کھڑی ہو کر لگی ماتم کرنے اور منہ پیٹنے۔" (تاریخ ابو الفدا، جلد ۱، ص ۱۵۲، و تاریخ کامل جلد ۲، ص ۱۲۳)

جب حضرت عمر زخمی ہوئے تو اپنے بیٹے عبداللہ کو حضرت عائشہ کے پاس بھیجا وہ پہنچے تو دیکھا حضرت عائشہ بیٹھیں رو رہی تھیں۔ (شرح نہج البلاغہ، جلد ۲، ص ۷۹)

اپنے بھائی پر بہت روئیں اور جزع و فزع کیا۔

فلما بلغ ذلك عائشه جزعت عليه جزعا شديد او فنتت فی دبر الصلوة وندعو على معاويه وعمر

"یعنی جب حضرت عائشہ کو اپنے بھائی محمد بن ابی بکر کی شہادت کی خبر ملی تو بہت روئیں اور جزع و فزع کیا اور اس دن سے ہر نماز کے بعد معاویہ و عمر پر بد دعا کرنے لگیں۔"

(تاریخ کامل، جلد ۳ ص ۱۴۳)

وخرجت عائشه باكية تقول قتل عثمان مظلوما فقال لها
عمار انت تحرضين عليه واليوم تبكين عليه

''یعنی حضرت عثمان کے قتل ہونے پر حضرت عائشہ روتی ہوئی نکل پڑیں کہتی تھیں کہ ہائے عثمان مظلوم قتل کیے گئے۔ جناب عمار نے کہا تم ہی تو اس کے قتل پر لوگوں کو آمادہ کرتی تھیں اور اب ان پر رونے بیٹھ گئیں۔'' (عقد فرید جلد۲،ص۶)

حضرت ابوبکر کا رونا سنو کہ حضرت حمزہ کی شہادت پر ان کی بیٹی فاطمہ نے ان سے پوچھا پدر من کجا است کہ او رلشکر نمی بینم دل صدیق سوخت و آب در دیدہ گردانید۔ یعنی ''میرے بابا کہاں ہیں؟ اس سوال پر حضرت ابوبکر کا دل جلنے لگا اور آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔'' (مدارج النبوت، جلد۲، ص۱۶۶)

حضرت عمر کا رونا بھی سنو۔

ولما استشهد زيد بن الخطاب و كان صحبه رجل من بني
عدي فرجع الى المدينة فلما راه عمر وسعت عيناه وقال
وخلفت زيد اثاويا واتيتني۔

یعنی جب ان کے بھائی زید شہید ہوئے تو ان کے ساتھ بنی عدی کا ایک شخص تھا۔ وہ مدینہ واپس آیا اس کو دیکھ کر حضرت عمر رونے لگے اور کہا تو نے زید کو قبر میں چھپا دیا اور میرے پاس خبر غم لے کر آیا۔ (عقد فرید، جلد۲، ص۵)

لما توفي خالد بن الوليد ايام عمرو كان بينهما بجرة فامتنع
النساء من البكاء عليه فلما انتهى ذلك الى عمر قال وما على
نساء بني المغيره ان يرقن من دمعهن على ابي سليمان

''یعنی جب خالد بن ولید فوت ہو گئے تو عمر کے لحاظ سے عورتیں ان پر گریہ کرنے سے رک گئیں کیونکہ حضرت عمر اور خالد میں عداوت تھی وہ حضرت عمر سے ڈریں مگر حضرت عمر نے سنا تو بگڑ گئے اور فرمایا کہ بنی مغیرہ کی عورتوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ خالد پر نہیں

روتیں۔(عقد فرید، جلد۲،ص۵)

جب لوگوں نے حضرت عثمان کا سر کاٹنا چاہا تو ان کی بیبیاں ان پر گر پڑیں اور چیخنے چلانے اور منہ پیٹنے لگیں۔(شرح ابن ابی الحدید، جلد۲،ص۹۷)

حضرت عثمان کا رونا سنو:

عثمان اذا وقف علی قبر بکی حتی یبل لحمیة۔

جب حضرت عثمان کسی قبر پر ٹھہرتے تو اتنا روتے تھے کہ ان کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر بتر ہو جاتی تھی۔(تیسر الوصول، جلد۲،ص۳۰۵)

یہ روایت بھی دیکھو تو:

بعض کناین مروان فشهد ها الناس وشهدها ابوہریرہ ومعها النساء یبکین فامرهن مروان فقال ابوہریرہ دعهن فانه مر علی رسول الله جنازة ومعها ابوك تنهون عمر فقال له رسول الله دعهن فان النفس مصابة والعین دامعة

''یعنی مروان کے خاندان کی کوئی عورت مرگئی تو عورتیں روتی تھیں۔مروان نے منع کیا۔اس پر حضرت ابوہریرہ نے کہا کہ انھیں رونے دو۔حضرت رسولِ خداؐ کے پاس سے بھی ایک جنازہ گزرا تھا تو حضرت عمر نے رونے والوں کو جھڑکا تھا۔اس پر آنحضرتؐ نے اُن سے فرمایا کہ ان عورتوں کو رونے دو اس لیے کہ یہ مصیبت زدہ ہیں اور آنکھوں سے آنسو جاری ہیں رُک نہیں سکتے۔(مسند احمد، بن حنبل، جلد۲،ص۱۱۰، ۲۷۳،۴۰۸وغیرہ)

کیا میت پر نوحہ و ماتم کرنا ممنوع اور حرام ہے؟

مولوی صاحب: یہ سب واقعات تو فطری اثر اور قہری جذبات کے ہیں مگر امام حسینؑ پر تو لوگ اہتمام کر کے روتے اور نوحہ وزاری کرتے ہیں۔ اس کو کیسے کوئی پسند کر سکتا ہے؟

حسینی بیگم: پہلے یہ دیکھو کہ عام میت پر نوحہ و ماتم کرنا جائز ہے یا ناجائز۔ پھر حضرت امام حسینؑ کا نوحہ و ماتم خود ہی معلوم ہو جائے گا۔

مولوی صاحب: خیر یہی سہی۔

اب دیکھو کہ لوگوں بلکہ خدا کے مقرب بندوں نے مظلوم مقتولوں اور معزز مردوں پر اہتمام کر کے نوحہ و ماتم کیا ہے یا نہیں۔ حضرت آدم کے فرزند ہابیل قتل کیے گئے تو ان پر نوحہ کیا اور مرثیہ پڑھا۔ ایک شعر یہ ہے۔

تغیرت البلاد و من علیها

فوجه الارض مغبر قبیح

"یعنی شہروں کا اور جو اُن پر آباد ہیں سب کا رنگ بگڑ گیا اور زمین کی صورت غبار آلود بدنما ہو گی۔" (تاریخ کامل، جلد ا ص ۱۷)

حضرت آدم فراق جنت میں بھی بے قرار رویا کرتے تھے۔ حضرت یعقوبؑ بھی فراق حضرت یوسف میں خاص اہتمام کر کے روتے تھے۔ حضرت عائشہ نے آنحضرتؐ کے انتقال پر جو نوحہ و ماتم کیا اس کو ابھی بیان کر چکی جناب سیدہ حضرت رسول خداؐ کی وفات کے بعد اس قدر روئیں کہ اہل مدینہ گھبرا گئے۔ آپ نے مرثیہ بھی نظم فرمایا اور نوحہ و بین کر کے بھی روتی تھیں اور حضرت عائشہ بھی گریہ زاری کرتی تھیں۔ جناب سیدہ علیھا السلام کے نوحہ کے یہ دو شعر سن لو۔

اذا اشتد شوقی زرت قبرك باکیا

انوح واشكوما اراك مجادبا

یا ساکن الغبراء علمنی البکاء

وذكرك انسانی جمع المصائبا

''یعنی اے بابا جب آپ کے دیکھنے کو میرا دل تڑپتا ہے تو روتی ہوئی جاتی ہوں اور آپ کی قبر کی زیارت کر لیتی ہوں۔ وہاں نوحہ وزاری کرتی اور شکوہ کرتی ہوں۔ مگر افسوس آپ سے کوئی جواب نہیں ملتا۔ اے خاک میں آرام کرنے والے بتائیے تو میں کس طرح روؤں۔ آپ کی یاد نے تو میری تمام مصیبتیں بھلا دیں''۔ (مدارج النبوت، جلد۲، ص ۵۲۵)

اور آنحضرتؐ کے انتقال پر حضرت عمر کی یہ حالت ہوئی کہ

میر یخت اشکہائے او برمی رفت آہ و نالہ او۔ ''یعنی ان کے آنسو جاری تھے اور آہ و نالہ بلند کرتے تھے۔'' (مدارج النبوت، جلد۲، ص ۵۱۳)

اور وفات رسول خداؐ کے بعد صحابہ کی یہ حالت ہوئی کہ فضج الناس یبکون یعنی صحابہ کے روتے ہچکیاں بندھ گئیں۔ (صحیح بخاری، جلد۱، ص ۵۱۷)

وازہر کدام از اہل بیت کرام وصحابہ عظام مرثیہ در وفات آنحضرتؐ درسلك انتظام می کشیدند

یعنی ''اہل بیتؑ کرام اور صحابہ عظام سے ہر شخص آنحضرتؐ کی وفات پر مرثیہ پڑھتا تھا۔'' (مدارج النبوت، جلد۲، ص ۵۲۵)

چوں رقیہ وفات یافت زنان می گریستندو آں حضرت ایشاں را منع نمی کرد وفاطمہ زہرا برسرقبر رقیہ بر پہلوے رسول نشستہ بود دمی گریست رسول بگوشہ ردا اشك از چشم دے پاك می کرد

یعنی" جب رقیہ نے انتقال کیا تو عورتیں ان پر روتی تھیں مگر حضرت رسولِ خداؐ ان سب کو منع نہیں کرتے تھے۔ بلکہ حضرت فاطمہؑ تو رقیہ کی قبر کے سرہانے بیٹھی تھیں۔ وہیں حضرت رسولِ خداؐ بیٹھے تھے۔ فاطمہ روتی جاتی تھیں اور حضرت رسولِ خداؐ اپنی ردا کے کنارے سے آنسو پوچھتے جاتے تھے۔" (مدارج النبوت، جلد۲، ص۵۴۱)

جب حضرت ابوبکر کا انتقال ہوا تو اقامت عائشه عليه النوح "حضرت عائشہ نے حضرت ابوبکر پر نوحہ و ماتم شروع کیا۔" (تاریخ کامل، جلد۲، ص۱۶۱)

جب حضرت عمر کا جنازہ اُٹھا تو حضرت عائشہ کی کیا حالت ہوئی

آواز کشید دا محمداه وا ابوبکراه..... یك بار آواز اہل مدینه برخاست زلزله و زمین و زمان افتاد۔ یعنی حضرت عائشه نے نوحه شروع کیا که ہائی محمد ہائے ابوبکر

اس پر ایک بارگی اہل مدینہ نے چیخنا چلانا شروع کیا اور زمین و زمان زلزلہ پڑ گیا۔ (روضۃ الاحباب)

حضرت عمر کا اہتمام سنو:

قال عمر رحم الله زيد بن الخطاب انى لا حسب لو كنت اقدر على ان اقول الشعرلبكيته

"انہوں نے کہا خدا زید (میرے بھائی) پر رحم کرے۔ اگر میں شعر کہہ سکتا تو زید کا مرثیہ کہہ کر ان پر روتا۔" (طبقات ابن سعد، جلد۳، ص۲۷۵)

عجبا يقول الناس ان عمرنهى عن النوح لقد بكى على خالد بن الوليد بمكة والمدينة نساء بنى المغيرة سبعا يشققن الجيوب يوضر بن لوجوه

"یعنی تعجب ہے کہ لوگ کہتے ہیں حضرت عمر نے نوحہ و ماتم سے منع کیا ہے۔ حالانکہ خالد بن ولید پر مکہ اور مدینہ میں بنی مغیرہ کی عورتوں نے سات دن تک ماتم کیا۔

اس غم میں انہوں نے اپنے گریبان بھی پھاڑ ڈالے اور منہ پر طمانچے بھی مارے۔
(کنزل العمال، جلد ۸، ص ۱۱۹)

لما توفی عبدالرحمن فلما قدمت عائشه اثت قبره وجعلت تقول ـ

وکنا کند مانی جزیمة حقبة من الدهر

یعنی حضرت ابوبکر کے بیٹے عبدالرحمٰن مر گئے اور حضرت عائشہ اس شہر میں گئیں تو ان کی قبر پر پہنچ کر نوحہ پڑھنے لگیں کہ ہم لوگ جزیمہ کے دو ندیموں کی طرح ایک مدت تک ساتھ ساتھ رہے۔ اب زمانہ نے ان کو مجھ سے چھڑا دیا۔ (جامع ترمذی، ص ۱۲۴)

آنحضرت کی رحلت پر حضرت عمر بدحواس ہو گئے اور اپنا اور اپنے باپ کا نام تک بھول گئے۔ (تحفہ اثنا عشریہ با جواب مطاعن عمر)

جب حضرت رسولِ خداؐ نے حفصہ کو طلاق دینے کہا تو **فبلغ ذلك عمر فحثا على راسه التراب**۔ یعنی یہ خبر حضرت عمر نے سن لی تو وہ اپنے منہ پر خاک ڈالنے لگے۔"
(استیعاب، جلد ۲، ص ۷۳۴)

جب حضرت ابوبکر کا انتقال ہوا تو مدینہ میں اس قدر گریہ ہوا ایسا کہرام مچا جیسا رسولؐ خدا کی وفات پر ہوا تھا۔ (عقد فرید، جلد ۲، ص ۷)

ولما لغی نعمان بن مقرن الی عمر بن الخطاب وضع یده علی راسه وصاح یا اسفاه علی النعمان

"یعنی نعمان بن مقرن کے مرنے کی خبر حضرت عمر نے سنی تو اپنا سر پکڑ لیا اور چیخ کر رونے لگے کہ ہائے نعمان۔ (عقد فرید، جلد ۲، ص ۵)

حضرت عمر کے بیٹے کو زنا اور شراب خواری کی سزا میں کوڑے لگائے گئے۔ وہ مر گیا تو حضرت عمر کی کیا حالت ہوئی۔

ثم جعل راسه فی حجره وجعل یبکی ویقول بابی من قتله

الحق- بابی من مات عند القضاء الحد بابی من لم یرحمه

ابوه واقار به فنظر الناس الیه فاذا هو قد فارق الدنیا فلم یریوم

اعظم منه وضحج الناس بالبکاء والنحیب

''یعنی حضرت عمر نے اپنے بیٹے کا سر اپنی گود میں رکھ کر رونا شروع کیا اور کہتے جاتے تھے۔ میرا باپ فدا ہو اس پر جسے حق نے قتل کیا۔ میرا باپ فدا ہو اس پر جو سزا ختم ہوتے ہی چل بسا۔ میرا باپ فدا ہو اس پر جس کے اوپر نہ اس کے باپ نے رحم کھایا یا نہ اُس کے رشتہ داروں نے۔ لوگوں نے دیکھا تو ابوشحمہ (فرزند حضرت عمر) مر چکا تھا۔ پھر مدینہ میں اس زور کا ماتم کبھی نہیں ہوا تھا۔ لوگ داڑھیں مار مار کر اس پر روتے اور نوحہ و ماتم کرتے تھے۔ (ازالۃ الخفا، جلد۲، ص۱۵۱)

جب حضرت عمر کے زخمی ہونے کی خبر جناب حفصہ نے سنی تو عورتوں کو ساتھ لے کے آئیں اور اُن کے پاس بیٹھ کر رونے لگیں پھر لوگ عیادت کو آئے تو حفصہؓ پردے کے اندر چلی گئیں مگر ان کا رونا اور سسکنا سب لوگ سن رہے تھے۔ (شرح ابن ابی الحدید، جلد۲، ص)

عقد فرید جلد۲ میں ایک کتاب الدرہ فی التغازی والمراثی یعنی مردوں کی تعزیت کرنا اور ان پر مرثیہ پڑھنے کی باتیں ہیں۔ اس کو ضرور دیکھ جاؤ۔

کیا شہادت امام حسینؑ پر گریہ وبکا
اور
نوحہ وماتم کے عوض فخر ومباہات
اور
خوشی کرنی چاہیے؟

مولوی صاحب: مگر حضرت امام حسینؑ پر تو گریہ وبکا اور نوحہ وماتم نہیں بلکہ فخر ومباہات کرنی چاہیے کہ ان کو خدا نے ایسی عظیم الشان شہادت کا درجہ عطا کیا۔

حسینی بیگم: تو اسلام کے مقابلہ میں آج سے آپ بھی ایک نیا دین۔ جدید مذہب نکال لو دنیا میں جہاں ہزاروں مذہب ہیں تمہارا بھی الگ مذہب ہو جائے۔

مولوی صاحب: یہ کیا آپ بکنے لگیں۔

حسینی بیگم: آپ خود ہی کہتے ہیں کہ امام حسینؑ کو خدا نے شہادت کا درجہ دیا تو لوگوں کو حضرتؑ کی اس عزت وشرف پر رونا یا نوحہ وماتم کرنا نہیں بلکہ خوشی کرنا چاہیے، یہ اسلام کے خلاف ہی بات تو ہے جس کی تلقین آپ کر رہے ہیں۔

مولوی صاحب: تمہاری بیہودہ باتوں سے مجھے غصہ آرہا ہے۔ یہ اسلام کے خلاف کیسے ہے؟

حسینی بیگم: غصہ تو برا ہے۔ اسلام کے خلاف اس سبب سے ہے کہ خدا نے فرمایا ہے:

ولقد كان لكم في رسول الله أُسوة حسنه

"اے مسلمانو! حضرت رسولِ خداؐ کی ذات میں پیروی کرنے کو تمہارے لیے سب

سے اچھا نمونہ موجود ہے۔" (پ۲۱، ع۱۹)

مولوی صاحب: اس سے کون انکار کرتا ہے۔فضول باتوں میں وقت ضائع کرتی ہو۔ میں تو حضرت حسینؑ پر فخر ومباہات کی ضرورت کو کہہ رہا ہوں۔

حسینی بیگم: بات تو پوری ہونے دو۔ جب حضرت رسولِ خداؐ کی پیروی سب مسلمانوں کے لیے بہترین طرزِ عمل ہے تو شہیدوں پر حضرتؐ نے جو کیا وہ بھی بہترین عمل قرار آئے گا اور چونکہ خدا نے رسولؐ کی پیروی کا حکم دیا ہے اس وجہ سے وہی فعل خدا کا بہترین دین بھی ہے۔

مولوی صاحب: ہاں ہاں اس سے کون انکار کرتا ہے۔ بیشک آنحضرتؐ کا عمل خدا کی مرضی بلکہ حکم کے مطابق ہوتا تھا لہٰذا اس کو خدا اور رسولؐ کا پسندیدہ کام ہی کہا جائے گا۔

حسینی بیگم: اب یہ بتاؤ کہ حضرت رسولِ خداؐ کے زمانہ میں کوئی مسلمان یا صحابی شہادت کے درجہ پر پہنچا یا نہیں؟

مولوی صاحب: بہت سے صحابہ کبار کو یہ شرف ملا۔ایک دو تھے م کہ نام بتاؤں۔

حسینی بیگم: تو کیا ان کے شہید ہونے پر حضرت رسولِ خداؐ نے خوشی کی؟ مسرت وشادمانی کا اظہار کیا۔عید منائی۔فخر ومباہات کی؟ کوئی دلیل ہو تو بتاؤ آپ تو حدیث تفسیر کی سب کتابیں چاٹے بیٹھے ہیں۔

مولوی صاحب: (چپ ہیں کچھ بول نہیں سکے۔کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد)

حسینی بیگم: چپ کیوں ہو گئے۔ پہلے تو خوب گرجتے اور کڑ کتے تھے اب وہ غیظ وغضب کہاں گیا۔کسی ایک ہی شہید کا نام بتادو جو اس عالی درجہ پر پہنچا تو آنحضرتؐ نے خوش وشادمانی ظاہر کی ہو۔اس کے اس درجہ پر فائز ہونے کے بعد فخر ومباہات کی ہو۔اس کے رونے والوں کو رونے کے عوض مسرت کا حکم دیا ہو۔

مولوی صاحب: مجھے تو کسی کتاب میں یہ بات یاد نہیں پڑتی۔

حسینی بیگم: آپ پہلے کہتے تھے کہ حضرت حمزہ سید الشہداء ہیں اور یقیناً حضرت رسولِ خداؐ نے اپنی زندگی کے شہیدوں میں حضرت حمزہؓ کی شہادت کو سب سے زیادہ عظیم الشان سمجھا مگر کیا اس

شہادت پر حضرتؐ نے خوشی کی، مسرت وابتہاج فرمایا، فخر ومباہات کی؟ کہ واہ واہ میرے چچا کو شہادت کا کتنا بڑا مرتبہ حاصل ہو گیا۔ کیسی اچھی بات ہوئی کہ وہ قتل کر دیئے گئے۔

مولوی صاحب: نہیں ایسا تو حدیث یا تاریخ کی کسی کتاب سے نہیں معلوم ہوتا ہے، بلکہ ابھی تم نے کتنی کتابوں سے ثابت کیا کہ آنحضرتؐ ان پر خود روئے اور دوسروں کو رلایا بلکہ انصار کی عورتوں کے نوحہ و ماتم کرنے پر ان سے خوشی ظاہر کی۔ دعا دی اور شکریہ ادا کیا۔ اور یہ نوحہ و بکا ہی حضرت کے زخم دل کا مرہم ہوا۔

حسینی بیگم: پھر جناب جعفر جو حضرتؐ کے چچا زاد بھائی تھے۔ جنگ موتہ میں شہید ہوئے تو حضرت نے خوشی کی؟ یا خود بھی روئے اور دوسروں کی بھی تعزیت کی؟

مولوی صاحب: نہیں خوشی تو نہیں کی بلکہ گریہ وبکا ہی کیا۔

حسینی بیگم: تو کیا یہ دونوں بزرگ شہادت کے درجہ سے محروم رہے جو آنحضرتؐ نے ان کی اس فضیلت پر فخر ومباہاۃ نہیں کی؟

مولوی صاحب: نہیں ان حضرات کے درجۂ شہادت کی عظمت تو کوئی بیان ہی نہیں کر سکتا۔

حسینی بیگم: تو جس طرح حضرت رسول خداؐ نے شہیدوں پر گریہ وبکا کیا ہم لوگوں کو بھی یہی کرنا چاہیے۔ یا اس کے برعکس خوشی وشادمانی، فخر ومباہات؟ اچھا یہ بتاؤ حضرت عمر فاروقؓ شہادت کے درجہ پر فائز ہوئے تھے یا نہیں؟

مولوی صاحب: یہ بھی کچھ پوچھنے کی بات ہے؟ حضرت تو ابولولوء کے خنجر سے زخمی ہو کر شہید ہو گئے۔ یہ اسلام کا مشہور واقعہ ہے۔

حسینی بیگم: تو ان کی شہادت پر ان کی بیوی بچوں نے خوشی کی، عید منائی، جشن کیا، فخر ومباہات کی؟

مولوی صاحب: نہیں سب روئے پیٹے۔ بلکہ کل مسلمانوں نے اپنے ایسے پیارے خلیفہ کی شہادت پر گریہ وبکا کیا۔

حسینی بیگم: تو یہ ان لوگوں نے بُرا کیا؟ ان کو اس کے عوض شادی کے لوازم پورے کرنے تھے؟

ذرہ انصاف سے بتاؤ کہ آج ہم مسلمان حضرت عمر فاروق کی شہادت پر خوشی ظاہر کریں۔ عید منائیں۔ فخر و مباہاۃ کریں تو دنیا ہم لوگوں کو کیا کہے گی۔ اچھا حضرت عثمان شہید ہوئے یا نہیں؟

مولوی صاحب: وہ بھی اس شرف سے سرفراز ہوئے۔ ان کی شہادت بھی اسلام کا مشہور واقعہ ہے۔ ہائے وہ بھی بڑی بے دردی سے قتل کیے گئے۔

حسینی بیگم: تو اس پر ہائے کیوں کرتے ہو۔ اٹھ کر ناچو، تھرکنے لگو، محفل نشاط و سرور قائم کرو کہ حضرت کو خدا نے اتنا بڑا مرتبہ دے دیا۔

مولوی صاحب: مگر ان پر ہم لوگ اب نوحہ و ماتم بھی تو نہیں کرتے۔

حسینی بیگم: ہاں یہ میں کب کہتی ہوں مگر ان کی شہادت پر عید کیوں نہیں مناتے۔ فخر و مباہاۃ کیوں نہیں کرتے۔ جس طرح حضرت امام حسینؑ کے بارے میں کہتے ہو کہ آپ اس درجہ پر پہنچے کہ خوشی میں مسلمانوں کو عید منانی چاہیے۔

مولوی صاحب: عید نہ مناؤ مگر نوحہ و ماتم کیوں کیا جائے۔

حسینی بیگم: گریہ و بکا اور نوحہ و ماتم کی بحث پہلے پوری ہو چکی۔ اب اس کو کیوں چھیڑتے ہو۔ جب کسی شخص پر گریہ و بکا اور نوحہ و ماتم برا نہیں ہے تو حضرت پر کیوں برا ہوگا۔ بلکہ یہ بہت اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے۔

مولوی صاحب: معاذ اللہ حضرت حسینؑ پر رونا اور نوحہ و ماتم کرنا عبادت کیسے ہو جائے گا۔ جب حضرت عمر و حضرت عثمان کی شہادت پر نوحہ و ماتم کرنا عبادت نہیں تو حضرت حسینؑ کی شہادت پر نوحہ کیوں عبادت کہا جائے گا؟

حسینی بیگم: اس لیے کہ امام حسینؑ کے لیے خدا نے اس عمل کو اپنی مخلوقات سے انجام دلایا اور حضرت رسولِ خداؐ نے خود یہ عمل کیا اور حضرت عمر و حضرت عثمان کے لیے خدا اور رسولؐ نے ایسا نہیں کیا۔

مولوی صاحب: وہ کس طرح ذرہ میں بھی تو سنوں۔

حسینی بیگم: خدا نے تو اس طرح اپنی مخلوقات سے اس عبادت کو انجام کرایا کہ حضرت مولانا

شاہ عبدالعزیز صاحب دہلویؒ نے تحریر فرمایا ہے:

''جب یہ واقعہ شہادت واقع ہوگیا تب اس کے حال کا اشتہار (خدا کی طرف سے) اس طرح دیا گیا کہ مٹی خون بن گئی آسمان سے خون برسا۔ غیبی ہاتفوں نے حضرتؑ کے مرثیے کہے اور جنات نے حضرتؑ پر نوحہ پڑھا اور گریہ و بکا کیا اور حضرتؑ کے جسم کی حفاظت کرنے کے لیے شیر اور دوسرے درندے اس کے گرد گھومتے رہے اور حضرتؑ کے قاتلوں کے نتھنوں میں زندہ سانپ گھستے اور نکلتے رہے...... بلکہ خدا نے اس امت میں اس تدبیر کو جاری کیا کہ لوگ ہمیشہ اس پر رویا اور نوحہ و ماتم کیا کریں اور قیامت تک اس پر حزن و غم کریں اور ان ہولناک مصیبتوں کو ذکر کیا کریں۔ اس کی غرض بھی یہی ہے کہ اس کا اچھی طرح اشتہار ہوتا رہے۔'' (سرالشہادتین، ص۴)

اس سے صاف معلوم ہوا کہ خدا ہی نے امام حسینؑ کا نوحہ و ماتم اور گریہ و بکا جاری کیا ورنہ مٹی، آسمان، شیر، سانپ صاحبان عقل نہیں ہیں کہ اپنے ارادہ سے اس عبادت کو انجام دیتے ہیں۔ اسی طرح غیبی ہاتف اور جنات نے بھی نوحہ خدا ہی کے حکم سے پڑھا۔ آخر میں صاف فرما دیا کہ خدا ہی نے یہ تدبیر جاری کی کہ لوگ اس پر قیامت تک رویا اور نوحہ و ماتم کیا کریں۔

مولوی صاحب: البتہ مولانا شاہ صاحب کی اس تحقیق کے بعد تو کوئی شخص کچھ نہیں بول سکتا۔

حسینی بیگم: صرف شاہ صاحب ہی کی تحریر نہیں ہے۔ دوسری ہزاروں کتابوں میں بھی یہ دلیلیں بھری ہیں۔ حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے تحریر فرمایا ہے:

هبط على قبر الحسين بن علي يوم اصيب سبعون الف ملك يبكون عليه الى يوم القيامة

''یعنی حضرت امام حسینؑ کے مشہد پر روز عاشوراء ستر ہزار فرشتے نازل ہوئے جو قیامت تک حضرت پر رویا کریں گے۔ (غنیۃ الطالبین، ص۶۰۴)

بتاؤ فرشتے تو صرف وہی کرتے ہیں جس کا حکم خدا سے پاتے ہیں۔ اور جب وہ روز

عاشوراء سے اس عمل کو کر رہے ہیں تو واضح ہے کہ خدا ہی چاہتا ہے کہ امام حسینؑ پر رویا جائے۔ اگر حضرت کی شہادت پر خوشی اور فخر ومباہات مناسب ہوتی تو خدا فرشتوں کو بھی مامور کرتا کہ معاذ اللہ روضہ امام حسینؑ پر خوشیاں منائیں۔ جشن کریں۔ فخر ومباہت کے ادھم مچائیں۔ اسی طرح جنات کا گریہ وبکا اور نوحہ وماتم بھی واضح کرتا ہے کہ یہی خدا کا مطلب ہے۔ ورنہ وہ سب بھی مسرت ونشاط کے سامان مہیا کرتے۔

اخرج ابونعیم فی الدلائل عن ام سلمة قالت سمعت الجن تبکی علی الحسین وتنوح علیه

حضرت ام المومنین ام سلمہ فرماتی ہیں کہ میں نے جنوں کو امام حسینؑ پر روتے اور نوحہ کرتے سنا ہے۔" (تاریخ الخلفاء، ص ۱۴۱، وصواعق محرقہ، ص ۱۱۷ وغیرہ)

اخرج ثعلب فی امالیه عن ابی جناب الکلبی قال اتیت کربلاء فقلت لرجل من اشراف العرب اخبرنی بما بلغنی ایکم تسمعون نوح الجن فقال ما تلقی احدا الا اخبرك انه سمع ذلك قلت فاخبرنی بما سمعت انت۔ قال سمعتهم یقولون شعر مسح الرسول جبینه۔ قل بریق فی الخدود۔ ابواه من علیا قریش۔ وجده خیر الجدود

"یعنی ثعلبی نے اپنی امالی میں ابوخباب کلبی سے روایت کی ہے کہ وہ بیان کرتے تھے کہ میں ایک مرتبہ کربلا پہنچا اور عرب کے ایک معزز شخص سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ تم لوگ جنات کے نوحے سنتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا یہاں جس شخص سے تم ملو گے یہی کہے گا کہ وہ بھی سنتا ہے۔ میں نے کہا اچھا مجھے بھی بتاؤ کہ تم لوگ کیا سنتے ہو۔ انہوں نے کہا میں نے یہ نوحہ پڑھتے سنا ہے۔ حضرت رسول خداؐ کس پیار سے امام حسینؑ کی پیشانی پر ہاتھ پھیرا کرتے تھے اور کیوں نہ ہو کہ حضرتؑ کے رخساروں میں خدا نے خاص نورانیت پیدا کر دی تھی۔ حضرتؑ کے ماں باپ قریش کے شریف ترین

خاندان سے تھے اور ان کے نانا سب سے بہتر و فاضل تھے۔" (تاریخ الخلفاء، ص ۱۴۱ وغیرہ)

اور اس سے پہلے میں وہ قدرتی آثار بیان کر چکی ہوں جو حضرتؑ کی شہادت پر خدا کی طرف سے ظاہر کیے گئے۔ (دیکھو، ص ۲۸۲) وہ سب صاف کہتے ہیں کہ امام حسینؑ کے غم میں نوحہ و ماتم اور گریہ و بکا کرنے کے لیے وہ حادث کئے گئے۔ اسی وجہ سے بعض کتابوں میں آسمان کا رونا موجودہ ہے مثلاً **لما قتل الحسین بکت علیه السماء**

یعنی جب امام حسینؑ شہید ہوئے تو حضرت پر آسمان تک رویا۔ (ینابیع المودة)

اور صرف آسمان و زمین یا ملائکہ اور جناب ہی سے خدا نے یہ عبادت نہیں انجام دلائی بلکہ بڑے بڑے انبیاء کے ذریعہ سے بھی اس عمل خیر کو جاری کیا۔

مولوی صاحب: کیا تمہارا اشارہ حضرت رسولِ خداؐ کے علاوہ بھی کسی نبی کی طرف ہے۔

حسینی بیگم: ہاں حضرتؐ سے پہلے بھی حضرت امام حسینؑ پر گریہ و بکا اور نوحہ و ماتم کیا گیا ہے۔ مثلاً جناب ملا حسین کاشفیؒ نے لکھا ہے

ابراهیم علیه السلام چوں شمہ ازیں واقعہ (کربلا) بشنید قطرات حسرت از چشم سار چشم بر صفحات رخسار فرو بارید خطاب رسید کہ اے ابراہیم ثواب گریستن تو بر حسین والے کہ بہ دل تو رسید برابر آں مثوبت است کہ بدست خود فرزند خود را قربان می کردے۔

یعنی حضرت ابراہیمؑ نے جب کچھ مختصر حال اس واقعہ کربلا کا سنا تو حسرت کے آنسو کے چند قطرے آپ کے رخسار پر جاری ہو گئے۔ اس پر خدا کا حکم نازل ہوا کہ اے ابراہیم تم جو حسینؑ پر روتے ہو اور ان کی شہادت سے جو الم تمہارے دل کو پہنچتا ہے۔ اس کا ثواب تمہیں اتنا ہی ملے گا جس قدر اس اطاعت کا ملتا کہ تم اپنے ہاتھ سے اپنے فرزند اسمعیل کو میری خوشی میں ذبح کر دیتے۔ (روضة الشہداء، ص ۲۷)

اب حضرت رسولِ خداؐ کے شہادت امام حسینؑ پر رونے کی دلیل سنو۔ اگر چہ اس کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے۔ جناب ام الفضل بنت حارث کا خواب دیکھنا اور امام حسینؑ کی ولادت پر

انھیں حضرتؐ کی گود میں دینا اور حضرتؐ کا رونا۔ ام الفضل کا پوچھنا کہ یا حضرت آپ کیوں رونے لگے۔ فرمایا جبریلؑ نے کہا ہے کہ میری اُمت میرے اس فرزند کو قتل کرے گی۔ پہلے بیان کر چکی ہوں۔ (دیکھو مشکوٰۃ شریف، جلد ۸، ص ۱۴۰) (اسی کتاب میں گزشتہ ابواب میں ساری عبارت درج ہو چکی ہے)

یہ روایت بھی سن لو:

مر علی بکربلا عند مسیره الی صفین وحاذی نبینوی قریة علی الفرات فوقف وسال عن اسم هذه الارض فقیل کربلا نبکے حتی بل الارض من دموعه ثم قال دخلت علی رسول اللهؐ وهو یبکی فقلت مایبکیك۔ قال کان عندی جبرئیل انفاو اخبرنی ان ولدی الحسین یقتل بشاطی الفرات بموضع یقال له کربلا ثم قبض جبرئیل قبضة من تراب و شمنی ایاه فلم املك عینی ان فاضتا ورواه احمد مختصرا عن علی دختل علی النبیؐ الحدیث وردی الملا ان علیا مربقبر الحسین فقال همنا مناخ رکابهم وههنا موضع رحالهم وههنا مهراق دمائهم فتیة من آل محمد یقتلون بهذه العرصة تبکی علیهم السماء والارض

''یعنی طبقات ابن سعد میں امام شعبی سے روایت ہے کہ حضرت علیؑ ایک مرتبہ جب جنگ صفین میں جا رہے تھے مقام کربلا میں پہنچے اور نینویٰ کے مقابل ہوئے جو فرات پر ایک قریہ ہے تو حضرت وہاں ٹھہر گئے اور لوگوں سے پوچھا اس جگہ کا کیا نام ہے؟

لوگوں نے کہا اس کو کربلا کہتے ہیں۔

یہ سننا تھا کہ حضرتؑ نے رونا شروع کیا اس قدر روئے کہ آپ کے آنسوؤں سے وہاں کی زمین تر ہو گئی۔

پھر فرمایا کہ ایکدفعہ میں حضرت رسولِ خداؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا تو دیکھا کہ حضرت رو رہے ہیں۔

میں نے عرض کی کہ یا حضرتؐ آپ کیوں اس درجہ گریہ و بکا فرماتے ہیں؟

حضرتؐ نے فرمایا کہ ابھی میرے پاس جبرائیل موجود تھے انہوں نے بیان کیا کہ میرا بیٹا حسینؑ فرات کے کنارے ایک مقام پر قتل کیا جائے گا اس جگہ کا نام کربلا ہے۔ پھر جبرئیل نے اس جگہ کی تھوڑی مٹی اپنے ہاتھ میں اٹھائی اور مجھے سنگھائی۔ اس پر میں دل کو روک نہیں سکا اور میری دونوں آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔" (اس کو امام احمد نے بھی اپنی مسند میں مختصر طور پر درج کیا ہے۔)

اور دوسری روایت بھی حضرت علیؑ سے اس طرح ہے کہ فرماتے تھے میں حضرت رسولِ خداؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ملا نے روایت کی ہے کہ حضرت علیؑ ایک دفعہ اس جگہ سے گزرے جہاں بعد میں حضرت امام حسینؑ کا روضہ بنا تو حضرت نے پیشین گوئی کے طور پر فرمایا کہ اُن لوگوں کے اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ یہ ہوگی۔ اور ان لوگوں کے پالانوں کی جگہ یہ ہوگی اور اس جگہ ان لوگوں کا خون بہایا جائے گا۔ آلِ محمدؐ کے کچھ بہادر اسی میدان میں قتل کیے جائیں گے جن پر آسمان و زمین بھی روئیں گے۔ (صواعق محرقہ، ص ۱۱۵)

اگر امام حسینؑ پر رونا اور نوحہ و ماتم کرنا خدا کی خوشنودی کا سبب نہیں ہوتا تو حضرت رسولِ خداؐ کیوں یہ عمل کرتے اور صرف زندگی ہی میں نہیں بلکہ وفات کے بعد بھی آنحضرتؐ اپنے حسینؑ کی شہادت پر روئے اور نوحہ و ماتم کا پورا سامان کیا ہے۔

مولوی صاحب: وہ کس طرح؟

حسینی بیگم: خود امام ترمذیؒ نے لکھا ہے:

ان ام سلمه رأت النبیؐ باکیا و برأسه ولحیة التراب فسالت فقال قتل الحسین انفا و کذلك راه ابن عباس نصف النهار اشعث اغبر بیده قارورة فیها دم

''یعنی حضرت ام سلمہؓ نے خواب میں حضرت رسول خداؐ کو دیکھا کہ رو رہے ہیں اور اپنے سر مبارک اور ریش مقدس پر مٹی ڈالے ہوئے ہیں انہوں نے حضرت سے پوچھا کہ آپ کی یہ حالت کیوں ہو رہی ہے تو فرمایا: ہائے میرا حسینؑ ابھی قتل کر دیا گیا۔ اسی طرح حضرت ابن عباسؓ نے بھی آنحضرتؐ کو دوپہر کے بعد خواب میں دیکھا کہ آنحضرتؐ کے بال پریشان اور خاک آلود ہیں اور حضرتؐ کے دست مبارک میں ایک شیشی ہے جس میں خون بھرا ہے۔ (صواعق محرقہ، ص ۱۱۵، تاریخ الخلفاء، ص ۱۴۱ وغیرہ)

اس کے بعد حضرت ام سلمہؓ بھی امام حسینؑ کی شہادت پر رویا کرتی تھیں۔ (ترمذی شریف، ص ۲۳۹)

کچھ معمولی طور پر حضرت کا نوحہ و ماتم نہیں کرتیں بلکہ اس زور کا کہ لوگ آپ کے پاس تعزیت کو آتے۔ مثلاً امام طبرانی نے لکھا ہے:

شهر بن خوشب قال اتيت ام سلمة اعزيها على الحسين

''یعنی شہر بن خوشب کہتے تھے کہ میں حضرت ام سلمہؓ کے پاس امام حسینؑ کی تعزیت کرنے حاضر ہوا۔ (معجم صغیر طبرانی، ص ۳۴)

اور آپ جانتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے:

اصحابی کالنجوم فبايهم اقتديتم اهديتم

''یعنی میرے اصحاب مثل ستاروں کے ہیں جس کی بھی تم لوگ پیروی کرو گے ہدایت ہی پر رہو گے۔'' (مشکوۃ شریف، جلد ۸، ص ۱۰۱)

اس کے مطابق دیکھو کہ صحابہ بھی حضرت امام حسینؑ کی شہادت پر خوشی اور فخر و مباہاۃ کرتے رہے یا روئے ہیں۔ مثلاً:

كان زيد بن راقم عند ابن زياد فقال له ارفع قضيبك فوالله رايت رسول اللهؐ يقبل ما بين هاتين الشفتين ثم بكى زيد

''یعنی ابن زیاد کے دربار میں حضرت رسول خداؐ کے صحابی زید بن ارقم موجود تھے۔

انہوں نے ابن زیاد سے کہا کہ اپنی چھڑی (امام حسینؑ کے منہ پر سے) ہٹا لے کیونکہ خدا کی قسم میں نے حضرت رسولِ خداؐ کو دیکھا تھا کہ ان دونوں لبوں کا بوسہ لیا کرتے تھے۔ یہ کہہ کر زید بن ارقم رونے لگے۔ (ینابیع المودۃ، ص۳۲۴)

تابعین کرام بھی حضرت امام حسینؑ کی شہادت پر خوشی اور فخر ومباہات کرتے تھے یا روتے تھے؟

قال الزهری لما بلغ الحسن البصری خبر قتل الحسین بکی حتی اختلج صدغاه ثم قال اذل الله امت قتلت ابن بنتها۔

''امام زہری بیان کرتے تھے کہ جب امام حسن بصری کو حضرت امام حسینؑ کی شہادت کی خبر معلوم ہوئی تو اس قدر روئے کہ ان کو اختلاج شقیقہ ہو گیا۔ اس کے بعد وہ کہنے لگے کہ خدا اس امت کو ذلیل کرے جس نے اپنے نبیؐ کے فرزند کو قتل کیا۔

(ینابیع المودت، جز و۲، ص۳۵۶)

اسی طرح ہمارے بہت سے بزرگوں کا شہادت امام حسینؑ پر رونا مرقوم ہے۔ (ینابیع المودۃ، جلد۲، ص۲۳۱)

حضرت امام حسینؑ کی شہادت کی پیشین گوئیوں کو میں اس سے پہلے تفصیل سے بیان کر چکی ہوں۔ ان میں بھی امام حسینؑ کی شہادت پر رونے کا ذکر ہے۔ ان کو پھر خیال کرلو اس کے بعد بتاؤ کہ جو لوگ حضرتؑ کی شہادت پر بجائے گریہ وبکا کے خوشی وشادمانی کی رائے دیتے ہیں وہ خدا اور رسولؐ کے خلاف ایک جدید مذہب ایجاد کرتے ہیں یا نہیں؟

بس اس سے زیادہ میں نہیں کہہ سکتی۔ رسالہ ''غم حسینؑ'' وغیرہ کو دیکھو تو معلوم ہو کہ کن بزرگان دین نے حضرت کا کس کس طرح نوحہ کیا ہے مثلاً حضرت شیخ الاسلام بابا فرید گنج شکر عاشورے کے دن اس واقعہ کا ذکر کر کے ہائے ہائے کا نعرہ کرنے لگتے اور بے ہوش ہو جاتے تھے اور یہ بزرگان اس دن سادات کرام سے تعزیت وماتم پرسی کرتے تھے اور علماء مشائخین کی خدمت میں بھی تعزیت کے لیے حاضر ہوتے تھے۔

چنانچہ حضرت مخدوم شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری قدس سرہ کی بھی یہی حالت تھی جیسا کہ آپ کے ملفوظ فخ المعانی میں ہے روز عاشورا سعادت زمین بوس حاصل شد۔ خلق شہر بیشتر حاضر بودند و جماعتے از سادات نیز بندگی حضرت مخدوم عظمہ اللہ روئے مبارک برآں سید آورد فرمود امروز تعزیت خاندان شمار است باہمہ طفیل شمائم۔ بعد ازاں فرمود سبحان اللہ تعزیت خاندان شما ہمہ را واجب است۔ آنگاہ گفت کہ ہم چنیں گویند در آں روز کہ امیر المومنین حسینؓ شہادت خواہند یافت شب آں بزرگے فاطمہؓ را در خواب دید کہ با جملہ زنان انبیاء دامن مبارک خود در کمر بستہ در دشت کربلا درآمدہ است وہماں جا کہ امیر المومنین حسینؓ خواہد افتاد جاروب می دہند و بہ آستین مبارک خود پاک می کنند پرسید کہ اے خاتون روز قیامت ایں چہ مقام است؟ گفت حسین غریب ما سرایں جا خواند نہاد۔ آنگاہ گفت کہ نقل است کہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چوں ایں قصہ از جبرائیل علیہ السلام شنید پرسید کہ چوں میان ما کسے نباشد تعزیت الیشاں کہ دارد گفت یا رسول اللہ امتاں تو برائے فرزنداں تو تعزیتہا کنند و ماتم دارند کہ صفت آں نہ تواں کرد۔

''یعنی عاشورا کے روز زمین بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ شہر کی اکثر مخلوق حاضر تھی اور سادات کی ایک جماعت بھی موجود تھی۔ حضرت مخدوم عظمہ اللہ اُن سیدوں کی طرف متوجہ ہوئی۔ اور فرمایا کہ آج آپ لوگوں کی تعزیت کرنے کا دن ہے۔ کیونکہ ہم سب آپ لوگوں ہی کی طفیل میں ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ سبحان اللہ آپ حضرات کے خاندان کی تو تعزیت ادا کرنا سب پر واجب ہے۔ اس کے بعد کہا کہ اسی طرح لوگ کہتے ہیں کہ جس دن حضرت امام حسینؓ شہید ہونے والے تھے اس رات میں ایک بزرگ نے خواب میں حضرت فاطمہؓ کو دیکھا کہ انبیاء کی بیبیوں کے ساتھ اپنے دامن مبارک کو کمر میں باندھ کر میدان کربلا میں آئی ہیں اور اس جگہ جہاں حضرت امام حسینؓ شہید ہو کر گرنے والے تھے جھاڑو دے رہی ہیں اور اپنی آستین مبارک سے اُس جگہ کو پاک کر رہی ہیں۔ ان بزرگ نے جناب سیدہ سے پوچھا کہ اے خاتون روز قیامت! یہ کون سی جگہ ہے؟ فرمایا میرے غریب حسین شہید ہو کر اسی جگہ اپنا سر

رکھیں گے۔ اس وقت فرمایا کہ روایت ہے کہ حضرت رسول خداؐ نے جب اس واقعہ کو جناب جبرئیلؑ سے سنا تو پوچھا کہ جب ہم لوگوں کے درمیان کوئی نہیں رہے گا تو ان لوگوں کی تعزیت کون ادا کرے گا؟ جناب جبرئیلؑ نے کہا یا رسول اللہ آپ کی امت کے لوگ آپ کے فرزندوں کی تعزیت ادا کریں گے اور ماتم کریں گے اور جس کی حد بیان ہی نہیں ہوسکتی ہے اور حضرت سلطان سید اشرف جہانگیری سمنانی چشتی قدس سرہ کی یہ حالت تھی کہ محرم کا چاند دیکھ کر وہ بے قرار ہو جاتے تھے اور گریہ وزاری میں مصروف ہو جاتے تھے اور رسم عاشوراء برپا کرتے تھے اور فرماتے تمام اکابر و سادات کا یہی طریقہ ہے اور ذکر مقتل پڑھتے تھے اور اس پر رونے کو ثواب فرماتے تھے۔

لطائف اشرفی میں اُن کے احوال میں لکھا ہے کہ رسم غرابر پا می داشت چنانکہ لباس رعونت دریں عشرہ نمی پوشیدہ ندواسباب عیش وشادمانی ترک می کردند (یعنی رسم عزا برپا کرتے تھے چنانچہ عمدہ لباس اس عشرہ میں نہیں پہنتے تھے اور آرام وخوشی کے کل اسباب چھوڑ دیتے تھے) اور حضرت شیخ الاسلام مخدوم علاء الحق پنڈوی قدسرہ کے احوال میں بھی لکھا ہے کہ دس دن محرم کے وہ برابر گریہ وزاری کرتے اور فرماتے تھے

طرفہ ولے باشد کہ بر ماتم خاندان رسولؐ وجگر گوشگان بتولؑ نگرید وعزا، اوراندار دیجان اللہ چہ نیاز است۔ کسے کودرچنیں ماتم نہ گرید۔ دل آں کس مگراز سنگ باشد (یعنی وہ کون کمبخت دل ہوگا جو خاندان رسولؐ اور جگر گوشگان بتولؑ کے ماتم میں نہ روئے اور اُن حضرات کی تعزیت نہ ادا کرے۔ سبحان اللہ کیا نیاز ہے۔ جو شخص کہ ایسے ماتم میں نہ روئے اُس کا دل بس پتھر ہی کا ہوگا) اور حضرت سید محمد بندہ نواز گیسو دراز آپ بھی اس محرم میں گریہ وبکا میں مصروف رہتے تھے جیسا کہ آپ کے ملفوظات سے ظاہر ہے۔

یہ تو وہ لوگ ہیں جو ساتویں آٹھویں صدی اسلام میں گزرے ہیں۔ اُن کے بعد بھی برابر یہی طور رہا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اخبار الاخیار میں فرماتے ہیں کہ امجد شیبانی قدس سرہ اور دیگر بزرگان کا بھی یہی دستور رہا اور عاشوراء کے دن وہ لوگ کھانا سادات کے گھر لے جاتے

تھے اور گریہ وزاری کرتے تھے۔ اور شیخ فرماتے ہیں کہ ہمارے دیار (اطراف دہلی) میں یہ قدیم دستور ہے کہ عورتیں بروز عاشوراء مجتمع ہو کر گھروں میں گریہ وزاری کرتی ہیں۔ اور سید عبدالرزاق بانسوی قدس سرہ پر بھی اس عشرہ محرم کا بڑا ہی اثر ہوتا۔ (رسالہ غم حسین، ص ۷۰)

یہ بھی سن لو" حضرت بابا فرید گنج شکر سے منقول ہے کہ بغداد میں ایک بزرگ تھے۔ ان کے سامنے امام والا مقام کی شہادت کا ذکر ہوا۔ وہ اس قدر روئے اور سر کو زمین سے دے دے مارا کہ سر پھٹ گیا اور انتقال فرما گئے۔ اسی رات لوگوں نے خواب میں دیکھا اور حال پوچھا۔ انہوں نے فرمایا میں نے اہل بیت اطہارؑ کی محبت میں اپنی جان دے دی تھی اس لیے خداوند تعالیٰ نے مجھے بخش دیا۔" (غم حسین، ص ۶۷)

ان کے علاوہ خواجہ منصور بادشاہ اصفہان مجد دین ہمدانی، شیخ الفتوح نصر آبادی، خواجہ محمود جدادی حنفی، خواجہ امام شرف الائمہ ابونصر السجانی، خواجہ اشعری حنفی نیشاپوری، شیخ احمد محمد شیبانی وغیرہم بھی امام حسینؑ پر گریہ و بکا فرماتے تھے۔ (اخبار الاخبار شیخ عبدالحق، کتاب نقض الفضائح ملا عبدالجلیل الرازی)

سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی اجمیری تو اس حد تک قیام عزاء حسین پر شغف رکھتے تھے کہ حضرت نے اس کی وصیت کی کہ ایام عشرہ میں برابر میرے حرم میں مجلس حسینؑ برپا کی جائے چنانچہ آج تک اس پر عمل ہوتا ہے۔ بس ایک بات اور بیان کر کے اس بحث کو ختم کرتی ہوں آپ جانتے ہیں کہ صحابہ کرام کی کیا عزت تھی۔ اگر امام حسینؑ کی شہادت پر رونے کے عوض فخر و مباہات کرنا مناسب ہوتا تو وہ حضرات بھی خوشی اور شادمانی کرتے مگر اس کے عوض اس درجہ گریہ و بکا اور نوحہ و ماتم کرتے تھے کہ ان کی آنکھیں جاتی رہتی تھیں۔

مولوی صاحب: ارے یہ تم کیا کہتی ہو تمہاری بھی باتیں کیا نرالی ہوتی ہیں۔

حسینی بیگم: میری کون سی بات نرالی ہوئی۔ اس وقت تک جو کچھ میں نے کہا اس کا ثبوت عقل اور قرآن و حدیث و کتب تاریخ سے پیش کر دیا۔ کسی ایک بات کو بھی بتاؤ جس کی دلیل میں نے نہیں دی ہو۔

مولوی صاحب: اچھا اس کا پتا بتاؤ کہ کہاں لکھا ہے کہ کسی صحابی نے امام حسینؑ کے گریہ وبکا میں آنکھیں کھوڈالیں۔

حسینی بیگم: اسلام کے نہایت مشہور معتبر اور قدیم مورخ علامہ مسعودی ہی نے لکھا ہے میں کتاب ہی لاکر عبارت سنادیتی ہوں۔ (اُٹھ کر گئیں اور تاریخ کامل، جلد ۷ لاکر بولیں) دیکھو حضرت رسول خداؐ کے چچازاد بھائی اور حضرتؐ کے نہایت جلیل القدر اور بڑے ہی مقدس صحابی حضرت ابن عباس کی وفات کے حال میں لکھا ہے

"مات عبدالله بن عباس سنه ۶۸ و كان قد ذهب بصره لبكائه على علي والحسن والحسين۔"

یعنی حضرت عبداللہ بن العباس نے ۶۸ میں وفات پائی ان کی آنکھیں حضرت علی وامام حسنؑ وامام حسینؑ پر روتے رہنے کی وجہ سے جاتی رہی تھیں۔ (تاریخ مروج الذہب، برحاشیہ تاریخ کامل، جلد ۷، ص ۱۸)

مولوی صاحب: یہ تو تم نے بہت ہی عجیب وغریب بات دکھادی۔ حضرت عبداللہ ابن عباس بہت جلیل القدر بزرگ اور مسلمانوں کے مذہبی پیشوا تھے۔ ہم لوگوں کے مذہبی مسائل بہت زیادہ انھیں کی حدیثوں سے بنے ہیں۔ جب ایسے بزرگ اس قدر امام حسینؑ پر روئے کہ ان کی آنکھیں جاتی رہیں۔ مگر انہوں نے رونا موقوف نہیں کیا تو بیشک میں غلطی پر تھا کہ اس شہادت پر خوشی اور فخر ومباہات کرنے کو مناسب سمجھا۔ لہٰذا ہر مسلمان کو اس شہادت پر رونا اور نوحہ وماتم ہی کرنا ضروری ہے۔

حسینی بیگم: اسی وجہ سے شروع سے آج تک لاکھوں علماء وفضلاء نے حضرتؑ کے مرثیے لکھے اور برابر لکھتے جاتے ہیں۔ بلکہ یورپ کے تعلیم یافتہ گریجوایٹ حضرات بھی حضرتؑ کا مرثیہ لکھنا باعث فخر سمجھتے ہیں۔ آج جناب ڈاکٹر محمد اقبال بیرسٹر لاہور پر تمام اسلامی ہندوستان فخر کرتا ہے۔ انہوں نے بھی حضرت کا زبردست مرثیہ لکھا ہے۔ اس کے بعض اشعار سنو۔

عشق را آرام جاں حریت است　　　ناقہ اش را ساربان حریت است

آں شنیدستی کہ ہنگام نبرد — عشق با عقل ہوس پر ورچہ کرد
آں امام عاشقاں پور بتول — سردِ آزادے زبستان رسولؐ
اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر — معنی ذبح عظیم آمد پسر
بہرآں شہزادۂ خیر الملل — دوش ختم المرسلین نعم الجمل
سرخ رو عشق غیور از خونِ او — شوخی ایں مصرع از مضمون او
درمیانِ اُمت کیواں جناب — ہم چو حرف قل ھو اللہ در کتاب
موسیٰؑ وفرعون و شبیرؑ و یزید — ایں دو قوت از حیات آید پدید
زندہ حق از قوت شبیری است — باطل آخر داغ حسرت میری است
چوں خلافت رشتۂ از قرآن گسیخت — حریت را زہر اندر کام ریخت
خواست آں سرجلوۂ خیر الامم — چوں سحاب قبلہ باراں در قدم
بر زمین کربلا با رید و رفت — لالہ در ویرانہا کار یدو رفت
تا قیامت قطع استبداد کرد — موج خون او چمن ایجاد کرد
بہرحق در خاک وخوں غلطیدہ است — پس بناء لا الہ گر دیدہ است
مدعایش سلطنت بودے اگر — خود نہ کردے باچنیں ساماں سفر
دشمنان چوں ریگ صحرا لا تعد — دوستانِ اوبہ یزداں ہم عدد
سر ابراہیم واسمٰعیل بود — یعنی آں اجمال را ترصیل بود
عزم او چوں کوہساراں استوار — پاید روبند سیروکامگار
تیغ بہر عزت دین است و بس — مقصد او حفظ آئین است و بس
ما سوا اللہ را مسلمان بندہ نیست — پیش فرعو نے سرش افگندہ نیست
خون او تفسیر ایں اسرار کرد — ملت خوابیدہ را بیدار کرد
تیغ لا چواز میاں بیروں کشید — ازرگ اربابِ باطل خوں کشید
نقش الا اللہ بر صحرا نوشت — سطر عنوانِ نجات مانوشت

رمز قرآں از حسینؑ آموختیم　　ز آتش او شعلہ ہا اندوختیم
شوکت شام و فر بغداد رفت　　سطوت غرناطہ ہم ازیاد رفت
تارما از زخمہ اش لرزاں ہنوز　　تازہ از تکبیر او ایماں ہنوز
اے صبا اے پیک دور افتادگاں　　اشک مابرخاک پاک او برساں

(مثنوی اسرار بیخودی ورموز، ص۱۲۶)

غمِ حسینؑ میں رونے کا ثواب

مولوی صاحب: میرا مطلب یہ ہے کہ شہادت امام حسینؑ کا ذکر کرنا یا اس پر رونا اور نوحہ و ماتم کرنا ایک نیک امر ضرور ہے مگر نہ کارِ ثواب ہے نہ باعث نجات۔

حسینی بیگم: تمہاری منطق کے قربان جاؤں۔ خود کہتے ہو کہ ایک نیک امر ضرور ہے۔ پھر اس کے کارِ ثواب اور باعث نجات ہونے سے انکار کرتے ہو۔ کیا اسلام میں کوئی ایسا بھی نیک امر ہے جو باعث ثواب نہ ہو؟ کیا خدا نے حضرت ابراہیمؑ کو حضرت امام حسینؑ پر رونے کا ثواب دے کر اس رونے کو کارِ ثواب نہیں بنایا؟ کیا خدا نے یہ نہیں فرمایا کہ رسولؐ کی پیروی تمہارے لیے باعث نجات ہے اور کیا رسول اللہؐ امام حسینؑ پر روتے نہیں تھے؟ کیا عمل نیک میں صحابہ کی تقلید کرنے سے ثواب نہیں حاصل ہوگا۔ اچھا اب کتابوں کے حوالے سنو: امام احمد بن حنبل کتنے بڑے امام تھے جن کی کتاب مسند صحیح احادیث کا اعلیٰ ذخیرہ ہے۔ اس میں بھی اس کا ثواب موجود ہے۔ چنانچہ علامہ محمد مبین فرنگی محلی نے لکھا ہے:

وفی مسند احمد بن حنبل من دمعت عیناه بقتل الحسینؑ
دمعة او قطرة بواه الجنة

''یعنی امام احمد بن حنبل کی کتاب مسند میں ہے کہ جس شخص کی آنکھوں سے شہادت امام حسینؑ پر آنسو نکلیں یا ایک ہی قطرہ آنسو کا نکلے خدا اس کو بہشت میں جگہ دے گا۔

(وسیلۃ النجاۃ، ص ۴۰۵)

وفی تفسیر الثعلبی باسناده قال مطرنا دما ایام قتل الحسینؑ
''یعنی تفسیر ثعلبی میں ان کی اسناد سے مروی ہے کہ روز قتل حسینؑ آسمان سے خون کی

بارش ہوئی۔"

جب آسمان خون کے آنسو اس واقعہ پر رو دئے تو ہم لوگوں کا اپنی آنکھوں کے آنسوؤں سے رونا کیوں کار ثواب نہیں ہوگا۔ اور جناب مولوی مہدی علی صاحب حنفی نے لکھا ہے۔"جو حسینؑ پر رونے والا ہوگا واجب ہوگی اس پر بہشت اور شاد و خرم ہوگا دونوں جہاں میں۔" (کتاب انیس الذاکرین، مطبوعہ مظہر العجائب، پریس مدارس، ص ۱۵)

اور ملا حسین کاشفیؒ نے لکھا ہے:

"عزیزان تامل فرمایند کہ ثواب گریستن در مصیبت حسین چہ مقدار است از ائمہ اہل بیت نقل کردہ اند کہ ہر قطرہ آب کہ در ماتم حسین از دیدہ کسے فرو بارد آں را او رصدف شرف دری می سازند و در قلادۂ عمل آں کس می کشند و قیمت آں در روز بازار قیامت بر خلق ظاہر خواہد شد۔ شیخ سہیل بن عبداللہ تستریؒ فرمود کہ روز عاشورا، می گریستیم و باخودمی گفتم اگر آں روز حاضر نہ بودم کہ در پیش آں شاہ شہید خونم بریزید امروز بارے در حسرت آں قطرہ چند آب از چشم خود بریزم۔ شبانہ حضرت رسالتؐ در واقعہ دیدم کہ مرا گفت اے سہیل بجلال حضرت ذوالجلال کہ یک قطرہ آب دیدہ تو در مصیبت فرزند دلبند من ضائع نیست دبداں گریہ کہ امروز کردی فردا ترا چنداں ثواب دہند کہ محاسبان تختہ خاک و مستوفیاں خانہ افلاک از عہدہ حصر و حساب وثواب آں بیروں نتوانند آمد۔ در آثار آمدہ است کہ حسینؑ روز قیامت بعرصات درآید بچہرہ خون آلود و گوید رب شفعنی فیمن بکی علی مصیبتی خدایا مرا شفاعت دہ در حق کسے کہ بر مصیبت من گریستہ است۔ الٰہی ہر کہ در دنیا بر شہیدی و غریبی و محرومی و مظلومی و بے کسی و بے برگی و تشنگی و گرسنگی من گریہ کردہ او را بمن بخش۔ شفاعت آں سید مجل قبول رسیدہ گریہ کنندگان حسینؑ را براءۃ نجات از رانی دادند۔

"یعنی اے عزیزو! غور کرو کہ امام حسینؑ پر رونے کا ثواب کس قدر ہے۔ حضرات ائمہ اہل بیت سے مروی ہے کہ ماتم حسینؑ میں آنکھ سے آنسو کا جو قطرہ ٹپکے اس کو فرشتے شرف کے صدف میں موتی بنا کر رکھتے ہیں اور اس شخص کے اعمال کے بارے میں اس کو پنہا دیتے ہیں

اور اس موتی کی قیمت قیامت کے بازار میں لوگوں پر ظاہر ہوگی۔ شیخ سہیل بن عبداللہ تستری نے فرمایا ہے کہ عاشورا کے روز میں روتا اور اپنی جگہ کہتا تھا کہ اگر میں اس روز حاضر نہیں تھا کہ اس شاہ شہید کے سامنے اپنے خون میں لوٹتا تو آج اس حسرت میں (کہ میں بھی کیوں نہ حضرت کے ساتھ شہید ہوا) اپنی آنکھوں سے آنسو تو بہالوں۔ میں خوب رویا اسی رات کو میں نے خواب میں حضرت رسول خداؐ کو دیکھا کہ مجھ سے فرماتے ہیں اے سہیل حضرت رب العزت کے جلال کی قسم تمہاری آنکھوں سے جو آنسو آج تک میرے فرزند دلبند پر بہے ہیں۔ اس کا ایک قطرہ بھی ضائع نہیں جائے گا اور آج جو تم روئے ہو اسی رونے کی وجہ سے کل (قیامت میں) تم کو اتنا ثواب ملے گا کہ تختہ خاک کے حساب کرنے والے اور خانہ افلاک کے شمار کرنے والے اس کے جاننے بوجھنے اور اس کے ثواب کا اندازہ کرنے سے عاجز رہیں گے۔ حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ امام حسینؑ بروز قیامت اپنے خون بھرے چہرے سے میدان حشر میں تشریف لائیں گے اور عرض کریں گے کہ اے خدا! جو شخص میری مصیبت پر رو رہا ہے مجھے اس کی شفاعت کی اجازت دے۔ اے خدا! دنیا میں جو شخص میری شہادت غریبی۔ محرومی۔ مظلومی۔ بے کسی۔ پیاس اور بھوک پر رویا تھا اُس کو آج بخش دے۔ حضرت کی شفاعت فوراً قبول کی جائے گی اور امام حسینؑ کے رونے والوں کو نجات کی سند دے دی جائے گی۔ (روضۃ الشہداء، ص ۷۶)

بہت سے علماء نے تو اپنی کتابوں میں مستقل باب قرار دے کر ان حدیثوں کو جمع کیا ہے جن میں امام حسینؑ پر رونے کا ثواب وارد ہے۔ (مثلاً دیکھو ینابیع المودۃ جلد۲، ص ۳۵۷ وسیلۃ النجات، ص ۳۰ وغیرہ) اگر آخر میں ایک نئی بات بیان کروں تو تم اپنے آپے میں نہیں رہو گے۔

مولوی صاحب وہ کیا؟

حسینی بیگم: یہ کہ جو شخص امام حسینؑ پر روتا اور نوحہ و ماتم کرتا ہے اس کو بہشت میں انبیاء اولوالعزم کے درجہ میں جگہ ملے گی۔

مولوی صاحب: بس تم بالکل پاگل ہوگئیں۔
حسینی بیگم: پاگل ہوں میرے اور تمہارے دشمن علامہ ابن حجر عسقلانی کو جانتے ہو۔
مولوی صاحب: ہاں ہاں وہ تو اہل حدیث کے بہت بڑے پیشوا تھے۔ ان کے برابر کوئی محدث نہیں ہوا۔ ان کے برابر مصنف محقق بھی شاید ہی کوئی ہوا ہو۔ انہوں نے صحیح بخاری کی بڑی شرح فتح الباری لکھی۔ صحابہ کے حالات میں بڑی بھاری کتاب اصابہ لکھی۔
حسینی بیگم: پس بس اسی اصابہ میں دیکھو لکھا ہے:

قال ما من عبدیبکی یوم اصیب ولدی الحسین الا کان یوم القیامة مع اولی العزم من الرسل وقال البکاء فی یوم عاشوراء نور تام یوم القیامة

''یعنی جو شخص میرے فرزند حسینؑ پر بروز عاشوراء روئے گا خدا اس کو بروز قیامت انبیاء اولی العزم کے ساتھ بہشت میں رکھے گا۔ یہ بھی فرمایا کہ عاشوراء کے روز رونا قیامت میں اعلیٰ درجہ کا نور ہوگا۔ (اصابہ، جلد۲، ص۲۲۶، مطبوعہ مصر)

اس سے زیادہ کے لیے کتاب وسیلۃ النجات، ص۳۰۱ و ینابیع المودۃ وغیرہ دیکھو۔

کیا امام حسینؑ پر تباکی کرنا چاہیے؟

مولوی صاحب: خیر یہ سب تو ہے مگر رافضی امام حسینؑ پر تباکی کرنے کا ثواب بھی بہت بیان کرتے ہیں۔ یہ کیسی مہمل بات ہے۔ ان لوگوں کو کب عقل آئے گی۔

حسینی بیگم: یہ تو تمہارے ہاں بھی بہت سی کتابوں میں ہے کہ جس کو رونا نہ آئے وہ تباکی کرے۔ علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ آنحضرتؐ نے سورہ زمر کی آخری آیات پڑھنے کے بارے میں فرمایا کہ: فمن بکی منکم وجبت لہ الجنۃ ''یعنی جو روئے گا اس پر جنت واجب ہوگی''۔ صحابہ نے کہا ہم نے کوشش کی مگر رونا نہیں آیا تو فرمایا: فمن لم یبك فلیتباك یعنی جو رو نہ سکے وہ تباکی کرے۔ (تفسیر درمنثور، جلد ۵، ص ۳۳۵)

سورہ تکاثر کے بارے میں بھی حضرت نے یہی فرمایا کہ جو اس پر رو نہ سکے وہ تباکی کرے۔ (درمنثور، جلد ۶، ص ۳۸۷)

کنزل العمال میں بھی متعدد حدیثیں اس کی ہیں کہ جو رو نہ سکے وہ تباکی کرے۔ (دیکھو منتخب کنزل العمال، جلد ۱، ص ۱۷۳، ۳۸۲، ۳۸۳، جلد ۳، ص ۳۱۸، جلد ۴، ص ۹۷ وغیرہ)

مولوی صاحب: مگر یہ قرآن سننے کے بارے میں ہے۔

حسینی بیگم: ہاں مگر یہی تو ہے کہ جس کو رونا نہ آئے وہ تباکی کرے کہ یہی بکا کا قائم مقام ہوگا اور امام حسینؑ پر بکا کرنے کو میں پہلے ضروری ثابت کر چکی ہوں۔ تو اب جن لوگوں کو رونا نہ آئے وہ تباکی کریں کیونکہ خود آنحضرتؐ نے تباکی کو بکا کا قائم مقام فرمایا ہے۔

مولوی صاحب: ہاں بات تو انصاف کی ہے۔

حسینی بیگم: اسی وجہ سے حضرت عمر کو بھی رونا نہ آتا تو تباکی کرتے تھے۔ علامہ سیوطی نے لکھا ہے:

قال عمر فغدوت الی النبیؐ وابی بکر۔ وھما یبکیات فقلت ما ذا یبکیك فان وجدت بکاء بکیت وان لم اجد بکاع تباکیت

''یعنی حضرت عمر نے کہا کہ میں صبح کو رسولِ خداؐ کے پاس پہنچا دیکھا وہ اور ابوبکر روتے ہیں۔ میں نے کہا آپ کیوں روتے ہیں بتائیے کہ اگر مجھے بھی رونا آئے گا تو روؤں گا ورنہ تباکی کروں گا۔ (درمنثور، جلد۳، ص۱۷۰، ومدارج النبوۃ، جلد۲، ص۱۶۳)

اب خاص امام حسینؑ پر تباکی کرنے کا ثواب سنو۔ ملا حسین کاشفی نے تحریر فرمایا ہے

وگریہ دریں ماتم موجب حصول رضار بانی وسبب وصول بریاض جاودانی است۔ چنانچہ درآثار آمدہ کہ **من بکی علی الحسین او تباکی وجبت له الجنة** یعنی ہرکہ بر حسین بگرید یا خود را بتکلف برگریہ دارد سزاوار باشد کہ اورا بہ بہشت برند شیخ جاراللہ علامہ می فرماید کہ ہرکہ بر حسین بگرید بہشت مراورا واجب شود دہرکہ خود را گریاں فر **انما یدبحکم من تشه بقوم فھو منھم** در وعدہ **وجبت له الجنة** داخل است

یعنی امام حسینؑ کے ماتم میں رونا خوشنودی خدا حاصل ہونے کا ذریعہ اور بہشت جاودانی میں پہنچنے کا سبب ہے۔ حدیث میں ہے کہ جو حسینؑ پر روئے یا تباکی کرے اُس پر بہشت واجب ہے۔ شیخ جارا علامہ نے فرمایا ہے کہ جو حسینؑ پر روئے بہشت اس پر واجب ہو گی اور جو اپنی صورت رونے والوں کی بنائے اس پر بھی بہشت واجب ہوگی کیونکہ حدیث میں ہے من تشبہ بقوم فھو منھم یعنی جو شخص کسی قوم کی صورت بنائے گا وہ انھیں لوگوں میں ہو گا۔ (روضۃ الشہداء، ص۲۷)

اسی وجہ سے خدا نے دنیا میں بھی لوگوں کو خواب کے ذریعہ سے بتا دیا کہ جو امام حسینؑ پر روئے گا یا رونے والے کی صورت بنائے گا یا حسرت وافسوس کرے گا اس کو خدا ضرور بخش دے گا اور اس پر جنت ضرور واجب ہو جائے گی چنانچہ مولانا محمد مبین صاحب فرنگی محلی نے لکھا ہے

عمر بن لیث کہ از سلاطین خراسان بود و پہلوان وتوانا قوی دولت بود یا غیر دراور خواب

دیدند و پرسیدند کہ چہ کرد خدائے تعالیٰ با تو و بہ چہ آمرزید ترا گرفت روزے بر بلندی کوہے بودم ونظر کردم و مشرف شدم بہ لشکر ہائے خود پس خوش آمد مرا کثرت ایشاں وحسرت خوردم کہ کاش در روز محاربہ حضرت امام حسین علیہ السلام واہل بیت آنحضرت حاضری بودم ومخذول می گردانیدم یزیدیاں راپس بہ سبب ایں نیت آمرزید مرا خدائے تعالیٰ ہذا امانی مدارج النبوت۔ (وسیلۃ النجات)

یعنی عمر بن لیث جو سلاطین خراسان سے ایک بہادر پہلوان اور قوی و دولت تھا یا کسی اور بادشاہ کو لوگوں نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ خدا نے آپ کے ساتھ کیا برتاؤ کیا اور کس وجہ سے آپ کو بخش دیا۔ اس نے کہا میں ایک روز پہاڑ پر چڑھا تو اپنے لشکر کو دیکھا اس کی کثرت پر نظر کی تو دل میں یہ حسرت پیدا ہوئی کہ کاش میں اس لشکر کے ساتھ بروز عاشوراء حضرت امام حسینؑ اور حضرتؐ کے اہبیت کے ساتھ ہوتا اور لڑ کر یزیدی لشکر کو شکست دے دیتا۔ بس اسی نیت کی وجہ سے خدا نے مجھے بخش دیا۔ اسی طرح ہے مدارج النبوت میں (وسیلۃ النجات ،ص ۳۰۵) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا شیخ عبدالحق صاحب دہلویؒ نے اپنی کتاب مدارج النبوت میں اس کو لکھا ہے اور خود حضرت رسولِ خداؐ کو جناب ام سلمہ و جناب ابن عباس نے جو خواب میں دیکھا کہ حضرت اپنی صورت غمگین بنائے اور بالوں کو پریشان اور خاک آلود کیے ہوئے ہیں۔ یہ بھی تباکی ہی تھا کیونکہ تباکی کے معنی رونے والے کی صورت بنانا ہے اور آنحضرتؐ نے یہ بھی کیا تھا۔ لہٰذا جس طرح امام حسینؑ پر رونا سنت رسولؐ ہے اسی طرح اس غم میں تباکی کرنا بھی سنت رسولؐ ہی ہوا۔

کیا کتب شیعہ میں امام حسینؑ پر نوحہ و ماتم کرنے کو منع کیا گیا ہے؟

کئی روز تک اس مسئلے کے متعلق کوئی بات نہیں ہوئی۔ اسی زمانہ میں حضرات اہل حدیث کا ایک بڑا جلسہ لاہور میں تھا جس میں دور دور سے علماء اہلحدیث خاص اہتمام سے بلائے گئے تھے۔ مولوی عبدالغفار صاحب بھی اس میں مدعو ہوئے۔ آپ گئے اور تقریباً ایک ہفتہ وہاں رہ گئے۔ جب الہ آباد واپس آئے اور آرام کرنے کو کمرے میں پہنچے تو بیوی سے حالاتِ سفر وغیرہ دیر تک بیان کرنے کے بعد سوتے وقت کہا۔

مولوی صاحب: اس دفعہ لاہور میں ایک رسالہ ملا جس کا نام ''ماتم کی شرعی حیثیت'' جس میں حضرت رسول خداؐ حضرت علیؑ امام حسینؑ اور امام جعفر صادقؑ کے ارشادات گرامی اور اہل سنت اور شیعوں کی معتبر کتب سے ثابت کیا گیا ہے کہ نوحہ و ماتم حرام ہے اور تعزیے۔ گھوڑے کی نمائش و تعظیم کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں۔

حسینی بیگم: یہ تو آپ بڑا اچھا تحفہ لائے۔ کہاں ہے؟

مولوی صاحب: بس اب تم کو کیوں نیند آنے لگی۔ کتاب کا نام سنا اور شوق پیدا ہو گیا۔ اب اس وقت سو رہو۔ میرے بکس میں ہے کل نکال کر دیکھ لینا۔

حسینی بیگم: اچھا ہے۔ اس وقت سو ہی رہنا چاہیے۔ یہ کہہ کر چپ ہو گئیں۔ پندرہ بیس منٹ کے بعد جب یقین ہو گیا کہ مولوی صاحب اطمینان کی نیند سو رہے ہیں تو دبے پاؤں اُٹھی مولوی صاحب کا بکس کھولا۔ وہ رسالہ نکالا اور تخت پر بیٹھ کر اسے دیکھنے لگیں۔ ایک گھنٹہ میں اس کو ختم کر دیا۔ پھر آہستہ سے اس کو اسی طرح بکس میں رکھ کر بند کر دیا اور آ کر سو رہیں۔ دوسرے دن مولوی صاحب اُٹھ کر اور ضروریات سے فراغت کر کے باہر گئے جب رات کو پھر میاں بیوی جمع ہوئے تو:

مولوی صاحب: کہو وہ رسالہ دیکھا تھا۔
حسینی بیگم: ہاں میں تو رات ہی دیکھ گئی۔
مولوی صاحب: میں تو جانتا ہی تھا کتاب کا نام سن کر پھر تم کہاں سو سکتی ہو رسالہ تو خوب لکھا ہے۔
حسینی بیگم: خوب کی ایک ہی کہی۔ سوال از آسمان اور جواب از ریسمان ہے۔
مولوی صاحب: یہ کیونکر؟
حسینی بیگم: (اُٹھ کر گئیں اور رسالہ لا کر بولیں) دیکھو اس میں پہلے حضرت حمزہ کی شہادت لکھی اور ان کی بہن کا صبر دکھایا ہے۔ تو میں پہلے بیان کر چکی کہ رونا خلاف صبر نہیں ہے۔ حضرت رسولِ خداؐ اپنے فرزند ابراہیم کی موت پر روئے۔ پھر ظاہر کیا کہ یہ فعل خلاف صبر نہیں ہے۔ پھر لکھا ہے کہ ''آنحضرتؐ نے جناب حمزہ پر نوحہ کرنے سے منع کیا۔'' اس کو بھی میں پہلے معتبر کتابوں سے ثابت کر چکی کہ خود حضرت ہی نے جناب حمزہ پر نوحہ کا اہتمام کیا ہے۔ شیعی کتابوں میں بھی یہی لکھا ہے کہ بحارالانوار ان کی بڑی مشہور اور معتبر کتاب ہے اس کی جلد ۶ میں اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ پھر اس رسالہ میں لکھا ہے حضرت رسولِ خدا نے اپنی اولاد کی وفات پر کیا اسوہ قائم کیا۔'' اس کو بھی میں پہلے تفصیل سے بیان کر چکی کہ آنحضرتؐ خوب روئے اور یہ منافی صبر نہیں ہے۔ شیعی کتابوں بحارالانوار جلد ۶ وغیرہ میں بھی یہی ہے۔ پھر ۱۳ میں لکھا ہے ''جزع فزع کے خلاف حکم علی المرتضیٰؑ' یہ بھی صحیح ہے کہ جو شخص بغیر کسی کے قتل کیے یا زہر دیئے ہوئے اپنے مرض یا اتفاقی حادثہ سے مر جائے اس پر جزع فزع نہیں کرنا چاہئے مگر امام حسینؑ ایسے نہیں ہیں بلکہ ان پر جس قدر جزع وفزع کیا جائے باعث خوشی خدا اور رسولؐ ہے کیونکہ خود خدا نے اس غم میں جزع وفزع ظاہر کیا کہ آفتاب کو گہن لگ گیا۔ آسمان سے خون برسا۔ آسمان رویا، پتھروں کے نیچے سے خون تازہ جوش مارتا ہوا نکلا۔ حضرتؑ کی قبر پر ستر ہزار فرشتے مقرر کیے گئے کہ قیامت تک دن رات روتے رہیں۔ جن سب کی دلیلیں پہلے گزر گئیں پس جب امام حسینؑ عام میت نہیں تو جزع وفزع کا عام حکم بھی آپ سے متعلق نہیں ہوگا۔ بلکہ حضرت پر جزع وفزع کرنا سنت رسول کی پیروی ہے کیونکہ حضرت نے تو اس قدر جزع وفزع کیا کہ خواب میں

لوگوں نے آپ کو بال بکھرائے منہ پر مٹی ڈالے دیکھا۔ اس سے زیادہ جزع وفزع کیا ہوگا۔ پھر اس رسالہ کے ص ۱۵ پر لکھا ہے کہ ''ماتم کے خلاف امام حسینؑ کا عمل وحکم'' اور اس کی دلیل یہ دی ہے کہ کتاب انارۃ البصائر اور جلاء العیون میں لکھا ہے کہ ''جناب امام حسینؑ نے وقت رخصت حضرت زینبؑ اور اہل بیتؑ کو صبر کی تاکید کی۔'' تو یہ بھی درست ہے مگر اس سے امام حسینؑ پر رونے یا نوحہ و ماتم کی ممانعت کیسے نکلی؟ یہ تو ثابت ہو چکا کہ رونا خلاف صبر نہیں ہے اور امام حسینؑ نے اپنے اوپر رونے یا نوحہ و ماتم کرنے سے منع نہیں کیا دنیا بھر کے ہمارے علماء جمع ہو جائیں جب بھی اپنی یا شیعوں کی کتابوں سے اس کو ثابت نہیں کر سکتے کہ امام حسینؑ نے یا کسی امامؑ نے امام حسینؑ پر رونے یا نوحہ و ماتم کرنے سے منع کیا ہو۔ اور کوئی کیونکر منع کرتا جب خود حضرت رسولِ خداؐ اور جناب امیر المومنینؑ اور جناب سیدہؑ اس غم میں برابر روتی رہیں۔ پھر اس رسالہ کے (ص ۱۷) اس کو ثابت کیا ہے کہ ''حضرت رسولِ خداؐ کی رحلت امت کے لیے سب مصیبتوں سے بڑی مصیبت تھی کسی امام وشہید کی مصیبت موت اس کے سامنے ہیچ ہے۔'' مگر یہ بالکل غلط ہے اگر ایسا ہوتا تو آنحضرتؐ کے انتقال پر بھی آفتاب کو گہن لگتا۔ آسمان اس پر روتا۔ اس کا افق سرخ ہو جاتا۔ آسمان سے خون کی بارش ہوتی۔ حضرت پر رونے کے لیے فرشتے مقرر کیے جاتے۔ مگر یہ سب کچھ نہیں ہوا اور حضرت امام حسینؑ کی شہادت پر سب ہوا۔ اس وجہ سے ماننا پڑے گا کہ حضرت امام حسینؑ کی شہادت ہی اُمت کے لیے بھی سب سے بڑی مصیبت ہے اور جب حضرت رسولِ خداؐ ہی کے لیے یہ سب سے بڑی مصیبت تھی تو امت کے لیے کیوں نہیں ہوگی۔ اس رسالہ کے (ص ۱۷، ۱۸) میں اس پر بھی زور دیا گیا ہے کہ ''جب حضرت رسولِ خداؐ کی وفات۔ یا حضرت علی وحضرت حسنؑ کی شہادت کی تاریخ روز ماتم نہیں قرار پائی تو روز عاشوراء کیوں ہوا۔ اس کا جواب بھی واضح ہے کہ ان لوگوں کی وفات یا شہادت پر خدا نے آسمان زمین سے نوحہ و ماتم کرایا نہ رسولِ خداؐ نے ماتم کیا مگر حضرت امام حسینؑ کی شہادت پر یہ سب ہوا اس وجہ سے اس روز ایسا ہی کرنے سے خدا اور رسولؐ خوش ہو سکتے ہیں۔ اس رسالہ کے (ص ۲۰) پر یہ بات ایجاد کی ہے کہ ''زوجہ یزید نے امام حسینؑ پر ماتم کیا شیعہ اس

کی تقلید کرتے ہیں۔'' حالانکہ خود حضرت امام حسینؓ کی بہن زینبؓ و ام کلثوم اور امام زین العابدین علیہ السلام نے شام میں سات روز تک اس زور شور کا ماتم کیا ہے کہ شہر دمشق گویا ہلنے لگا۔ (دیکھو انھیں شیعوں کی کتاب بحارالانوار جلد ۱۰، ص ۱۱۶ وغیر)

پھر زوجہ یزید نے بھی ان لوگوں کی تقلید کی تو آج ہم لوگوں کا ماتم زوجہ یزید کی تقلید کیونکر کہا جائے گا؟ حضرت زینبؓ و امام زین العابدینؓ کی تقلید ہند زوجہ یزید نے بھی کی اور آج تمام مسلمان بھی کرتے ہیں۔ ہند زوجہ یزید تو نماز بھی پڑھتی تھی۔ پھر آج جو تم نماز پڑھتے تو کوئی عقل والا یہ کہہ سکتا ہے کہ تم زوجہ یزید کی تقلید کرتے ہو؟ پھر (ص ۲۱) پر لکھا ہے: ''ماتم ونوحہ کی ممانعت پر متفقہ احادیث۔'' یہ حدیثیں بھی اپنے اعزہ واحباب سے ان پر نوحہ و ماتم کرنے کے بارے میں ہیں کہ جو لوگ اپنی طبعی موت سے مرتے ہیں ان پر ماتم ونوحہ نہیں کرنا چاہیے مگر حضرت امام حسینؓ تو تین روز کے بھوکے پیاسے دشمنوں کے ظلم و بے رحمی سے شہید کیے گئے اور چونکہ خاص کر آپ پر خدا نے آسمان وزمین اور مخلوقات سے نوحہ و ماتم کرایا اور حضرت رسول خداؐ نے گریہ وبکا کیا اور بال پریشاں کیے اور منہ پر مٹی ڈالی اس وجہ سے اب ہر مسلمان کا بھی حضرت پر نوحہ و ماتم کرنا ضروری ہے۔ پھر ۲۳ میں اس پر زور دیا ہے کہ ''شیعی تفسیر سے نوحہ و ماتم کی ممانعت'' تو یہ بھی امت کے مردوں کے لیے ہے۔ مگر امام حسینؓ کا ماتم خاص اور سب سے علیحدہ ہے۔ کیونکہ حضرتؓ کے نوحہ وغم کا انتظام تو خدا اور رسولؐ وصحابہ وتابعین وعلماء کرام برابر کرتے رہے کہ آسمان روتا۔ آسمان سے خون برستا۔ رسول خداؐ بال پریشان کیے اور منہ پر مٹی ڈالے دکھائی دیتے۔ صحابہ روتے روتے اندھے ہو جاتے مگر امام حسینؓ کے نوحہ وغم کو نہیں چھوڑتے۔ اسی وجہ سے شیعی کتب میں بھی امام حسینؓ پر نوحہ و ماتم کی بڑی تاکید کی اور اس کا بے حد و بے حساب ثواب لکھا ہے۔ یہاں تک ہے کہ جو شخص حضرت پر نوحہ و ماتم کرے گا وہ بہشت میں رسول خداؐ کے ساتھ ہوگا۔ (دیکھو بحارالانوارا، جلد ۱۰، ص ۱۲۳ وغیرہ)

پھر اس رسالہ کے (ص ۲۴) پر لکھا ہے: ''حوادث تازہ پر رونا فطرتی ہے اور حوادث قدیمہ پر بناوٹی'' مگر یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ غنیۃ الطالبین (ص ۶۰۴) سے معلوم ہو چکا کہ خدا نے

قبر امام حسینؑ پر ستر ہزار فرشتے مقرر کیے جو حضرت پر قیامت تک روتے رہیں گے۔ پس وہ فرشتے آج بھی وہاں روتے ہیں جس سے ثابت ہو کہ حوادث قدیمہ پر رونا بناوٹی نہیں ہوگا۔

جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کے ہاں مجلس امام حسینؑ منعقد ہونا اور حضرت شاہ صاحب کا بھی رونا پہلے بیان کر چکی ہوں۔ کیا اب بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ حوادث قدیمہ پر رونا بناوٹی ہے۔ شاہ صاحب سے کم از کم ایک ہزار برس پہلے واقعہ کربلا ہوا اس پر بھی شاہ صاحب روتے تھے۔ پھر (ص ۲۵) پر لکھا ہے کہ ''مصنوعی ماتم کو حزن یعقوب سے کیا نسبت'' یہ بھی بے تکی بات ہے۔ کون کہتا ہے کہ امام حسینؑ پر ماتم مصنوعی ہے۔ یہ تو ایسا فطری ہے کہ آج ہندو۔ آریہ۔ عیسائی بھی واقعات کربلا سنتے ہیں تو تڑپ جاتے اور ان کے جگر بھی پگھل جاتے ہیں۔ حضرتؑ کے ماتم کو مصنوعی کہنا حد درجہ کا ظلم نہیں تو کیا ہے۔ پھر (ص ۲۶) پر لکھا ہے کہ ''حضرت یعقوب غم جناب یوسف میں روئے نہیں بلکہ صبر کیا۔'' سبحان اللہ تمام کتابوں کو پس پشت ڈال دیا۔ تفسیر درمنثور تفسیر معالم التنزیل، تفسیر روح المعانی، تفسیر فتح البیان، تاریخ کامل وغیرہ کو دیکھو کہ حضرت یعقوب کس قدر اپنے فرزند پر روتے رہے۔ پھر (ص ۲۷) میں لکھا ہے: ''سیاہ ماتمی لباس کے خلاف شیعی علماء کے فتوے'' مگر یہ فتوے بھی ان صورتوں کے ہیں جب انسان اپنے شوق سے سیاہ لباس پہنے اور محرم کے زمانہ میں تو سیاہ لباس ایسے شوق سے نہیں بلکہ عزاداری اور غم امام حسینؑ ہی تباکی (رونے والوں کی صورت بنانے) کے لیے پہنتے ہیں۔ پس اُس کا حکم اس پر کیونکر ہوگا۔ پھر (ص ۲۸) میں لکھا ہے ''اگر بازاروں میں ماتم کرنا کار ثواب ہوتا تو اس میں شیعی علماء شریک ہوتے نہ کہ زنان بازاری۔'' یہ بھی عجیب بات لکھی۔ شیعہ علماء برابر بازاروں میں ماتم میں شریک ہوتے ہیں۔ ہاں جن عوام مسلمانوں کے ماتم میں بازاری عورتیں آ جاتی ہیں ان کو چونکہ روکنے کا حق نہیں ہے اس وجہ سے وہاں سے علیحدہ ہو جاتے اور اس ماتم میں شریک ہوتے ہیں جس میں نامحرم عورتیں نہیں آتیں۔ اسی طرح پورا رسالہ محض تعصب اور اخفاء میں لکھا گیا اور ناقابل توجہ ہے۔

✿✿✿✿✿

کیا بازاروں میں نوحہ ومرثیہ پڑھنا اور ماتم کرنا مناسب ہے؟

مولوی صاحب: مگر بازاروں میں تو نوحہ اور مرثیہ نہیں پڑھنا چاہیے تم ہی بتاؤ کہ حضرت رسول کریمؐ کے گھر کی عورتوں کا ذکر برسر مجمع عام ہونے سے کیسی شرم ہوتی ہے کہ ہم مسلمان کٹ کٹ مرتے ہیں۔ پردہ نشین عورتوں کے حالات سڑکوں پر پڑھنا ظلم نہیں تو کیا ہے؟

حسینی بیگم: اگر عقل وانصاف سے کام لو تو اپنے اس خیال کو بھی صحیح نہیں پاؤ گے۔

مولوی صاحب: وہ کس طرح تم ہر بات میں میری ہی غلطی بتاتی ہو۔

حسینی بیگم: ہر صاحب عقل اس بات کو جانتا اور سمجھتا ہے بلکہ یہ مسئلہ بدیہی طور پر تسلیم شدہ ہے کہ مظلوم سے محبت، ہمدردی، مواساۃ اور ظالم سے نفرت عداوت یا کم ازکم اس پر نفرین وملامت اور اس کے فعل سے بیزاری اور علیحدگی اختیار کرنا ہر شخص ضروری بلکہ انسانیت کا مقتضا جانتا ہے۔ دنیا کا کوئی صاحب علم یا کسی مذہب کے پیرو اس سے انکار نہیں کرسکتا اور یہ بھی واضح ہے کہ مظلوم سے ہمدردی اور محبت اور ظالم سے علیحدگی اور نفرت اس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ وہ شخص کون۔ جس پر ظلم کیا گیا اور وہ فعل کیا ہے جو ظلم ہے اور وہ شخص کون ہے جس نے یہ ظلم کیا یا اس ظلم کا بانی ہوا۔ اسی سبب سے ابتداء سے علماء وعقلاء زمانہ نے فن تاریخ ایجاد کیا تاکہ ہر شخص کے حالات اس کے ذریعہ سے معلوم ہوسکیں اور اچھے بُرے کی تمیز ہوسکے جس سے لوگ ظالموں کی عادات سے الگ رہیں اور مظلومین کے صبر وتحمل کی خوبیاں اپنے میں پیدا کریں۔ پس اگر مظلوموں اور ظالموں اور اُن کے ظلموں کا تذکرہ کتابوں میں نہ

کیا جائے تو فن تاریخ ناقص اور بے نتیجہ چیز ہو جائے۔

مولوی صاحب: یہ تم علم تاریخ کی بحث کیا چھیڑ بیٹھیں۔کون نہیں جانتا کہ علم تاریخ ضروری علم ہے۔

حسینی بیگم: آپ ہی کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ کے گھر کی عورتوں کا ذکر بر سر مجمع عام کرنا مناسب نہیں ہے۔پھر تاریخوں میں انبیاء کی مظلومیت کے تذکرے کیوں کیے گئے اُن کی عورتوں کے حالات کیوں لکھے گئے جس کے سبب سے کئی ہزار برس کے بعد بھی اب تک دنیا کے لوگوں کو ان باتوں کا علم ہو جاتا ہے کہ فلاں پیغمبر کی بیوی نے یہ کیا۔فلاں نبی کی بہن بیٹی پر یہ گزرا۔کیا بازاروں سے زیادہ کتابوں کے اوراق سے ان واقعات کا اشتہار نہیں ہوتا۔

مولوی صاحب: خیر علم تاریخ تو خدا یا رسولؐ کا لکھا ہوا نہیں ہے۔

حسینی بیگم: کیا خوب۔تو جو علم خدا اور رسول کا لکھا ہوا نہیں ہو اس کو چھوڑ دو۔اچھا قرآن شریف ہی دیکھو۔اللہ پاک نے بھی اس میں انبیاء کرام کی بیویوں، بہن اور بیٹیوں کا تذکرہ کیا ہے۔ جیسے حضرت آدم کے قصہ میں ان کی بیوی حضرت حوا کا ذکر کیا اور ان کا حال صاف صاف لکھ دیا جس کو آج ہر مسلمان بڑا ہو یا بچہ پڑھتا ہے۔ارشاد فرمایا ہے:

یا آدم اسکن انت وزوجك الجنة...... فوسوس لهما الشيطان ليبدی لهما ماوٗری عنهما من سواتهما...... فد لهما فلما ذا قاالشجرة بدت لهما سواتهما وطفقا یخصفان عليهما من ورق الجنة...... قالا ربنا ظلمنا انفسنا

''یعنی اے آدم تم اور تمہاری بیوی بہشت میں رہو...... پھر شیطان نے دونوں کو بہکایا تا کہ ان کی شرم گاہیں کھول دے...... غرض شیطان نے ان کو دھوکے سے مائل کر لیا تو جوں ہی اُنہوں نے درخت چکھا دونوں کی شرم گاہیں ظاہر ہو گئیں اور لگے بہشت کے پتوں کو اپنے اوپر ڈھکنے...... ان دونوں نے کہا اے پروردگار ہم نے اپنے تئیں آپ تباہ کیا۔(پ ۸،ص۹)

کیا بازاروں میں نوحہ و مرثیہ پڑھنا اور ماتم کرنا مناسب ہے؟

مولوی صاحب: مگر بازاروں میں تو نوحہ اور مرثیہ نہیں پڑھنا چاہیے تم ہی بتاؤ کہ حضرت رسول کریمؐ کے گھر کی عورتوں کا ذکر بر سر مجمع عام ہونے سے کیسی شرم ہوتی ہے کہ ہم مسلمان کٹ کٹ مرتے ہیں۔ پردہ نشین عورتوں کے حالات سڑکوں پر پڑھنا ظلم نہیں تو کیا ہے؟

حسینی بیگم: اگر عقل و انصاف سے کام لو تو اپنے اس خیال کو بھی صحیح نہیں پاؤ گے۔

مولوی صاحب: وہ کس طرح تم ہر بات میں میری ہی غلطی بتاتی ہو۔

حسینی بیگم: ہر صاحب عقل اس بات کو جانتا اور سمجھتا ہے بلکہ یہ مسئلہ بدیہی طور پر تسلیم شدہ ہے کہ مظلوم سے محبت، ہمدردی، مواساۃ اور ظالم سے نفرت عداوت یا کم ازکم اس پر نفرین وملامت اور اس کے فعل سے بیزاری اور علیحدگی اختیار کرنا ہر شخص ضروری بلکہ انسانیت کا مقتضا جانتا ہے۔ دنیا کا کوئی صاحب علم یا کسی مذہب کے پیرو اس سے انکار نہیں کرسکتا اور یہ بھی واضح ہے کہ مظلوم سے ہمدردی اور محبت اور ظالم سے علیحدگی اور نفرت اس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ وہ شخص کون۔ جس پر ظلم کیا گیا اور وہ فعل کیا ہے جو ظلم ہے اور وہ شخص کون ہے جس نے یہ ظلم کیا یا اس ظلم کا بانی ہوا۔ اسی سبب سے ابتداء سے علماء وعقلاء زمانہ نے فن تاریخ ایجاد کیا تاکہ ہر شخص کے حالات اس کے ذریعہ سے معلوم ہوسکیں اور اچھے بُرے کی تمیز ہوسکے جس سے لوگ ظالموں کی عادات سے الگ رہیں اور مظلومین کے صبر وتحمل کی خوبیاں اپنے میں پیدا کریں۔ پس اگر مظلوموں اور ظالموں اور اُن کے ظلموں کا تذکرہ کتابوں میں نہ

مولوی صاحب: تو سڑکوں پر مرثیہ نوحہ پڑھنے اور خاندان رسولؐ کی عورتوں کے ظلموں کے بیان کرنے سے اس کو کیا مناسبت ہوئی۔

حسینی بیگم: کیا خوب جس طرح مرثیہ نوحہ پڑھنے میں یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ دشمنوں نے اہل بیت رسولؐ پر ظلم کیا۔ اسی طرح اس آیت میں خدا نے یہ ذکر کیا ہے کہ شیطان نے حضرت آدم اور حوا پر ایسا ظلم کیا کہ ان کی شرمگاہیں نظر آنے لگیں۔ (تمہارے خیال کے مطابق) اس سے زیادہ شرمناک بات اور کیا ہوتی۔ پھر فرمایا ہے:

یا بنی آدم لایفتننکم الشیطان کما اخرج ابولکم من الجنة ینزع عنهما لباسهما لیریهما اسواتهما

''یعنی اے بنی آدم شیطان تم کو بھی بہکا نہ دے جس طرح اس نے تمہارے باپ آدمؑ اور ماں حواء کو بہشت سے نکال دیا کہ اگا ان کا لباس اُتروانے تا کہ ان کی شرمگاہیں ظاہر ہو جائیں۔ (پ ۸ رکوع ۱۰)

حضرت آدمؑ و حواؑ کا قصہ قرآن مجید میں کئی جگہ ہے میں کس کس کو پڑھوں اسی طرح حضرت لوطؑ کی بیوی اور بیٹیوں کا ذکر بھی خدا نے بالکل کھلے لفظوں اور بے تکلفی سے کیا ہے۔ حضرت لوطؑ نے اپنی قوم سے فرمایا:

یا قوم هولاء بناتی هن اطهرلکم

''اے میری قوم یہ میری بیٹیاں حاضر ہیں۔ یہ سب تم لوگوں کے لیے زیادہ پاکیزہ ہیں۔''

ولا یلتفت منکم احد الا امراتك انه مصیبها ما اصابهم۔

''یعنی تم میں سے کوئی مڑ کر بھی نہ دیکھے مگر تمہاری بیوی کہ جو عذاب ان لوگوں پر ہونے والا ہے اس پر بھی ہوگا۔ (پ ۱۲، ع ۷)

قال هولاء بناتی ان کنتم فاعلین

''یعنی حضرت لوط سے فرمایا کہ اگر تم کو ایسا ہی کرنا ہے تو یہ میری بیٹیاں حاضر ہیں ان سے جو کرنا ہو کر لو....''

یہ بھی فرمایا:

واتقوا اللہ ولا تخزون

''یعنی خدا سے ڈرو اور مجھے رسوا نہ کرو۔'' (پ ۱۴، ۵)

اسی طرح حضرت شعیب پیغمبر اور ان کی بیٹیوں کے حالات پڑھو کہ جب حضرت موسیٰ ان کے گاؤں میں پہنچے وجد من دونھم امراتین تذودان یعنی وہاں حضرت موسیٰ نے اور لوگوں سے الگ دو عورتوں کو دیکھا کہ اپنی بکریوں کو روکے کھڑی ہیں...... **فجاء تہ احدیھما تمشی علی استحیاء** یعنی اتنے میں حضرت موسیٰ کے پاس ان عورتوں سے ایک شرماتی ہوئی پہنچیں۔''

بتاؤ یہ پیغمبر زادیوں کے اور غیر مردوں کے مجمع میں رہنے کا ذکر کر کے کیا خدا نے ان کی توہین کی؟ اچھا اب حضرت عیسیٰ اور اُن کی مادر گرامی حضرت مریم کے حالات کو پڑھو۔ جب حضرت مریم کے پاس فرشتہ آیا تو انہوں نے کیسے شرم کی بات کہی **لم یمسسنی بشر ولم اک بغیا** یعنی نہ تو کسی مرد نے مجھے لپٹایا اور نہ میں بدکار ہوں...... **فاتت بہ قومھا تحملہ قالوا یا مریم لقد جئت شیئا فریایا اخت ھارون ما کان ابوک امرا سوء وما کانت امک بغیا**

''جب حضرت مریم اپنا وہ لڑکا جو بے باپ کے پیدا ہوا تھا اپنی قوم کے پاس لائیں تو لوگوں نے کہا اے مریم یہ تو تو نے بہت ہی شرمناک حرکت کی ہے۔ اے ہارون کی بہن نہ تو تیرا باپ ہی بُرا آدمی تھا اور نہ تیری ماں ہی بدکار تھی۔'' (پ ۱۶ ع ۵)

انصاف کرو کہ حضرت مریم کا واقعہ کس درجہ قابل اخفاء تھا کہ بغیر باپ کے آپ کے بطن سے حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے جن کو یہود تو معاذ اللہ جو کہتے ہیں وہ بیان ہی نہیں ہو سکتا جو لوگ عیسائی یا مسلمان نہیں ہیں وہ بھی کس قسم کا خیال ان کے متعلق کرتے ہیں۔ خدا نے اپنی قدرت سے حضرت عیسیٰ کو پیدا کیا تھا تو خیر ایک بات ہو چکی تھی اس کے ڈھنڈھورا پیٹنے کی کیا ضرورت تھی کہ قرآن مجید میں اس شد و مد سے اس واقعہ کا ذکر کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج جو لوگ اس واقعہ کو نہیں بھی جان سکتے تھے۔ قرآن مجید سے جان جاتے اور ہر ماہ اس کی تلاوت کر کے اس کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ پس اگر عورتوں کا ذکر باعث شرم اور سبب ان کی توہین کا ہوتا تو خدائے

پاک اس سے باز رہتا۔ اسی طرح حضرت رسول خداؐ کی بیوی جناب زینب کا ذکر خدا نے اس طرح کیا ہے:

واذ تقول للذی انعم الله علیه وانعمت علیه امسك علیك زوجك واتق الله وتخفی فی نفسك ما الله مبدیه۔

''یعنی اے پیغمبر اس بات کو بھی یاد کرو جب تم اس شخص (زید) کو سمجھاتے تھے جس پر اللہ نے اور تم نے احسان کیا تھا کہ اپنی زوجہ کو رہنے دو اور اللہ سے ڈرو اور تم اس بات کو اپنے جی میں چھپاتے تھے جس کو اللہ ظاہر کرنا چاہتا تھا۔

فلما قضی زید منها وطرا زوجنا کها۔ ''یعنی جب زید اپنی بیوی سے بے تعلق کر چکا (یعنی طلاق دے دی اور عدت کی مدت پوری ہوگئی تو ہم نے تمہارے ساتھ اس کی شادی کر دی۔ (پ۲۲ رکوع ۱۲)

پھر عام طور پر ازواج رسول کا تذکرہ کیا۔

یا نساء النبی من یات سکن بفاحشة مبینة یضاعف لها العذاب ضعفین

یعنی ''اے رسول کی بیویو تم میں سے جو بیوی کھلی ہوئی بدکاری کرے گی اس کو دہرا عذاب کیا جائے گا۔''

ان اتقیتن فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبه مرض

یعنی اگر تم کو پرہیز گاری منظور ہے تو چبا چبا کر کسی سے باتیں نہ کرو کہ ایسا کرو گی تو جس کے دل میں کھوٹ ہے اس کے دل میں تمہارا لالچ پیدا ہوگا۔ (پ۲۲، رکوع ۱)

اور حضرت عائشہ وحفصہ کے بارے میں بھی فرمایا اور کیسے شرمناک واقعہ کا تذکرہ بھی کر دیا ارشاد ہوتا ہے:

واذ اسر النبی الی بعض ازواجه حدیثا فلما بنات به واظهره الله علیه عرف بعضه وعرض عن بعض

''یعنی جب میرے رسولؐ نے اپنی بعض بیویوں سے ایک راز کی بات کہی اور اس بیوی نے اس راز کو دوسری سے کہہ دیا اور خدا نے اپنے رسول کو مطلع کر دیا کہ تمہاری بیوی نے تمہارا بھید کھول دیا تو رسولؐ نے کچھ جتایا اور کچھ ٹال دیا۔

ان تتوبا الی الله فقد صغت قلوبکما وان تظاهرا علیه فان الله هو مولاه وجبریل وصالح المومنین والملائکة بعد ذلك ظهیر

''یعنی اے عائشہ وحفصہ اگر تم دونوں توبہ کرلو تو خیر ہے کیونکہ تم دونوں کے دل گمراہ ہو چکے لیکن اگر پیغمبر کے خلاف میں سازشیں ہی کرتی رہو گی تو کچھ پروا نہیں کیونکہ ان کا مددگار اللہ اور جبریل اور صالح المومنین اور فرشتے ہیں۔'' (پ۲۸، ع۹)

غرض خود قرآن مجید میں بڑے بڑے نبی اور رسولؑ حضرت آدم حضرت ایوب، حضرت ابراہیم، حضرت سلیمان، حضرت لوط، حضرت یوسف، حضرت عیسیٰ، حضرت رسول خداؐ کی بیویوں، بہنوں اور بیٹیوں کے تذکرے سے بھرے ہوئے ہیں۔ پس اگر عورتوں کا ذکر باعث شرم اور سبب توہین ہوتا تو خدا قرآن شریف میں ان باتوں کا ذکر تو کیا اشارہ بھی نہیں فرماتا۔

تعزیہ بنانا جائز ہے یا نہیں

من قبرا او مثل مثالا کا مطلب

مولوی صاحب: مگر رافضی صرف اپنے گھروں میں نوحہ و مرثیہ نہیں پڑھتے بلکہ ایک بت بنا کر اس کو تمام گھماتے اور ان کے ساتھ ان ذلتوں کو چیخ چیخ کر پڑھتے اور لوگوں کو سناتے ہیں اس کو تو ہر شخص بت پرستی اور شرک ہی کہے گا۔

حسینی بیگم: رافضی بت کیسا اور کب بناتے ہیں۔

مولوی صاحب: کیا تم نہیں جانتیں یہ جو محرم میں کاغذ اور بانس کی پتلیوں سے بناتے ہیں کیا ہے؟

حسینی بیگم: وہ تو تعزیہ ہوتا ہے۔ حضرت امام حسینؑ کے روضہ مبارکہ کی شبیہ۔

مولوی صاحب: یہی تو بُت ہے۔ قبر کی شبیہ بنانا اور گھمانا بت پرستی نہیں تو اور کیا ہے اور لطف یہ کہ خود ان کی کتابوں میں اس کو منع کیا ہے۔ ان کی بڑی معتبر کتاب من لا یحضرہ الفقیہ میں خود سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ:

من جدد قبرا او مثالا فقد خرج عن الاسلام۔

حسینی بیگم: تو اس سے تعزیہ بت کیسے ہو جائے گا۔ دیکھو ہمارے اور تمہارے پیشوائے اعظم مولانا وحید الزماں خاں صاحب حیدر آبادی نے تحریر فرمایا ہے:

من جدد قبرا او مثل مثالا فقد خرج من الاسلام ''جس نے قبر کو نیا کیا اس کی مرمت کی اُس پر گلاوہ یا چونا کاری کی یا قبر کو کھود کر اس میں سے لاش نکالی یا مورت جاندار کی بنائی یا بدعت نکالی وہ اسلام سے باہر ہو گیا۔ (انوار اللغۃ پارہ ۵، ص ۱۸)

اس حدیث کا مطلب واضح ہے کہ (۱) جو شخص تجدید قبر کرے یعنی قبر کھود کر اس میں کسی اور کو

دفن کرے (۲) جو شخص کوئی مورت بنائے وہ اسلام سے خارج ہو گیا اور اس پر سب مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ قبر کی تجدید کرنی یعنی ایک پرانی قبر میں دوسرے مردہ کو دفن کر کے اس کو نئی قبر بنانا حرام ہے نہ یہ کہ کسی قبر پر مٹی ڈالنا یا اس کی مرمت کرنا حرام ہو۔ چنانچہ مولانا نے یہ بھی لکھا ہے کہ ''قبر کو کھود کر اس میں سے لاش نکالے''بس یہی تجدید قبر کا معنی ہے۔ اگر اور کوئی مطلب ہوتا تو من جدد قبرا نہیں فرمائے گا بلکہ من اصلح قبرا جو شخص کسی قبر کو درست کرے یا مرمت کرے) فرماتے۔ رہا دوسرا جملہ تو وہ بھی ٹھیک ہے کہ کسی جاندار کی تصویر بنانا منع کیا گیا ہے۔ لیکن بے جان چیزوں کی تصویر بنانا تو ممنوع نہیں ہوا اگر بے جان چیزوں کی تصویر منع ہوتی تو ایک مسجد کی نقل دوسری مسجد نہ بنائی جاتی ہے وہ بھی منع ہوتی۔ ایک قرآن کی مثال دوسرا قران لکھا اور چھاپا جاتا ہے وہ بھی منع ہوتا آپ نے ایک اچھی انگوٹھی کسی کے ہاتھ میں دیکھی ویسی ہی خود بھی بنوائی جو اس کی مثال کہی جائے گی۔ تو یہ کیا حرام ہو جائے گی؟ ایک عمدہ مکان نظر آیا۔ اس کی نقل میں نے بھی ایک مکان بنوایا تو کیا اُس مکان کے ایسا دوسرا مکان بنوانے سے کوئی اسلام سے خارج ہو جائے گا۔

پس تعزیہ بھی کسی جاندار چیز کی مثال نہیں ہے بلکہ بیجان چیز روضہ حضرت امام حسینؑ کی مثال ہے۔ اس کا بنانا اسی طرح جائز ہے جس طرح ایک مسجد کی مثال دوسری مسجد بنوانی یا ایک قران کے مثل دوسرا قرآن لکھنا چھاپنا۔ مولانا ممدوح نے اس کو صاف صاف لکھ دیا ہے فرماتے ہیں: **من مثل مثالا خرج من الاسلام**

''جو شخص جاندار کی مورت بنائے وہ اسلام سے نکل گیا۔'' مجسم مورت جاندار کی بنانا تو بالاتفاق حرام ہے اُس کو توڑ ڈالنا شیوہ اسلام ہے لیکن نقشی تصویر میں فوٹو گراف کی تصویر میں اختلاف ہے غیر جانداروں کی تو بالاتفاق درست ہے۔ اور جاندار کی بعضوں نے جائز رکھی ہے۔'' (دیکھو: انوار اللغۃ، پ۲۴، ص۱۶)

اس عبارت میں غور کرنے کے بعد بتاؤ کہ قبر امام حسینؑ تو غیر جاندار ہی چیز ہے۔ پھر اس کی تصویر یا مثال بھی (جو تعزیہ ہوتا ہے) بالاتفاق درست ہوئی۔ اب صحیح بخاری شریف کی اس عبارت کو بھی دیکھو:

قال النووی قال اصحابنا وغیرهم من العلماء تصویر صورة الحیوان حرام شدید التحریم لان فیه مضاهاة لخلق الله......
واما تصویر صورة الشجر ورحال الابل وغیر ذلك مما لیس فیه صورة حیوان فلیس بحرام هکذا حکم نفس التصویر۔

''یعنی علامہ نووی بیان کرتے تھے کہ ہمارے اصحاب اور نیز دیگر علماء کا قول ہے کہ حیوان کی تصویر بنانا شدید حرام ہے کیونکہ اس میں خلق خدا سے مشابہت ہوتی ہے لیکن درخت۔ پالان شتر یا کسی غیر ذی روح چیز کی تصویر بنانا حرام نہیں ہے یہی حکم بنی ہوئی تصویر کا ہے یعنی تصویر ذی روح خواہ کسی چیز پر بنی ہوئی ہو اس کا رکھنا حرام اور ناجائز ہے لیکن غیر ذی روح کی تصویر بنانا جس طرح جائز ہے اس کا رکھنا بھی جائز ہے۔
(حاشیہ بخاری شریف جلد۲، پارہ ۲۸، ص ۸۸۰ مطبوعہ نظامی کانپور)

اب تو صاف ہوگیا کہ تعزیہ کا بنانا اور رکھنا جائز ہے کیونکہ یہ ایک غیر ذی روح چیز (روضہ امام حسینؑ) کی تصویر ہے۔ اگرچہ بعض روایات صحاح سے ثابت ہوتا ہے کہ ذی روح کی تصویر بنانا اور رکھنا بھی جائز ہے۔ چنانچہ ترمذی شریف میں ہے:

عن عائشه ان جبریل جاء بصورتها فی خرقه حریر خضراء الی النبیؐ فقال هذه زوجتك فی الدنیا والاخرة۔

''یعنی حضرت عائشہ فرماتی تھیں کہ جناب جبریل میری تصویر ایک ریشمی کپڑے کے ٹکڑے میں حضرت رسول کے پاس لائے اور کہا دنیا وآخرۃ میں یہ آپ کی بیوی ہیں۔
(جامع ترمذی، جلد۲، ص ۲۸۸)

اس سے معلوم ہوا کہ خود خدا نے حضرت عائشہ کی تصویر بنوائی اور سنو:

عن عائشه قالت کنت العب بالبنات عند رسول الله و کان لی صواحب یلعبن معی و کان رسول الله اذا دخل۔ ینقمعن منه فلیس بهن الی فیلعبن معی۔

''یعنی حضرت عائشہ فرماتی تھیں کہ میں حضرت رسول خداؐ کے پاس ہی گڑیاں کھیلا کرتی

تھی اور میری ہجولیاں بھی میرے ساتھ گڑیاں کھیلا کرتیں اور حضرت رسولِ خداؐ جب میرے پاس آتے تو میری ہجولیاں سرک جایا کرتی تھیں مگر حضرت رسولؐ خداؐ اُن سب کو میرے پاس بھیج دیتے تو وہ میرے پاس آ کر کھیلنے لگتی تھیں۔ (صحیح بخاری، جلد۲، پارہ ۲۵، ص ۹۰۵)

یہ حدیث صحیح مسلم، جلد۲، ص ۲۸۵ وغیرہ میں بھی ہے۔

عن عائشة قالت كنت العب بالبنات وانا عند رسول الله فكان يسرب الى صواحباتي يلا عبني۔

''یعنی حضرت عائشہ بیان فرماتی تھیں کہ حضرت رسول خداؐ کے پاس میں گڑیاں کھیلا کرتی تھی اور حضرت میری ہجولیوں کو بھی میرے پاس بلا بھیجتے تھے جو آ کر میرے پاس کھیلنے لگتی تھیں۔'' (سنن ابن ماجہ، جلد۱ ص ۱۴۳)

عن عائشة قالت كنت العب بالبنات فربما دخل على دخل على رسول الله وعندى الجوارى فاذا دخل خرجن واذا اخرج دخلن۔

''یعنی حضرت عائشہ کہتی تھیں کہ میں برابر گڑیاں کھیلا کرتی تھی اسی حالت میں اکثر حضرت رسولِ خداؐ میرے پاس پہنچ جاتے تھے اور وہ ہم جولیاں بیٹھی رہتی تھیں۔ پس جب حضرت میرے پاس آ جاتے تو وہ سب ہٹ جاتیں اور حضرت چلے جاتے تو پھر چلی آتی تھیں۔ (سنن ابوداؤد، جلد۴، ص ۳۱۹)

یہ روایت بھی سن رکھو:

عن عائشة قالت قدم رسول الله من غزوه تبوك او خيبرو فى سهوتها ستر فهبت الريح كفشف ناحية السترعن بنات لعائشه لعب فقال ما هذا ياعائشة۔ قالت بناتى وراى بينهن فرساله جناحان من رقاع فقال ما هذا الذى ارى وسطهن

قالت فرس- قال وما هذا الذی علیه- قلت جناحان- قال فرس
له جناحان قالت اما سمعت ان لسلیمان خیلاله احنجة قالت
فضحك رسول الله حتی رأیت نواجذه-

''یعنی حضرت عائشہ بیان فرماتی تھیں کہ حضرت رسولِ خداؐ غزوہ تبوک یا غزوہ خیبر سے واپس تشریف لائے تو میرے گھر پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ اتنے میں ہوا چلی جس نے اُس پردے کو ہٹا دیا جو میری گڑیوں پر پڑا ہوا تھا۔ آنحضرتؐ نے فوراً پوچھا عائشہ یہ کیا ہے! میں نے جواب دیا میرے کھیلنے کی گڑیاں ہیں۔ ان گڑیوں کے درمیان ایک گھوڑا بھی تھا جس کے دونوں طرف پر لگائے ہوئے تھے۔ حضرت نے اُس کی طرف اشارہ کر کے پوچھا اور یہ کیا چیز ہے؟ کہا گھوڑا۔ حضرت نے پوچھا اور یہ (دونوں طرف) کیا ہے۔ میں نے کہا گھوڑے کے پر ہیں۔ آنحضرت نے پوچھا کیا گھوڑے کے بھی دونوں طرف پر ہوتے ہیں؟ میں نے کہا کیا آپ نے نہیں سنا کہ حضرت سلیمان پیغمبر کا گھوڑا تھا جس کے پر بھی تھے۔ یہ سن کر حضرت اس قدر ہنسے کہ آپ کے دانت دکھائی دینے لگے۔ (سنن ابوداؤد، جلد۴، ص۲۹۴)

ان صحیح حدیثوں سے ثابت ہوا کہ ذی روح کی سایہ دار تصویر بنانا اور رکھنا بھی جائز اور حلال بلکہ ایسا ہے جو خود حضرت رسولِ خداؐ کے گھر میں ہوتا اور حضرتؐ اس کو پسند فرماتے اگر یہ ذرا برابر بھی برا یا مکروہ ہوتا تو آنحضرتؐ ضرور اس سے نفرت فرماتے۔ ان گڑیوں میں آگ لگا دیتے۔ یا کم از کم ان سب کو پھینک دیتے اور حضرت عائشہ کو منع فرماتے کہ خبردار آئندہ اس قسم کی چیزیں نہ بنانا نہ رکھنا۔ اس کے عوض حضرتؐ ان گڑیوں اور ان کے کھیل کو اس درجہ پسند فرماتے اور اس قدر خوش ہوتے تھے کہ حضرت عائشہ کی ہجولیوں کو بھی بلا کر بھیجتے تھے کہ جاؤ کھیلو۔ پس جب ذی روح کی سیاہ دار تصور بنانا اور رکھنا جائز اور سنت رسولؐ ہے تو تعزیہ بنانا، رکھنا، سڑکوں پر گھمانا بدرجہ اولیٰ جائز اور حلال ہے جس پر کوئی اعتراض ہو ہی نہیں سکتا۔

✿✿✿✿✿

تاریخ تعزیہ: اوراس کے اغراض ومقاصد

مولوی صاحب: مگر اس کی ضرورت کیا ہے۔ کیا صرف حضرت حسینؑ کے مصائب سننے سے رونا نہیں آتا جو خواہ مخواہ حضرت کے روضہ کی نقل بنا کر اور اُسے دیکھ کر رونے کی کوشش کی جاتی ہے۔

حسینی بیگم: جو ضرورت رسولِ خداؐ کے لیے تھی کہ خدا نے حضرت کو امام حسینؑ کے مصائب کی ہی خبر نہیں دی بلکہ حضرتؐ کے پاس گویا تعزیہ بھی بنوا کر بھیجا تاکہ حضرت کو اُسے دیکھ کر زیادہ رونا آئے۔ بہت بیتاب ہوں۔ شدت سے روئیں۔

مولوی صاحب: معاذ اللہ یہ کیا کفر بکنے لگیں۔ خدا نے کب اور کیوں حضرت کے پاس تعزیہ بنوا کر بھیجا۔

حسینی بیگم: میں پہلے کئی دفعہ یہ روایت بیان کر چکی ہوں کہ ام الفضل بیان کرتی تھیں کہ میں نے حضرت رسولِ خداؐ سے عرض کی کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ آپ کے جسم کا ٹکڑا میری گود میں رکھ دیا گیا۔ حضرت نے فرمایا فاطمہؑ کا بیٹا تمہاری گود میں رہے گا۔ واقعاً ایسا ہی ہوا۔ پھر ایک روز میں نے امام حسین علیہ السلام کو حضرت کی گود میں دیا تو حضرت رونے لگے۔ میں نے وجہ پوچھی تو فرمایا: میری امت اسے قتل کرے گی اور جبرئیلؑ نے ان کے قتل گاہ کی سرخ مٹی بھی دی ہے۔ (مشکوٰۃ شریف، جلد ۸، ص ۱۱۲۰)

اسی جملہ پر غور کرو کہ خدا نے جناب جبرائیلؑ کے ذریعہ سے آنحضرتؐ کے پاس امام حسینؑ کے قتل گاہ کی سرخ مٹی بھیجی۔ یہ معلوم ہے کہ کربلا کی مٹی پہلے سے سرخ نہیں تھی بلکہ جو رنگ ہمیشہ وہاں کی مٹی کا تھا ویسی ہی تھی۔ مگر خدا نے اس مٹی کو وہاں سے نکلوا کر سرخ کرایا تب

حضرت کے پاس بھیجا یعنی امام حسینؑ کے قتل گاہ کی مٹی حضرتؑ کی شہادت اور آپ کے خون بہنے کے بعد جیسی سرخ ہونے والی تھی ویسی ہی سرخ خدا نے اُس مٹی کو بنوایا۔ غرض اس مٹی کی شبیہ تیار کرائی اور حضرت رسولِ خداؐ کے پاس بھیجی تا کہ حضرت اس کو دیکھ کر سمجھیں کہ امام حسینؑ کے قتل ہونے سے وہاں کی مٹی ایسی سرخ ہو جائے گی اور اس وجہ سے آپ اس زمین کا تصور کریں اور ان مصائب کا تذکرہ کر کے خوب روئیں اور اپنی آنکھوں سے آنسو کے دریا بہائیں۔ اگر خدا امام حسینؑ کے قتل گاہ کی زمین کی شبیہ نہیں بنوا تا تو وہ مٹی اپنے معمولی رنگ پر رہتی سرخ نہیں ہو جاتی مگر خدا نے شہادت کے وقت کی مٹی کی شبیہ بنا کر اس مٹی کو سرخ کر دیا تب بھیجا۔ پس جب خدا نے امام حسینؑ کے قتل گاہ کی شبیہ بنا کر وہ سرخ مٹی بھیجی تو معلوم ہوا کہ حضرت کے قتل گاہ یا روضہ کی شبیہ بنانا خدا کی عملی تعلیم ہے۔ اب وہ شبیہ خواہ مٹی کی صورت میں بنائی جائے خواہ تعزیہ کی صورت میں خواہ دلدل، علم، تابوت کی صورت میں سب خدا ہی کی تعلیم کی پیروی کہی جائے گی۔ البتہ بعد کو ان باتوں میں ترقی ہوتی گئی اور بہت کچھ اضافہ بھی ہوا مگر یہ اضافہ ویسا ہی ہے جیسا حضرت رسولِ خداؐ کی مسجد مدینہ کے اضافے ہوئے۔ جناب مولانا عبدالسلام صاحب ندوی نے مسجد مدینہ کے حالات میں لکھا ہے'' مسجد بن کر تیار ہوئی تو اسلام کی سادگی کا بہترین نمونہ تھی لکڑیوں کے ستون تھے۔ کھجور کی شاخوں کی چھت اور پتھر کی چوکھٹ تھی۔ حضرت عمر نے مسجد میں صرف اضافہ کیا تھا مگر اس کی ہیئت قائم رکھی تھی لیکن حضرت عثمان نے مسجد کا نقشہ پورا بدلنا چاہا...... نہایت شان و شوکت کے ساتھ مسجد نبوی کو تعمیر کرایا ولید نے ان سب کو کفارہ کر دیا ارد گرد کے مکانات کے ساتھ ازواج مطہرات کے حجرے بھی تھے جو رسول اللہ کے زہد و تقشف کی یادگار تھے یہ جز مسجد میں شامل کر لیے...... آس پاس کے مکانات کو گرا کر زمین ہموار کی گئی اور ۸۸ ہجری یا ۹۱ ہجری میں نہایت وسیع پیمانہ پر تعمیر کا کام شروع ہوا...... ولید نے جب گھوم پھر کے اچھی طرح مسجد کی سیر کر لی تو حضرت ابان بن عثمان کی طرف مخاطب ہو کر فخریہ لہجہ میں کہا کہ ہماری عمارت کہاں اور تمہاری عمارت کہاں۔ ابان نے جواب دیا کہ ہم نے مسجد بنوائی تھی اور تم نے گرجا بنوایا ہے۔'' (رسالہ معارف اعظم گڑھ، جلد ا نمبر ۳ ص ۲۳)

غرض جس طرح اس کثرت سے اضافہ ہونے کے بعد مدینہ کی مسجد کو سب لوگ مسجد رسول ہی کہتے ہیں بالکل اسی طرح کچھ اضافہ ہونے کے بعد بھی موجودہ تعزیہ وہی ہے جس کو خدا نے ۴ ہجری میں ایجاد کیا اور جناب رسول خداؐ کے پاس بھیجا اور حضرتؐ نے اس تعزیہ کو جناب ام سلمہؓ کے پاس بغرض حفاظت رکھوایا۔ اگر یہ کسی آدمی کا فعل ہوتا تو یہ لوگ حضرت رسول خداؐ، حضرت فاطمہؑ، حضرت علیؑ، حضرت حسنؑ کی قبروں کی شبیہ کیوں نہیں بناتے۔ کسی نے حضرت سیدہؑ یا حضرت علیؑ یا حضرت حسنؑ کا تعزیہ سنا ہے؟ پھر صرف امام حسینؑ کا تعزیہ کیوں رائج ہو گیا۔ انصاف سے غور کرنے کے بعد اس نتیجہ پر انسان آسانی سے پہنچ سکتا ہے کہ چونکہ امام حسینؑ کا تعزیہ (یعنی حضرتؑ کے روضہ کی شبیہ) خدا نے بنایا اور رسولؐ کے پاس بھیجا اس وجہ سے آج تک مسلمان بھی صرف امام حسینؑ ہی کا تعزیہ یعنی حضرت کے روضہ کی شبیہ بناتے ہیں اور چونکہ خدا نے حضرت کے سوا اور کسی پیغمبر یا امام کے روضہ کی شبیہ نہیں بنائی اس وجہ سے مسلمان بھی کسی اور بزرگ کے روضہ کی شبیہ یعنی تعزیہ نہیں بناتے۔ اگر یہ فعل مسلمانوں کا ہوتا تو یہ لوگ پہلے حضرت رسول خداؐ یا حضرت علیؑ یا حضرت سیدہؑ یا حضرت امام حسنؑ کے روضہ کا تعزیہ بناتے اس کے بعد امام حسینؑ کے روضہ کا تعزیہ تجویز کرتے مگر ایسا نہیں ہے لہذا ماننا پڑے گا کہ صرف امام حسینؑ کے روضہ کا تعزیہ اس وجہ سے بنتا ہے کہ خدا نے اسی کو بنوایا تھا۔

قرآنِ مجید سے تعزیہ کا ثبوت

مولوی صاحب: تم نے یہ بھی سنا کہ ایک دفعہ آگرہ میں ایک بڑا سائن بورڈ لگایا گیا جس پر لکھا تھا ''پچاس روپیہ انعام پہلے اس مسلمان کو دیا جائے گا جو قرآن کی کسی آیت سے تعزیہ بنانا ثابت کردے گا۔''

حسینی بیگم: پھر کسی نے ثابت کیا یا نہیں؟

مولوی صاحب: تم بھی کیا باتیں کرتی ہو۔ کون ثابت کرسکتا ہے؟ کیا کھیل ہے۔

حسینی بیگم: آسان تو ضرور ہے مگر ان اشتہار دینے والے کی عقل کے قربان ہوں کہ کیا سوجھی تھی۔ قرآن مجید تو حضرت رسولِ خداؐ کی زندگی ہی میں ۱۱ ہجری تک نازل ہوتا رہا۔ اس کے بعد کوئی آیت نہیں آئی اور امام حسینؑ ۶۱ ہجری میں شہید کیے گئے جس کے بہت دنوں کے بعد حضرت کا روضہ بنا اسی روضہ کی نقل اور شبیہ تعزیہ ہوتا ہے۔ پھر قرآن مجید سے تعزیہ کا ثبوت طلب کرنا ایسا ہی تو ہے جیسے کوئی کہے کہ قرآن مجید سے ثابت کرو کہ حضرت رسولِ خداؐ کے روضہ کی زیارت جائز ہے۔

مولوی صاحب: مگر تم نے اس کو آسان کیونکر کہہ دیا

حسینی بیگم: بہت سی آیتوں سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً یہ آیہ:

يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رَّاسِيٰتٍ۔ (سورۃ السبا: رکوع ۲)

ان آیات کا ترجمہ مولانا نذیر احمد صاحب دہلوی نے اس طرح کیا ہے۔ سلیمانؑ کو جو کچھ (بنوانا) منظور ہوتا (یہ جنات) ان کے لیے بناتے (جیسے مسجد بیت المقدس کی بڑی)

اونچی شاندار عمارتیں اور (ڈھلی ہوئی مورتیں اور ایسے بڑے لگن جیسے حوض اور بڑی بھاری بھاری دیگیں جو ایک ہی جگہ جمی رہیں۔ (حمائل، پ۲۲، ع ۶/۸، ص ۶۸۶)

اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ (۱) خدا نے جنات کو حضرت سلیمان کا تابع کر دیا تھا (۲) جنات جو کچھ حضرت سلیمان کے لیے کرتے پروردگار کے حکم ہی سے ہوتا (۳) وہ جنات حضرت سلیمان کے لیے مورتیں بھی بناتے تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ خدا کے حکم سے جنات حضرت سلیمان کے لیے مورتیں بناتے تھے۔ یہ مورتیں تماثیل کا ترجمہ ہے۔ اس کے متعلق مفسرین کی تحقیق بھی سنو۔ علامہ بیضاوی نے لکھا ہے:

وتماثيل وصور او تماثيل للملائكة والانبياء على ماعتادوا من العبادات ليراها الناس فيعبد وانحو عبادتهم

''یعنی تماثیل کا معنی تصویریں اور شبیہیں ہیں جو ان کی عادت کے مطابق فرشتوں اور انبیاء کی تصویریں تھیں تاکہ ان کو دیکھ کر دوسرے لوگ بھی انھیں کی طرح عبادت کریں۔ (تفسیر بیضاوی، جلد۲، ص۱۷۳)

اور علامہ بغوی کی عبارت کا ترجمہ یہ ہے کہ وہ جنات فرشتوں اور نبیوں اور نیکوکاروں کی تصویریں مسجد میں بناتے تھے تاکہ لوگ ان کو دیکھیں اور اس سے زیادہ عبادت کرنے لگیں۔ (معالم التنزیل، ص ۷۳۷)

یہی مضمون تفسیر کشاف، جلد۲، ص ۴۴۵ تفسیر در منثور، جلد ۵، ص ۲۲۸ وغیرہ میں بھی ہے۔ ان عبارتوں سے واضح ہوا کہ خدا کے حکم سے وہ جنات حضرت سلیمان کے لیے مختلف چیزوں کی تصویریں اور شبیہیں بنایا کرتے اور اس کی غرض صرف یہ تھی کہ ان شبیہوں کو دیکھ کر لوگ زیادہ عبادت کریں۔ اب تم ہی فیصلہ کرو کہ تعزیہ بھی روضہ امام حسینؑ کی شبیہ ہے اور اسی لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کو دیکھ کر لوگ زیادہ گریہ وبکا کریں جس کا عبادت ہونا میں پہلے بیان کر چکی ہوں۔ اس سے واضح تر دلیل تعزیہ بنانے کی جائز ہونے کی اور کیا چاہیے کہ وہ عمل ہے جس کے کرنے کا حکم خدا نے جنات کو دیا تھا اور یہ عمل حضرت سلیمانؑ پیغمبر کے لیے کیا جاتا تھا۔ جب

حضرت سلیمانؑ کے لیے اس کا بنانا جائز تھا تو ہم لوگوں کے لیے بھی جائز ہے۔ کیونکہ خدا نے فرمادیا ہے:

اولئك الذين هدى الله فبهد اهم اقتده

یعنی "یہ اگلے پیغمبر وہ تھے جن کی خدا نے ہدایت کی پس تم بھی ان کی ہدایت کی پیروی کرو" (پ ۷، سورہ انعام آیت ۹۱)

پس اس زمانہ کے مسلمان بھی انہیں حضرت سلیمان کی پیروی میں گریہ و بکا کی عبادت زیادہ انجام دینے کے لیے شبیہ (تعزیہ) بناتے اور اس کو دیکھ کر اس طرح روتے ہیں جس طرح حضرت رسولِ خداؐ روتے تھے تو حضرت سلیمان ہی کی پیروی نہ ہوئی بلکہ خدا کی پیروی ہوئی کیونکہ خدا ہی نے تو جنات کو حکم دیا تھا کہ سلیمان کے لیے شبیہیں بناؤ۔

✿✿✿✿✿

چوالیسواں باب

کیا تعزیہ کی تعظیم کرنی چاہیے؟ کیا تعزیہ شعائر اللہ میں داخل ہے؟

مولوی صاحب: خیر اگر تعزیہ بنانے اور رکھنے کو جائز بھی کہیں تو اس کی اس قدر عزت اور تعظیم کس عقل سے کی جاتی ہے۔

حسینی بیگم: آپ جانتے ہیں کہ دنیا میں زیادہ تر کسی نسبت سے کسی چیز کی عزت یا تعظیم کی جاتی ہے۔ ذاتی عظمت اور احترام شاید ہی ہوتا ہو اور ایک ہی چیز نسبت کے بدل جانے سے کبھی قابل عزت اور کبھی قابل ذلت ہو جاتی ہے۔ ہر لڑکا ایک ہی قسم کے ہاتھ پاؤں کا پیدا ہوتا ہے مگر بادشاہ کا ہونے سے سب اس کی عزت کرتے ہیں اور گنوار کا ہونے سے کوئی بھی اس کو نہیں پوچھتا۔ اسی اینٹ اور پتھر سے پل بھی بنائے جاتے ہیں۔ جس پر سے لوگ جوتا پہنے چلتے ہیں اور اسی سے مندر بنتا ہے تو اس کی دوسری ہی حالت ہوتی ہے۔ اسی سے بیت الخلاء بنایا جاتا ہے جہاں خوشی سے کوئی بیٹھ نہیں سکتا اور اسی سے مسجد بھی بنائی جاتی ہے جس میں لوگ سجدہ کرتے ہیں۔ وہی کاغذ اخباروں میں لگایا جاتا ہے تو لوگ پڑھنے کے بعد اس سے اپنے جوتے صاف کرتے ہیں اور اسی کاغذ پر حدیث یا قرآن شریف لکھا جاتا ہے تو اس کو سر آنکھوں سے لگایا جاتا ہے۔ تعزیہ بھی اگرچہ کاغذ ہی کا بنتا ہے مگر چونکہ یہ اس محسن اسلام کی طرف منسوب ہے جس نے اس دین خدا کی حمایت میں اپنی جان دے دی اور اپنا گھر بار نثار کر دیا اس وجہ سے اس کی عزت اور تعظیم بھی ضروری ہے کیونکہ ایسے فدائے دین وملت کی نشانیاں شعائر اللہ کہی جائیں گی جس طرح کوہ صفا اور مروہ خدا کی نشانیاں اور ہدی و قلائد اور کعبہ شریف کے حاجی مستحق تعظیم ہیں۔ کوہ صفا و مروہ کی تعظیم کیوں کی جاتی ہے؟ صرف اسی وجہ سے تو کہ وہ اس بات کی یاد دہانی کرتے ہیں کہ جناب ہاجرہ اپنے فرزند اسماعیل کی پیاس کی وجہ سے کوہ صفا و مروہ

کے درمیان کئی مرتبہ آئیں اور گئیں جس کی یادگار خدا نے یہ قرار دی کہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے کو ارکان حج میں داخل کر دیا۔ یہ کیوں؟ غالباً اس وجہ سے کہ حضرت ابراہیمؑ نے خدا کی محبت میں اپنی محبت کی کوئی پروانہیں کی اور خدا کے حکم سے اپنی بیوی ہاجرہ اور فرزند اسماعیلؑ کو ایسی زمین میں چھوڑ دیا جہاں نہ کھانا مل سکتا تھا نہ پانی۔ پس اتنی بات کا جب خدا نے یہ احترام کیا کہ اپنی عبادت حج میں اس کی یادگار کو مستقل جزو قرار دے دیا تو حضرت امام حسینؑ نے خدا کے حکم کی تعمیل اور اُس کے دین کی حفاظت میں اپنی اور اپنے خاندان بھر کی جان قربان کر دی...... پھر ان کی یادگار کیوں شعائر اللہ میں داخل نہیں کی جائے گی؟ ماننا پڑے گا کہ تعزیہ اور اس کے سب لوازم شعائر اللہ ہیں اور ان سب کی تعظیم ضروری اور ان کی توہین حرام ہے۔ جس کو خدا نے بھی فرمادیا ہے:

یا ایھا الذین آمنوا لا تحلوا شعائر الله ولا الشهر الحرام ولا الهدی ولا القلائد ولا آمین البیت الحرام

''یعنی اے ایمان والو! خدا کی نشانیوں کی توہین و تذلیل نہ کرو اور نہ حرام مہینہ کی اور نہ قربانی کی اور نہ پٹے دار قربانی کی۔(پارہ۶،رکوع۵)

یہ بھی فرمایا ہے:

ومن یعظم حرمات الله فهو خیر له عند ربه۔

''یعنی جو شخص خدا کی قابل احترام چیزوں کی عزت وعظمت کرے گا تو وہ اس کے لیے خدا کے ہاں بہت خوب ہوگا۔''(پارہ۱۷،ع۱۱)

اور یہ بھی فرمایا ہے:

ومن یعظم شعائر الله فانها من تقوی القلوب

''یعنی جو شخص خدا کی نشانیوں کی تعظیم کرے گا تو یہ دلوں کی پرہیزگاری کی بات ہوگی۔'' (پارہ۱۷،رکوع۱۱)

دیکھو ان آیات سے پہلی میں حکم ہے کہ خدا کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو اور دوسری

آیت کہتی ہے کہ شعائر خدا کی تعظیم سے ہم لوگوں کا بھلا ہوگا اور تیسری آیت بتاتی ہے کہ شعائر خدا کی تعظیم ہم لوگوں کے دلوں کی پاکیزگی کو واضح کرتی ہے۔اس سے بت پرستی کا اعتراض بھی دفع ہوگیا۔اسی لیے کہ غیر خدا کو خدا یا اس کا شریک سمجھ کر اس کی عزت وعظمت کرنا بت پرستی اور شرک ہے مگر تعزیہ کو نہ کوئی شخص خدا سمجھتا ہے نہ اس کا شریک بلکہ اسلام کے فدائی اور دین و ایمان کے حامی وحافظ اور خدا کے ذبح عظیم کی یادگار خیال کر کے خدا ہی کے حکم سے سب اس کی تعظیم کرتے ہیں جو بعینہ خدا پرستی کی دلیل ہے۔

مولوی صاحب: مگر شعائر کا تقرر تو خدا اور رسولؐ کا کام ہے:

والبدن جعلناها لکم من شعائر الله

''یعنی ہم نے تمہارے لیے قربانی کے اونٹوں کو بھی خدا کی نشانیاں قرار دی ہیں۔''

(پ ۷، ع ۱۲)

سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی چیز کو شعائر اللہ قرار دینا ہر ماد شما کا کام نہیں ہے کہ جس چیز کو چاہا قرار دے لیا۔تمام شعائر سے مقصود اطاعت الٰہی اور پیروی سنت رسولؐ ہے۔تو کیا تعزیہ داری کو خدا ورسولؐ نے شعائر سے مقصود اطاعت الٰہی اور پیروی سنت رسولؐ ہے۔تو کیا تعزیہ داری کو خدا و رسولؐ نے شعائر اللہ قرار دیا؟

حسینی بیگم: بے شک تعزیہ شعائر اللہ سے ہے۔شعائر جمع ہے شعیرہ کی ''از ہری نے کہا شعائر اللہ وہ مقامات جن کی طرف اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو بلایا وہاں عبادت کرنے کا حکم دیا۔''

(انوار اللغۃ، پارہ ۱۳، ص ۷۶)

اور والبدن جعلناها لکم من شعائر الله سے معلوم ہوا کہ خدا نے اونٹوں کو بھی ان چیزوں میں قرار دیا ہے جو خدا کے ساتھ نامزد کی جاتی ہیں۔

پس اسی طرح تعزیہ بھی جو خدا کی عبادت کے لیے نامزد کیا گیا ہے شعائر اللہ ہی میں داخل ہے۔کیونکہ اُسی خدا نے امام حسینؑ کے قتل گاہ کی مٹی کو سرخ کرا کے اور اس کی شبیہ بنا کر نہایت عزت و احترام سے حضرت جبرائیل کے ذریعہ حضرت رسول خداؐ کے پاس بھیجا اور

حضرتؐ نے اس کو دیکھ کر گریہ کیا اور نہایت اکرام و تعظیم سے اس کو ایک شیشی میں رکھ کر حضرت ام سلمہؓ کو دیا کہ اس کو حفاظت سے رکھ۔

پس جس طرح والبدن سے کوئی خاص اونٹ نہیں بلکہ اونٹ کی عام نوع مراد ہے کہ جس اونٹ کو قربانی کے لیے اختیار کریں گے وہی شعائر اللہ میں ہو جائے گا۔ اسی طرح جو چیز قتل گاہ یا روضہ امام حسینؑ کی شبیہ بنائی جائے وہ شعائر اللہ میں داخل ہو جائے گا۔

مولوی صاحب: مگر مسلمانوں کی تو یہ حالت ہے کہ امام صاحب کی بزرگی سے یہ فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ مثل مشرکوں کے امام صاحب سے حاجتیں مانگتے ہیں اور مزار کی نقل بنا کر اس کے گرد طواف کر کے اس پر شیرینی وغیرہ چڑھاتے ہیں اس میں اپنی حاجتوں کی عرضیاں اور چھٹیاں لٹکاتے ان کے نام کی سبیل اور تعزیہ کے چڑھاوے کو تبرک سمجھتے ہیں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اس تعزیہ میں امام حسینؑ کی روح آجاتی ہے اور وہ تعزیہ داروں اور منتوں کے ماننے والوں سے خوش ہوتے اور اُن کی حاجت روائی کرتے ہیں۔ یہ سب تو شرک کی باتیں ہیں۔

حسینی بیگم: جاہلوں کی بات کا خیال نہیں کرنا چاہئے۔ البتہ سمجھدار مسلمانوں کے افعال کو دیکھنے کی ضرورت ہے کہ کیا کرتے ہیں۔ علاوہ بریں اس کی تصریح کرو کہ آپ کس دلیل سے ان باتوں کو شرک کہتے ہیں آپ لوگ خود اپنا اصول مذہب یہ بیان کرتے ہیں۔

اصل دیں آمد کلام اللہ معظم داشتن
پس حدیث مصطفیٰ بر جان مسلم داشتن

تو بتاؤ کہ قرآن مجید یا حدیث شریف میں کہاں اور کیونکر ان باتوں کو شرک لکھا ہے۔ خود حضرت رسولِ خداؐ کو خدا کا حکم ہوا کہ حضرت علیؑ سے حاجت روائی کرو۔ جناب مولانا عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے لکھا ہے

قصہ نادعلیاً مظہر العجائب ہمدریں معاملہ و معارکہ واقع شدہ است

یعنی خدا نے جو حضرت رسولِ خداؐ کو حکم دیا کہ اپنی مدد کے لیے علی کو پکارو وہ بھی اسی

غزوہ احد میں ہوا۔ (مدارج النبوت، جلد۲، ص۱۵۳)

پھر اس وقت کے مسلمان اگر حضرت امام حسینؓ سے حاجت روائی کرتے ہیں تو کیا اعتراض ہوسکتا ہے؟ اگر کہو کہ حضرت علیؓ تو زندہ تھے اور حضرت امام حسینؓ شہید ہو چکے تو خدا نے امام حسینؓ کو بھی زندہ فرمادیا ہے:

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عندربھم یرزقون

"یعنی جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ان کو مردہ نہ سمجھو وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے پاس روزی پاتے رہتے ہیں۔" (پ۴، ع۸)

پس جب امام حسینؓ بھی شہید راہ خدا ہونے کی وجہ سے زندہ ہیں تو حضرت سے حاجت روائی بھی حضرت رسول خداؐ کی پیروی ہے اور تعزیہ کے گرد طواف کرنا اور اس پر شیرینی چڑھانا ویسا ہی ہے جیسا خانہ کعبہ کی شبیہہ مسجدوں کے گرد طواف کرنا اور شیرینی چڑھانا۔ اگر مسجد کے گرد کوئی شخص طواف کرے یا اس میں شیرینی چڑھائے تو کیا آپ اس کو شرک کہہ دو گئے اس کی کوئی دلیل اور سبب بھی ہے یا صرف تمہارا کہہ دینا؟ اور یہ کہنا کہ "یہ عقیدہ کر کے کہ اس تعزیہ میں امام حسینؓ کی روح آ جاتی ہے الخ بالکل ایجاد بندہ ہے کبھی کوئی سمجھدار مسلمان یہ عقیدہ نہیں کرتا کہ تعزیہ میں امام حسینؓ کی روح آ جاتی ہے۔ کسی نے آپ سے مذاق کیا ہوگا اور آپ نے اپنی خوش فہمی سے اس کو مان لیا۔ افسوس جو تعزیہ خدا کی عملی تعلیم کی پیروی میں بنایا جاتا ہے اس پر تو طرح طرح کے اعتراض کئے جاتے ہیں مگر ہم لوگ اپنی باتوں کا کوئی خیال نہیں کرتے۔ حضرت عائشہ کی محمل کئی سو سال سے برابر نہایت تزک و احتشام کے ساتھ مصر سے مکہ معظمہ میں آتی ہے اور اسی طرح اس کا جلوس گھمایا جاتا جس طرح تعزیہ کا مگر اب تک کسی انصاف پسند بزرگ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ بدعت ہے یا بت پرستی یا اس کی شبیہہ سے اسلامی توہین ہوتی ہے۔ بتاؤ کہ یہ محمل کس لکڑی اور لوہے سے بنی ہوئی ہے جو لائق تعظیم ہے اور تعزیہ میں کیسے اجزاء ہیں جو قابل احترام نہیں ہوسکتے۔ آخر میں حسب ذیل اشتہار دیکھو جو ہمارے بڑے علماء

کا تعزیہ کی تعظیم کے بارے میں ہے۔

نقلِ اشتہار

حضرت زبدۃ السالکین قدوۃ لواصلین سید شاہ عبدالرزاق بانسوی قدس اللہ سرہ العزیز۔ شیخ طریقت و مرشد حقیقت حضرت استاذ الہند ملا نظام الدین فرنگی محلی قدس سرہ حضرت ملا کمال الدین فتحپوری قدس سرہ و حضرت شاہ محمد اسماعیل بلگرامی قدس سرہ و جمیع علمائے فرنگی محل وغیرہ کا تعزیہ کے ساتھ عمل جس کا احترام تمام عقیدتمندان حضرت سید صاحب قدس سرہ الاصفی کو لازم ہے۔

1- زیارت ضریح مبارک (جس کو تعزیہ کہتے ہیں) کے لیے حضرت کا تشریف لے جانا۔

2- حضرت سید الشہد اءامام علیہ السلام کا حکم پا کے عشرہ محرم میں ہر روز جانے کو لازم کر لینا۔

3- تعزیہ کے لیے فرمانا کہ کاغذ اور لکڑی نہ سمجھنا چاہیے بلکہ ارواح مقدس متوجہ ہوتی ہے۔

4- تعزیہ کی پیشوائی کرنا اور اپنے مکان پر لانا اور جب تک تعزیہ رہے دست بستہ کھڑے رہنا یہاں تک کہ ضعف پیری کے وقت بھی تکیہ دیوار سے یا لکڑی دے کے کھڑا رہنا۔

5- تعزیہ کے دفن میں شریک ہونا۔ یہی طریقہ حضرت کے فرزند حضرت شاہ غلام دوست محمد صاحب اور اُن کے فرزند غلام علی صاحب قدس سرہم کا تھا اور اب تک جاری ہے۔

اسمائے گرامی اُن علمائے فرنگی محل کے جن سے تعظیم تعزیہ کی منقول ہے۔

ملک العلماء حضرت مولانا بحر العلوم قدس سرہ۔ شیخ المشائخ حضرت مولانا انوار الحق قدس سرہ۔ استاذ الاساتذہ مولانا نور الحق قدس سرہ۔ حضرت مولانا عبد الاعلیٰ فرزند حضرت مولانا بحر العلوم قدس سرہ۔ حضرت مولانا عبد الواحد فرزند حضرت مولانا عبد الاعلیٰ قدس سرہ۔

نوٹ:

جن حضرات کو ان واقعات کی تصدیق منظور ہو وہ ملفوظ رزاقی اور رسالۃ الغراء فی جواز التعزیہ مصنفہ مولانا عبد الواحد نبیرہ حضرت مولانا بحر العلوم قدس سرہ دیکھیں یا اس پتہ پر تشریف

لا کر تصدیق کر سکتے ہیں۔ مولوی شیخ محمد الطاف الرحمٰن قدوائی ساکن بڑا گاؤں بارہ بنکی مقیم حال فرنگی ،لکھنو۔

التماس

جو مسلمان اس نیک کام میں شرکت کر کے ثواب حاصل کرنا چاہے وہ اس کی نقلیں چھپوا کرا پنے اپنے حلقہ میں شائع کرے۔

ہدایت

اہل سنت کو چاہیے کہ لا مذہبوں اور دہریوں اور غیر مقلدوں اور دیوبندیوں اور ندویوں کے فتوں سے بچیں اور علماء سلف کی پیروی کریں۔

افتراء اور غلط بیانی

فرنگی محل کے علماء میں سے مولانا عبدالقادر صاحب و مولانا حجت اللہ محمد شفیع صاحب پر افترئ ہے کہ انہوں نے تعزیہ داری کو حرام اور شدید ترین گناہ ہونے کو فتوئ دیا ہے۔ یا تعزیہ داری کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخت بیزاری کا باعث کہا ہے یا تعزیہ داری کو اسلام اور امام حسینؑ کے ساتھ دشمنی کا نام بتایا ہے یا محرم کی روشنی باجا اور جلوس کو یزید کے ساتھیوں کا کام کہا ہے ان حضرات نے خود ایک گروہ کے سامنے اقرار کیا ہے کہ ہم نے ان الفاظ کے ساتھ کوئی فتوئ نہیں دیا ہے۔

المشتہر

حاجی چودہری شبراتی نواب گنج محلہ بڑا چوک نے مسلمانان تعزیہ دار کی طرف سے شائع کیا۔'' (مطبوعہ اصح المطابع نھوی ٹولہ لکھنو)

مولوی صاحب: فرنگی محل لکھنؤ میں تو ہم اہل سنت کے بڑے بڑے علماء رہتے ہیں۔ وہ مخزن علماء اہل سنت ہے۔ البتہ اُن حضرات کا فتوئ بہت قابل قدر ہے۔

✿✿✿✿✿